یااللہ جل جلالہ　　　　یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم

علمِ تصوف و طریقت پر مشتمل کتاب مستطاب

مفتاح السلوک

گنجینۂ ادبیات، آداب المریدین گواہرات

جلد چہار ازدہم

از رشحات فیض قلم
قدوۃ العارفین العالم النبیل فقید المثیل
الشیخ الاستاذ المفتی
سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: مفتاح السلوک، جلد چہار از دہم

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: نومبر ۲۰۲۴ء بمطابق ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ

طباعت ثانی:

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ۱۲۳

[یہ مکتوب بھی مُلاطاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ ادائے نوافل اگرچہ حج ہی ہو اگر کسی فرض کے فوت ہونے کا سبب بنتا ہو تو وہ بھی لایعنی اور بے فائدہ اُمور میں داخل ہے۔

اَخوی اَرشدی (اپنے نام کی طرح ہمیشہ تعلقات کی میل کچیل سے پاک رہے) کا مکتوب موصول ہوا۔

اے برادر حدیث میں وارد ہے:

عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالیٰ عَنِ الْعَبْدِ اشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بندے سے اعراض کی علامت یہ ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول ومصروف ہو جائے۔[1]

فرائض میں سے کسی بھی فرض سے اعراض کرکے نوافل میں سے کسی نفلی عبادت میں مشغول ہونا لایعنی اور بے فائدہ ہے۔ لہٰذا اپنے احوال وافعال کی تفتیش کرتے رہنا ضروری ہے۔ تاکہ اس بات

---

[1] (رواہ سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنة، حدیث نمبر: ۳۹۷۶، سنن الترمذی، ابواب الزهد، باب نمبر ۱۱، حدیث نمبر: ۲۳۱۷، رواہ المنتقی شرح موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فی حُسن الخلق، ج۷، رواہ مسند الامام احمد بن حنبل، کتاب مسند اهل بیت رضوان رضی اللہ تعالی عنهم، باب حدیث الحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنهما، حدیث نمبر ۱۷۳۷، ج۳، رواہ صحیح ابن حبان، کتاب الوحی، باب ماجاء فی صفات المؤمنین، حدیث نمبر ۲۲۹، ج ۱، رواہ شرح السنة للبغوی، کتاب الرقاق، باب ترک الانسان لا یعنیه، حدیث نمبر ۴۱۳۲، ج۱۴، نے بالفاظ مختلفہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ)

کا پتہ رہے کہ میں کن کاموں میں مشغول ہوں نوافل میں یا فرائض میں۔ایک نفلی حج کی خاطر اتنے ممنوعات کا مرتکب ہونا اچھا نہیں۔

اچھی طرح ملاحظہ کرلیں:

اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْهِ الْاِشَارَةُ۔

ترجمہ: عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی رُفَقَاءِ کُمْ۔]

تشریح

تصوف وسلوک اور طریقت ایک ایسا شعبہ ہے جس میں ساری زندگی کا ایک مکمل ٹائم ٹیبل دے دیا گیا ہے، گویا یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں بلوغت سے لے کرتا دَمِ مَرگ زندگی گزارنے کے تمام قاعدے اور کُلیے بتا دیئے گئے ہیں اور دُنیاوی واُخروی نجات کو ان ہی قاعدوں پر عمل درآمد کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ تاریخِ اسلامی میں جتنے کامیاب وکامران اور قُربِ الٰہی رکھنے والوں کا ذکر ملتا ہے ان کی زندگیاں سلوک کے ان ہی ضابطوں کے مطابق گزرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے دُنیاوی زندگی کو اپنی مرضی کے ساتھ گزارا ہے یادِینی زندگی میں بزرگانِ دین کے بتائے ہوئے اصولوں کا اطلاق نہیں کیا، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایسے لوگوں کی ناکامی ونامُرادی کو بہت سارے مواقع پر ظاہر فرما کر گویا یہ واضح تعلیم دی ہے کہ کامیابی چاہتے ہو تو میرے مُقربین کی تعلیمات اور عملی زندگی کو اپنالو ورنہ ناکامی تمہاری منتظر ہے۔

اب ان اصولوں پر مختصراً نظر ڈالتے ہیں جن پر کاربند ہونا کم ازکم سالک کے لئے انتہائی لازمی وضروری ہے اور ان سے معمولی سی مخالفت بھی خطرے سے خالی نہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو جن اُمور کا مکلف کیا ہے ان میں سب سے پہلا اور ضروری اَمر ادائیگیٔ فرض ہے جس میں اجمالی طور پر نماز وروزہ اور زکوٰۃ وحج شامل ہے اور تفصیلی لحاظ سے کچھ دیگر اُمور بھی شامل ہیں، جن کی ادائیگی فرض کے زُمرے میں آتی ہے۔ دوسرا اَمر ادائیگیٔ واجبات ہے جن کی تفصیل تو لمبی ہے تاہم مثال کے طور پر مندرجہ ذیل اُمور واجبات میں داخل ہیں۔

نمازِ وَتر، نمازِ عیدین، قُربانی، کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنا، پڑوسیوں کے حقوق، عیادتِ مریض اور خدمتِ والدین وغیرہ وغیرہ۔

واجبات کے بعد تیسرے نمبر پر سُنتِ مؤکدہ پر عمل کرنا ہے اور سُنتوں کی تفصیل اس قدر ہے کہ ان کے بیان کے لئے ایک الگ کتاب لکھنے کی ضرورت ہے یہاں ان کی تفصیل ممکن نہیں تاہم دین کے بارے میں تھوڑا بہت علم رکھنے والوں کو بھی اتنا ضرور پتہ ہوتا ہے کہ کون سا کام سُنت ہے اور کون سا مخالفِ سُنت ہے۔

اس کے بعد مرتبہ اور ثواب کے لحاظ سے سُنتِ غیر مؤکدہ اور مستحب کا نمبر ہے اور مستحبات کی تفصیل بھی ایک الگ بحث ہے۔ مستحبات سے نیچے نوافل کا درجہ ہے اور نفلی عبادات میں بے شمار عبادتیں ہیں جو مال کی صورت میں بھی ہوسکتی ہیں اور بدنی عبادت کی صورت میں بھی اور دونوں کا مجموعہ بھی جیسے نفلی حج کی مثال ہے۔

یہ اُصول بھی ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ فرائض کی ادائیگی سب سے زیادہ ضروری ہے، یونہی واجبات کو ادا کرنا بھی لازمی ہے اور ان دونوں کے تارک کے بارے میں بڑی سخت سخت وعیدیں قرآن وحدیث میں وَارد ہوئی ہیں۔

سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا التزام کرنا بھی لازمی ہے لیکن فرائض وواجبات کے ساتھ ساتھ سُنتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی وہ روشن شاہراہ ہے جس کا ایک سِرا دُنیا میں ہے اور دوسرا سیدھا جنت میں۔ مستحبات پر عمل کرنا کارِ ثواب ہے لیکن اس کے تارک کو نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی اس کو شریعت کی پکڑ ہے اور یہی حال نوافل کا ہے۔ ان کے فضائل تو بے شمار ہیں لیکن ان پر کوئی اَمر ثابت نہیں، کیونکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے مطابق ''اَمر، تقاضائے وجوب کرتا ہے'' اگر نوافل کے بارے میں شَرع کا اَمر ہوتا تو پھر نفل، نفل نہ رہتا بلکہ فرض یا واجب کے زُمرے میں داخل ہو جاتا۔

اب آئیں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی اس تعلیم کی طرف جو اُنہوں نے اس مکتوب میں دی ہے کہ نوافل و مستحبات کی ادائیگی سے پہلے فرائض اور واجبات پر عمل کرنا لازمی وضروری ہے۔ اگر کوئی شخص فرائض یا واجبات میں تو کوتاہی کرتا پھرے لیکن نفلی اُمور کو اہتمام سے ادا کرے تو اس کی ایسی نفلی عبادات محض لایعنی اور بے فائدہ ہیں اور محض ان پر کسی فلاح وکامیابی کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ یہ مکتوب بالخصوص آج کے دور پر تو بالکل فٹ آتا ہے۔ فرض نماز میں سُستی وکوتاہی کے مرتکب صلوٰۃ التسبیح کو بڑے اہتمام سے باجماعت ادا کرتے ہیں حالانکہ اس کا کوئی ثبوت شرع شریف سے ثابت نہیں، بلکہ نفلی نماز کو باجماعت ادا کرنا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ لکھا ہے۔ دوسری طرف جن لوگوں پر حج فرض ہوتا ہے وہ اس فریضہ کو ادا کرنے کی بجائے ہر سال پابندی سے عُمروں کی ادائیگی میں مصروف رہتے ہیں۔ حالانکہ عُمرے سے کہیں زیادہ فرض حج کا حکم ہے۔ مزید جن صاحبِ حیثیت لوگوں پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے وہ فریضۂ زکوٰۃ تو ادا نہیں کرتے لیکن نفلی صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ قربانی کا واجب رہ جائے تو خیر کوئی بات نہیں،

لیکن شادی کے موقع پر دُلہن کی ڈولی کے آگے بیس ہزار کا بکرا ضرور ذبح ہونا چاہیئے تا کہ یہاں عزت بن جائے لیکن غیر شرعی حرکات کی وجہ سے آخرت میں ذلیل ہو جائیں تو خیر ہے۔

پھر یہ دیکھیں کہ نفس جو کہ مؤمن کا دُشمن ہے اس کی عاداتِ بَد سے چھٹکارا پانے کے لئے صحبتِ شیخ اختیار کرنا انتہائی ضروری ہے۔

کیونکہ حدیثِ قُدسی میں آیا ہے کہ:

عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِی۔

ترجمہ: اپنے نفس سے عداوت رکھ کیونکہ یہ میری دُشمنی پر کمربستہ ہے۔

لیکن اس ضرورت کی طرف کسی کا دھیان نہیں بلکہ تصوف کو بدعت کا نام دیا جارہا ہے اور جو بدعات ہیں اُنہیں کارِ ثواب سمجھ کر پوری ہمت و کوشش سے ادا کیا جارہا ہے۔ الغرض زندگی کے کسی شعبے میں مندرجہ بالا اُصول کو مدِ نظر نہیں رکھا جارہا اور جو شرعی اُمور ضروری نوعیت کے ہیں انہیں ثانوی حیثیت دی جارہی ہے۔

پس ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے پہلے فرائض وواجبات کو ادا کیا جائے اور عملی زندگی میں سُنتِ مطہرہ پر عمل درآمد ہو اس کے بعد اگر نفلی اُمور کو بھی وقت دے دیا جائے تو نور علیٰ نور۔ لیکن اس بات کو کوئی بھی صاحبِ عقل ودانش، عقلمندی نہیں کہے گا کہ فرائض کو تو سِرے سے ترک ہی کر دیا جائے اور نوافل کو فرائض کا درجہ دے دیا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

مَنْ تَهَاوَنَ بالأَدَبِ, عُوقِبَ بِحِرْمانِ السُّنَنِ، وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالسُّنَنِ, عُوقِبَ بِحِرْمانِ الْفَرَائِضِ، وَمَنْ تَهَاوَنَ بِالْفَرَائِضِ, عُوقِبَ بِحِرْمانِ الْمَعْرِفَةِ۔

ترجمہ: جو شخص مستحبات کو حقیر سمجھ کر چھوڑتا ہے وہ سُنتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے اور جو شخص سُنتوں کو حقیر سمجھ کر ترک کرتا ہے وہ فرائض کو تَرک کرنے کی سزا پاتا ہے اور جو شخص فرائض کو حقیر سمجھ کر تَرک کرتا ہے وہ معرفت سے محروم کر دینے کی سزا پاتا ہے۔[1]

پس اس ساری بحث کا لبِ لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح فقہاء کرام اور صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر کی درجہ بندی کی ہے ان پر عمل بھی اُسی طرح کیا جانا چاہیئے۔ اَولین ترجیح فرائض کو دی جائے اور واجبات پر عمل لازمی کیا جائے۔ اس کے بعد مسنون اعمال کئے جائیں اور جب روزانہ معمول میں ان کی ادائیگی سے سبکدوش ہو تو پھر نوافل کی طرف متوجہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ نفلی عبادات کی مصروفیت فرائض کی ادائیگی سے ہی محروم کر دے۔

(دارالمعــرفت، جلد سوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

لایعنی اُمور کے ترک کرنے کی ترغیب

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو نصیحت فرمارہے ہیں کہ فرائض کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہونا اگرچہ حج ہی کیوں نہ ہو، لایعنی امور میں سے ہے کیونکہ یہ اعلیٰ سے اعراض کرکے ادنیٰ میں اشتغال ہے۔ ایسے ہی سنت سے اعراض کرکے مستحباب میں مشغول ہونا اور واجب سے اعراض کرکے سنت میں مشغول ہونا اور فرائض سے اعراض کرکے واجب میں مشغول ہونا لایعنی اور بے کار اُمور ہیں جو حق تعالیٰ کے بندۂ مؤمن سے اعراض کی علامت ہے۔ جیسا کہ حدیث: عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالیٰ عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یَعْنِیْہِ۔[2] سے واضح ہے۔ اور لایعنی امور سے روگردانی

---

[1] (الجامع لشعب الإیمان، ج۴، ص ۵۵۹، الناشر: مکتبۃ الرشد بالریاض)
[2] (جوامع الکلم از حضرت امام علی متقی)

اور اعراض بندۂ مؤمن کے حسن اسلام پر دالّ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی (علٰی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ۔ [1] سے عیاں ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے اعلٰی سے اعراض اور ادنٰی میں اشتغال کو لا یعنی امور کہنے کی تین وجوہات معلوم ہوتی ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک حق تعالٰی کی معرفت بندۂ مؤمن پر واجب ہے اور کمال معرفت تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کے ساتھ مربوط ہے جس کے لئے کسی عارف کامل کی صحبت اختیار کرنا پڑتی ہے جو کسی نفلی حج وغیرہا جیسی عبادت کی وجہ سے ترک کرنا لایعنی اُمور میں سے ہے۔ کیونکہ صحبتِ شیخ کی بدولت انسان حسد، بخل وعجب وغیرہا جیسی صفات ردیہ سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے اور اس قسم کی صفات ذمیمہ اور اخلاق خبیثہ کا ترک کرنا واجبات میں سے ہے جو کسی شیخِ کامل کی توجہات قدسیہ سے ہی حاصل ہوتا ہے، نفلی عبادات سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ دراصل اسے لایعنی قرار دینا حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ کے قبیل سے مفہوم ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نفسِ امارہ حق تعالٰی کے ساتھ عداوت رکھتا ہے اس کی عداوت کو دوستی میں بدلنا اور اس کا تزکیہ کرنا واجبات میں سے ہے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی: عَادِ نَفْسَکَ فَإِنَّهَا اِنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ سے واضح ہے۔

بقول شاعر:

بایری روا گر در خانہ باشد کسے — میل بیرون چون کند دیوانہ باشد کسے

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۳۶۱، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

تیسری وجہ یہ ہے کہ سالک کا ایمان تقلیدی اور استدلالی ہوتا ہے جو عامۃ المسلمین اور علمائے ظواہر کا ایمان ہے جو کسی وقت بھی متزلزل ہو سکتا ہے۔ جبکہ کسی عارف کامل کی توجہاتِ قدسیہ اور صحبت کی بدولت سالک کو ایمانِ شہودی نصیب ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا (النساء۱۳۶) میں اسی ایمانِ شہودی کی تلقین فرمائی گئی ہے، جو ہر قسم کے خلل وزوال سے محفوظ ہوتا ہے، گو حُسنِ خاتمہ کی قطعیت نصوص کے ساتھ مربوط ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۴۹ تا ۴۵۱)

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ میں ہے:

نفل نماز باجماعت علی سبیل تداعی ادا کرنے کے بیان میں

قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷)

ترجمہ: جو کچھ یہ رسول ﷺ تمھیں دیں لے لو اور جس سے منع کر دیں اسے چھوڑ دو۔

ایک مسلمان کیلئے عبادات واحکام اور مسائل ومعاملات میں رسول ﷺ اور آپ کے اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال واعمال ہی بہترین نمونۂ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہی عمل بطورِ عبادت پسند ہے جو اس کے محبوبِ کریم ﷺ کے طریقہ مبارکہ کے مطابق اور تابع ہو اور ایسا عمل ہی قبولیت کے لائق ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ: (اے محبوب ﷺ) فرما دیجئے اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ (بھی) تمھیں دوست رکھے گا۔

اسی طرح قرآن حکیم میں اعمال کو ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے یعنی عبادات اور نیک اعمال کو ناپسندیدہ اور ممنوع طریقے سے ادا کر کے انہیں برباد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق اور تابع رہتے ہوئے امور بندگی کو بجالانا چاہیئے۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (محمد ۳۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے:

"من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد"۔

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالی جو اس میں سے نہ ہو وہ چیز مردود ہے۔[1]

عبادت اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت کو چھوڑ کر اپنی من مانی اختیار کرنا ہی وہ ناپسندیدہ عمل ہے جسے بدعت کہتے ہیں۔ آج کل اکثر مساجد میں نفل نمازوں کا باجماعت اہتمام پورے زور وشور سے کیا جانا بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔شب معراج، شب برات، اور لیلۃ القدر جیسی خاص راتوں میں "صلوٰۃ التسبیح" جیسی اہم انفرادی نماز کو اعلانات و اشتہارات کے ذریعے لوگوں کو بلا بلا کر باجماعت ادا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ فقہاء کرام نے نوافل کی جماعت اور اس کے لئے اعلان و اشتہار بازی کو "مکروہ تحریمی" قرار دیا ہے بغیر دعوت واعلان کے دو یا تین شخص امام کے ساتھ اگر نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کبھی تعلیم کیلیئے اور کبھی تبرکاً ایسی نماز نفل صحابی کے گھر میں ادا فرمائی ہے۔

---

[1] (متفق علیہ، مشکوٰۃ: ص: ۲۷)

جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

"ان جدته مليكة رضى الله تعالٰى عنها دعت رسول الله ﷺ بطعام صنعته فاكل منه، ثم قال: قوموا افاصلي لكم قال انس بن مالك رضى الله تعالٰى عنه فقمت الى حصير لنا قد اسود من طول ما لبس فنضحته بماء فقام عليه رسول الله ﷺ وصففت انا واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا فصلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين ثم۔۔۔ انصرف"۔

ترجمہ: ان کی دادی حضرت ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کی کھانا پکا کر دعوت کی۔ کھانا کھانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: چلو میں تم کو نماز پڑھاؤں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں ایک چٹائی لیکر آیا جو کثرت استعمال کیوجہ سے سیاہ ہو چکی تھی، میں نے اس کو پانی سے دھویا، پھر اس چٹائی پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور میں اور (ایک) یتیم آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور بڑھیا (ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہمارے پیچھے تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ہم کو دو رکعت نماز پڑھانے کے بعد تشریف لے گئے۔[1]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اس یتیم لڑکے کا نام ضمیر بن سعد الحمیری تھا اور بڑھیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم تھیں۔

صحیح بخاری و مسلم کی دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بعض اوقات فرض نماز کی جماعت بھی گھر میں کروائی ہے۔

اسی طرح تنہا یا باجماعت (دو یا تین مقتدیوں کے ساتھ) نوافل بھی آپ ﷺ نے گھر ہی میں ادا فرمائے ہیں۔

---

1 (صحیح مسلم: ج: ۱: ص: ۲۳۴)

حدیث پاک میں نوافل اور سنتیں گھر میں ادا کرنے کا حکم آیا ہے:

"عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما، عن النبی ﷺ قال: صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوھا قبورا"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھروں میں (نفل) نماز پڑھو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔[1]

سنن موکدہ، غیر موکدہ اور نوافل گھر میں پڑھنا سنت بھی ہے اور باعث اجر و ثواب بھی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ"۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو! بے شک آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے، سوائے فرائض کے۔[2]

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

"عن زید بن ثابت قال: قال رسول اللہ ﷺ۔ صلوٰۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوٰۃ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ"۔

ترجمہ: حضرت بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندے کیلئے (نفل) نماز اپنے گھر میں ادا کرنا میری اس مسجد میں ادا کرنے سے بھی افضل ہے، سوائے فرائض کے۔[3]

---

[1] (صحیح مسلم: ج: ۱: ص: ۲۶۵)
[2] (صحیح بخاری: ج: ۱: ص: ۱۰۱: مطبع کراچی)
[3] (رواہ ابو داود والترمذی مشکوۃ: ص: ۱۱۵: فتاویٰ رضویہ: ص: ۴۱۱)

شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''نوافل کو تنہائی اور پوشیدگی میں ادا کرنے کی اہمیت وفضیلت بتانے کیلئے حضورِ اکرم ﷺ نے بطورِ مبالغہ یوں ارشاد فرمایا ہے، اور آنحضرت ﷺ کی مسجد میں ایک نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے جو اس کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کی جائیں علاوہ مسجد الحرام کے۔ نفل اخلاص وللّٰہیت کیلئے ہیں لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان میں نمائش کا پہلو نہ ہو اور لوگوں کی نظر سے چھپ کر ادا کئے جائیں اور فرائض کی بنیاد فروغِ دین اور شعائرِ اسلامی کے اظہار پر ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں علی الاعلان ادا کیا جائے''۔ [1]

یہ ارشاد چونکہ تراویح کی چند شب ادائیگی کے موقع پر فرمایا گیا تھا، اس لئے بعض صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک تراویح کی نماز بھی گھر میں پوشیدہ ادا کرنا افضل ہے۔ البتہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جمہور ائمہ کے نزدیک فضیلت باجماعت تراویح مسجد میں ادا کرنے میں ہی ہے۔ [2]

مسئلہ: ایسے ہی یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ جن لوگوں کی سابقہ فرض نمازیں قضا ہو چکی ہوں ان کا نوافل میں مشغول ہونا درست نہیں۔ ایسے حضرات کو چاہئے کہ پہلے اپنی پچھلی فرض نمازیں ادا کریں، پھر نفلی نمازیں پڑھیں، کیونکہ فقہائے کرام فرماتے ہیں:

''نفل بغیر فرض کے دھوکہ ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود ہے جبکہ فرض کے ترک کا عذاب گردن پر موجود ہے''۔

---

[1] (مشکوۃ: ص: ۱۱۵)

[2] (اشعۃ اللمعات: حصہ: ۱: ص: ۵۴۶)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

’’اے عزیز فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ، قرض ادا نہ کیا جائے اور اوپر اوپر سے بیکار تحفے بھیجے جائیں، تو کیا وہ قابلِ قبول ہونگے؟ خصوصًا اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے‘‘۔

مزید نقل کرتے ہیں:

’’جب خلیفۂ رسول اللہ ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا تو آپ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر! اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انہیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں ہیں اگر انہیں دن میں کرو تو قبول نہیں ہوں گے اور خبر دار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کر لیا جائے‘‘۔ [1]

حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم، مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملۃ والدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کیلئے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے فرماتے ہیں:

’’اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کیلئے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہو اور بادشاہ کے غلام کی خدمت گاری میں لگا رہے‘‘۔

---

[1] (فتاوی رضویہ: ج: ۴: ص: ۴۳۷، ۴۳۶)

پھر حضرت امیر المؤمنین سیدنا مولیٰ علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں:

''ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا، جب بچہ ہونے کے دن قریب آئے اسقاط ہو گیا اب نہ وہ حاملہ ہے نہ بچے والی''۔

حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا فرمان بھی ''فتوح الغیب'' میں نقل کرتے ہیں:

''فان اشتغل بالسنن و النوافل قبل الفرائض لم یقبل منہ و اھین''۔

ترجمہ: یعنی اگر فرائض چھوڑ کر سنن ونوافل میں مشغول ہو گا تو وہ قبول نہیں ہوں گے الٹا وہ خوار کیا جائے گا۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''جو چیز لازم وضروری ہے اسے چھوڑ دینا اور غیر ضروری کا اہتمام کرنا عقل وشعور سے دور ہے، کیونکہ عقل مند شخص کی نظر میں تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بہ نسبت نفع بخش چیز کے حصول کے زیادہ ضروری ہے بلکہ حقیقی نفع اسی صورت میں ممکن ہے''۔[1]

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر صدیقی سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت شیخ خواص کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ نوافل کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک کہ فرض ادا نہ کئے جائیں''

---

[1](فتاوی رضویہ: ج: ۴: ص: ۴۳۷)

اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں فرماتا ہے:

''تمہاری مثال اس بُرے بندے کی ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے ہدیہ پیش کرتا ہے''۔ [1]

صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت

صلوٰۃ التسبیح ایک نفلی عبادت ہے، جس کی فضیلت اور اجر و ثواب کا بیان حدیث شریف میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: "يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ أَلَا أُعْطِيكَ، أَلَا أَمْنَحُكَ، أَلَا أَحْبُوكَ، أَلَا أَفْعَلُ لَكَ عَشْرَ خِصَالٍ، إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذَلِكَ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَقَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ وَخَطَأَهُ وَعَمْدَهُ وَصَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ وَسِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ عَشْرُ خِصَالٍ: أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ، فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ قُلْتَ وَأَنْتَ قَائِمٌ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُ، وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، فَذَلِكَ خَمْسَةٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، تَفْعَلُ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا! اے عباس: اے چچا جان! کیا میں آپ کو عطا نہ کروں؟ کیا میں آپ کو نہ نوازوں؟ کیا میں آپ پر نوازشات نہ کروں؟ کیا میں

---

[1] (عوارف المعارف: مترجم: ص: ۴۷۵)

آپ کو ایسی دس چیزوں سے آگاہ نہ کروں کہ جب آپ ان کو سر انجام دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے، نئے پرانے، دانستہ نادانستہ، چھوٹے بڑے، خفیہ اور اعلانیہ تمام گناہ معاف فرما دے۔ وہ دس امور یہ ہیں: کہ آپ چار رکعت نماز پڑھیں، جس کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورۃ پڑھیں، قراءت کے بعد پہلی رکعت کے قیام میں پندرہ بار۔۔۔سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ پڑھیں، پھر رکوع کریں اور دس بار ایسا ہی پڑھیں، پھر رکوع سے سر اٹھائیں اور دس بار یہی پڑھیں، پھر سجدے میں جھک جائیں اور حالتِ سجدہ میں ایسے ہی پڑھیں، یوں ایک رکعت میں پچھتر (۷۵) بار پڑھا جائے گا۔ چاروں رکعتوں میں اس طرح کریں۔ اگر ہو سکے تو یہ نماز ہر روز ایک بار پڑھیں اور اگر نہ ہو سکے تو ہر ہفتہ میں ایک بار اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینہ میں ایک بار اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی عمر میں ایک بار پڑھو۔ [1]

جامع ترمذی میں درج ذیل الفاظ اس روایت میں زائد ہیں:

”لو کانت ذنوبک مثل رمل عالج غفرھا اللہ لک“۔

ترجمہ: اگر تمہارے گناہ ریت کے ذرّات جتنے بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ تمہارے ان گناہوں کو بخش دے گا۔ اسی طرح ترمذی میں ”فی کل سنۃ“ (ہر سال میں ایک مرتبہ) کے الفاظ بھی وارد ہیں۔

---

[1] (سنن ابن ماجہ:ج: ۱:ص:۴۴۳: رقم:۱۳۸۷: الجامع الترمذی عن ابی رافع:ج:۱:ص: ۱۰۹: ابو داؤد: البیہقی: مشکوٰۃ:ص:۱۱۷)

صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ

امام ترمذی نے حضرت سیدنا عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلوٰۃ التسبیح کی ادائیگی کا درج ذیل طریقہ روایت کیا ہے:

قال۔یکبر ثم یقول سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولا الہ غیرک، ثم یقول خمس عشرۃ مرۃ۔۔۔سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَكْبَرُ ثم یتعوذ ویقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وفاتحۃ الکتاب وسورۃ،ثم یقول عشر مراۃ۔۔۔سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَكْبَرُ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھ کر پندرہ بار **سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَكْبَرُ** پڑھے۔پھر تعوذ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھے اور کوئی سورۃ تلاوت کرے۔ اس کے بعد دس بار تسبیح (تیسرا کلمہ) پڑھے۔ ایسے ہی آخر تک چار رکعتیں مکمل کرے۔[1]

ابن ابی رزمہ کہتے ہیں:

میں نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اگر نمازی سے اس نماز میں سہو (غلطی) ہو جائے تو کیا وہ سجدہ سہو میں دس دس بار تسبیح پڑھے؟

"قال لا انما ھی ثلثمائۃ تسبیحۃ"۔

تو انہوں نے فرمایا: نہیں یہ نماز بس تین سو تسبیحات پر مشتمل ہے۔[2]

---

[1] (ترمذی:ص:۱۰۹)

[2] (ترمذی:ج:۱:ص:۱۱۰)

عظیم حنفی فقیہہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

"وھٰذہ الصفۃ التی ذکرھا ابن المبارک ھی التی ذکر فی مختصر البحر وھی الموافقۃ لمذھبنا لعدم الاحتیاج فیھا الی جلسۃ الاستراحۃ اذھی مکروھۃ عندنا"۔

ترجمہ: حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد فرمودہ طریقہ وہی ہے جو مختصر البحر الرائق میں نقل کیا گیا ہے اور یہ ہمارے مذہب حنفی کے مطابق ہے کیونکہ اس میں جلسہ ٔاستراحت کی حاجت باقی نہیں رہتی جو کہ ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک مکروہ ہے۔ [1]

ترمذی شریف کے حاشیہ میں ہے:

"نمازی کو چاہیئے کہ کبھی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کے مطابق عمل کرے اور کبھی عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمان پر عمل کرے اور اس نماز کو زوال کے بعد ظہر سے پہلے ادا کرے اور اس کی رکعتوں میں کبھی بالترتیب سورۃ زلزال، العادیات، سورۃ النصر اور سورۃ اخلاص پڑھے۔ اور کبھی سورۃ التکاثر، کافرون اور اخلاص تلاوت کرے۔ اور دعا تشہد کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے پڑھے پھر سلام پھیر کر اپنی حاجات طلب کرے۔ ہمارے بیان کردہ یہ امور سنت سے ثابت ہیں"۔

احیاء العلوم میں ہے اگر لا حول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کے الفاظ کا اضافہ کرے تو اچھا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نماز کو جمعہ کے دن زوال کے بعد ادا کرتے تھے۔ متقدمین اور متاخرین کا اس حدیث کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابن خزیمہ اور امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے اسے حسن کہا ہے، امام عسقلانی رحمۃ اللہ

---

[1] (حلبی کبیر: ص: ۴۳۲: مطبوعہ سھیل اکیڈمی لاھور)

تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں درج کر کے برا کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے، کہ وہ صلوٰۃ التسبیح کے آخر میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے:

"اللّٰھم انی اسئلک توفیق اھل الھدی و اعمال اھل الیقین و مناصحۃ اھل التوبۃ و عزم اھل الصبر حذر اھل الخشیۃ و طلب اھل الرغبۃ و تعبد اھل الورع و عرفان اھل العلم حتیٰ اخافک۔ اللّٰھم انی اسئلک مخافۃ تحجزنی عن معاصیک حتی اعمل بطاعتک عملا استحق بہ الرضا و حتی اناصحک فی التوبۃ خوفا منک و حتی اخلص لک النصیحۃ حبّالک و حتی التوکل علیک فی الامور کلھا و حسن ظن بک سبحان خالق النور"۔ [1]

مسئلہ: صلوٰۃ التسبیح دن کے وقت ادا کرنا مسنون اور باعث اجر و ثواب ہے۔ آدھی رات کے وقت مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کھول کر اعلانیہ اس نماز کو ادا کرنا نوافل کے روح کے منافی ہے۔ اور اگر اس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے تو سخت ناجائز اور ممنوع ہے۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں: "جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ باآواز پڑھنے سے اس کی نماز یا نیند میں خلل آئے گا وہاں قرآن مجید و وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے (حتیٰ کہ) مسجد میں جب اکیلا تھا اور باآواز پڑھ رہا تھا جس وقت کوئی شخص نماز کے لئے آئے فوراً آہستہ ہو جائے" **و اللہ تعالیٰ اعلم۔** [2]

---

[1](حاشیۃ ترمذی:ص:۱۱۰:اشعۃ اللمعات:ج:۱:ص:۵۵۱)

[2](فتاویٰ رضویہ جلدسوم:ص:۹۱۲)

مسئلہ: شبینہ کہ ایک یا چند حافظ ملکر کرتے ہیں مکروہ ہے، اکابر نے ایک ایک رات میں بر سوں ختم فرمایا ہے مگر وہ خالص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصًا اکثر بلکہ شاید تمام وہی ہوں جو اسے بوجھ سمجھیں اور شرما شرمی میں شریک ہوں۔

حدیث صحیح میں ہے:

"اذا ام احدکم فلیخفف"۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی امامت کروائے تو ہلکی نماز پڑھائے۔[1]

نوافل کی جماعت مکروہ ہے

نفل کے معنی اضافی اور زائد کے ہیں اصطلاحِ شرع میں فرائض وواجبات اور سنن مؤکدہ کے علاوہ دیگر عبادات کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اذان اور جماعت چونکہ فرائض کے ساتھ خاص ہیں۔ اس لئے غیر فرض کو اعلان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا شریعتِ اسلامیہ میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ تراویح اور رمضان میں وتر کی جماعت اپنے مخصوص احکام کے باعث اس سے مستثنیٰ ہے۔

صلوٰۃ التسبیح اور دیگر تمام نفلی عبادات بجائے اعلان واشتہار کے تنہا خفیہ اور گھروں میں ادا کی جانی چاہئیں تاکہ ان کے اصل مقصود یعنی قربِ الٰہی کے حصول کی صورت میسر آسکے۔

ہمارے ائمہ احناف اور فقہائے عظام نے نوافل کی جماعت اور اس کیلئے اعلان واشتہار بازی کو "مکروہ تحریمی" قرار دیا ہے۔ بغیر دعوتِ اعلان کے دو یا تین افراد امام کے ساتھ اگر نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔

---

[1](فتاویٰ رضویہ جلدسوم:ص:۵۰۳)

آیئے فقہائے کرام اور ائمہ ملت کے ارشادات کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں:

الامام الحافظ المجتہد الربانی محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"قلت وتری فی کسوف القمر صلٰوۃ؟ قال نعم الصلٰوۃ فیہ حسنۃ۔ قلت فھل یصلون جماعۃ کما یصلون فی کسوف الشمس؟ قال۔ لا۔ قلت فھل تکرہ الصلٰوۃ فی التطوع جماعۃ ما خلا قیام رمضان وصلٰوۃ کسوف الشمس؟ قال۔ نعم۔ و لا ینبغی ان یصلی فی کسوف الشمس جماعۃ الا الامام الذی یصلی الجمعۃ فاما ان یصلی الناس فی مساجدھم جماعۃ فانی لا احب ذلک، و لیصلوا وحدانا"۔

ترجمہ: میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ ایسے میں نماز پڑھنا اچھا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا اسے سورج گرہن کی طرح جماعت سے پڑھا جائے؟ تو امام صاحب نے فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا: کیا آپ تراویح اور کسوف شمس (سورج گرہن) کے علاوہ نفل نمازوں کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہاں اور مناسب نہیں کہ سورج گرہن کی نماز سوائے امام جمعہ کے کوئی اور پڑھائے مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اس نماز کو اپنی مساجد میں جماعت سے پڑھیں اور اگر ایسا ہو تو چاہیئے کہ الگ الگ ادا کریں۔[1]

---

[1](باب الصلٰوۃ الکسوف: ج: ۱ : ص: ۴۴۳: مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ وحیدر آباد دکن: الھند)

اسی طرح نفل باجماعت ادا کرنے کے بارے میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''مذہبِ حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کر کے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھنا مکروہ ہے''۔ [1]

البنایۃ فی شرح الھدایۃ:

صاحب البنایۃ لکھتے ہیں:

صلٰوۃ النفل بالجماعۃ مکروھۃ ماخلا قیام رمضان و صلٰوۃ الکسوف۔

ترجمہ: نفل جماعت کے ساتھ رمضان شریف کے علاوہ اور صلٰوۃ کسوف کے علاوہ باقی سب مکروہ ہیں۔

ردالمحتار علی الدر المختار: حاشیہ ابن عابدین:

''ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان۔ ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی وان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ''۔

ترجمہ: یعنی وتر اور نفل کی جماعت رمضان شریف کے علاوہ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اور اگر ہمیشگی کے ساتھ ہو تو بدعت مکروہ ہے۔

وفی الاشباہ عن البزازیۃ:

''یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ رغائب۔ھی التی فی رجب فی اول لیلتی جمعۃ منہ۔ وبراءۃ۔ ھی لیلۃ النصف من شعبان۔ وقدر الظاھر ان المراد بھا لیلۃ السابع والعشرین من رمضان''۔

ترجمہ: اور اشباہ نے بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ صلٰوۃ الرغائب وبراءۃ وقدر میں اقتدا مکروہ ہے یعنی ان کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔ [1]

---

[1] (وقار الفتاوی: ج: ۲: ص: ۲۲۶)

۱۷۲۳: ”ولا یصلی تطوعًا بجماعة الا قیام رمضان لما روی عن رسول اللهﷺ ان قال: صلٰوة المرء فی بیته افضل من صلٰوته فی المسجد الا المکتوبة (مشکٰوة: ص: ۱۱۴) ولو جاز اداء النافلة بالجماعة لکان اداء ھا فی المسجد افضل کما فی المکتوبة ولان الجماعة لاظھار الشعائر فیختص بالمکتوبات“۔

۱۷۲۴: ”وحکی عن الشیخ الامام الاجل شمس الائمة السرخسی رحمة اللہ تعالٰی علیه ان التطوع بالجماعة انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما اذا اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدی ثلاثة بواحد ذکر ھو رحمة اللہ تعالٰی علیه ان فیه اختلاف المشائخ قال بعضھم یکرہ وقال بعضھم لا یکرہ واذا اقتدی اربعة بواحد یکرہ بلا خلاف“۔

ترجمہ: نماز نفل جماعت کے ساتھ ادا نہ کئے جائیں سوائے رمضان کے (مراد اس سے تراویح ہے نہ کہ دوسرے نوافل) اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندے کیلئے (نفل) نماز اپنے گھر میں ادا کرنا میری اس مسجد میں ادا کرنے سے بھی افضل ہے سوائے فرائض کے۔ اگر نفل کی جماعت جائز ہوتی تو اس کا ادا کرنا مسجد میں افضل ہوتا۔ جیسے کہ فرائض میں۔ اس لئے کہ جماعت شعائر کے اظہار کیلئے ہے اور یہ شعائر اسلام خاص ہیں فرضوں کے ساتھ اور شمس الائمہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت ہے کہ نفل باجماعت مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو۔ اگر ایک کے پیچھے ایک یا ایک کے پیچھے دو کا اقتداء ہو تو مکروہ نہیں اگر ایک کے پیچھے تین ہوں تو شمس الائمہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے۔ اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو سب کے نزدیک مکروہ ہے بلا خلاف۔

”النفل بالجماعة بما شاؤوا یکرہ“۔

[1] (المحیط البرھانی: ج: ۲ ص: ۲۶۴: ۲۵۰) تالیف الامام برھان الدین ابی المعالی محمود بن صدر الشریعة ابن مازہ البخاری رحمة اللہ تعالٰی علیه: ۵۵۱ھ: ۶۱۶ھ

ترجمہ: یعنی نفل نماز جماعت کے ساتھ جیسے بھی ہو مکروہ ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں نوافل کو تنہائی اور پوشیدگی میں ادا کرنے کی اہمیت وفضیلت بتانے کیلئے حضور اکرم ﷺ نے بطور مبالغہ یوں ارشاد فرمایا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی مسجد میں ایک نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ جو اس کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کی جائے علاوہ مسجد الحرام کے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نوافل کی مشروعیت چونکہ قربِ الٰہی کے حصول اور اظہارِ اخلاص وللّٰہیت کیلئے ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان میں نمائش کا پہلو نہ ہو۔ اور لوگوں کی نظر سے چھپ کر ادا کئے جائیں اور فرائض کی بنیاد فروغِ دین اور شعائرِ اسلامی کے اظہار پر ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں علی الاعلان ادا کیا جائے۔ [1]

كتاب الفقه على المذاهب الاربعة

صلٰوة النافلة فی المنزل افضل لقول علیه الصلٰوة و السلام: "صلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل الصلٰوة صلٰوة المرء فی بیته الا المکتوبة" (رواه البخاری ومسلم ویستثنی النافلة التی شرعت لها الجماعة کالتراویح)۔

ترجمہ: نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ بیشک آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے سوائے فرائض کے اور اس سے مستثنیٰ ہے وہ نوافل جس کیلئے جماعت شروع کی گی ہے۔ جیسے کہ تراویح۔ [2]

---

[1] (اشعة اللمعات شرح مشكوة شريف: ج: ١ ص: ٥٨٤)

[2] (تاليف عبدالرحمٰن الجزيرى: الجزء الاول: ص: ٣٣٨)

شرح الیاس میں ہے

شمس الائمہ فرماتے ہیں:

"التطوع بالجماعة انما یکرہ علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد واثنان بواحد لا یکرہ فان اقتدی ثلاث بواحد اختلف فیہ وان اقتدی اربعة بواحد کرہ اتفاقًا"۔

ترجمہ: یہ مبارک فرماتے ہیں نفل جماعت اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اگر ایک کے پیچھے ایک یا ایک کے پیچھے دو اقتدا کریں تو مکروہ نہیں ہے۔ اگر ایک کے پیچھے تین ہوں تو اس میں اختلاف ہے اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو اتفاقاً مکروہ ہے۔ [1]

الفتاوی الوالوالجیہ میں ہے

الامام الفقیہ ابی الفتح ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہ ابن عبد الرزاق الوالوجی لکھتے ہیں:

"وصلوٰة التطوع بالجماعة لیست بمستحبة"۔

ترجمہ: نفل نماز باجماعت مستحب نہیں۔ [2]

منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی میں ہے:

"والجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروہ فالاحتیاط ترکھا"۔

رمضان شریف کے علاوہ نفل باجماعت مکروہ ہے احتیاط اس میں ہے کہ نفل باجماعت ادا نہ کئے جائیں۔ [3]

---

1 (شرح الیاس ص: ۷۳: طبع بمطبع فتح الکریم الواقع فی البمبئی)

2 (الفتاوی الوالوالجیة: ج: ۱ ص: ۱۱۷)

3 (منیة المصلی مع التعلیق المجلی، للفقیہ المحدث العلامة وصی احمد السورتی رحمة اللہ تعالٰی علیہ: ص: ۴۰۶: حاشیہ: ۳)

المبسوط لشمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والاصل فی التطوع اداءھا فرادی"۔

ترجمہ: یعنی اصل نفل نماز تنہا پڑھنا ہے۔[1]

"والاصل فی التطوعات ترک الجماعۃ فیھا ما خلا قیام رمضان لاتفاق الصحابۃ علیہ وکسوف الشمس لورود الاثر بہ الاتری ان مایؤدی بالجماعۃ من الصلٰوۃ یؤذن لھا ویقام ولا یؤذن للتطوعات ولا یقام فدل انھا لاتودی بالجماعۃ"۔

ترجمہ: نوافل کی اصل یہ ہے کہ اس میں جماعت کو ترک کیا جائے سوائے تراویح کی نماز کے کیونکہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اتفاق ہے اور نماز کسوف (سورج گرہن) کیونکہ اس کے بارے میں اقوال صحابہ وارد ہوئے ہیں۔ آیا تم نہیں دیکھتے کہ نماز باجماعت کیلئے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ نفل کیلئے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی۔ تو یہ بات دلالت کرتی ہے اس پر کہ نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا نہ کی جائے۔[2]

شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"ولنا ان الاصل فی النوافل الاخفاء فیجب صیانتھا عن الاشتھار ما امکن وفیما قالہ الخصم اشھار فلا یعمل بہ بخلاف الفرائض لان مبناھا علی الاعلان والاشھار وفی الجماعۃ اشھار فکان احق یوضح ما قلنا ان الجماعۃ لو کانت مستحبۃ فی حق النوافل لفعلہ المجتھدون القائمون باللیل لان کل صلٰوۃ جوزت علی وجد الانفراد وبالجماعۃ کانت الجماعۃ فیھا افضل ولم ینقل اداؤھا بالجماعۃ فی عصرہ ﷺ ولا فی زمن الصحابۃ

---

[1] (المبسوط للسرخسی، ج: ۱: ص ۷۵، باب صلوٰۃ الکسوف، مکتبہ دار الفکر)

[2] (المبسوط للسرخسی، ج: ۱: ص ۷۶، باب صلوٰۃ الکسوف، مکتبہ دار الفکر)

رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ولا فی زمن غیرھم من التابعین فالقول بھا مخالف للامۃ اجمع وھٰذا باطل"۔

ترجمہ: ہمارا موقف یہ ہے کہ نوافل کی بنیاد اخفا (پوشیدگی) پر ہے لہٰذا اس کو اظہار واشتہار سے ہر ممکن طور پر بچانا واجب ہے اور وہ جو قول مخالف اس بارے میں اظہار کا ہے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں فرائض کی مخالفت ہے کیونکہ فرائض کی بنیاد اعلان واظہار پر ہے اور جماعت میں اظہار کا پہلو ہے اور فرائض اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ ہماری بات سے واضح ہوا کہ اگر جماعت کی نماز مستحب ہوتی تو شب زندہ دار مجتہدین اس کا اہتمام کرتے۔ کیونکہ ہر وہ نماز جس میں جماعت اور انفرادیت دونوں جائز ہوں تو اسے جماعت سے ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی روایت نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ مبارکہ میں اس نماز کو باجماعت ادا کیا گیا ہو نہ ہی صحابہ کرام اور ان کے علاوہ تابعین کے عہد میں ایسا ہوا ہو لہٰذا نوافل کی جماعت اجماعِ امت کے خلاف ہونے کے باعث باطل ہے۔[1]

الشیخ الاجل والامام الاکمل الفقیہ الامجد طاھر بن عبدالرشید البخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

"ولو زاد علی العشرین بالجماعۃ یکرہ عندنا بناء علی ان صلٰوۃ التطوع بالجماعۃ مکروہ"۔

ترجمہ: اگر نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کے ساتھ اگر بیس سے زیادہ ہو جائے تو یہ مکروہ ہے یہ بات بناء ہے اس پر کہ نفل نماز باجماعت مکروہ ہے۔[2]

"ولا یصلی التطوع بجماعۃ الا فی شہر رمضان وعن شمس الائمۃ السرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحدًا

[1] (المبسوط للسرخسی، ج:۲:ص ۱۴۴، کتاب التراویح، الفصل الاول فی عدد الرکعات، مکتبہ دار الفکر)
[2] (خلاصۃ الفتاوی: ج: ۱ :ص ۶۳، الفصل الثالث فی التراویح)

واثنان بواحد یکرہ واذا اقتدی ثلثة بواحد اختلف فیه وان اقتدی اربعة بواحد کرہ اتفاقا الاقتداء فی الوتر خارج رمضان یکرہ وذکر القدوری لا یکرہ واصل هٰذا ان التطوع بالجماعة اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ وفی الاصل للصدر الشهید رحمة اللّٰہ تعالیٰ علیه اما اذا صلوا بجماعة بغیر اذان واقامة فی ناحیة المسجد لا یکرہ وقال شمس الائمة الحلوانی رحمة اللّٰہ تعالیٰ علیه ان کان سوی الامام ثلاثة لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ"۔

ترجمہ: نماز نفل سوائے رمضان (تراویح) کے باجماعت ادا نہ کیا جائے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ نوافل کی جماعت اگر اعلان واشتہار سے ہو تو مکروہ ہے البتہ ایک یا دو مقتدی اگر ایک شخص کے پیچھے پڑھیں تو مکروہ نہیں اور اگر تین افراد ایک کی اقتدا کریں تو اس میں اختلاف ہے اور اگر چار افراد ایک امام کے پیچھے پڑھیں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔[1]

رمضان المبارک کے علاوہ وتر کی جماعت بھی مکروہ ہے

امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں اس کی اصل یہ ہے کہ نوافل کی جماعت اگر تداعی اعلان واشتہار سے ہو تو مکروہ ہے۔ "کتاب الاصل لصدر الشہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" میں ہے البتہ اگر بغیر اذان واقامت اعلان واشتہار کے مسجد کے کونے میں جماعت سے پڑھے تو مکروہ نہیں۔

امام شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں اور چار میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

---

[1] (خلاصة الفتاوی: ج: ۱: ص ۱۵۳، الفصل الخامس عشرة فی الامامة والاقتداء)

کتاب الاصل المعروف بالمبسوط

الحافظ المجتہد الربانی ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

”قلت: وتری فی کسوف القمر صلٰوۃ؟ قال نعم الصلٰوۃ فیہ حسنۃ قلت فھل یصلون جماعۃ کما یصلون فی کسوف الشمس؟ قال لا قلت فھل تکرہ الصلٰوۃ فی التطوع جماعۃ ما خلا قیام رمضان وصلٰوۃ کسوف الشمس؟ قال نعم ولا ینبغی ان یصلی فی کسوف الشمس جماعۃ الا الامام الذی یصلی الجمعۃ، فاما ان یصلی الناس فی مساجدھم جماعۃ فانی لا احب ذلک، ولیصلوا وحدانا“۔

ترجمہ: میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا! کیا آپ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! ایسے میں نماز پڑھنا اچھا ہے۔ میں نے پوچھا کیا اسے سورج گرہن کی نماز کی طرح جماعت سے پڑھا جائے؟ تو امام صاحب نے فرمایا: نہیں! میں نے پوچھا۔ کیا آپ تراویح اور کسوف شمس (سورج گرہن) کے علاوہ نفل نمازوں کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہاں! اور مناسب نہیں کہ سورج گرہن کی نماز سوائے امام جمعہ کے کوئی اور پڑھائے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اس نماز کو اپنی مساجد میں جماعت سے پڑھیں اور اگر ایسا ہو تو چاہیئے کہ الگ الگ ادا کریں۔ [1]

الامام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ الملقب بملک العلماء فرائض ونوافل کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ومنھا ان الجماعۃ فی التطوع لیست بسنۃ الا فی قیام رمضان وفی الفرض واجبۃ او سنۃ مؤکدۃ لقول النبی ﷺ صلٰوۃ المرء فی بیتہ افضل من صلٰوتہ فی مسجدہ الا المکتوبۃ

---

[1] (المبسوط،:ج: ۱ :ص: ۴۴۳:،باب الصلٰوۃ الکسوف)

وروی ان النبی ﷺ کان یصلی رکعتی الفجر فی بیته ثم یخرج الی المسجد و لان الجماعة من شعائر الاسلام و ذلک مختص بالفرائض او الواجبات دون التطوعات و انما عرفنا الجماعة سنة فی التراویح بفعل رسول اللہ ﷺ و اجماع الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم اجمعین"۔

ترجمہ: ایک اور فرق یہ ہے کہ نفل نماز سوائے رمضان المبارک کے دوسرے ایام میں با جماعت ادا کرنا جائز نہیں ہے جبکہ فرض نمازوں میں جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: فرض نمازوں کے سوا باقی تمام نمازیں مرد کیلئے گھر میں ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے افضل ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز فجر کی دو رکعات اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے پھر آپ مسجد کی طرف نکلتے تھے علاوہ ازیں اس لئے بھی کہ جماعت شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ لہٰذا وہ فرائض یا واجبات کے ساتھ مخصوص ہو گی نہ کہ نوافل کے ساتھ اور نماز تراویح کا باجماعت ادا کرنا مسنون ہے تو وہ اس لئے کہ اسے جماعت سے پڑھنے کا طریقہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اجماع سے معلوم ہوا ہے۔[1]

امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی کی شرح کے حاشیہ میں ہے:

"ان نفس التراویح سنة و اداؤها بجماعة مستحب قال فی البدائع اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوها ثانیا یصلون فرادی لا بجماعة لان الثانیة تطوع مطلق و التطوع المطلق بجماعة مکروه"۔

---

[1] (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع تالیف، ج: ۱ ص: ۲۹۸، الناشر: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

ترجمہ: تراویح بذات خود سنت ہے اور اسے باجماعت ادا کرنا مستحب ہے۔ صاحب بدائع الصنائع کہتے ہیں: جب تراویح کی نماز ادا کر چکیں اور پھر دوبارہ پڑھنا چاہئیں تو انفرادی طور پر ادا کریں نہ کہ با جماعت کیونکہ دوسری بار پڑھنا نفل مطلق ہے اور نوافل مطلق کو باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔[1]

امام عبد الرحمٰن بن شیخ محمد المدعو بشیخ زادہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں لکھتے ہیں:

"(ویوتر) ای یصلی الوتر (بجماعة فی رمضان فقط) لانعقاد الاجماع علیه کما فی الهداية وفيه اشارة الى انه لا يوتر بجماعة فی غیر شهر رمضان لانه نفل من وجه والجماعة فی النفل فی غير رمضان مكروه"۔

ترجمہ: یعنی وتر کی نماز صرف رمضان میں باجماعت ادا کریں کیونکہ اس پر اجماع واقع ہو چکا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ رمضان کے علاوہ وتر جماعت سے نہ پڑھیں کیونکہ یہ ایک اعتبار سے نفل ہے اور نفل کی جماعت رمضان (تراویح) کے علاوہ مکروہ ہے۔[2]

الفتاوی الغیاثیة

حجۃ الاسلام الامام الکبیر مولانا الشیخ داؤد ابن یوسف الخطیب علی مذھب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان ابن ثابت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما لکھتے ہیں:

"ان التطوع بجماعة خارج رمضان انما يكره اذا كان على سبيل التداعی والتجمع اما اذا اقتدى واحدًا او اثنان لا يكره وفی الثالث اختلاف وفی الرابع يكره بلا خلاف"۔

---

[1] (حاشیةتبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ص: ۱۷۸)

[2] (فتاوی مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر: ج: ۱: ص: ۱۳۷، دار الاشاعت العربیة)

ترجمہ: یعنی نفل نماز با جماعت رمضان شریف کے علاوہ ادا کرنا مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو یعنی ایک کے پیچھے دو اقتدا کریں تو کراہیت نہیں، تین میں اختلاف ہے اور اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو اتفاقی طور پر مکروہ ہے۔[1]

قطب الارشاد

مولانا قطب الارشاد الحاج فقیر اللہ بن عبد الرحمٰن الحنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

"ان النفل بالجماعة على سبيل التداعى مكروه ماعدى التراويح و صلٰوة الكسوف و الاستسقاء فعلم ان كل من صلٰوة الرغائب ليلة اول جمعة من رجب و صلٰوة البراءة ليلة النصف من شعبان وصلٰوة القدر ليلة السابع و العشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة"۔

ترجمہ: نفل جماعت کے ساتھ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے ماسوا نماز تراویح اور صلٰوۃ کسوف اور استسقاء کے۔ صلٰوۃ رغائب، صلٰوۃ براءۃ جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔[2]

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح

فقیہ جلیل علامہ السید احمد طحطاوی الحنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

"والجماعة فى النفل فى غير التراويح مكروهة فالاحتياط تركها فى الوتر خارج رمضان"۔

ترجمہ: تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت بھی احتیاطًا نہیں کرنی چاہیئے۔[3]

---

[1] (الفتاوی الغیاثیۃ، ص:۳۷)
[2] (قطب الارشاد، ص:۲۷۸)
[3] (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: ص: ۲۱۱)

الاشباہ والنظائر

علامہ امام زین الدین ابن نجیم حنفی مصری رحمۃ اللہ تعالٰی لکھتے ہیں:

"یکرہ الاقتداء فی صلوۃ الرغائب وصلوۃ البراءۃ ولیلۃ القدر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بھذا الامام بالجماعۃ" (کذافی البزازیہ)۔

ترجمہ: رجب، شبِ برات اور لیلۃ القدر کی نفل نمازیں جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے سوائے اس کے کہ کسی امام کی اقتدا میں کچھ رکعتیں پڑھنے کی نذر مان کر کہے کہ میں اس امام کے پیچھے اتنی رکعت پڑھونگا۔ فتاوی بزازیہ میں ایسا ہی ہے۔[1]

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے

کتاب الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ و اذا اقتدی ثلاثۃ بواحد اختلف فیہ و ان اقتدی اربعۃ بواحد کرہ اتفاقاً" (کذافی الکافی)۔

ترجمہ: نفل جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اگر ایک کے پیچھے ایک یا دو اقتدا کریں تو کراہیت نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بالاتفاق مکروہ ہے۔[2]

فتاویٰ عالمگیری جو کہ فقہ حنفی کی نہایت اہم کتاب ہے اس میں تحریر ہے کہ:

"التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ"۔

ترجمہ: نوافل کی جماعت اگر دعوت واعلان کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔[3]

---

1 (الاشباہ والنظائر: ص: ۸۶)

2 (ذخیرۃ العقبی فی شرح صدر الشریعۃ العظمی: ص ۹۵، المطبع الرفیع المغربي المنشي نول کشور)

3 (فتاوی عالمگیری: ج: ۱ ص: ۸۳ مکتبہ ماجدیہ، عید گاہ طوغی روڈ، کوئٹہ)

فتاوی سراجیہ میں ہے:

"یکرہ التطوع بالجماعۃ ما خلا التراویح وصلٰوۃ الکسوف"۔

ترجمہ: نفل نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے بخلاف نماز تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے کہ اسے باجماعت ادا کرنا مکروہ نہیں۔[1]

علامہ امام ابراہیم حلبی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں:

"واعلم: ان النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ علی ماتقدم ماعدا التراویح وصلٰوۃ الکسوف والاستسقاء فعلم ان کلا من صلٰوۃ الرغائب لیلۃ اول جمعۃ من رجب وصلٰوۃ البراءۃ لیلۃ النصف من شعبان وصلٰوۃ القدر لیلۃ السابع والعشرین من رمضان بالجماعۃ بدعۃ مکروھۃ قال حافظ الدین البزازی: ان شرعا فی نفل فافسداہ واقتدی احدھما بالاخر فی القضاء لایجوز لاختلاف السبب وکذا اقتدی الناذر بالناذر لایجوز وعن ھٰذا کرہ الاقتداء فی صلٰوۃ الرغائب وصلٰوۃ البراءۃ ولیلۃ القدر ولو بعد النذر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بھٰذا الامام بالجماعۃ لعدم امکان الخروج عن العھدۃ الا بالجماعۃ ولا ینبغی ان یتکلف لالتزام مالم یکن فی الصدر الاول کل ھٰذا التکلف لاقامۃ امر مکروہ وھو اداء النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی"۔

ترجمہ: جان لو! نفل کی جماعت اعلان واشتہار کے ساتھ مکروہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا سوائے تراویح نماز کسوف اور استسقاء کی نماز کے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الرغائب (رجب کے پہلے جمعہ کی رات کی نماز) اور صلوٰۃ البراءۃ نصف شعبان کی رات اور شبِ قدر یعنی ستائیس رمضان کی رات والی نمازوں کو جماعت سے ادا کرنا ناپسندیدہ بدعت ہے۔ حضرت حافظ الدین البزازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اگر دو افراد نفل شروع کریں اور وہ فاسد ہو جائیں پھر دونوں نوافل کی ادائیگی کیلئے ایک دوسرے

[1] (فتاوی سراجیہ، کتاب الصلوٰۃ، ص ۱۵، باب الصلوٰۃ بالجماعۃ)

کی اقتدا کریں تو یہ اسباب (فساد) کے مختلف ہونے کیوجہ سے جائز نہیں۔ ایسے ہی دو نذر (منت) ماننے والوں کی جماعت جائز نہیں۔ (علٰی ھٰذا القیاس) اسی کلیہ کے تحت رجب شعبان اور لیلۃ القدر (رمضان) کی نمازیں باجماعت جائز نہیں ہیں اگرچہ نذر (منت) ہی کیوں نہ مانی گئی ہو، سوائے اس کے کہ کسی نے یوں کہا:

میں نذر مانتا ہوں کہ فلاں امام کے پیچھے باجماعت اتنی رکعتیں پڑھونگا یہ اس لئے کہ وہ بغیر جماعت میں شمولیت کے ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک ایسے عمل کے لئے اتنا اہتمام والتزام کیا جائے جو ابتداء اسلام میں موجود نہیں تھا۔ یہ سارا اہتمام ایک مکروہ عمل کیلئے ہوتا ہے اور وہ ہے نوافل کو اعلان واشتہار کے ساتھ باجماعت ادا کرنا۔

امام حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مسئلہ کی نذاکت کے پیشِ نظر انتہائی اہم اور فیصلہ کن بات ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فلو ترک امثال ھٰذہ الصلٰوت تارک لیعلم الناس انه لیس من الشعائر احسن۔ انتھی"۔

ترجمہ: اگر کوئی (ذمہ دار) شخص ایسی نفل نمازوں کو بطورِ تعلیم ترک کرے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہیں تو یہ بہت اچھا ہے۔[1]

میں خاتم المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"جماعت در نفل مکروہ است۔۔۔ وسوائے رمضان وتر بجماعت مکروہ است"۔

---

[1] (حلبی کبیر: ص: ۴۳۳: ۴۳۲:)

ترجمہ: نماز نفل کی جماعت مکروہ ہے۔۔۔ رمضان کے علاوہ وتر بھی جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔[1]

علامہ بحر العلوم انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والاصل فی النوافل ان لا یصلی بجماعۃ"۔

ترجمہ: نوافل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انہیں باجماعت ادا نہ کیا جائے۔[2]

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارے آئمہ کرام کے نزدیک نوافل کی جماعت بالتداعی مکروہ ہے۔[3]

الشیخ محمد انور الکشمیری الدیوبندی لکھتے ہیں:

"قال الفقهاء ان الجماعة فی النوافل مكروهة الا فی رمضان ولم يفهم مرادهم بعض الاغباء فحمله على جواز الجماعة فی النفل المطلق فی رمضان مع ان مرادهم التراويح لا غير"۔

ترجمہ: فقہائے کرام نے فرمایا کہ نفل باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے سوائے رمضان کے لیکن بعض بے عقل لوگوں نے اس بات کو محمول کیا ہے اس پر نفل باجماعت مطلق رمضان میں جائز ہے حالانکہ مراد اس سے تراویح ہے نہ کہ غیر۔[4]

الفتاوی السعیدیۃ فی الفروع الحنفیۃ میں ہے:

"ان التطوع بالجماعة انما يكره اذا كان على سبيل التداعی"۔

---

[1] (مالابدمنه:ص:٦٩:)
[2] (رسائل الارکان:ص:١٤٢:)
[3] (فتاوی رضویه:ج:٣:ص:٤٨٠:)
[4] (فیض الباری:ج:٢:ص:٤٣٢)

ترجمہ: نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو۔

اسی طرح نماز تہجد کے بارے میں فرماتے ہیں:

جماعت در نماز تہجد بتداعی مکروہ است۔ وبغیر تداعی کہ اتفاقاً یک دو کس یا سہ کس اقتدائے تہجد نمائید مکروہ نیست۔

التداعی بان یقتدی اربعة واحدٍ۔

ترجمہ: نماز تہجد کے جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اگر بغیر تداعی کا ہو ایک آدمی یا دو یا تین کی اقتدا میں تو مکروہ نہیں۔ تداعی ایک کے پیچھے چار کہلاتا ہے۔[1]

حضرت علامہ مخدوم عبد الواحد سیوستانی سندھی لکھتے ہیں:

"الظاهر ان الصلوٰة بالجماعة فی النوافل مکروهة"۔

ترجمہ: ظاہر یہ کہ نفل باجماعت مکروہ ہے۔[2]

حضرت مجدد منور الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ مکتوب لکھتے ہیں:

(بسید امین سارنکپوری صدور یافتہ در منع از ادائے صلوٰۃ نوافل باجماعت مانند نماز عاشورہ وشبِ قدر وشبِ برأت وغیرھا ومایناسب ذلک)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الحمد للّٰه الذی شرّفنا بمتابعة سید المرسلین و جنّبنا عن ارتکاب المبتدعات فی الدین و الصلوٰة و السلام علٰی من قمع بنیان الضلالة و رفع اعلام الهدایة و علٰی اٰله الابرار و صحبه الاخیار! باید دانست کہ اکثر مردم از خواص و عوام درین زمان در ادائے نوافل

---

[1] (الفتاوی السعیدیة فی الفروع الحنفیة: ص: ۱۷، مکتبہ قاسمیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[2] (فتاوی واحدی المعروف بیاض واحدی: ص: ۱۸۵)

اہتمام تمام دارند ودر مکتوبات مساہلات مینمایند ومراعات سنن ومستحبات را درآنہا کمتر میکنند نوافل را عزیز میدارند وفرائض راذلیل وخوار کم است کہ فرائض را در اوقاتِ مستحبہ ادا نمایند ودر تکثیر جماعتِ مسنونہ بلکہ در نفس جماعۃ تقیُّدے ندارند وبتکاسل وتساہل اداء نفس فرائض راغنیمت می شمارند وروزِ عاشوراوشبِ برأت وشبِ بست ہفتم ماہِ رجب واولِ شبِ جمعہ ازماہِ مذکور کہ آن را لیلۃ الرغائب نام نہادہ اند کمال اہتمام رامرعی داشتہ بجمعیت تمام نوافل را بجماعت میگذارند وآنرا نیک ومستحسن مے پندارند ونمیدانند کہ این از تسویلاتِ شیطان است کہ سیئات را بصورتِ حسنات مینماید شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی در حاشیۂ شرح وقایہ میفرماید کہ تطوع بجماعت وترکِ فرض بجماعت از حبائل شیطانست بدانکہ نوافل را بجمعیتِ تمام گذاردن از بدعتہائے مذمومہ ومکروہ است ازان بدعتہا است کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا در شانِ آن فرمودہ است ''من احدث فی دیننا ھٰذا فھو رد'' بدانکہ اداء نوافل بجماعت در بعضی روایات فقہیہ مطلقًا مکروہ است ودر بعضے دیگر کراہت مشروط بتداعی وتجمع است پس اگر بے تداعی یکدو کس در ناحیہ مسجد نفل را بجماعت گذارند روا باشد بے کراہت ودر سہ کس اختلافِ مشائخ است ودر چہار کس باتفاق مکروہ است در بعضی روایات ودر بعضے دیگر اصح آنست کہ مکروہ است ''فی الفتاوی السراجیۃ: کرہ التطوع بالجماعۃ بخلاف التراویح وصلٰوۃ الکسوف'' ۔

”وفی الفتاوی الغیاثیة: قال الشیخ الامام السرخسی رحمه اللہ سبحانه التطوع بجماعة خارج رمضان انما یکره اذا کان علٰی سبیل التداعی اما اذا اقتدی واحد او اثنان لا یکره وفی الثلٰث اختلاف وفی الاربع یکره بلا خلاف وذکر فی الخلاصة التطوع بالجماعة اذا کان علٰی سبیل التداعی یکره اما اذا صلّوا بجماعة بغیر اذان واقامة فی ناحیة المسجد لا یکره“ ”وقال شمس الائمة الحلوانی: اذا کان سوی الامام ثلٰثة لا یکره بالاتفاق وفی الاربع اختلاف والاصح انه مکروه“ ”وفی الفتاوی الشافیة: ولا یصلی التطوع بالجماعة الا فی شهر رمضان وذلک انما یکره اذا کان علٰی سبیل التداعی یعنی باذان واقامة اما لو اقتدی واحد او اثنان لا علٰی سبیل التداعی فلا یکره واذا اقتدی ثلٰثة اختلف المشائخ رحمهم اللہ تعالٰی وان اقتدی اربعة کره اتفاقًا“ وامثال این روایات بسیار است وکتبِ فقهیه بآن مملواند واگر روایتے پیدا شود که از ذکر عدد ساکت باشد ومطلقًا مجوّز باشد اداء نفل بجماعت آنرا حمل باید کرد بر مقیّد که در روایاتِ دیگر واقع شده است دار مطلق مقید مراد باید داشت وجواز مقصور بر اثنین یا ثلث باید نمود چه علماء حنفیه اگرچه در اصول مطلق را بر اطلاق میگزارند وبر مقید حمل نمیکنند اما در روایاتِ حمل مطلق بر مقید جائز داشته اند بلکه لازم دانسته واگر بر طریقِ فرضِ محال نکنیم وبر اطلاق بگذاریم ہر آئینه این مطلق معارض خواہد بود مر آن مقید را اگر در قوت برابر باشد ومساوات در قوت ممنوع است چه روایات کراہت باوجود کثرت مختار ومفتی بہا اند بخلاف روایت اباحت ولو سلم مساواتہما گوئیم که بر تقدیر تعارض ادلّه کراہت وادله اباحت ترجیح جانب کراہت راست که رعایت احتیاط در آنست چنانچه مقرر اہلِ اصول فقه است پس جماعة که در روزِ عاشورا وشبِ برأت ولیلة الرغائب نماز بجماعت میگذارند دویست

دویست وسیصد سیصد کس کم وبیش کہ در مسجدہا جمع میشوند وآن نماز راواجتماع وجماعت را مستحسن می پندار مرتکبانِ امر مکروہ اند باتفاق فقہاء ومکروہ را مستحسن دانستن از اعظم جنایاتست چہ حرام رامباح دانستن منجرّ بکفر است ومکروہ را حسن پنداشتن یکمرتبہ از آن پایان است شناعت این فعل را نیک ملاحظہ باید نمودودست آویز ایشان در باب رفع کراہت عدم تداعی است آرے عدم تداعی بمقتضائے بعضی روایات دفع کراہت میکنداما مخصوص بواحدواثنین است وآنہم بشرطے است کہ در ناحیۂ مسجد متحقق شودوبدونہا خرط القتاد باآنکہ تداعی عبارت از اعلام یک دیگر است از برائے ادائے نماز نفل واین معی در این جماعات متحقق است چہ قبیلہ قبیلہ در روزِ عاشورہ وغیرہ یک دیگر را اعلام میکنند ومیخوانند کہ در مسجد فلان شیخ یا فلان عالم میباید رفت ونماز بجمعیت مے باید گذار دواین فعل رااعتیاد نمودہ اند این قسم اعلام از اذان واقامت ہم ابلغ است پس تداعی ہم ثابت شدواگرتداعی را مخصوص باذان واقامت داریم چنانچہ در بعضے روایات واقع شدہ است وحقیقتِ اذان واقامت خواہم پس جواب ہمانست کہ بالا گذشت کہ مخصوص است بواحد واثنین باشرطِ دیگر کہ بالا مذکور شد باید دانست کہ بنائے ادائے نوافل بر اخفا وتستر است کہ مظنہ ریاوسمعہ است وجماعت منافی آنست ودر ادائے فرائض اظہار واعلان مطلوب است چہ از شائبہ ریاوسمعہ مبراست پس باجماعت مناسب باشدالانکہ گوئیم کثرت احتماع محل حدوث فتنہ است لہٰذاازبرائے ادائے نماز جمعہ حضور سلطان یانائب او

شرط کرده اند تا از حدوث فتنہ امن متحقق شود ودرین جماعات مکروہات ہم احتمال ایقاظ فتنہ قوی است پس این اجتماع مشروع نباشد ومنکر باشد ودر حدیث نبویست علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا "الفتنة نائمة لعن اللہ من ایقظہا پس ولاۃِ اسلام وقضاۃ واہلِ احتساب رالازم است کہ منع این اجماع نمایند ودرین باب زجر را بابلغ وجوہ مرعی دارند تا استیصال این بدعت کہ منجر بفتنہ است متحقق شود واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل"۔

ترجمہ: اس بیان میں کہ عاشورا اور شبِ برات میں نماز نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا نہ کرنا چاہئے۔ اور اس کے مناسب بیان میں سید امین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الحمد للہ الذی شرّفنا بمتابعة سید المرسلین و جنبنا عن ارتکاب المبتدعات فی الدین والصلوٰۃ والسلام علٰی من قمع بنیان الضلالة و رفع اعلام الھدایة وعلٰی اٰلہ الابرار وصحبہ الاخیار!

اللہ تعالٰی کی حمد ہے جس نے ہم کو سید المرسلین ﷺ کی متابعت سے مشرف فرمایا اور دین کی بدعتوں سے بچایا۔ اور آنحضرت ﷺ پر جنہوں نے گمراہی کی بنیاد کو اکھیڑا اور ہدایت کے جھنڈوں کو بلند کیا اور ان کی آل ابرار اور اصحاب اخیار پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

جاننا چاہئے کہ اکثر خاص وعام لوگ اس زمانہ میں نوافل کے ادا کرنے میں بڑا اہتمام کرتے ہیں اور مکتوبات یعنی فرضی نمازوں میں سستی کرتے ہیں اور ان میں سنتوں اور مستحبوں کی رعایت کم کرتے ہیں۔ نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل وخوار۔ فرائض کو اوقاتِ مستحبہ میں بمشکل ادا کرتے ہیں اور جماعت مسنونہ کی تکثیر بلکہ نفسِ جماعت کی کوئی تقید نہیں رکھتے۔ نفسِ فرائض کو

غفلت و سستی سے ادا کرنا غنیمت سمجھتے ہیں اور روزِ عاشور اور شبِ برات اور ماہِ رجب کی ستائیسویں رات اور ماہِ رجب کے اول جمعہ کی رات کو جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہے، بڑا اہتمام کرتے ہیں ۔ اور نوافل کو بڑی جمعیت کے ساتھ جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس کو نیک و مستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ شیطان کے تسویلات یعنی مکر و فریب میں جو سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ:

نوافل کو جماعت سے ادا کرنا اور فرض کی جماعت کو ترک کرنا شیطان کا مکر و فریب ہے۔ جاننا چاہئے کہ نوافل کو جماعت تمام کے ساتھ ادا کرنا، ان مکروہ اور مذمومہ بدعتوں میں سے ہے جن کے حق میں حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا ہے: **"من احدث فی دیننا ھٰذا فھو رد"** (جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی وہ رد ہے)۔

جاننا چاہئے کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا فقہ کی بعض روایات میں مطلق طور پر مکروہ ہے۔ اور بعض روایات میں کراہت تداعی اور تجمیع (یعنی بلانے اور جمعیت) پر مشروط ہے۔ پس اگر بغیر تداعی کے ایک دو آدمی مسجد کے گوشہ میں نفل کو جماعت سے ادا کریں تو بغیر کراہت کے روا ہے اور تین آدمیوں میں مشائخ کا اختلاف ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں اور بعض روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ:

"تراویح اور کسوف کی نماز کے سوا اور نوافل کو جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے"۔

اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ شیخ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جبکہ تداعی کے طریق پر ہو، مکروہ ہے لیکن جب ایک یا دو اقتدا کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بلا اختلاف کراہت ہے''۔

اور خلاصہ میں ہے کہ: ''نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے لیکن جب اذان واقامت کے بغیر گوشہ مسجد میں ادا کئے جائیں تو مکروہ نہیں''۔

اور شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ:

''جب امام کے سوا تین آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے اور چار میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے''۔

اور فتاویٰ شافیہ میں ہے کہ:

''ماہِ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں اور نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان واقامت سے ادا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایک یا دو اقتدا کرلیں جو تداعی کے طور پر نہ ہو تو مکروہ نہیں اور اگر تین اقتدا کریں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اگر چار اقتدا کریں تو بالاتفاق مکروہ ہے''۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں اور اگر کوئی ایسی روایت پیدا ہو جائے جو عدد کے ذکر سے ساکت ہو اور اس سے مطلق طور پر نفل کو جماعت سے ادا کرنا جائز ہوتا ہو تو اس کو مقید پر محمول کرنا چاہیے جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہیے اور جواز کو دو یا تین پر منحصر کرنا چاہیے کیونکہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو مقید پر حمل نہیں کرتے لیکن روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا معارض ہوگا اگرچہ قوت میں برابر ہوں اور مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایتیں باوجود کثرت کے مختار اور مفتیٰ بہا ہیں بر

خلاف اباحت کی روائیتوں کے اور اگر مساوات کو مان بھی لیں تو ہم کہتے ہیں کہ کراہت واباحت کے دلائل متعارض ہونے کی صورت میں کراہت کی جانب کو ترجیح ہے کیونکہ احتیاط کی رعایت اسی میں ہے جیسے کہ اصول فقہ کے جاننے والوں کے نزدیک مقرر ہے۔

پس وہ نماز جو روزِ عاشورا اور شبِ برات اور لیلۃ الرغائب میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے زیادہ آدمی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں ۔ ایسے لوگ فقہاء کے اتفاق سے امرِ مکروہ کے مرتکب ہیں اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑا بھاری گناہ ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو احسن سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہئے اور کراہیت کے دفع کرنے میں ان کے پاس سند عدم تداعی ہے۔ہاں عدم تداعی بعض روایات میں کراہیت کو دفع کرتی ہے لیکن ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ گوشۂ مسجد میں ہو۔ **وبدونها خرط القتاد۔** اس کے علاوہ بے فائدہ رنج ہے۔

تداعی سے مراد ہے نماز نفل کے ادا کرنے کیلئے ایک دوسرے کو خبر دینا اور یہ معنی اس جماعت میں مستحقق ہیں کیونکہ قبیلہ قبیلہ عاشورا کے دن ایک دوسرے کو خبر کرتے اور بتلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہئے اور نماز کو جماعت سے ادا کرنا چاہئے اور اس فعل کو معتبر جانتے ہیں ۔ اس قسم کا اعلام اذان واقامت سے بھی ابلغ ہے پس تداعی بھی ثابت ہو گئی اگر تداعی کو اذان واقامت پر ہی مخصوص رکھیں جیسے کہ بعض روایات میں واقع ہے اور اس سے اذان واقامت کی حقیقت مراد لیں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو اوپر گذر چکا کہ ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہو چکی۔

جاننا چاہئے کہ ادائے نوافل کی بنیاد اخفاو تستریعنی پوشیدگی پر ہے تاکہ سمعہ وریا کا گمان نہ گذرے اور جماعت اس کی منافی ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں اظہار واعلان مطلوب ہے کیونکہ ریاوسمعہ کی آمیزش سے پاک ہے۔ پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کثرت اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ کے ادا کرنے کیلئے سلطان یا اس کے نائب کا حاضر ہونا شرط ہے تاکہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے اور ان مکروہہ جماعت میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہو گا۔ بلکہ منکر ہو گا۔

حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے:

"الفتنة نائمة لعن الله من ایقظها"۔

فتنہ سویا ہوتا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

پس اسلام کے والیوں اور قاضیوں اور محتسبوں کو لازم ہے کہ اس اجتماع سے منع کریں اور اس بارے میں بہت ہی زجر و تنبیہ کریں تاکہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہو، جڑ سے اکھڑ جائے۔ "و الله یحق الحق وهو یهدی السبیل" اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔[1]

مکتوب نمبر: ۱۳۱: میں امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی السرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

افسوس ہزار افسوس بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست درین طریقۂ عالیہ احداث نمودہ اند نماز تہجد را بجماعت می گزارند

[1] (مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ: مکتوب: ۲۸۸: حصہ: ۵)

اطـــراف وجوانب درآن وقت مردم از برائے نمـازِ تہجـد جمع می گردندو بجمعیت تمـام ادا می نمـایندواین عمـل مکروہ است بکراہیت تحـریمہ۔

جمعے از فقہـاء کہ تداعی شـرط کراہت داشتہ اند جواز جمـاعت نفـل را مقیـد بنـاحیہ مسجـد سـاختـہ زیادہ ازسہ کـس رابا تفـاق مکروہ گفتـہ اند۔

ترجمہ: ”افسوس ہزار افسوس کہ جن بدعتوں کا دوسرے سلسوں میں نام ونشان تک پایا نہیں جاتا وہ اس طریقہ عالیہ میں پیدا کر دی ہیں۔ نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور گردونواح سے اس وقت لوگ تہجد کے واسطے جمع ہو جاتے ہیں اور بڑی جمعیت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمیہ“۔

بعض فقہاء نے جن کے نزدیک تداعی (یعنی ایک دوسرے کو بلانا م کراہت کی شرط ہے اور نفل کی جماعت کو مسجد کے ایک کونے میں جائز قرار دیا ہے۔ تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے)۔[1]

بعض اوقات لوگ با جماعت نفل نماز پوری رات ادا کرتے ہیں یا شبینہ کرتے ہیں پھر بدن میں سستی آنے کیوجہ سے فجر کی نماز ان سے قضاء ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں کے بارے میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

منقول است کہ روزی امیـر المومنین، حضـرت فـاروق۔ رضی اللہ تعـالیٰ عنـہ نمـاز بامداد راب جمـاعت گذارند، بعـد از فراغ از صـلوۃ، در قوم نگاہ کردند شخصی

[1] (مکتوب نمبر: ۱۳۱، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حصہ سوئم، ص ۱۰، مکتبۃ القدس، کانسی روڈ، کوئٹہ)

راازاصحاب خوددرآن وقت نیافتند فرمودند کہ: فلانی بہ جماعت حاضر نشد۔ حاضران عرض کردند کہ او اکثر شب بیدار می باشد۔ یحتمل کہ دراین وقت خوابش بردہ باشد۔ فرمودند کہ: اگر تمام شب خواب می کرد و نماز بامداد را بہ جماعت می گزارد، بہتر می بود۔

''منقول ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر آدمیوں پر نگاہ کی۔ اپنے یاروں میں سے ایک شخص کو اس وقت موجود نہ دیکھا۔ فرمایا کہ فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں ہوا۔ حاضرین نے عرض کی کہ وہ رات کو اکثر جاگتا رہتا ہے۔ شاید اس وقت سو گیا ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمام رات سویا رہتا اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو اس کیلئے بہتر ہوتا'' پس مستحب کی رعایت کرنا اور مکروہ سے بچنا اگرچہ تنزیہی ہو ذکر اور فکر اور مراقبہ اور توجہ سے کئی درجے بہتر ہے پھر مکروہ تحریمی کا کیا ذکر ہے۔ہاں اگر رعایت اور اجتناب کے ساتھ یہ امور جمع ہوں تو ''**فقد فاز فوزًا عظیمًا**'' بڑی کامیابی ہے۔''**وبدونہ خرط القتاد**'' ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔[1]

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

''**ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھٰذہ اللیالی فی المساجد۔ لانہ لم یفعلہ النبی ﷺ ولا صحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم فانکرہ اکثر العلماء من اھل الحجاز منھم اعطاء وابن ابی ملیکۃ وفقھاء اھل المدینۃ والصحاب مالک وغیرھم وقالوا ذلک کلہ بدعۃ ولم ینقل عن النبی ﷺ ولا عن اصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنھم احیاء لیلتی العیدین جماعۃ**''۔

[1] (مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر: ۲۹، حصہ اول، ص ۷۷)

ترجمہ: شعبان کی نصف رات میں یا صلوٰۃ برات یا قدر مساجد میں ان نمازوں کی باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہیں کیا اور اکثر علمائے اہلِ حجاز کے جن میں سے عطا ابن ابی ملیکہ اور مدینہ کے فقہاء ان سب کا یہ قول ہے کہ یہ تمام کے تمام بدعت ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان راتوں میں جماعت ادا کرنا منقول نہیں۔ [1]

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''مذہبِ حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کرکے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھانا مکروہ ہے''۔ [2]

اور اسی طرح کی روایات بہت ہیں اور فقہی کتابیں ایسی روایات سے پُر ہیں۔ اور اگر کوئی ایسی روایت ملے جس میں تعداد کا ذکر نہ ہو اور مطلقاً جواز ظاہر کرے تو اس بارے میں مقید روایات پر محمول کرنا چاہئے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہئے اور جواز کو دو یا تین افراد میں ہی منحصر جاننا چاہئے۔ اس لئے کہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھنے کے قائل ہیں اور مقید پر عمل نہیں کرتے لیکن روایات میں انہوں نے مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم قرار دیا ہے اور اگر بطریق فرض محال حمل نہ کریں اور مطلق ہی رہنے دیں تو ایسی صورت مین یہ مطلق اس مقید کے قابل اور منافی ہو جائے گا، اگر قوت میں برابر ہو اور قوت میں مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایات کثرت کے باوجود مختار اور مفتی بہا ہیں بخلاف اباحت کی روایات کے۔ اور اگر

---

[1] (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح:ص: ۵۹)

[2] (وقار الفتاوی:ج:۲:ص:۲۲۶:)

دونوں کی مساوات تسلیم کر لی جائے تو ہم کہیں گے کہ کراہت اور اباحت کی دلیلوں کے تعارض کی صورت میں جانبِ کراہت کو ترجیح حاصل ہے۔

(۱): جیسا کہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"لان الفعل اذا تردد بين السّنية و الكراهة كان تركه اولٰى"۔

(۲): الاخيار فی بيان الصلٰوة علی السكون و الوقار۔[1]

محمد مرید محی الدین الحنفی لکھتے ہیں:

"درمیانِ سنت و بدعت تردید آید ترک آن سنت لازم است" ۔

ترجمہ: اگر سنت و بدعت کے درمیان میں تردید آ جائے تو سنت کا ترک کرنا لازم ہے۔

بدليل ان الفقهاء قالوا: "اذا تردد فی شئ بين كونه سنة و بدعة فتركه لازم"۔

ترجمہ: اس دلیل کے ساتھ کہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ جب تردد آ جائے کسی چیز میں کہ یہ سنت ہے یا بدعت تو سنت کو چھوڑنا لازم ہے۔[2]

(۳): اسی طرح امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"گویم اگر تعارض در جواز و عدم جواز و حل و حرمت واقع شود ترجیح جانبِ عدمِ جواز را است و جانبِ حرمت را"۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں اگر تعارض آ جائے جواز اور عدمِ جواز میں حل اور حرمت میں ترجیح جو ہے عدمِ جواز کی طرف ہے اور حرمت کی طرف ہے۔[3]

---

[1] (فتاوی رضویہ: ص: ۲۸۴)
[2] (تالیف مسکین، ص: ۳۹)
[3] (مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر: ۳۱۲، ص ۱۲۶، حصہ پنجم، مکتبۃ القدس، کانسی روڈ، کوئٹہ)

(۴): در المختار میں ہے:

"اذتردد الحکم بین السنۃ و البدعۃ کان ترک السنۃ اولٰی"۔

ترجمہ: جب کسی حکم میں سنت اور بدعت کے درمیان تردد واقع ہو جائے تو اس سنت کو ترک کرنا بہتر ہے۔[1]

(۵): در المختار میں ہے:

"ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ"۔

ترجمہ: مکروہ کو ترک کرنا سنت فعل پر مقدم ہے۔ یعنی جب بعض علماء نے کسی چیز کو مکروہ کہا ہو اور بعض نے اس کو سنت کہا ہو تو عمل اس پر کرنا چاہیئے کہ جنہوں نے مکروہ کہا ہے یہ اس پر مقدم ہے جنہوں نے اس کو سنت کہا ہے۔[2]

(٦): حاشیہ ابن عابدین میں ہے:

"اذاتردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ اولٰی"۔

ترجمہ: جب تردد آ جائے سنت اور بدعت کے درمیان میں تو سنت کا چھوڑنا اولٰی ہے۔[3]

(٧): رد المختار علی در المختار میں ہے:

"اذاتردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجحًا علی فعل البدعۃ"۔

ترجمہ: جب تردد آ جائے سنت اور بدعت کے درمیان میں تو سنت کو چھوڑنا راجح ہے، بدعت کے کرنے سے۔[4]

---

[1] (درالمختار: ج: ١ :ص: ٤٥٠:)

[2] (درالمختار: ج: ١ :ص: ١٠٠ :باب ادراک الفریضۃ)

[3] (حاشیہ ابن عابدین: ج: ٢ :ص: ٤٩٣)

[4] (ردالمحتار علی درالمختار: ج: ١ :ص: ٤٧٥)

کیونکہ اس میں احتیاط کی رعایت ہے جیسا کہ اصول فقہ والوں کے ہاں یہ امر طے شدہ ہے۔

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

نماز نفل جماعت کے ساتھ علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔ اور تداعی کے یہ معنی ہیں کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں اور اگر تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔[1]

در مختار میں ہے:

"ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحدۃ کما فی الدرر وفی الاشباہ عن البزازیۃ۔ یکرہ الاقتداء فی صلوٰۃ رغائب وبراءۃ وقدر۔

ترجمہ: در مختار میں ہے یعنی وتر اور نفل جماعت کے ساتھ رمضان کے علاوہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔ تداعی کا معنی یہ ہے کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں اور اشباہ میں بزازیہ سے نقل کی ہے کہ اقتداء صلوٰۃ رغائب وبراءۃ وقدر میں بھی مکروہ ہے۔[2]

رد المحتار میں ہے:

وَالنَّفَلُ بِالْجَمَاعَةِ غَيْرُ مُسْتَحَبٍّ لِأَنَّهُ لَمْ تَفْعَلْهُ الصَّحَابَةُ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ۔

نفل جماعت کے ساتھ غیر مستحب ہے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ نہیں ادا کی۔[1]

---

[1] (فتاوی امجدیہ: ج: ۱ :ص: ۲۴۳)

[2] (الدر المختار، ج ۱، ص ۹۹، باب الوتر والنوافل، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی، اردو بازار، کراچی)

فتاوی فیض الرسول میں لکھا ہے:

" نفل جماعت کے ساتھ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے۔ تداعی کا معنی ہے ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اس سے کثرت جماعت لازم آتی ہے جس کی تحدید یوں فرمائی گئی ہے کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلا کراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے" ۔[2]

فتاوی فریدیہ میں لکھا ہے:

"قال فی البدائع اذاصلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوھا ثانیًا یصلون فرادی لا بجماعة لان الثانیةتطوع مطلق و التطوع المطلق بجامعةمکروہ"۔

ترجمہ: علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدائع الصنائع میں فرمایاہے کہ اگرلوگوں نے ایک مرتبہ نماز تراویح پڑھ لی ہے اور اب وہ دوبارہ پڑھناچاہیں تو انفرادی طور پر ادا کریں باجماعت نہ پڑھیں کیونکہ دوسری مرتبہ وہ جو پڑھ رہے ہیں وہ مطلق تطوع اور نفل ہے اور مطلق تطوع کا باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔اور نفل مطلق کی جماعت مکروہ ہے۔[3]

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تراویح وکسوف واستسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب معلوم ومشہور اور عامۃ

---

[1] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۲۴، مکتبہ حقانیہ، محلہ جنگی، پشاور)

[2] (فتاوی فیض الرسول ج ۱ ص: ۳۴۲)

[3] (فتاوی فریدیہ، ص: ۱۲۵)

الکتب مذہب میں مذکور و مسطور ہے کہ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اس سے کثرت جماعت لازم آتی ہے پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ اور تین چار میں اختلاف نقل و مشائخ اور اصح یہ ہے کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے تو مذہبِ مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں۔

لہٰذا درر و غرر پر در مختار میں فرمایا:

"یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد"۔

ترجمہ: در مختار میں ہے کہ تداعی کے ساتھ مکروہ ہے یعنی ایک کے پیچھے چار۔ [1]

فقیہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ نفل باجماعت مکروہ تنزیہی ہے۔ [2]

عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی تحریر فرماتے ہیں:

"ماہِ رمضان میں وتر و تراویح کا باجماعت ادا کرنا بغیر کراہت صحیح و جائز ہے اس کے سوا کسی اور نفل نماز یا تہجد اتفاقیہ طور پر گاہ بگاہ جماعت کے ساتھ ادا کر لی جائے تو بغیر کراہت صحیح و جائز ہے اور تداعی و مواظبت کے ساتھ کسی نفل نماز یا تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے تداعی کا معنی یہ ہے کہ بعض نمازی بعض دوسرے نمازی کو نفل نماز یا تہجد کی جماعت کیلئے بلائے یا یہ نماز ہی بکثرت با

---

1 (فتاوی فقیہ ملّت: ج: ۱: ص: ۲۰۲)
2 (فتاوی نوریہ: ج: ۱: ص: ۱۷۱)

جماعت ادا کرے۔ کتب فقیہ کی عبارتیں مختلف ہیں۔ بعض سے مکروہ تحریمی مستفیض ہوتا ہے اور بعض سے مکروہ تنزیہی۔[1]

مولوی مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

"ان التنفل بجماعة مکروہ خارج رمضان"۔

ترجمہ: یعنی نفل جماعت کے ساتھ رمضان شریف کے علاوہ مکروہ ہے۔[2]

تصنیف مولوی خیر محمد جالندھری لکھتے ہیں نفل نماز اور صلوٰۃ تسبیح اکیلے اکیلے پڑھا کریں جماعت کرانا مکروہ ہے۔

"ولایصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی"۔

ترجمہ: یعنی وتر اور نفل نماز باجماعت ادا کرنا رمضان شریف کے علاوہ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔[3]

جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی نصف صدی کے فتاوی کے مجموعہ میں ہے کہ رمضان مبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں نفل نماز کیلئے باقاعدہ جماعت کا اہتمام ہمارے مسلک (احناف) کے قواعد سے موافق نہیں۔[4]

---

[1] (حبیب الفتاوی: ج: ۱: ص: ۴۰۷)

[2] (احسن الفتاوی: ج: ۳: ص: ۵۲۲)

[3] (خیر الفتاوی: ج: ۲: ص: ۴۸۳)

[4] (فتاوی حقانیہ: ج: ۳: ص: ۲۸۱)

رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں کہ نوافل کی جماعت سوا ان جگہوں سے جو حدیث مبارکہ سے ثابت ہیں باقی مکروہ تحریمی ہے۔ فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی کے ساتھ ہو۔ تداعی سے مراد چار مقتدی لیا گیاہے۔ صلوٰۃ کسوف تراویح اور استسقاء ان سے مستثنٰی ہیں۔ [1]

افادات مولوی مفتی عزیز الرحمن عثمانی لکھتے ہیں کہ:

"قال فی الدر المختار ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکره ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد"۔

ترجمہ: ماہِ رمضان مبارک میں تداعی کے ساتھ جماعت وتر اور تراویح جائز اور مشروع ومسنون ہیں اور باقی نوافل سوائے تراویح کے رمضان شریف میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہیں۔ اتفاقاً کبھی ہو تو کراہت تنزیہی ہے اور اگر مواظبت اس پر کی جاوے تو کراہت تحریمی ہے۔ تداعی کے ساتھ ہو یا بلا تداعی۔

"ثم ان کان ذلک احیانا کما فعل عمر رضی اللہ تعالٰی عنه کان مباحًا غیر مکروه۔ ای تحریمی ان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لانه خلاف المتوارث"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تداعی اور غیر تداعی برابر ہیں۔ لفظ بدعت کراہت تحریمیہ پر دال ہے۔ [2]

---

[1] (فتاوی رشیدیه: ج:ص:٥٦٣)

[2] (فتاوی دار العلوم دیوبند: ج:٤:ص:٢٢٢)

حافظ قاری مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری لکھتے ہیں کہ:

"نوافل کی جماعت سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہے مکروہ تحریمی ہے فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے پس جماعت صلوٰۃ کسوف تراویح اور استسقاء کی درست اور باقی سب مکروہ ہے"۔[1]

تصنیف مولوی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

نفل جماعت کیلئے لاؤڈ سپیکر وغیرہ کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا تداعی ہے اور تداعی کے ساتھ نوافل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔[2]

حنفیہ کے نزدیک نوافل کی جماعت مکروہ ہے جبکہ مقتدی تین یا زیادہ ہوں یہی حکم صلوٰۃ التسبیح کا ہے اس کی جماعت بدعت حسنہ نہیں بلکہ بدعت سیئہ ہے۔ شریعت نے عبادت کو جس انداز میں مشروع کیا ہے اس کو اسی طریقہ سے ادا کرنا مطلوب ہے۔ شریعت نے نماز پنجگانہ اور جمعہ وعیدین وغیرہ کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن نوافل کو انفرادی عبادت تجویز کیا ہے اس لئے کسی نفل نماز کا (خواہ صلوٰۃ التسبیح ہو یا کوئی اور) جماعت سے ادا کرنا منشائے شریعت کے خلاف ہے۔ اس لئے حضرات فقہاء نے نفل نماز کی جماعت کو (جبکہ مقتدی دو سے زیادہ ہوں) مکروہ لکھا ہے اور خاص راتوں میں اجتماعی نماز ادا کرنے کو بدعت قرار دیا ہے اس لئے صلوٰۃ التسبیح کا جماعت سے ادا کرنا صحیح نہیں اور آپ نے جو مصلحت لکھی ہے وہ لائق التفات نہیں جس کو صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا شوق ہو اس کو ان کلمات کا یاد کر لینا اور ترتیب کا سیکھ لینا کیا مشکل ہے؟[3]

---

[1] (فتاوی رحیمیہ: ج: ۵: ص: ۲۱۸)

[2] (فتاوی عثمانی: ج: ۱: ص: ۴۴۴)

[3] (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج: ۳: ص: ۷۹)

اجتماعی ہیئت سے نوافل میں مشغول رہنا مکروہ اور بدعت ہے:

اسی طرح فتاوی محمودیہ میں ہے کہ اگر امام کے علاوہ چار شخص یا زیادہ مقتدی ہوں تو یہ فعل مکروہ ہے اگر امام کے علاوہ صرف دو تین آدمی مقتدی ہوں تو مکروہ نہیں۔[1]

"قال شمس الائمۃ الحلوائی ان اقتدی بہ ثلاثۃ لا یکون تداعیا فلا یکرہ اتفاقا وان اقتدی بہ اربعۃ فالاصح الکراھتہ۔آہ"۔

ترجمہ: شمس الائمہ الحلوانی نے فرمایا دو تین میں تداعی بھی نہیں ہے اور کراہت بھی نہیں اور اصح قول یہ ہے کہ ایک کے پیچھے چار کا اقتدا مکروہ ہے۔[2]

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

نفل باجماعت نہ پڑھنی چاہئے کہ صحیح یہی ہے کہ جماعت نفل تداعی مکروہ ہے اور تفسیر تداعی کی یہ ہے کہ چار مقتدی جماعت میں ہوں یہ باتفاق مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اور ایک یا دو مقتدی ہوں تو کراہت نہیں۔ (کذا فی الشامی)

پس وہ لوگ جو عاشورہ کے دن اور شبِ برات اور ستائیسویں رجب کی رات میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ کم و بیش دو دو سو اور تین تین سو افراد مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو نیک خیال کرتے ہیں۔ باتفاق فقہاء مکروہ امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور مکروہ چیز کو اچھا جاننا بڑے گناہوں میں سے ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک کھینچ کر لے جاتا ہے اور مکروہ چیز کو اچھا گمان کرنا اس سے صرف ایک درجہ کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا نوافل کی جماعت جائز کہنے والوں کی دلیل عدمِ تداعی ہے۔ ہاں بعض روایات کے مطابق عدمِ تداعی

---

[1] (فی طحطاوی علی مراقی الفلاح:ص:٢٦١)

[2] (فتاوی محمودیہ:ج:١١:ص:٥٠)

کراہت کو دور کر دیتی ہے لیکن وہ بھی ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ ہے اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ مسجد کے کسی کونے میں ہو اور اس شرط کے نہ ہونے کی صورت میں جواز کی کوئی صورت نہیں۔

علاوہ ازیں تداعی کا معنی یہ ہے کہ نفل نماز کی ادائیگی کیلئے ایک دوسرے کو بلانا اور آگاہ کرنا اور یہ معنی اس طرح کی جماعتوں میں پایا جاتا ہے کیونکہ قبیلوں کے قبیلے عاشورہ کے دن ایک دوسرے کو بتاتے پھرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں چلنا چاہئے اور نفل نماز با جماعت ادا کرنی چاہئے۔ ان لوگوں نے اس فعل کو عادت بنا رکھا ہے۔ اس طرح بتاتے پھرنا اذان اور اقامت سے بھی بڑھ کر ہے پس اس صورت میں تداعی بھی ثابت ہے اور اگر ہم تداعی کو اذان اور اقامت کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہوا ہے اور حقیقۃً اذان اور اقامت ہی مراد لیں تو پھر اس کا جواب وہ ہے جو اوپر گزرا۔ کہ ایسی نماز مذکورہ شرط کے ساتھ ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ خاص ہے۔

جاننا چاہئے کہ نوافل کے ادا کرنے کی بنیاد اخفا اور پوشیدگی پر ہے کیونکہ نفل عبادت ریا اور نمائش کا مقام ہے اور جماعت اخفا اور پوشیدگی کے منافی ہے اور ادائے فرائض میں اظہار اور اعلان مطلوب ہے کیونکہ فرائض ریا یا نمائش کے شبہ سے مبرا ہیں پس انہیں باجماعت ہی ادا کرنا مناسب ہے۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کثرتِ اجتماع فتنے کے پیدا ہونے کا امکان ہے اسی لئے نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے بادشاہِ وقت یا اس کے نائب کی موجودگی کو شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے اور ان مکروہ جماعتوں میں اس فتنے کو بیدار کرنے کا قوی امکان واحتمال ہے۔

لہذا اس طرح کا اجتماع شرعاً جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے اور حدیثِ نبوی ﷺ میں وارد ہے: "الفتنة نائمة لعن اللہ من ایقظھا" یعنی فتنہ سویا ہوتا ہے اس شخص پر اللہ کی لعنت پڑتی ہے جو اسے جگائے۔

پس اسلام کے والیوں اور ملت کے قاضیوں اور لوگوں کا محاسبہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے اجتماع سے لوگوں کو روکیں اور اس بارے میں لوگوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہیں تاکہ اس بدعت کی بیخ کنی ہو سکے جو فتنے میں مبتلا کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے۔ اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

لہذا رمضان المبارک وغیرہ میں مردوں، عورتوں کو نماز تسبیح وغیرہ باجماعت پڑھنے پڑھانے کے مکروہ ناپسندیدہ عمل سے بچنا چاہیئے۔ نماز تسبیح کیلئے مساجد میں اعلان کرنا، عورتوں کا جمع ہونا اور نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال کرنا، ایسے خود ساختہ غلط رواجات سے اجتناب کرنا چاہیئے (حیرت کی بات ہے کہ بعض خواتین پانچ وقت نماز بھی نہیں پڑھتیں لیکن میک اپ کر کے نماز تسبیح کی جماعت میں شامل ہوتی ہیں حالانکہ پنجگانہ نماز اور پردہ وحیاء زیادہ ضروری ہے اور نماز تسبیح وغیرہ باجماعت مکروہ ہے)۔ نوافل کی جماعت کی تشہیر کے بجائے نفل گھروں میں علیحدہ اور تنہائی میں پڑھنا افضل اور پسندیدہ امر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کا لوگوں کے سامنے نفل پڑھنے کی بہ نسبت ایسی جگہ نفل پڑھنا جہاں لوگ اسے نہ دیکھیں پچیس درجے زیادہ ثواب ہے"۔ [1] واللہ ورسولہ اعلم۔ [2]

---

[1] (جامع صغیر: ج: ۲: ص: ۴۷)

[2] (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۱، ص ۲۵۵)

مأخذ کتب:

مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

(۱): قرآن مجید (۲): صحیح بخاری شریف
(۳): صحیح مسلم شریف (۴): مشکوٰۃ شریف
(۵): ابوداؤد شریف (۶): ترمذی شریف
(۷): سنن ابن ماجہ (۸): اشعت اللمعات
(۹): رد المحتار علی الدر المختار حاشیہ ابن عابدین
(۱۰): المحیط البرھانی (۱۱): کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ
(۱۲): شرح الیاس (۱۳): الفتاوی الو الوالجیۃ
(۱۴): منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی
(۱۵): المبسوط لشمس الدین السرخسی
(۱۶): خلاصۃ الفتاوی (۱۷): کتاب الاصل المعروف بالمبسوط
(۱۸): بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع
(۱۹): حاشیہ تبین الحقائق شرح کنز الدقائق
(۲۰): فتاوی مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر
(۲۱): الفتاوی الغیاثیۃ (۲۲): قطب الارشاد
(۲۳): مراقی الفلاح شرح نور الایضاح
(۲۴): الاشباہ والنظائر (۲۵): بذخیرۃ العقبی

(۲۶): فتاوی عالمگیری (۲۷): فتاوی سراجیہ

(۲۸): حلبی کبیر (۲۹): مالابد منہ

(۳۰): فتاوی سعیدیہ فی الفروغ الحنفیۃ

(۳۱): فتاوی واحدی المعروف بیاض واحدی

(۳۲): البنایہ فی شرح الہدایہ (۳۳): شرح صحیح مسلم شریف

(۳۴): مکتوبات شریف امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۳۵): فتاوی رضویہ (۳۶): فتاوی امجدیہ

(۳۷): فتاوی فیض الرسول (۳۸): فتاوی فریدیہ

(۳۹): فتاوی فقیہ ملت (۴۰): فتاوی نوریہ

(۴۱): حبیب الفتاوی (۴۲): تنویر الفتاوی

(۴۳): وقار الفتاوی (۴۴): احسن الفتاوی

(۴۵): خیر الفتاوی (۴۶): فتاوی حقانیہ

(۴۷): فتاوی رشیدیہ (۴۸): فتاوی دار العلوم دیوبند

(۴۹): فتاوی رحیمیہ (۵۰): فتاوی عثمانی

(۵۱): فیض الباری (۵۲): آپ کے مسائل اور ان کا حل (۵۳): فتاوی محمودیہ

(۵۴): نوافل کی جماعت مکروہ ہے لعلامہ محمد شہزاد مجددی

(۵۵): الاخیار فی بیان الصلوٰۃ علی السکون والوقار

(۵۶): در المختار (۵۷): حاشیہ ابن عابدین۔

مکتوب نمبر ۱۲۴

[یہ مکتوب بھی مُلا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اس امر کے بیان میں کہ راستے کی استطاعت فرضیتِ حج کے لئے شرط ہے۔ استطاعت نہ ہونے کے باوجود حج کو جانا اپنے ضروری مطلب کے حصول کے مقابلے میں تضیع اوقات میں داخل ہے۔

اخوی خواجہ محمد طاہر بدخشی کا مکتوب شریف موصول ہوا لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہٗ وتعالٰی کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ آپ کے ہم سے کافی عرصہ سے جدا ہونے کے باوجود فقراٗ سے محبت وعقیدے اور اخلاص میں سُستی راہ نہیں پا سکی۔ یہ عظیم سعادت کی علامت ہے۔

اے محبت کے نشانات والے جب تم نے رُخصت طلب کی اور جانے کا عزمِ صمیم کر لیا تھا، تو تمہارے وداع ہونے کے وقت اس قدر ذکر ہوا تھا کہ شاید ہم بھی اس سفر میں تمہارے ساتھ مل جائیں۔ اس سفر کی روانگی کے سلسلے میں جس قدر بھی استخارے کئے گئے کوئی بھی موافق نہ آیا۔ اور اس باب میں اجازت معلوم نہ ہو سکی۔ مجبورًا سفر کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ ابتدا میں فقیر کی مرضی بھی نہیں تھی کہ تم جاؤ، لیکن تمہارے شوق کو دیکھ کر صراحتًا منع نہ کیا۔

استطاعت یعنی سفرِ حج کے مصارف کا موجود ہونا فرضیتِ حج کے لئے شرط ہے۔ بغیر استطاعت حج کے لئے نکل کھڑا ہونا تضییع اوقات ہے۔ ضروری کام چھوڑ کر غیر ضروری کام میں مصروف ہونا مناسب نہیں ہے، بہت سے خطوط میں یہ مضمون تم کو لکھا گیا ہے، تم تک پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو۔ اصل بات یہی ہے آگے آپ مختار ہیں۔ وَالسَّلَام]

تشریح

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی عازمِ حج مکتوب الیہ کو ارشاد فرمارہے ہیں کہ شاید ہم بھی اس مبارک سفر میں تمہارے ساتھ مل جائیں مگر بار بار استخارہ کے باوجود حاضری حرمین طیّبین سے بہرہ اندوز ہونا معلوم نہیں ہوتا، اس لئے مجبوراً توقف کیا گیا ہے۔ آپ نے یہاں فرضیتِ حج کا ذکر نہیں فرمایا اس لئے ممکن ہے کہ آپ پر اس وقت حج فرض نہ ہوا ہو مگر آپ نے بربنائے شوق زیارت حرمین طیّبین کا اظہار فرمایا ہو مگر ایک مقام پر آپ نے فرضیتِ حج کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

چنانچہ آپ رقم طراز ہیں (اردو ترجمہ ملاحظہ ہو!):

اگرچہ اللہ سبحانہٗ کے فضل سے حقیقت کعبہ کے ساتھ الحاق میسر ہو چکا ہے اور اس الحاق ووصول کے بعد بھی بے شمار ترقیاں حاصل ہو چکی ہیں مگر صورت کو صورتِ کعبہ کی ملاقات کا شوق ہے۔ حج فرض ہو چکا ہے اور راستے کا امن بھی غلبۂ سلامتی کے باعث ثابت ہے اور اس فرض کے ادا کرنے کا شوق بھی کمال درجہ کا ہے، لیکن تاخیر پر تاخیر ہوتی جارہی ہے، سفر سے متعلق استخارہ کم ہی مساعدت کرتا ہے۔ جس قدر بھی غور سے اچھی طرح متوجہ ہوتا ہوں جانے کا رستہ نہیں کھلتا اور کعبہ معظمہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا۔۔۔۔ کیا کیا جائے؟ ادائے فرض کی تاخیر میں یہ تمام عذرات فائدہ مند نہیں ہیں، بہر حال اللہ سبحانہٗ کی توفیق سے فرض حج ادا کرنے کے ارادہ پر گھر سے نکلنا ہی چاہیئے اور دیدہ و سر کے بل منزلوں کو قطع کرنا چاہیئے۔ اگر وہاں پہنچ گئے تو نعمتِ عظمٰی ہے اور اگر رستے ہی میں رہ گئے تو بھی بڑی اُمید ہے رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ [1]

---

[1] (دفتر دوم، مکتوب ۷۳)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز دو اہم امور کا تذکرہ فرمار ہے ہیں،پہلے یہ کہ اہل اللہ نہایت لطیف مزاج کے حامل ہوتے ہیں، جبکہ طریقتِ نقشبندیہ مجددیہ لطیف تر ہے۔بنابریں اس طریقت میں وہی سالک کامیاب ہوتا ہے جو بہت ہی حساس، درّاک،ذہین،فطین اور باریک بین ہو۔جو سالک شیخ کے انداز واطوار، لب ولہجہ اور اشاروں وکنایوں کو سمجھے تب کہیں جا کر وہ کیفیات وواردات ومکاشفات کا احساس وادراک کر سکتا ہے ورنہ طریقتِ نقشبندیہ میں چلنا کُند ذہن اور غبی لوگوں کے بس کا روگ نہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے مکتوب الیہ کو نفلی حج کی بجائے فرائض کو ترجیح دینے کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ جب تک خانہ کعبہ تک پہنچنے کی استطاعت نہ ہو حج فرض نہیں ہوتا۔جیسا کہ آیہ کریمہ:وَلِلّٰہِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (آل عمران ۹۷) سے عیاں ہے،بصورتِ دیگر تضییع اوقات اور لایعنی مصروفیات میں سے ہے۔

(البینات شرح مکتوبات،ج ۳،ص ۴۵۵ تا ۴۵۷)

مکتوب نمبر ۱۲۵

[میر صالح نیشاپوری کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ عالَم چاہے چھوٹا ہو (انسان) چاہے بڑا (ساری کائنات) سب کا سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کے اسماء اور اس کی صفات کا مظہر ہے۔ اور عالَم کی اپنے صانع کے ساتھ مخلوقیت اور مظہریت کی مناسبت کے سوا اور کوئی مناسبت نہیں، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔

ترجمہ: اے اللہ ہم کو اشیاء کی حقیقتیں جیسی کہ فی الواقع ہیں دکھا۔

عالم چاہے چھوٹا ہو چاہے بڑا سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کے اسماء اور اس کی صفات کے مظاہر ہیں اور اس کے شیون و کمالاتِ ذاتیہ کے آئینے ہیں۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ عَزَّ سُلطانہٗ ایک مخفی خزانہ اور پوشیدہ راز تھا۔ اس نے چاہا کہ اپنے کمالات پردۂ خِفَا سے ظہور میں لائے، اور اجمال کو تفصیل کے رنگ میں پیش کرے۔ کائنات کو ایسے طریقہ پر پیدا فرمایا کہ ممکنات کی ذوات اور صفات اس کی ذات وصفات پر دلالت کریں اور نشان بنیں۔

پس عالَم کو اپنے صانع کے ساتھ مخلوقیت کے رشتہ اور مناسبت کے سوا اور کوئی مناسبت اور تعلق نہیں اور یہ کائنات اس کے اسماء اور شیونات پر دلالت کرنے والے اُمور کا مجموعہ ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان اتحاد و عینیت یا خالق کا اپنی ذات کے ساتھ مخلوق کا احاطہ یا اس کی ذات کا مخلوق میں سرایت کئے ہوئے ہونا یا مخلوق کے ساتھ رب تعالیٰ کی معیتِ ذاتی وغیرہ کے تصورات، سب کے سب غلبۂ حال اور سُکرِ وقت کی بناء پر ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ مستقیم الاحوال اکابر جنہوں نے صحو کے پیالے سے حصہ پایا ہے، عالَم کی اپنے صانع کے ساتھ مخلوقیت اور مظہریت کی

نسبت کے علاوہ اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتے۔ اور احاطہ اور سَریَان (سرایت کئے ہوئے ہونا) اور معیتِ علمی کے قائل ہیں، جیسا کہ علماءِ حق کا مسلک و مشرب ہے۔ شَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی سَعْیَھُمْ]

تشریح

اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وحدت الوجود کے مسلک و مشرب کی کچھ کیفیات کارَد فرمایا ہے۔ نیز واضح فرمایا ہے کہ سالک کا یہ گمان کرنا کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اپنی ذاتِ مبارکہ کے لحاظ سے ہمارے ساتھ ہے محض سُکر کا اثر ہے اور اعتقاداً غلط ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی جہان اور مخلوق میں حلول کرنے کا عقیدہ رکھنا یا گمان کرنا بھی سراسر غلط اور گناہ ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سارے مفہوم کو صرف ایک مصرعے میں یوں بیان فرمایا ہے کہ:

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ترجمہ: عالمِ پاک کے ساتھ خاک کی کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

[تعجب ہے کہ صوفیاء کی ایک جماعت ایک طرف بعض ذاتی نسبتوں کو ثابت کرتی ہے جیسے احاطہ اور معیت اور دوسری طرف یہی جماعت جماعت اس اَمر کی معترف ہے کہ ذات حق تعالیٰ سے تمام نسبتیں مسلوب ہیں۔ حتّٰی کہ صفاتِ ذاتیہ کو بھی اس سے سلب کرتے ہیں، یہ صریح تناقض ہے۔ اور اس تناقض کو دُور کرنے کے لئے ذات میں مراتب ثابت کرنا تدقیقات فلسفیہ کی طرح محض تکلف ہے۔ کشفِ صحیح والے حضرات اس ذات کو بسیطِ حقیقی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ اور اس بسیط ذات کے سوا جو کچھ ہے اسے اسماء میں شمار کرتے ہیں۔

فرد:

فراقِ دوست اگراندکست اندک نیست
درونِ دِیدہ اگر نیم موست بسیار است

ترجمہ: دوست کی تھوڑی سی جدائی بھی تھوڑی نہیں ہے، آنکھ میں آدھا بال بھی پڑا ہو تو وہ بھی حیات ہے۔

ہم اس بحث کی تحقیق کے لئے ایک مثال بیان کرتے ہیں: ایک ذوفنون ماہر عالم اگر اپنے پوشیدہ کمالات کو ظہور میں لانا چاہے تو وہ حروف اور اصوات کو ایجاد کرتا ہے۔ تاکہ ان حروف واصوات کے پردے میں ان کمالات کو ظاہر کرے لیکن اس صورت میں ان حروف اور دلالت کرنے والی ان آوازوں کو اس ماہر عالم کے ذہن میں موجود معانی کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں، الا یہ کہ یہ حروف اور آوازیں اُن مخفی معانی کے مظاہر ہیں، اور ان کمالاتِ مخزونہ کے آئینے ہیں۔ ان حروف واصوات کو ان معانی مخفیہ کا عین قرار دینا بے معنی ہے۔ اسی طرح احاطہ اور معیت بھی اس صورت میں واقع نہیں۔ معانی اپنی اصل صرافت پر ہی موجود اور قائم ہیں کسی قسم کا تغیر ان معانی کی ذات وصفات میں راہ نہیں پا سکا۔ لیکن چونکہ ان معانی اور ان حروف واصوات میں جو معانی پر دلالت کرتے ہیں دالیّت اور مدلولیّت کی ایک گونہ مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس بناء پر بعض زائد معانی تخیل میں آجاتے ہیں، ورنہ فی الحقیقت وہ معانی مخزونہ ان معانی زائدہ سے منزہ اور مبرا ہیں۔ اس مسئلہ میں جو کچھ ہمارا اعتقاد ہے یہی ہے جو ذکر کر دیا ہے۔ مخلوق کے ذاتِ واجب کا مظہر اور آئینہ ہونے کے علاوہ زائد اُمور اتحاد، عینیت اور احاطہ و معیت کا اثبات، سُکر ہے۔ وہ بلند ذات فی الحقیقت تمام نسبتوں اور مناسبتوں سے مُعَرّہ اور مُبرّا ہے "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک" اس قدر مناسبتِ

ظاہریت (رب تعالیٰ کا ظاہر ہونا) اور مظہریت (مخلوق کا ظاہر ہونا) کے ساتھ وحدت وجود کہیں یا نہ کہیں۔ فی الواقع وجود متعدد ہیں، لیکن اصالت اور ظلیت اور ظاہریت اور مظہریت کے اعتبار سے۔ایسا نہیں کہ موجود صرف ایک ہے اور باقی سب کچھ اوہام اور خیالات ہیں۔ یہ مذہب بعینہٖ سوفسطائیہ کا مذہب ہے۔

عالم کی حقیقت کا اثبات اوہام وخیالات کی صورت میں عالم کو اس طرف نہیں لے جاسکتا جو سوفسطائیہ کا مقصود ہے۔

مثنوی:

چوں بدانستی تواُورا از نخست
سوئے آنحضرت ﷺ نسبت کردی درست
وانگہ دانستی کہ ظلِ کیستی
فارغی گر مردی و گر زیستی

ترجمہ: جب تو نے اس ذات کو پہلے جان لیا، تو اس ذات کے لئے تُو نے نسبتوں کو بھی درست ثابت کیا۔ اور جب تُو نے جان لیا کہ تُو کس کا ظل اور سایہ ہے، تو تُو فارغ ہو گیا یعنی تُو نے اپنے مطلوب ومقصود کو پا لیا۔ اب چاہے تو موت کی آغوش میں چلا جائے، چاہے زندہ رہے۔]

تشریح

مکتوب کے مندرجہ بالا حصہ میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وحدانیت کو صوفیانہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ظاہر بین لوگوں کے نزدیک مادی اجسام کی شرکت سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو پاک قرار دینا ہی توحید ہے، لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ

تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہاں وضاحت فرمائی ہے کہ ایک سالک دورانِ سلوک کشف ومشاہدے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی جس معیت کا احساس کرتا ہے یا احاطۂ ذاتی کا اِدراک کرتا ہے، اُس کی بھی نفی کرنا ضروری ہے نیز کشفِ شہود یا خواب میں اگر دیدارِ الٰہی کرے تو اس کی بھی نفی کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق جو چیز عقل ووَہم اور خواب میں آسکے، وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات نہیں ہوسکتی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ انسانی سمجھ اور عقل نیز دولتِ اِدراک سے وراء الوریٰ ہے۔ تاہم یہ دیدار اور اس طرح کی کیفیات کا سالک کے باطن پر طاری ہونا، سالک کے یقینِ قلبی کی تقویت کے لئے ہوتا ہے نہ اس لئے کہ سالک ان اشیاء کو اپنا معبود سمجھ لے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وہ اقوال جن میں انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے رب کو سو دفعہ خواب میں دیکھا ہے، اسی قبیل سے ہیں۔ نیز حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ قول بھی حضرت مجدد الف ثانی کے مسلک کی تائید کرتا ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ ''میں دس سال جس کی عبادت کرتا تھا، وہ (حقیقتِ معاملہ کھلنے کے بعد پتہ چلا کہ) میری رُوح تھی، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات نہ تھی'' (کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ دیدہ ودانش میں آ ہی نہیں سکتا)۔

پس توحیدِ حقیقی یہ ہے کہ مادم اجسام کے ساتھ ساتھ غیر مادی اشیاء مثلاً خواب یا کیفیات کے دوران نظر آنے والی ذات سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پاک اور منزہ مانا جائے نیز یہ وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ چونکہ اس طرح کی کیفیات اور حالات اکثر اوقات وحدت الوجود کے مشرب ومسلک والوں کو پیش آتے ہیں اس لئے ان پر تنقید کرنا بھی غلط ہے، کیونکہ ایسے سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مُقرب دوست ہیں، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اُنہیں ان کے کشف میں غلطی ہوئی ہے۔

مکتوب کے آخری حصے میں جو سوفسطائی کا لفظ ہے اس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ یہ بہتر (۷۲) گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت ودوزخ نیز مراتب الی اللہ اور درجاتِ تصوف کی کچھ حقیقت نہیں بلکہ محض اوہام وخیالات ہیں۔یہی وجہ یہ کہ اس گروہ کے عقائد رکھنے والے دُنیا میں ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دیدار کے قائل ہیں نیز ایک منٹ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تک پہنچنے کے دعویدار ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ایسے گمراہ عقائدسے محفوظ رکھے، آمین!

(دارالمعــرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ حق تعالیٰ کنزِ مخفی اور گنج نہاں تھا کَمَا ھُوَ شَانُہٗ جب اس نے اپنے پوشیدہ کمالات کے ظہور کا ارادہ فرمایا تو اس نے جملہ ممکنات اور جمیع کائنات کو اسماءوصفات اور شیونات و کمالات کا مظہر وآئینہ بنایا جو اس کی ذات وصفات پر دال ہیں، نہ کہ عین ذات۔ فلہٰذا کائنات اور ذات کے درمیان مخلوق اور خالق ہونے کے سوا کوئی نسبت نہیں۔ جیسے ایک صاحبِ فنون، عالمِ بے بدل جب اپنے مخفی کمالات کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو حروف واصوات ایجاد کرتا ہے تاکہ ان حروف واصوات کے ذریعے اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرے۔ لہٰذا اس صورت میں یہ حروف اور اصوات دالّہ ان پوشیدہ معانی کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے، بجز اس کے کہ یہ حروف واصوات ان پوشیدہ معانی کے محض مظاہر اور مخفی کمالات کے صرف آئینے ہیں۔ ان اصوات وحروف کو خفیہ معانی کا عین قرار دینا اور احاطہ ومعیت اور اتحادوعینیت کا قول کرنا خلافِ واقعہ ہے۔(فافہم)

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

دراصل حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے یہاں دو معروف نظریات کا تذکرہ فرمایا ہے، جنہیں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کہا جاتا ہے۔

صوفیائے وجودیہ ذات وکائنات میں عینیت کے قائل ہیں، اسی کو ہمہ اوست کہا جاتا ہے۔

جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک حق تعالیٰ کی ذات بسیط حقیقی ہے۔ کائنات مظہریت ومرآتیت کے علاوہ اور کچھ نہیں جسے ہمہ از اوست کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۱

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز صوفیائے وجودیہ پر اظہار تعجب فرمارہے ہیں کہ یہ حضرات ایک طرف تو احاطہ ومعیت اور اتحاد وعینیت جیسی ذاتی نسبتوں کا اثبات کرتے ہیں تو دوسری طرف صفاتِ ذاتیہ کی بھی نفی کرتے ہیں جو سراسر تضاد وتناقض ہے، اور رفع تناقض کے لئے ذاتِ حق تعالیٰ میں فلسفیانہ انداز پر مراتب کا اثبات بھی کرتے ہیں۔

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ عینیت کے قائلین صوفیاء کا یہ بیانِ عقیدہ نہیں، بیانِ حال ہے جو غلبۂ حال اور سُکر یہ وقت کا ثمرہ ہے۔ بنابریں انہیں معذور جاننا چاہیئے اور ان کے سُکریہ اقوال کی تاویل کرنا چاہیئے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۶۲، ۴۶۳)

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ میں ہے:

اثباتِ صانع کے بیان میں

اس میں سات اقوال ہیں۔

مہتدی عبد الشکور سالمی فرماتے ہیں: جاننا چاہیئے کہ علم کی دو قسمیں ہیں:

علم کی قسمیں

علم کی دو قسمیں ہیں: علم قدیم، علم حادث۔

علم قدیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور علم حادث مخلوق کا علم ہے۔

علم حادث کی قسمیں

پھر مخلوق کے علم کی دو قسمیں ہیں: ضروری اور استدلالی۔

علم ضروری کی تعریف

علم ضروری وہ ہے جو حواس سے حاصل ہووہ اس طرح کہ جب کسی چیز کو یا کسی آدمی کو دیکھا تو یقیناً جان لیتے ہو یہ شئے کیا ہے؟ کیسی ہے؟ کتنی ہے؟ زندہ ہے یا مردہ ہے؟ مرد ہے یا عورت؟ لمبا ہے یا چوڑا؟

علم استدلالی کسے کہتے ہیں؟

علم استدلالی وہ ہے جو نظر اور فکر سے حاصل ہو بعض متکلمین نے کہا کہ علم ضروری اور علم استدلالی میں کچھ فرق نہیں ہے۔ جبکہ ایسی دلیل سے ثابت جو شک کو زائل کردے یہی قول زیادہ درست ہے۔ اس لئے کہ جو علم استدلال سے بطریق یقین حاصل ہوتا ہے وہ قبول و عمل

کوضرورواجب کرے گااوراس سے حاصل ہونےوالاعلم قطعی اوریقینی ہوگاتوعلم استدلالی ، علم ضروری ہوگیا۔

تفصیلی بیان

اس اجمال کابیان یہ ہے کہ معرفت صانع کاعلم صانع کے وجودپر دلالت کرنےوالی آیات اور نشانیوں میں نظرواستدلال کرنےسے حاصل ہوتاہے اورایسے ہی استدلال و نظرسے وحی و نبوت کااثبات ہوتاہے کہ معجزات میں نظرو فکرکی جائےاور قول رسول ﷺ جبکہ سنے یااللہ کی طرف سے نقل کرے یارسول اللہ ﷺسے بغیرشبہ کے ایسے ہی اجماع امت تویہ چیزیں نظروفکرکے بعدعلم قطعی ویقینی کوواجب کرتی ہیں اوریہ علم ضروری ہوجاتاہےجوبغیرشک وشبہ کے ایمان اورقبول وعمل کوواجب کرتاہے اورجوشک کرے گاوہ کافرہوجائے گااوریہ ایسے ہے کہ ہم دھوئیں کودیکھتےہیں کہتےہیں کہ یہاں آگ ہےاوریہ علم ضروری کاموجب ہوتاہے حتیٰ کہ دیکھنےوالاجب دھواں دیکھتاہے اگرچہ آگ نہ دیکھی ہووہ یقین کرلیتاہے کہ یہ دھواں آگ سے پیدا ہوتاہے ۔ اسی طرح بناہواکپڑابننے والے کےوجودپر دلالت کرتاہے اور سلاہواکپڑادرزی کےوجودپردلالت کرتاہے اوردلیل کے بعد مدلول کاعلم یقین کےساتھ حاصل ہوجاتاہے ایسےہی بارش دلیل ہےبادلوں کے موجودہونےپر یہاں تک کہ ایک نابینے شخص پربارش برستی ہے تواس نے اگرچہ بادلو ں کوہوا سے دیکھانہیں ہوتالیکن یقین کرلیتاہے کہ یہ بارش بادلوں سےہی برسی ہے۔اس طرح بارش سےوہ بادلوں کےوجودپریقین کرلیتاہےاوریہ علم ضروری یقینی ہوجاتاہے۔ ایسےہی مکان اپنےبنانےوالےپردلیل ہوتاہےاور مصنوع صانع پر جیساکہ یہ مقررہوثابت ہے۔

علم ضروری اور علم استدلالی میں فرق

علم ضروری اور علم استدلالی جبکہ بطریق یقین ثابت ہو جانے میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ ''حس'' بذات خود علم نہیں بلکہ کسی چیز کو جاننے کے لئے دلیل ہے ایسے ہی آیات وعلامات دلیل ہیں جو کہ دلالت کرتی ہیں معلوم پر پھر جب عالم معلومات پر واقفیت حاصل کرلیتا ہے تو پھر یہ معلوم خود اس چیز پر دلالت کرتا ہے جو بدلالت دلیل دلالت کرتا ہے اسی چیز پر تو پھر ضروری واستدلالی علم میں فرق واقع نہ ہوگا جب کہ ایک دلیل دوسری دلیل پر دلالت کرے اور یہ دلیل دلالت کرتی ہے معلوم پر جب کہ اس میں شبہ نہ ہو ایسے ہی اگر تین ہو یا اس سے بھی زیادہ جیسے تم کہتے ہو خبر متواتر میں اور قرآن پاک میں کہ نبی کریم ﷺ سے ہم تک بنقل متواتر منقول ہوا دست بدست اور لوگوں کی زبانی بایں حیثیت کہ ان کے جھوٹ پر جمع ہو جانے کو ہم عقلاً جائز نہ سمجھیں کیونکہ اس سے علم قطعی اور یقینی حاصل ہوتا ہے اور ایسے ہی ''**مانحن فیه**'' میں ہے۔''**العلم علیه**'' اور تمہارا لوگوں سے سننا ایسے ہی ہے جیسا حضور ﷺ سے اور ایسے ہی نبی اکرم ﷺ نے خبر دی اللہ تعالیٰ سے اور بسا اوقات جبرائیل علیہ السلام سے وہ میکائیل علیہ السلام وہ اسرافیل علیہ السلام سے وہ اللہ تعالیٰ سے یا لوح محفوظ سے وہ اللہ تعالیٰ عزوجل سے تو یہ خبر تمام وسائط کے اعتبار سے ایسی خبر ہوگئی جیسے تم نے خود حضور ﷺ سے سنا یا اللہ تعالیٰ عزوجل سے سنا اس لئے کہ یہ وسائط جھوٹ وغیرہ کے شبہ اور توہم سے پاک اور خالی ہیں تو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا اور اس کی مانند ہے اگر خبر بطریق آحاد ثابت ہو تو راویوں میں شبہ ممکن ہے مثلاً یہ کہ راوی کو سہو ہو گیا ہو یا غلطی کی ہو یا ادراک معنی میں غلطی لگ گئی ہو یا جھوٹ کا بھی احتمال ہو سکتا ہے لیکن یہ خبر اس حیثیت سے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خبر ہے اس میں شک کی گنجائش نہیں لیکن راویوں میں

یہ سہو غلط شبے کا وہم ہو سکتا ہے اس لئے کہ علم قطعی و یقینی کا موجب نہیں ہے تو اسی پر اندازہ لگا کر ہماری اس گفتگو کو سمجھا جا سکتا ہے پانی درخت بارش آسمان شمس و قمر ہر ایک اس پر دلیل ہے کہ ا ن کا ضرور کوئی صانع قادر قدیم خالق ہے پھر یہ نشانات قدرت اثبات صانع پر دلیل قطعی ہیں تو ان دلائل سے نشانات قدرت سے علم و معرفت کا حصول مثل علم ضروری ہے۔[1]

حسی طور پر زوال شبہ کے لئے یہ آیات قدرت پر دلالت کرتے ہیں کہ قطعی اور یقینی طور پر ان کے لئے صانع ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ عالم اجزاء مؤلفہ اور اجرام مرکبہ کا نام ہے جو قابل تقسیم ہے اور جس میں اندازہ حدو غیرہ متصور ہو سکتے ہیں پھر وجود فعل اپنی جنس سے جائز نہیں اور نہ اجزائے عالم سے جائز ہے جیسے وجود فعل اپنی اصل سے جائز نہیں ۔[2]اور اجزائے عالم سے جائز ہے جیسے وجود فعل اپنی اصل سے جائز نہیں اس لئے کہ اصل اپنے ظہور اور حیات سے پہلے شئے ہی نہیں اور حدوث و کینوت ظاہر و موجود ہونے کے بعد وہ زندہ نہیں اور حدوث و احداث دونوں غیر حسی اور بے جان چیز سے متصور نہیں اور شئے کے بغیر بھی متصور نہیں اور معدوم عادۃً اور عقلاً حیز وجود میں داخل نہیں تو موجد کا محتاج ہوا۔

تو ثابت ہوا محدثات و موجودات کے لئے موجد و محدث ہے اور ان مقدورات و مکنونات کے لئے مقدر و مکون ہے اور ہر مرکب و مؤلف کے لئے مرکب کرنے والا اور تالیف کرنا لازمی ہے اور جب کہ وہ جسم والا ہے تو جسم دینے والا اور جب وہ صورت والا ہے تو اس کو صورت دینے والا کوئی لازمی ہونا چاہیئے تو ثابت ہو گیا کہ عالم کے لئے صانع مبدع موجد محدث ہے۔

---

[1] کہ جب یہ آیات قدرت یقینی اور قطعی طور پر دلالت کرتی ہیں ان کے لیے صانع ہے۔(سیدی ابوالبرکات ۱۲)

[2] جیسے درخت پر پھل لگتا ہے تو نہیں کہہ سکتے کہ درخت نے پھل کو پیدا کیا یا انڈے سے بچہ نکلتا ہے تو نہیں کہہ سکتے کہ انڈے نے بچے کو دیا۔

اگر کہا جائے کہ ہمارے مشاہدہ میں آیا ہے کہ مثلاً بانی ایک مکان بناتا ہے تو ہم جان لیتے ہیں کہ ہر عمارت اسی طرح بانی کی محتاج ہے لیکن عالم میں اوراس کی بناء کو دیکھ کر دوسرے عالم کو نہیں دیکھا کہ اس کو کس نے بنایا تھا یہاں تک کہ ہم حاضر پر غائب کو قیاس کر سکیں ہم نے کہا کہ بناء عالم اور غیر عالم کی ایک طریقے پر اور نہج پر ہے اس لئے کہ بناء کی تعریف ترتیب اجزاءوترکیب اشیاء یعنی بعض اجزاء کو بعض کے ساتھ ترکیب دینا اور جب کوئی شئے مرکب و مرتب ہو گی تو فرق نہیں پڑتا۔ شئے چھوٹی ہو یا بڑی علاوہ ازیں بناء عالم میں جو شاہد ہے عالم کی جنس سے ہے اور عالم کا جزء ہے اور باوجود اس کے بغیر بانی کے نہیں بن سکتی تو اصل عالم بطریق اولیٰ بغیر بانی کے نہیں ہو سکتا۔

سوال

اگر کہا جائے کہ نطفہ قدیمہ طبع کے لئے ثابت ہے اور جسد قدیم ہے اوروہ اصل پیدائش نبت ہے اور طبع قدیم ہے،وہ اصل عالم ہے۔

جواب

جواباً گزارش ہے کہ نطفہ قدیم ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ نطفہ جسد سے نکلتا ہے اور جسد نطفہ سے تو سب سے پہلے جسد کس نطفہ سے ہوا؟ تو یہ سلسلہ الیٰ غیر النہایۃ چلتا جائے گا۔

پھر اس پر دلیل کہ نطفہ قدیم نہیں ہے، یہ ہے کہ نطفہ تغیر اور متغیر ہے اور تکوین اور متکون اور ہم نے بیان کیا ہے کہ تغیر و متغیر تکوین اور متکون حدث و محدث ہیں اور یہ معنی جسد میں رہا یہ ان کا قول کہ طبع قدیم ہے تو اس سلسلہ میں ان کے ساتھ مناظرہ کا طریقہ یہ ہوا کہ جیسے باب الطبائع والفلک میں ہم ذکر کر چکے ہیں علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ طبع قدیم نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اس میں

تبدیلی اورانقلاب رونماہوتارہتاہے انقلاب اور تحویل لازمی چیز ہے کہ حرکت سے ہوتا ہے اور حرکت عرض ہے اور عرض محدث ہے تو ایسے ہی محل متحرک بھی لازماً اس حال پر ہو گا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا قول:قِدم کا بیان

جہان کا پیدا کرنے والا قدیم ہے

ہمارااجماع ہے کہ عالم کابنانے والا قدیم ہے اس لئے کہ اگر قدیم نہ ہو تو محدث ہو گا اور محدث کے لئے پھر صانع کی ضرورت ہے اس میں بھی یہی کلام جاری ہو گا کہ محدث ہے یاقدیم؟ اور یہ سلسلہ کہ یہ کہیں جاکر رکنے کا نہیں تو ثابت ہوا کہ صانع عالم قدیم سے حادث نہیں ہے۔

سوال:

سوال یہ ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ صانع قدیم ہے تو قدم صفت ہوں گے اور صفت وذات (قِدم وقدیم) ایک محل میں دو چیزیں مجتمع ہوگئے اور ایسا ہونا محال ہے۔

جواب:

جواباًعرض ہے کہ یہ جو کچھ تم نے ذکر کیاہے یہ محدثات کی صفت ہے تو صفت عرض ہوگی وہ محتاج محل ہے اور ذات جوہر ہے محتاج مکان ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات عرض نہیں اور نہ ذات باری تعالیٰ جوہر کی محل اور مکان کی محتاج ہو تو ہم کہتے ہیں وہ موجود ہے اور بغیر تمکن وحلول کے موصوف ہے تو یہ سوال ہی صحیح نہیں۔

ایک محل میں دو چیزوں کا جمع ہونا محال نہیں

دو چیزوں کا ایک محل میں پایا جانا محدثات میں محال نہیں ہے اس لئے کہ عرض وجوہر دو شئے ہیں اور وہ دونوں محل واحد میں ہیں پھر دو جوہروں کا وجود بھی ایک مکان میں جائز ہے جیسے پانی مٹی میں حلول کئے ہوئے ہوتا ہے اور مٹی جوہر ہے بذاتہ مکان میں مشتعل ہے اور پانی اس میں جذب و سرایت اور حلول کیے ہوئے ہے لیکن اس مکان میں قرب اتصال کے بناء پر اس میں رچا اور سمایا ہوا ہے ایسے ہی روح میں۔

سوال:

سوال یہ ہے کہ یہ توبجاہے کہ صانع قدیم ہے کیونکہ محدثات کا خود بخود معرض وجود میں آجانا محال ہے، لہذا اشیاء اپنے ظہور اور پیدائش میں پیدا کرنے والے کی محتاج ہیں اور اس قدیم کا ان محدثات ونوپید اشیاء پر تقدم بھی ضروری، یہ سب باتیں مانتے ہیں، لیکن صانع قدیم کو اشیاء محدثات پر ایک گھڑی کے لئے تقدم حاصل ہو جائے یہی کافی ہے، باقی رہا اس سے زیادہ تو اس پر آخر کون سی دلیل قائم ہے؟ اور کس دلیل سے ثابت ہے کہ صانع قدیم ہے اور اس کو اشیاء پر ہمیشہ سے تقدم حاصل ہے؟

جواب:

ہم کہتے ہیں کہ جب صانع کا اپنے قدم ووجود کے ساتھ مصنوعات ومحدثات سے تقدم ثابت ہو گیا تو اس کا تقدم ہمیشہ کے لئے بھی ثابت ہو گیا اس لئے کہ اس پر تحویل حدوث تو جائز ہی نہیں تو وہ بغیر ابتداء اور بغیر انتہاء کے قدیم ہو گا۔

اور علاوہ ازیں ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محدثات میں سے ایک قدم محدث ہے تو اول مدت اس کے حدوث پر دلالت کرے گی اس بناء پر وہ قدیم نہ ہوگا (پس اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے قدیم اور ہمیشہ قدیم رہے گا) بلکہ اول محدثات ہوگا اور محدثات کا محتاج ہوگا تو یہ کہنا صحیح نہیں ۔ نیز اس لئے کہ قدیم و محدث میں فرق چار وجہ سے ہوگا۔

قدیم اور محدث میں چار وجہ سے فرق

(۱) اللہ تعالیٰ کو ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ اول و آخر ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں: وہی اول ہے بلا ابتداء اور وہی آخر ہے بلا انتہاء اور مخلوق کے لئے اول و آخر ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنس و نوع سے پاک ہے اور مخلوق کے لئے جنس و نوع ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حال متغیر نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ کو حال کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے، جب کہ مخلوق کا حال متغیر ہوتا رہتا ہے اور مخلوقات حال سے موصوف ہوتی ہیں۔

(۴) اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ مخلوق زمان و مکان میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ زمان و مکان اور جہات سے پاک و منزہ ہے۔

تو ہماری بات صحیح ہوئی، اس کا قدم بلا ابتداء ہے اور ہمیشہ سے وہ قدیم بلا ابتداء ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا جس کی کوئی انتہاء نہیں مقرر کی جاسکتی۔

اور اگر ہم یہ کہیں کہ اس کے قدم کی ابتداء ہے یا اس کی ہستی کی اول ہے تو آخر یہ بھی منتج ہوگا اس کے حدوث پر، اس لئے کہ قبل وجود مقتضیٰ ہے کہ وہ موجود نہ ہو یا نہیں تھا، پھر ہوا تو اس

صورت میں محدث ہو گا اور ایک دوسرے محدث کی طرف محتاج ہو گا اور یہ صحیح نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ وہ موجود ہے بلا اول اور بلا ابتداء اور وہ باقی ہے بلا آخر و بلا انتہاء اور ثابت ہو گیا کہ وہ قدیم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

تیسرا قول: وحدانیت کا بیان

خدا ایک ہے

جہان کو پیدا کرنے والا اپنی ذات میں یکتا ہے اس کی صفات قدیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں قدیم ہے

دلیل یہ ہے کہ ہم نے صانع کو صنع اور حدوث کی ضرورت سے ثابت کیا ہے کہ بغیر صانع مصنوع کا وجود نہیں ہو سکتا اور یہ ضرورت ایک صانع سے مرتفع ہو سکتی ہے تو جہاں اپنے ظہور و تخلیق میں دوسرے اور تیسرے خالق و صانع کی طرف محتاج نہیں رہتا اور دوسرے اور تیسرے صانع کے اثبات پر کوئی دلیل نہیں۔

سوال

کوئی شخص سوال اٹھاتا ہے کہ یہ تو سبب اور دلیل کا نہ ہونا ہے لیکن یاد رہے کہ سبب یا دلیل کا مفقود ہونا شئے کی نفی کے لئے دلیل قرار نہیں پا سکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی شئے ایک صانع کے اثبات پر دلیل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے یا اس کے لئے کون سا عمل مانع ہے کہ اسی طرح ثانی اور ثالث کے اثبات کے لئے بھی دلیل قرار پائے جیسے راستہ چلنے والے کے لئے دلیل ہے اب

خواہ اس پر ایک چلنے والا چلے یا دو تین یا زیادہ ایسے ہی سلا ہوا کپڑا درزی کے وجود پر دلیل ہے تو جائز ہے کپڑے کو ایک شخص سے یا دو تین یا زیادہ۔ [1]

جواب

یہ ہم مانتے ہیں کہ کسی شئے کے اثبات پر دلیل اور سبب کا نہ پایا جانا اس شئے کی نفی کی دلیل نہیں ہوا کرتی مگر جب وہ شئے دلیل سے معلوم و محسوس نہ ہو تو پھر وہ عدم (نہ ہونے) کے حکم میں ہو گی تو جو چیز حکم عدم میں ہو گی اس کا نام بلا دلیل شئے وجود نہیں رکھا جاسکتا اور یہاں کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر کہنا واجب نہ ہوا باقی اثبات کا جواب کہ جب ایک شئے صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ صانع واحد کے اثبات پر دلیل ہو سکتی ہے تو اس میں ثانی اور ثالث صانع کے اثبات پر دلیل بننے کی بھی صلاحیت ہو گی طریق و محیط کی مثل (استہ، سلا ہوا کپڑا) یہ ہے ایسی صورت وہاں ممکن ہوتی ہے جہاں ثانی اور ثالث محال نہ ہو جب استحالہ ظاہر ہو گیا کہ ثانی و ثالث صانع کا وجود محال ہے تو یہ واجب کرتا ہے اس کی نفی کو اور اس کا اثبات ناجائز ہے اس لئے کہ ہم بیان کر رہے ہیں کہ کسی شئے کے اثبات کا محال ہونا اس کی نفی کا موجب ہوتا ہے اور شئے کی نفی کرنا محال ہو تو یہ اس کے اثبات پر کھلی دلیل ہوتی ہے اور ثانی اور ثالث کے اثبات میں استحالہ پایا گیا ہے تو اس سے لازم نہیں آتا جو تم نے کہا۔

وجہ استحالہ

دو خدا نہیں ہو سکتے دلائل ملاحظہ ہوں۔ اس کے محال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر صانع دو خدا ہوں تو دو حال سے خالی نہیں دونوں ایک دوسرے سے متصل ہوں گے یا منفصل ہوں گے ایک

---

[1] لہذا صانع کی وحدانیت سے دوسرے اور تیسرے صانع کی نفی نہ ہوتی تو یہ قول صحیح نہ ہوا۔

دوسرے سے پہلی شق اختیار کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ اگر دونوں متصل ہیں تو ایک ہی ہوئے اس لئے کہ ان دونوں میں جدائی اور فاصلہ نہیں اور اس وقت ہر ایک کی حد معلوم نہیں ہو سکے گی اور ہر ایک کی طرف اشارہ ممکن نہیں ہو گا تو دوسرے اور تیسرے خدا کے وجود کی بات کرنا محال ہوا ایسا ہونا ہی غلط ہے۔

دوسری شق پر بات

اور اگر دونوں متصل ہوں گے تو جدائی اور ملنا دو چیزیں تحدید کو واجب کرتی ہیں اور محدود و مقدر کے لئے جنس و نوع ہو گی تو یہ شبہ پیدا کرے گی پھر یہ بھی کہ محدود کی حد قائم کرنے والے اور مقدر کی تقدیر اندازہ لگانے والے کی طرف احتیاج ضرورت پڑے گی تو ایسی صورت میں دو میں سے ایک خدا نہیں ہو گا تو ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہے۔

اعتراض

اگر کہا جائے دو صانع ہوں اور اس طرح کہ ہر ایک دوسرے سے نہ متصل ہے نہ منفصل، یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں کہ صانع (خدا) موجود ہے اور عالم (جہاں) موجود ہے اور صانع عالم نہ عالم سے متصل ہے اور نہ عالم سے منقطع ہے تو ایسے ہی یہاں صورت حال ہے۔

جواب

یہ ہے کہ ہاں یہ تسلیم کہ صانع بھی موجود ہے اور عالم بھی موجود ہے لیکن عالم صانع کی جنس سے نہیں ہے اور صانع عالم کی جنس سے نہیں یعنی خدا اور جہاں دونوں ہم جنس نہیں ہیں اور وصل و جدائی دو جنسوں یا دو نوعوں میں ہوتا ہے یا ایک جنس اور ایک نوع میں ہوتا ہے اور یہ اس جگہ نہیں پائے جاتے توجب یہاں جنسیت اور نوعیت نہیں تو ان دونوں میں فصل و وصل بھی ممکن نہیں

بر خلاف ہمارے اس مسئلہ کے کہ اگر صانع (خدا) دو ہوں تو ہر ایک دوسرے کے ہم جنس ہو گا اور دو جنسوں میں اتصال جائز ہو گا اب اگر ایک دوسرے سے اتصال ہوا تو ایک ہو جائے گا اور ایک دونوں ہم جنس نہیں ہیں تو اتصال نہ پایا گیا جب اتصال نہ پایا گیا تو انفصال لازمی امر ہے جب انفصال ہوا تو یہ (انفصال) تحدید کو واجب کرتا ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔

خدا کی وحدانیت پر دلیل

دوسرے اور تیسرے خدا کے استحالہ سے صانع کی وحدانیت پر دلیل یہ ہے۔ مثلاً گفتگو اسی طرح جاری کریں گے کہ فرض کرو! اگر دو صانع ہوں تو یہ دو حال سے خالی نہیں یا دو صانع مشترک طور پر ہوں گے یا جدا جدا طور پر تو اگر دو صانع بر سبیل اشتراک ہیں تو ہر ایک مکمل طور پر کارروائی کرنے کا مالک نہیں ہو گا اس لئے کہ جہاں (عالم) کا ہر جزء دونوں میں نصف نصف طریق پر مشترک ہو گا اور حکماء ہر چیز میں دونوں صانع تصرف کرنے والے نہیں ہوں گے اس لئے کہ ہر ایک ایک جہت اور پہلو سے تصرف وکارروائی سے ممنوع قرار پاتا ہے اور جو کسی چیز میں تصرف کرنے سے ممنوع ہو وہ مقہور ومغلوب ہوتا ہے اور مقہور وممنوع خدا نہیں ہو سکتا اور اگر ہر ایک متصرف (کارروائی کرنے والا) ہو ہر جزء میں تو اس سے بھی بڑھ کر استحالہ لازم آئے گا اس لئے کہ ان میں سے اگر ایک کسی شخص کو مارنے کا ارادہ کرے اور دوسرا اسی شخص کو زندہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے تو شخص واحد ایک ہی وقت میں زندہ بھی ہو اور میت بھی زندگی اور موت دونوں سے متصف ہو یہ محال اور ناممکن ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (الانبیاء ۲۲) ''اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے۔''

اعتراض

اگر کہا جائے کہ جائز ہے دو خدا ہوں اور دونوں میں اختلاف و جھگڑا واقع نہ ہو اس لئے کہ حکمت کاملہ موجب اختلاف نہیں ہوا کرتی پس دونوں قادر ہیں دونوں علیم ہیں حکیم ہیں صانع و خالق ہیں اور دونوں علی سبیل الکمال کامل ہیں اب حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہو گا کہ جس چیز کو ایک ہی چاہے گا اسی کو دوسرا چاہے گا اور جو چیز ایک جائز رکھے گا وہی دوسرا جائز رکھے گا تو اس طرح بمقتضائے حکمت کاملہ دونوں میں اختلاف واقع نہیں ہو گا۔

جواب

ہم نے جواب میں کہا کہ جب دونوں صانع قادر عالم حکیم اور کامل ہیں تو ان دو میں سے ایک کا ان صفات سے متصف ہونا کافی ہے تو دوسرے خدا کے ماننے میں کچھ فائدہ نہ ہوا اور جب فائدہ نہیں ہوا تو مخلوق اس سے مستغنی ہو گی اور جس کی مخلوق حاجت نہ ہو مخلوق اس سے مستغنی ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ معبود برحق جب کہ تمام اشیاء کا صانع بھی ہو خالق و رازق بھی ہو تو تمام اشیاء جمادات ، نباتات ، حیوانات ، جواہر و اعراض سب کے سب محتاج ہوں گے اس کے قائم رکھنے سے قائم ہوں گے اس لئے کہ زندہ اس کے زندہ رکھنے سے اور مردہ اس کے مارنے سے اور باقی اس کے باقی رکھنے سے باقی رہے گا اور موجود اس کی ایجاد سے موجود ہو گا اور معدوم اس کے ختم کرنے سے معدوم ہو گا اور تمام اشیاء کبھی بھی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتیں ہر حال میں اس کی محتاج ہیں اور جب کفایت اور رعایت ایک خدا سے حاصل ہو سکتی ہے تو دوسرے خدا سے استغناء و بے نیازی ظاہر ہو گی اس سے ہماری بات ثابت ہو گئی کہ دوسرا خدا موجود نہیں بس خدا صرف ایک ہی ہے وحدہ لاشریک۔ یہ تقریر تو اس شق پر ہو رہی تھی جب کہ دونوں فعل میں مشترک ہوں اور جب دونوں میں افتراق

ہوبایں طور کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ مخلوق کو پیدا کرے تو اس میں پہلے سے بھی زیادہ استحالہ ہے اور یہ پہلے سے بھی بہت برا ہے اس لئے کہ بندہ جب جانتا ہی نہیں کہ اس کا خالق (پیدا کرنے والا) کون ہے؟ اس کو کس نے شکل وصورت بخشی ہے؟ اس کو صورت دینے والا کو ن ہے؟ اس کو روزی دینے والا کون ہے؟ کس نے اس کو حکم دیا؟ اس کو نیکی کا امر دینے والا کون ہے؟ اس کو برے کاموں سے منع کرنے والا کون ہے؟ تو نتیجہ یہ ہو گا کہ شک کی صورت میں (کہ میرا خالق کون ہے اور کون میرا رازق ہے؟) اس کا ایمان صحیح نہ ہو گا یہ محال اور ناممکن ہے اور اس پر دلیل کہ جو ہم نے کہا صحیح ہے یہ آیت کریمہ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذًا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔(المؤمنون ۹۱)" اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا اور ضرور ایک دوسرے پر اپنی تَعَلِّي چاہتا۔"تو بطریق ضرورت معلوم ہو گیا کہ صانع ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کا کوئی مثل نہیں۔(جل جلالہ)

چوتھا قول:"ضد"اور"ند"کا بیان

جان لو کہ اللہ تعالیٰ ضد اور ند سے پاک ہے۔

زیادہ بہتر ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے اضداد وانداد سے پاک ہونے کی بحث اور گفتگو شروع کرنے سے پہلے ہم یہ جان لیں کہ ضد اور ند کسے کہتے ہیں؟

ضد کسے کہتے ہیں؟

ضد کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنی ضد (مقابل ذات) کے منافی ہو جب اللہ تعالیٰ کے لئے ضد ہو گی تو اس کے لئے اپنی ضد کی موجودگی میں باقی رہنا ممکن نہ ہو گا لہذا جس کے لئے ضد ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا تو ثابت ہوا کہ خدا ضد سے پاک ومنزہ ہے۔

ضد کہاں پائی جاتی ہے؟

ضد کا حکم عرض میں ثابت ہو تا ہے اور عرض میں ضد پائی جاتی ہے۔جو اہر وذوات اور نفوس میں ضد نہیں پائی جاتی اللہ تعالیٰ عرض نہیں کہ اس کے لئے ضد ہو۔

اضداد کا وجود صرف اعراض میں کیوں ضروری ہے؟

اضداد کا وجود صرف اعراض میں اس لئے ضروری ہو تا ہے کہ ضد کا اپنی ضد کے ساتھ ایک ہی ساعت میں ایک محل میں باقی رہنا متصور نہیں ہے مثلاًرات کا دن کے ساتھ بیماری (مرض)کا تندرستی (صحت)سیاہی کا سفیدی کے ساتھ (جو کہ آپس میں ضدیں ہیں)ایک وقت میں ایک محل میں ممکن اور متصور نہیں ہے ہاں ایک عین کا عین کے ساتھ باقی رہنا جائز ہے اور اسی طرح جوہر کی بقاء دوسرے جوہر کے ساتھ ایسے ہی نفس وذات ایک دوسرے کے ساتھ باقی رہ سکتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اعیان محل کے ساتھ محتاج نہیں تو ہر عین اور جوہر اپنی شکل اور اپنے دائرہ میں ہوں گے جب کہ اعراض محل کے محتاج ہیں اور بغیر محل کے نہ باقی پائی جاتی ہیں اور نہ باقی رہ سکتی ہیں پھر جب محل ایک عرض میں مشغول ہے تو اس محل میں دوسرے عرض کا احتمال نہیں اور اگر دوسرا عرض طاری ہو گا تو وہ پہلے عرض کے زوال کا موجب اور باعث بن جائے گا جیسے سفیدی کپڑے میں عرض ہے تو ناممکن ہے کہ سیاہی سفیدی کے ساتھ رہے اسی ساعت اسی عین میں اس لئے کہ ایک عرض طاری ہو گی تو دوسری جو اس کی ضد ہے یقیناًزائل ہو جائے گی تو ثابت ہو گیا کہ اضداد فقط اضداد میں ثابت اور متصور ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ عرض نہیں اس کے لئے اضداد ہوں یہ بھی جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ ند سے پاک ہے

ندکسے کہتے ہیں؟ند سے مراد شکل، مثل، جنس وشبہ ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں اس لئے کہ اگر اس کے لئے مثل یا نظیر ہو دو حال سے خالی نہیں یا قدیم ہو گا یا حادث اگر قدیم ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا اس کے ساتھ متصل وملازم ہو گا یا اس سے یا مبائن (جدا) منفصل ہو گا اور اتصال وحدت کو واجب کر تا ہے تو ایک ہوا اور اس کی نظیر ثابت نہ ہوئی اور انفصال تحدید کو واجب کر تا ہے اور تحدید سرے سے وصفِ الوہیۃ ہی کی نفی کرتی ہے(یعنی تحدید معبود اور خدا ہونے کے منافی ہے) تو ثابت ہوا کہ دو قدیم نہیں ہو سکتے اور اگر وہ ند حادث ہے تو وہ قدیم کی مثل اور نظیر نہیں ہو سکتا۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ (الشوریٰ ۱۱)

''اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔''

نظیر کس کی ہو سکتی ہے؟

علاوہ ازیں اس لئے کہ نظیر جنس کی جہت سے ہوتی ہے یا پھر صورت کی جہت سے ہوتی اور یہ جائز نہیں کہ اس کی جنس ہو اس لئے کہ جنس ایسی دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے جو صوری اور معنوی لحاظ سے متفق اور ایک جیسی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں کہ کوئی متفق ہو لیکن معنی تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں منفرد اور یکتا ہے کوئی اس کے موافق اور شریک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیمہ ہیں اور دوسرے کی صفات حادث ہیں لہذا حادث وقدیم میں موافقت کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس معنی کے لحاظ سے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے نہ اصل عدد سے اور نہ جنس عدد سے اس

لئے کہ اس کے لئے جنس نہیں کہ ایک کو کُن اس کے ساتھ ملایا جائے اور شمار کیا جائے اس سے نہ وہ قابل شمار اور گنتی ہے اس لئے کہ اس کا ثانی نہیں تو ثابت ہوا کہ نہ اس کی جنس ہے اور نہ نوع۔

اعتراض

اگر کہا جائے کہ کیا یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ شئے ہے؟ اور عالم بھی شئے ہے تو شیئت (شئے ہونے) کے ناطے اور حوالے سے جنسیت ثابت ہو گی۔

جواب

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ عقل کا تقاضا تو یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ پر نفس اور شئے کا لفظ نہ بولا جائے اللہ تعالیٰ کے لئے ان الفاظ کا اطلاق کرنا جائز نہیں مگر دلیل سمعی (شرعی دلیل) قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے نفس اور شئے کا اطلاق ثابت ہے اور شرعی مسئلہ ہے کہ جو صفات متشابہ دلیل سمعی سے ثابت ہوں قوم پر لازم ہے کہ اسے مانے اور اس پر ایمان لائے لیکن اس تفسیر ہم نہیں کرتے اور خصم اگر دلیل سمعی سے کچھ کہے تو ہم اس پر ایمان لائیں گے اور اگر نص کا انکار کرے یا سماع کا تو اس کو کوئی حق نہیں کہ ہم پر وہ چیز وارد کرے جس پر ہمارا ایمان نہیں تو ان سے مناظرہ اثبات وحی اور شرع کے ساتھ کرنا چاہیے جس کو کوئی متغیر نہ کر سکے تو ثابت ہوا کہ صانع کے لئے جنس نہیں اور جب اس کی جنس نہیں تو اس کا کوئی نظیر اور مثل نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ اس کے لئے ازروئے صورت کہ کوئی نظیر ہو۔

صورت کسے کہتے ہیں؟

صورت سے مراد ترکیب و تالیف اور تقاطع ہے صورت کے یہ معنی مراد لینے پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلیل ہے: فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ (البقرۃ ۲۶۰) ای قطعھن۔ یعنی ان کو قطع کرو اور قطع (کاٹنا،

ٹکڑے کرنا)مرکب وموئلف(جمع کرنا)محتاج ہیں مقطع(کاٹنے والا)مرکب اور موئلف کی طرف اوران کا قدیم ہونا صحیح نہیں تو جو کچھ ہم نے کہا ثابت ہو گیا۔

اعتراض

اگر کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

ان اللہ تعالیٰ خلق آدم علی صورتہ۔

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

ایک روایت میں ہے:

"علی صورۃ الرحمن"۔

کہ رحمن کی صورت پر پیدا فرمایا۔

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہے۔

جواب

ہم کہتے ہیں کہ ہاں یہودیوں نے بھی ایسے ہی کہا تھا اور اس کے کئی جواب ہیں۔

(۱) تمام انسان نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اورآدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی صورت پر بغیر نطفہ کے پیدا فرمایا۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے وہ اپنے غلام کے چہرے پر مار رہا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تیرا منہ برا کرے اوران کا چہرہ بھی بگاڑدے جو تیرے چہرے کے مشابہ ہے حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے غلام کو مارے تو چہرے پر نہ مارے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا فرمایا اور مستحق وعید اس لئے ہوا کہ

اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کو گالی دی کیونکہ اس نے کہا اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ برا کرے جو شکل وصورت میں تیرے مشابہ ہو۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دنیا میں لغزش کے بعد اسی صورت پر بھیجا جو صورت لغزش سے پہلے تھی صورت بدل کر دنیا میں نہیں بھیجا۔ آپ علیہ السلام کی صورت کو نہ بگاڑا نہ بدلا وہی صورت جو لغزش سے پہلے تھی باقی رکھی اور اب بھی ویسی ہی ہے۔ بخلاف ابلیس سانپ ، مور کہ ان سب کی صورت اور آواز مسخ کر کے ان کو بھیجا اور علی صورۃ رحمن جواب یہ ہے کہ اس صورت پر آدم علیہ السلام کو بھیجا جو صورت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لئے خاص کر لی تھی۔

اعتراض

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا تو اس سے بھی خدا کے لئے صورت ثابت ہوئی۔

جواب

یہ ہے کہ میں بہترین صورت میں تھا کہ اپنے رب کو دیکھا اس لئے کہ عرب کہا کرتے تھے ''رأیت فلاناً راکباً'' میں نے فلاں کو دیکھا اس حال میں کہ میں سوار تھا یا وہ سوار تھا ''راکباً'' دونوں سے حال واقع ہوتا ہے بعض نے اس کا جواب یہ بھی دیا ہے کہ ''رِبی''(را کے زیر کے ساتھ) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام کا نام تھا تو معنی یہ ہوا میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام رِبی کو بہترین صورت میں دیکھا۔ اور بعض نے کہا ''رُبی'' را پر پیش پڑھیں تو جنات کے تابع کو کہتے ہیں وہ مجھ پر رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

ایک جواب یہ بھی ہے کہ ''رب'' کے معنی سید کے ہیں اور مراد یہاں جبرائیل علیہ السلام ہیں معنی یہ ہوئے کہ میں نے جبرائیل علیہ السلام کو بہترین صورت پر دیکھا اس پر دلیل یہ آیت کریمہ ہے۔ اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ (یوسف ۴۲) ای عند سیدک۔ اپنے رب (بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ رأیت ربی فی سلک المدینۃ و علیہ حلۃ حمراء و فی رجلیہ نعلان حرارتان۔ میں نے اپنے رب (سردار) کو مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں دیکھا اوران پر سرخ جوڑا تھا ان کے پاؤں میں نری کی جوتیاں تھیں۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ہو؟ اس لئے کہ رب چلنے پھرنے سے منزہ اور پاک ہے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرادیئے اور فرمایا حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا تو ثابت ہوا کہ رب سے مراد سید ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ رب سے مراد سید ہے اور سید سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

اعتراض

اگر کہا جائے کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجلی فرمائے گا ایسی صورت میں کہ اہل موقف اس کو نہیں پہچانیں گے پھر دوسری صورت میں تجلی فرمائے گا تو اہل مؤقف اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صورت ہے۔

جواب

یہ ہے کہ صورت سے مراد صفت ہے تجلی جس صفت میں تھی اہل مؤقف نہ پہچان سکے جب دوسری صفت میں تجلی فرمائے گا تو پہچان لیں گے کہ اب دیکھتے نہیں عموماً کہا جاتا ہے اس امر کی یہ صورت ہے اس مسئلہ کی یہ صورت ہے اس حادثہ کی یہ صورت ہے؟ یہاں صورت سے مراد صفت

ہے ایسے ہی حضور ﷺ نے صورت فرما کر صفت مراد لی ہے اس لئے کہ دنیا میں بندے اللہ تعالیٰ کو جود وکرم عفوودر گزر کی صفات سے پہچانتے ہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ سیاست اور عدل وانصاف کو ظاہر فرمائے گا جیسے **انشقاق قمر** اور ستاروں کا گرنا وغیرہ تو بندے عرض کریں گے صفتوں سے ہم نہیں پہچانتے ان صفات سے ہم نہیں پہچان سکتے پھر اللہ تعالیٰ دوسری صفت سے تجلی فرمائے گا اہل مؤقف پہچان لیں گے وہ صفت احسان عفووکرم مغفرت ہے جس کے ساتھ اہل مؤقف اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے لہذا جو تم نے کہا وہ صحیح نہیں۔

دلیل کہ اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ۔

''وہی ہے اللہ بنانے والا پیدا کرنے والا ہر ایک کو صورت دینے والا۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مصور فرمایا ہے اور جو مصور واؤ کے زبر کے ساتھ پڑھے گا وہ کافر ہو جائے گا اس لئے کہ مصور کا محتاج ہو گا تو وہ قدیم نہ ہو گا تو جو ہم نے کہا درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صورت نہیں بلکہ مصور ہے (صورت بنانے والا) اور اس کی نہ مثال ہے نہ نذیر نہ ضد ہے نہ ند ہے۔

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ (الشوریٰ ۱۱)

''اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے۔''

پانچواں قول: اینیت کا بیان

اینیّہ میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں موجود ہے اور جہمیہ نے ان آیات سے استدلال کیا ہے۔

(۱) وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ (الزخرف ۸۴)

''اور وہی آسمان والوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا۔''

(۲) وَهُوَ اللّٰہُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ۔ (الانعام ۳)

اور وہی اللّٰہ ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔''

(۳) إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (النحل ۱۲۸)

بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔

(۴) مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ۔ (المجادلہ ۷)

''جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے اور پانچ کی تو چھٹا۔''

ان آیات کا جواب یہ ہے:

پہلی آیت کا جواب یہ ہے کہ آسمان اور زمین والوں کا ایک اِلٰہ (معبود) ہے۔

دوسری آیت کا جواب یہ ہے کہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہے۔

تیسری آیت کا جواب یہ ہے کہ مدد و نصرت اور توفیق کے ساتھ۔

چوتھی آیت کا جواب یہ ہے کہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی گفتگو کو سنتا ہے اور ان کے افعال کو دیکھتا ہے ہم ان آیات کا یہ مطلب لیتے ہیں پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے تو معاذاللہ تعالیٰ وہ حیوانات کے مونہوں میں اور کتوں کے منہ میں اور معاذاللہ تعالیٰ عورتوں کی شرمگاہوں میں بھی ہے اور لونڈیوں کی اندام نہانی میں اور یہ کفر قبیح ہے بدترین کفر ہے نہایت شنیع وغلیظ اور گندی بات ہے۔

جہمیہ اور معتزلہ کا نظریہ

جہمیہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اس کے اور عرش کے درمیان ہوا ہے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ جسد ہے لیکن جسد کا مطلب انہوں نے بیان نہیں کیا اور کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش پر ہو گا تو یہ موجب تحدید ہے اور تحدید موجب تصویر ہے اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

فرقہ متکاشفہ

فرقہ کرامیہ کی ایک شاخ متکاشفہ ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر قرار پکڑا یہ حضرات اپنے دعویٰ پر استدلال کرتے ہیں اس روایت سے جسے کلبی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے انہوں نے اس آیت الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طه۵) ''وہ بڑی مِہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔'' کی تفسیر میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے عرش پر استقرار پکڑا، ایک روایت میں ہے امْتَلَأَبِهِ الْعَرْش۔[1] اللہ تعالیٰ سے عرش بھر گیا۔'' کے الفاظ بھی آتے ہیں کہ عرش اس سے بھر گیا۔

جواب یہ ہے کہ: ''استقر العرش من خشیته'' کہ عرش نے خشیت الٰہی سے قرار پایا اور ٹھہر گیا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے سوال کیا گیا ''این کان ربناقبل ان یخلق العرش ؟'' حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا ''این سوال عن المکان؟ کان اللہ ولامکان وھوالأن کما کان'' کہ لفظ ''این'' مکان کے بارے میں سوال کے لئے آتا ہے اور اس وقت بھی تھا جب مکان نہ تھا اور وہ الأن کما کان'' اب بھی ایسا ہی ہے جیسا پہلے تھا۔

---

[1] (تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ج ا ص ۱۶۹)

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طہ ۵) ”وہ بڑی مِہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے“ کی تفسیر پوچھی، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسْتَوَى غیر مجہول ہے اور کیفیت غیر معقول ہے اور اس پر ایمان واجب ہے اور سوال اس سے بدعت ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھ کو (مائل) گمراہ سمجھتا ہوں اور آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ یہ شخص گمراہ ہے اور اس کو یہاں سے نکال دو چنانچہ اس کو وہاں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے نکال دیا گیا۔ اور کچھ نہ کہا یعنی معاف کر دیا پھر اچانک معلوم ہوا کہ سوال کرنے والا جہم ابن صفوان تھا۔

توحید تین قسم کی ہے

حضرت امام جعفر ابن محمد الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ توحید تین قسم پر ہے معلوم ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ جل شانہ کسی شئے میں نہیں اور کسی شئے پر نہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مبارک

ابو مطیع بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا اس شخص کے بارے میں جو یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس کی تکفیر کی جائے اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو ہر مکان کے ساتھ متصف کیا ہے، ابو مطیع بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کیسے تکفیر کی جائے گی؟ فرمایا اس لئے کہ اس نے نص کے خلاف کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طہ ۵) ”وہ بڑی مِہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔“ ابو مطیع بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کس طرح استویٰ فرمایا؟ آپ (حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا ”امنوا بھا کما

جآءِ" جس طرح قرآن مجید میں وارد ہوا اس پر ایمان لاؤ اور جواب یہ ہے کہ "الله" تھا اور مکان نہ تھا۔

ابو شکور سالمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جائز ہے کہ امام اعظم حضرت سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس لئے تکفیر فرمائی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے جاہل رہا جب ہی تو کہا: "لا ادری" اور جو معرفت الٰہی سے جاہل ہے وہ کافر ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اینیۃ (مکانیت) کا اعتقاد رکھتا ہو اور وہ یہ نہیں جانتا کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے اینیۃ کا اعتقاد کرے وہ کافر ہے۔

روئیداد مناظرہ: ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرقہ متکاشفہ کے ساتھ مناظرہ کی روداد

مصنف ابو شکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے متکاشفہ کے ساتھ اس مسئلہ میں مناظرہ کیا، مجھ سے اس نے پوچھا!

سائل: اللہ تعالیٰ موجود ہے؟

مجیب: میں نے جواب دیا بے شک وہ موجود ہے لیکن اور موجودات کی مثل نہیں۔

سائل: جب اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور مخلوقات کو پیدا کیا تو اپنے اوپر پیدا کیا یا نیچے؟ دائیں یا بائیں؟ آگے یا پیچھے؟ یہ جائز نہیں کہ کہا جائے: عالم صانع کے اوپر ہے یا اس کے مقابل ہے اس لئے کہ یہ واجب کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے عقل میں محدود ہو جانے کو۔

مجیب: اللہ تعالیٰ فوق العالم ہے، ارشاد خداوندی ہے: "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ۔ (الانعام ۱۸)" "اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر۔" میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عالم سے پہلے موجود تھا تو ہم

کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے یا غیر محدود ہے؟کیونکہ اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہے تو تم نے صانع نہیں پہچانا اس لئے محدود مقدور ہے اور مقدور مصنوع ہے اور مصنوع صانع نہیں۔

اللہ جسم اور جوہر نہیں ہے

اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ جسد جسم اور جوہر کے لئے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے اور جب ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے تو تمہارا سوال باطل ہو گیا اس لئے کہ جب اس کے لئے حدونہایت نہیں تو اس کو فوق و تحت (اوپر نیچے) کے ساتھ موصوف نہیں کر سکتے اور اصح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صانع العالم ہے اور وہ نہ عالم میں ہے اور نہ عالم سے خارج ہے اس لئے کہ اگر ہم کہیں کہ عالم میں ہے تو عالم سے چھوٹا ہو گا اور اس کا مکان وظرف میں ہونا لازم آئے گا تو یہ کفر ہے اور اگر ہم کہتے ہیں وہ عالم سے خارج ہے پھر سوال پیدا ہوا کہ **متصل بالعالم** ہے یا **منفصل عن العالم؟** تو اگر پہلی شق پر بات کرتے ہیں اور اس کو متصل بالعالم مانتے ہیں تو وہ جنس عالم سے ہے اور وہ عالم ہوا اور عالم مع اجناس مصنوع ہوا، صانع نہ ہوا۔

اور اگر ہم کہیں کہ عالم سے مبائن و منفصل ہے تو بیونت سے مراد قطع اور فصل ہے اور یہ واجب کرے گا تحدید کو اور محدود مقدور ہے اور مقدور صانع نہیں ہوتا اس لئے ہم نے کہا کہ صانع عالم بلا عنایۃ اور بلا کیفیت ہے۔

چھٹا قول: ماہیت کا بیان

جب تم کسی شئے کی پہچان کرنا چاہو تو سب سے پہلے اس کی ماہیت کو معلوم کرو پھر اس کی کمیت (تعداد) و کیفیت کو دریافت کرو اس کے بعد اینیت کو دریافت کرو لیکن صانع جل شانہ کی معرفت ان

معنی کے بغیر حاصل ہوتی ہے اوروہ ذات ''ھل ''(کیا)اور'' ما''(کیا) ''کیف'' (کیسے)'' متی'' (کب)'' این''(کہاں)''لم''(کس لئے)سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔

خدا بے نیاز ہے

دلیل:یہ جو ہم نے کہا کہ وہ ''ھل ''(کیا)اور'' ما''(کیا) ''کیف''(کیسے)''متی''(کب)'' این''(کہاں)'' لم''(کس لئے)سے مستغنی اور بے نیاز ہے یہ اس لئے ہے کہ ہر حادث مصنوع ہے اور محدث وصانع سے مستغنی نہیں ہے اور شئے کی حلیت وماہیت سے سوال کی احتیاج وہاں ہوتی ہے جب کہ اس کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہ ہو یاباوجود آیات کے بھی معلوم نہ ہو اوراللہ تعالیٰ معلوم ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ تمام عالم کا صانع اورپیدا کرنے والا ہے۔ اپنی آیات ، قدرت اوردلائل صنعت سےوہ معلوم ہےلہذاوہ محتاج نہیں کہ سوال کیاجائے اورہم کہیں:'' ھل ''ہو؟اورنہ وہ اس کا محتاج ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ''ماھو''

ماہیت کسے کہتے ہیں؟

اس لئے کہ ماہیت عبارت ، جسم وجوہر وعرض سے یہ اشیاء حادث ہیں اور صانع عالم جل مجدہ حادث نہیں ہے۔

توہم نہیں کہہ سکتے کہ '' ماھو؟''اورنہ یہ جائزہے کہ ہم کہیں '' کم ھو؟''اس لئے کہ کمیت واجب کرتی ہے اعداد کو اور عدد واجب کرتا ہے اجناس کو اوریہ محدثات کی صفات ہیں اور صانع کی کوئی جنس نہیں توہم نہیں کہہ سکتے'' کم ھو؟''اوریہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ''کیف ھو؟''اس لئے کہ کیفیت ، ماہیت اورکمیت دلوں کے ساتھ ہوتی ہے اوراللہ تعالیٰ ان چیزوں سے منزہ ہے اوریہ بھی کہنا جائز نہیں کہ '' لم ھو؟''کہیں اس لئے کہ لمّیہ طلب علت ہے، اس کے اثبات کے لئے اور علت

اختصاص کے لئے اور تخصیص واجب کرتی ہے، جنسیت کو یہاں تک کہ دو جنسوں میں سے ایک کو خاص کریں علت سے اور احدالجنسین اس علت سے مخصوص ہو جائے گی، اس لئے کہ جائز ہے کہ اس کی جنس خاص وعام ہونے میں اس کی مثل ہو اور صانع کے لئے کوئی جنس نہیں یہاں تک کہ وہ اپنی اجناس سے تخصیص کے لئے علت کا محتاج ہو، اس لئے کہ علت جائزات (ممکنات) میں ہوتی ہے اور اثبات صانع بلا علت واجب ہے اور تمام ادیان مسئلہ ماہیت سے نکلے ہیں۔

علت کسے کہتے ہیں؟

فلاسفہ کہتے ہیں: صانع علت ہے مگر قدیم کے لئے نہیں اس لئے کہ مصنوعات کی علت اس کا صنع ہے اور یہ کفر ہے، اس لئے کہ علت لغت میں اس حال کو کہتے ہیں جو محل میں حلول کر کے اس کے تغیر کا موجب بنے یعنی حال کے حلول کی وجہ سے محل متغیر ہو جائے۔

اور باری تعالیٰ عزاسمہٗ کا حلول کسی شئے میں جائز نہیں تو صانع کو "علت" کہنا جائز نہیں ، یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ہر شئے کی علت اس کا صنع ہے، اس لئے کہ صنع اس کی صفت ہے جو جدا نہیں ہو سکتی اور کسی محل میں حلول نہیں کر سکتی اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ علت ہو۔

فرقہ مشبہہ کا ماہیت کے بارے میں نظریہ

بعض مشبہہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ نور ہے چمکدار۔ اس آیت سے دلیل لاتے ہیں:

اللّٰہُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (النور ۳۵)

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمینوں کا۔"

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یانورالنور" اے نور کے نور!

اورارشادخداوندی ہے:

إِنِّي آنَسْتُ نَارًا (النمل ۷)

''مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے فرمایا: ''ذلک نور ربّ العزۃ'' ہم نے کہا کہ آیت اور حدیث میں نور بہ معنی منور (روشن کرنے والا) ہے۔ بعض نے کہا: نور بہ معنی ہادی ہے اور رہا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمانا کہ '' نور ربّ العزۃ'' تو اضافت ایسی ہی ہے جیسے ''ناقۃ اللہ'' ''بیت اللہ'' میں ہے

متقشفہ اور نظریۂ ماہیت

متقشفہ کہتے ہیں کہ صانع جوہر موجود قائم بذاتہ ہے۔

جو موجود قائم بذاتہ ہو اس کا جوہر ہونا ضروری ہے یہ صحیح نہیں اگر کوئی اس کا اعتقاد رکھے تو کافر ہے اس لئے کہ جوہر کے لئے شکل ودائرہ ہوتا ہے اور اندروون دائرہ اس سے مزاحم ہوتا ہے اور اس کی شکل و محل غیر سے مزاحم ہوتی ہے۔

پھر جوہر کی تعریف یہ ہے کہ غلظ و تعمق (موٹاپے اور گہرائی) کی صفت سے متصف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ وپاک ہے کہ اس میں غلظ وعمق (موٹائی اور گہرائی) ہو اور عمرو بن صفوان (جو بصرہ میں ہوئے ہیں) نے کہا: اللہ تعالیٰ ایک کیفیت ہے جنت میں رؤیت کے وقت ظاہر ہوگی اور یہ کفر ہے اور ان کے ساتھ مناظرہ کا حق یہ ہے کہ ان سے پوچھو کہ جوہر جب کہ زندہ ہے تو بتاؤ کہ مذکر ہے یا مؤنث؟

اور تانیث صفات نقص سے ہے تو واجب ہوا کہ مذکر ہو اور جب مذکر ہو گا تو ضروری ہے کہ اس میں تمام صفات مذکر ہونے کی موجود ہوں، مردوں کا سا جمال، داڑھی، مونچھ، آلہ تناسل، خصیتین وغیرہ سب چیزیں پائی جانی چاہئیں، جیسے بعض کرامیوں نے تمام صفات خدا کے لئے ثابت کی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے موصوف کرے وہ عارف باللہ نہیں ہے، اپنے قول میں کافر ہے۔

متقشفہ اور بعض حشویہ کا مسلک

بعض حشویہ اور متقشفہ کہتے ہیں کہ صانع جسم ہے اور جسموں کی طرح ہے۔

حشویہ کے نزدیک جسم کی تعریف

ان کے نزدیک جسم کی تعریف یہ ہے: جسم اس کو کہتے ہیں جو اپنے وجود میں منفرد ہو اور وہ محل سے مستغنی ہو۔

ہم نے کہا کہ تم نے جسم کی جو تعریف بیان کی ہے یہ تعریف نہ سماعاً ثابت ہے اور نہ اجماع سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور اس امت وائمہ میں سے کسی نے یہ تعریف نہیں کی اور اس کا فساد نص سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسم جنس کا اطلاق کیا اور اس کی طرف اشارہ کیا جس کے لئے ترکیب و تالیف تجزیہ و تبعیض ہے تو جائز نہیں کہ صانع کو جنس کہا جائے۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ شئے جسم ہو اور اس کی ترکیب و تالیف نہ ہو کہ شئے متجزی، جب ایک ایک جزء جدا ہو اور بعض بعض ہو جائے جو محسوس ہو یہاں تک کہ تجزیہ کرتے کرتے اس حال میں ہو جائے کہ اس کی تجزی نہ ہو سکے تو جسم ہو گا مگر مرکب و مؤلف نہیں اور قابل تجزی نہیں تو "جز لا یتجزیٰ" ہو گیا۔

جواب: ہم نے کہا کہ یہ جزا اگرچہ قابل تجزی نہیں اس لئے کہ بوجہ صغر (چھوٹا ہونے کی وجہ سے) کے تجزی نہیں ہوسکتی لیکن جس کی تجزی ہوسکتی ہے اس کی جنس سے ہے اور اگر تنصیف نہیں ہوسکتی لیکن اس میں آدھا آدھا ہو جانے کا احتمال اور گنجائش تو ہے۔

اب سنو! ہر وہ شئے جس کے لئے جنس ہو تو ضروری ہے کہ اس کے لئے قطع اور فصل ہو تو وہ محدود ہو گا اور "اله" ہونے کی صلاحیت نہ ہو گی، پھر وہ جزء جس کی تقسیم نہیں ہوسکتی کم از کم نقطہ ہو گا اور اس کے لئے اس کی مثل جنس ہے اور دو نقطے جب جمع ہو جائیں تو مادہ مثل الف کے بن جائے گا اور اس کی مثل کا بھی احتمال ہے جانب ثانی اور ثالث ورابع میں تو پھر شکل بن جائے گا یا دائرہ تو نقطۂ اول اگرچہ قابل تجزی نہیں مگر وہ اصل اشکال ترکیب ہے تو جائز نہیں کہ صانع **"جز لایتجزیٰ"** ہو یا جسموں کی طرح ایک جسم ہے۔

طبائعہ (نیچریہ) کہتے ہیں: صانع وہ طبع و ہوا ہے، اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

منجمہ کا نظریہ

منجمہ کی بارہ شاخیں ہیں اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ صانع فلک ہے۔ بعض کہتے ہیں: فلک ایک ہے اور بعض کہتے ہیں: دو ہیں، پچیس تک ہر ایک نے اپنے اپنے اعتقاد اور عقیدہ کے مطابق افلاک میں سے ہر ایک کا الگ الگ نام رکھا ہوا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ خیر، شر، سعد، نحس انہی مخصوص ناموں میں سے ہیں۔

بعض نے فلک اثر نام رکھا ہے اس لئے کہ اسی سے تاثیر ہے۔ بعض نے مدبر نام رکھا ہے کہ انتظام و تدبیر اسی سے ہے اور بعض نے محیط نام رکھا ہے کہ ہر شئے کو گھیرے ہوئے ہے اور بعض نے اس کا نام فلک اعظم رکھا اور بعض نے فلک اعلیٰ اور ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

فرقہ تناسخیہ کا مسلک

تناسخیہ کہتے ہیں کہ صانع روح ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کلی (۲) ایک جزئی (۳) ایک مواصلی

جزئی وہ ہے کہ جو حیوانات سے متصل ہے اور اس سے حیات، سمع، بصر، عقل و قوت پیدا ہوتے ہیں۔

اور مواصلی وہ نفس ہے جو روح سے متصل ہے جیسے خبر، کل سے متصل ہے، حیات اس کے سبب سے باقی رہتی ہے اس لئے کہ کل سے جزء کی طرف حیات پہنچاتی ہے، جب انسان مر جاتا ہے تو جزء کل کی طرف لوٹ جاتی ہے اور یہ کفر ہے، ان سب کا جواب پہلے دے دیا گیا، اس لئے کہ جائز نہیں کہ صانع متجزی یا کسی شئے میں حلول کرے۔

اور بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قدیم نہیں بلکہ قدیم وہ ہے جو اس سے پہلے ہے، اس کا اسم "الاول" ہے، اس پر دلیل "ھوالاول" ہے اس لئے کہ "اوّل" کے ساتھ "ھوّیت" کا ذکر کیا ہے اور یہ اشارہ عین سے عین کی طرف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس سے پہلے "اوّل" تھا اور "اوّل" نے اللہ تعالیٰ کو پیدا کیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور فعل، صنع و تکلم وغیرہ سب کو پیدا کیا ہے۔ "فرقہ الاوّلائیہ" کا نظریہ ذکر ہوا ہے جو سراسر بدترین کفر ہے۔

"ھوالاوّل" کی دلیل جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ھوالاوّل" اس سے ارادہ کیا ہے۔ "علی سبیل المغائبة" اور ذکر بر طریق غائب تعظیم و احتشام کے لئے ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے تم بھی کہتے ہو کہ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ (النحل ۴۴) "اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری" یہاں

جمع کے طور پر ذکر فرمایا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جمع نہیں اور وہاں تفرقہ نہیں تو جس طرح یہ صیغہ ٔجمع نہیں بلکہ واحد ہے جو معظم لنفسہ کے طریق پر استعمال ہوتا ہے تو ایسے ہی یہاں ''ھوالاول'' بھی ''ھو''تعظیم کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے بارے میں مجوسیوں کا عقیدہ

مجوسیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خیر اور شر دونوں کا خالق(پیدا کرنے والا) الگ الگ ہے، گویا کہ ان کے نزدیک دو خدا ہیں ، ایک برائی کو پیدا کرتا ہے اور دوسرے نے خیر اور نور کو پیدا کیا، چنانچہ مجوسیوں نے کہا کہ خیر و نور کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اس کا نام ''یزداں'' ہے اور شر، برائی اور تاریکی کا پیدا کرنے والا ابلیس ہے،اس کا نام ''اَہرَمَن'' ہے اور یہ کفر ہے اس لئے کہ ابلیس کا خالق شر ہونا اگر مان لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا''الہ''ہونا صحیح نہیں ہو گا اس لئے کہ جب وہ شر کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ وہ خالق شر ہے لیکن وہ اس پر تو قادر ہے کہ ابلیس کو شر کے پیدا کرنے سے روکے اور بمقتضائے حکمت واجب ہے ملک کو ان باتوں سے محفوظ رکھے، جن باتوں کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور اپنی ذات سے ان مقالات قبیحہ کو روکے اور کفر و شرک کو اپنے نفس سے منع کرے اور جب وہ قادر بھی ہے کہ اپنے ملک کو ناپسندیدہ چیزوں سے اور مقولاتِ قبیحہ سے روکنے کی اس کو قدرت ہے اور پھر نہیں روکتا تو سفاہت اور بے وقوفی ہے اور اگر وہ ابلیس کو روکنے سے عاجز ہے تو قادر نہ ہو اور بھی جواب ہے۔(جو اصل میں فرقہ قدریہ کا رد بھی ہے)

فرقہ قدریہ کا نظریہ الوہیّت وخالقیت

قدریہ فرقہ والے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خالق ہیں ، (ان کی تردیدیہ ہے کہ)اگر بندہ کسی چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہو تا تو اپنا مثل پیدا کرلے یا اپنے لئے مال پیدا کرلے اور جب وہ اپنی مثل اور مال پیدا کرنے پر قادر نہیں تو ایسے ہی تمام اشیاء کے پیدا کرنے سے عاجز ہے۔

فرقہ ثنویہ کے دو خدا "لاھی "اور "لاھو "ہیں

ثنویہ فرقہ کے ماننے والے کہتے ہیں کہ خنزیر (سور) کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور وہ "لاھی" ہے جب کہ شر کا پیدا کرنے والا اس کا غیر ہے اس کا نام "لاھو" ہے اس کا جواب پہلے دیا جاچکا ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدۂ الوہیت

یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں: حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور یہ کفر ہے، اس کا مفصل بیان ان شاء اللہ عنقریب ہم کریں گے۔

اباحیہ اور ممانعیہ فرقوں کا نظریہ

اباحیہ اور ممانعیہ کہتے ہیں کہ بندہ جب غایتِ محبت کو پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت حقیقۃً کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں حلول کر جاتا ہے، اس وقت اس کا نام "ربانی" ہو جاتا ہے پھر وہ کائنات کے علم جانتا ہے اور غیب کو جانتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ (آل عمران ۷۹)

"اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سے کہ تم درس کرتے ہو۔"

اور یہ کفر جلی ہے کسی پر مخفی نہیں۔

حلویہ ، مانویہ ، حقانیات (جو کہ بلادِ ترک میں پائے جاتے ہیں) فرقوں کے عقائد و نظریات

حلویہ، مانویہ اور حقانیات بلادِ ترک سے ہیں ، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شاہد میں حلول کیے ہوئے ہیں۔

بعض روافض کا عقیدہ

روافض کی ایک شاخ ہے جسے غالیہ کہا جاتا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں حلول کیا، پھر آسمان کی طرف لوٹ گیا اور یہ کفر ہے۔

ساتواں قول: مُتَرِبّی (یعنی مدعی ربوبیت) کا بیان

مسئلہ: مخلوق میں سے جو شخص مدعی ربوبیت (یعنی خدائی کا دعویدار) ہو اور بغیر سحر و جادو کے خوارق عادات دکھائے اور مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہو، آیا یہ جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے یا نہیں؟

جواب: بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ بات خدا کی طرف سے جائز نہیں وہ کسی شخص کو ایسے کھلے بندوں چھوڑدے کہ وہ خدائی دعوے کے ساتھ شعبدہ بازیاں کرے اور لوگوں کو سحر و جادو کے بغیر خوارقِ عادت امور دکھائے کہ مخلوق عاجز آجائے اور اس کا مقابلہ نہ کرسکے اس لئے کہ دیکھنے والے کو شبہ ہو جائے گا کہ یہ جادو کے بغیر ایسے امور دکھارہا ہے تو اس پر حق و باطل مشتبہ (گڈمڈ) ہو جائے گا اور اگر وہ خوارق عادات دیکھ کر ایمان لے آئے اور اس کی ربوبیت کا اقرار کرے تو وہ معذور ہو گا حالانکہ یہ بات جائز نہیں۔

اور عام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بمقتضائے حکمت جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو ربوبیت کا دعویٰ کرتا اور خوارق عادت افعال دکھاتا ہے اور لوگ اس جیسی چیز لانے سے عاجز ہوں کیونکہ اس میں مخلوق کا امتحان اور آزمائش ہے۔

دلیل جواز: قصہ ٔ فرعون ہے کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اشارہ سے پانی کو جاری کر دیا، وہ پانی جاری ہوا سخت اور نرم ریگستان کی زمین میں اور اشارہ سے اس کو روک بھی دیتا تھا یا حدیثوں میں آیا ہے کہ دجال آخر زمانہ میں ظاہر ہو کر خدائی کا دعویٰ کرے گا اور درخت، پتھر، پانی، مٹی، گھاس، پھل وغیرہ جو چیز بھی اس کو دیکھے گی اس کا اقرار کرے گی اور دجال کے استدراجی کرشمے ایک مسلمان عاقل کو شبہ میں نہیں ڈال سکیں گے اور کسی عاقل پر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ کذاب ہے اور خدا نہیں ہو سکتا، یہ آدمی کی کھاتا، پیتا ہے، کلام کرتا ہے، اس کے کلام حروف وصوت ہیں (نیز یہ کانا ہے) تو وہ یقیناً جانتا ہے، جسم ہے، مصور و مرکب ہے، اس کے ہم جنس اور بہت ہیں تو اس کو شک نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ **متربی** (خدائی کا دعویٰ کرنے والا) نہ خالق ہے، نہ رازق ہے تو پھر شک کیوں ہو۔

سوال: یہ ہے کہ اس میں حکمت کیا ہے؟

جواب: ہم کہیں گے کہ یہ امتحان وابتلاء ہے اور بندوں کی آزمائش مطلوب ہے، اس لئے کہ ہر عاقل بالغ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ حق و صواب پر ہے، خالص دین اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ جہاں امتحان گاہ ہے، دنیا آزمائشوں کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری آزمائش کے لئے اس کو یہ قدرت دی ہے تاکہ سچے اور جھوٹے کا فرق ظاہر ہو جائے تاکہ صادق اپنے صدق کو جان لے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے کہ اس نے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور کاذب (جھوٹا) اپنے کذب کو جان لے اور یہ کہ حجت تمام ہونے کے بعد عذاب دیا جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر حجت نہ اتارے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ اجمعین

(العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، حصہ نہم)

مکتوب نمبر ۱۲۶

[یہ مکتوب بھی میر صالح نیشاپوری کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ باطل الٰہوں کی نفی کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ وہ باطل الٰہ چاہے آفاقی ہوں، چاہے اَنفسی۔ اور معبودِ بحق جل سلطانہٗ کی جانب جو کچھ حوصلہ فہم اور احاطہ ٔادراک میں آئے اسے نفی کے نیچے لا کر صرف موجودیت پر کفایت کرنی چاہیئے۔ اگرچہ وجود کے اثبات کی بھی وہاں گنجائش نہیں، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

سیادت اور بزرگی والے میر صالح! طالب کو چاہیئے کہ الٰہۂ باطلہ کی نفی کا اہتمام کرے، وہ چاہے آفاقی ہوں یا اَنفسی، اور معبودِ بحق جل سلطانہٗ کی جانب میں جو کچھ حوصلہ ٔفہم اور احاطہ ٔوہم میں آئے، نفی کے نیچے داخل کرے، اور مطلوب کی موجودیت پر کفایت کرے۔

بیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست　　　　ودر تبیانِ بارگاہِ اَلست

ترجمہ: بارگاہِ الست کے دُور بین اس کا اس سے زیادہ سُراغ نہیں لگا سکے کہ ہے۔

اگرچہ وجود کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں، وجود سے بھی اُوپر ذات کو طلب کرنا چاہیئے۔]

تشریح

یہاں معبودانِ باطلہ کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں اور ان ہر دو سے اجتناب پر زور دیا گیا ہے۔ ان باطل الٰہوں میں سے ایک تو آفاقی اِلٰہ (معبود) ہیں اور دوسرے اَنفسی الٰہ۔

آفاقی الٰہوں کی واضح مثال بُت پرستی ہے، اور یہ کبیرہ گناہوں میں اکبر الکبائر کہلاتا ہے، نیز اس کی بخشش اور مغفرت کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ کلمہ ٔتوحید کا اقرار کرے اور نئے سرے سے اسلام میں داخل ہو کر سابقہ گناہ سے تہہِ دل سے توبہ کرے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ أَنْ یُشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِکَ لِمَنْ یَشَاءُ (النساء ۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔

نیز کسی زندہ یا مُردہ انسان کی طرف عبادت کی نیت سے سجدہ کرنا، سورج یا آگ کی پرستش کرنا وغیرہ بھی آفاقی (باطل) خداؤں کی عبادت میں داخل ہے اور ایسے باطل خداؤں نیز ان کی عبادات کی نفی لازمی وضروری ہے، اور اس نفی کے بغیر نجاتِ اُخروی ناممکن ہے۔

جبکہ اَنفسی الٰہوں سے انسان کا تکبر اور عُجب نیز خواہشاتِ نفسانی کی اِتباع مُراد ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

لَیْسَ الشِّرْکُ عِبَادَةَ الْاَصْنَامِ فَحَسْبُ بَلْ ھُوَ مُتَابَعَتُکَ ھَوَاکَ وَاَنْ تَخْتَارَ مَعَ رَبِّکَ شَیْئًا سِوَاہُ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا وَالْآخِرَۃِ وَمَا فِیْھَا فَمَا سِوَاہُ عَزَّ وَجَلَّ غَیْرُہٗ فَاِذَا رَکَنْتَ اِلٰی غَیْرِہٖ فَقَدْ اَشْرَکْتَ بِہٖ عَزَّ وَجَلَّ غَیْرَہٗ فَاحْذَرْ وَلَا تَرْکَنْ وَخَفْ وَلَا تَأْمَنْ وَفَتِّشْ وَلَا تَغْفُلْ فَتَطْمَئِنَّ۔

ترجمہ: شرک فقط بُت پرستی ہی نہیں، بلکہ خواہشاتِ نفس کی اتباع اور اللہ عزّ وجلّ کے سوا دُنیا وآخرت کی کسی چیز کو بھی چاہنا شرک کے دائرے میں آجاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ اس کا غیر ہے۔ لہٰذا جب تو اس کے سوا غیر کی طرف مائل ہو گا، تو بلاشبہ تو نے غیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا۔ اس لئے اس کے ماسوا سے اجتناب کر اور آرام وآسائش میں نہ پڑ۔ اللہ سے ڈرتا رہ، بے خوف نہ بن۔ طلب وجستجو میں رہ، غفلت نہ کر یہ چیز تجھے اطمینان بخشے گی۔[1]

[1] (فتوح الغیب لشیخ الاسلام القطب عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ، المقالۃ السابعۃ، فصل فی اذھاب غم القلب، ص ۲۳، مجموعۃ الفتاوی لشیخ الاسلام ابن تیمیۃ، فصل الایرید السالک مراداقط و انہ لایرید مع ارادۃ، ص ۲۹۳، ج ۱۰)

پس شرکِ خفی و جلی، کینہ و بُغض، حَسد و بخل، عداوت و بدخواہی اور غرور و تکبر جیسی بد عادات سے اجتناب نیز خواہشاتِ نفسانی کی نفی کرنا اور نفس کی مخالفت کرنا ایک سالک کے لئے نہایت ضروری اَمر ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز بیرونی واندرونی معبودانِ باطلہ کی نفی کرنے اور ہر ماسویٰ کو لائے نفی کے تحت لا کر محض حق تعالیٰ کا اثبات کرنے کی نصیحت فرمار ہے ہیں۔

کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

تا بہ جاروبِ لا نہ رُوبی راہ　　　　نہ رسی در سرائے الا اللہ

کیونکہ خواہشاتِ نفسانیہ مرضیُ حق تعالیٰ کے خلاف ہیں اور نفسِ امارہ حق تعالیٰ کی مخالفت پر ڈٹا ہوا ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی: عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّھَا اِنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ۔ سے عیاں ہے۔

نیز اسماء وصفات کے ظلال چونکہ اصل کے ساتھ مشابہت و مناسبت رکھتے ہیں۔ اس لئے سالک کو سببِ اشتباہ کی بنا پر ان تجلیاتِ ظلالیہ میں گرفتار نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ ان تمام کی نفی کرتے ہوئے بلند ہمتی کے ساتھ اصل مقصود تک رسائی کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۴۶۷، ۴۶۸)

[علماء اہل سنت شَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی سَعْیَھُمْ نے خوب فرمایا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات سے زائد ہے۔ وجود کو عین ذات قرار دینا اور وجود سے اُوپر کچھ ثابت نہ کرنا کوتاہ نظری ہے۔

شیخ علاؤالدولہ فرماتے ہیں:

فَوْقَ عَالَمِ الْوَجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِکِ الْوَدُوْدِ۔

ترجمہ: یعنی عالم وجود سے اوپر ملک ودود یعنی رب تعالیٰ کا عالم ہے۔

اس درویش کو جب مرتبۂ وجود سے اوپر لے گئے تو جب تک مغلوب الحال رہا ذوق ووجدان کی بناء پر اپنے آپ کو اربابِ تعطیل میں سے پاتا تھا۔ اور واجب جل شانہٗ کے وجود کا حکم نہیں لگاتا تھا۔ کیونکہ وجود کو راستے میں چھوڑ آیا تھا۔ اور مرتبۂ ذات میں وجود کی گنجائش نہیں۔ اس وقت اس درویش کا اسلام تحقیقی نہیں بلکہ تقلیدی تھا۔ مختصر یہ کہ جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آتا ہے، وہ بہر صورت ممکن ہی ہو سکتا ہے۔

فَسُبۡحَانَ مَنۡ لَمۡ یَجۡعَلۡ لِلۡخَلۡقِ اِلَیۡهِ سَبِیۡلًا اِلَّا بِالۡعِجۡزِ عَنۡ مَّعۡرِفَتِهٖ۔

ترجمہ: تو پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی طرف مخلوق کے لئے کوئی راستہ نہیں رکھا۔ مگر اس کی معرفت سے عاجز ہونے کا راستہ۔

فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے حصول سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ممکن واجب بن جاتا ہے کیونکہ یہ محال ہے اور اس طرح قلب حقائق لازم آتا ہے جو ناممکن ہے۔ تو جب ممکن واجب نہیں بن سکتا تو پھر ممکن کا حصہ سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ ممکن واجب جلّ شانہٗ کے ادراک سے عاجز رہتا ہے۔

فرد:

عنقا شکارِ کس نشود دَام باز چین
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دَام را

ترجمہ: عنقا کسی کے شکار میں نہیں آسکتا، لہٰذا دام سمیٹ لو۔ کیونکہ یہاں دام اور جال کے ہاتھ میں ہوا کے سوا کچھ نہیں آتا۔

بلند ہمتی اسی طرح کے مطلب چاہتی ہے کہ اس کی کوئی بھی چیز ہاتھ میں نہ آئے، اور اس کا کچھ نام ونشان پیدا نہ ہو۔

ایک جماعت وہ ہے جو ایسا مطلب چاہتی ہے جسے وہ اپنا عین پاتی ہے، اور قُرب و معیت اس کے ساتھ پیدا کرتی ہے۔

آن ایشانند من چنینم یاربّ

ترجمہ: وہ تو وہ ہیں لیکن یارَب میں تو اس طرح ہوں۔

وَ السَّلَامُ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا]

تشریح

عالَمِ دُنیا کے تمام اجزاٗ مثلاً زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام اشیاء، نیز جنت و دوزخ اور لوح و قلم یہ تمام چیزیں مخلوق ہیں اس لئے ان کے آئینے میں خالقِ کائنات کو تلاش کرنا اور اس کی قدرت کی نشانیوں سے مالکِ الملک کو ثابت کرنا تو بے شک درست ہے لیکن ان چیزوں کے اندر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دیدارِ حقیقی ہونا ناممکن ہے۔

حضرت مولانا حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

برائے دیدنت کوشم ولے دیدار نمی گردد　　　برائے دیدنِ رویت چشمِ دیگر باید

ترجمہ: اے میرے پروردگار میں آپ کے دیدار کے لئے کوشش کرتا ہوں مگر آپ کا دیدار میسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان آنکھوں سے آپ کا دیدار ناممکن ہے اس کے لئے اور آنکھوں کی ضرورت ہے کہ جن سے آپ کا دیدار کر سکوں (اور وہ آنکھیں جنت میں عطا ہوں گی)۔

اور وہ جو حضرت مولانا حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

دیدار شد میسر بوس وکنار ہم　　　ازبخت شکر داریم وزروزگار ہم

ترجمہ: مجھے دیدار اور بوس و کنار دونوں نعمتیں مل گئیں اس لئے میں اپنے نصیب اور نصیب کے طفیل دیدار کی نعمت مل جانے پر شکر ادا کرتا ہوں۔

اس سے مراد اسماء وصفات تک رسائی کا ملنا ہے کیونکہ بوس و کنار سے مراد صفاتِ الٰہیہ ہیں، نیز دیدار سے دیدارِ قلبی مراد ہے جو عین الیقین اور حق الیقین کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لا ساتذیھم و لاھل بیتھم اجمعین

آمین

(دارالمعـــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز علمائے متکلمین اہل سنت اور صوفیائے وجودیہ کے درمیان ایک اختلاف کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔

صوفیائے وجودیہ کے نزدیک حق تعالیٰ سبحانہٗ اپنی موجودیت میں وجود کا محتاج ہے اور وجود صفت ہے اور وہ ممکنات ہے جس طرح صفات اور ذات ایک دوسرے کا عین ہیں۔ ایسے ہی ذات اور ممکنات ایک دوسرے کا عین ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن العربی قدس سرہٗ العزیز ممکن کو واجب قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

فَاَنْتَ عَبْدٌ وَ اَنْتَ رَبٌّ   وَ اَنْتَ رَبٌّ وَ اَنْتَ عَبْدٌ

یعنی تو ہی بندہ ہے اور تو ہی رب ہے، اور تو ہی رب ہے اور تو ہی بندہ ہے۔

انہوں نے وجود کو حقیقت واحدہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ چونکہ کوئی شے اپنی ذات کی ضد نہیں ہوتی، لہٰذا حق تعالیٰ ہی رہا کوئی دوسری شے نہ رہی۔ اس لئے نہ کوئی متصل رہا اور نہ کوئی منفصل رہا۔

جیسا کہ رقم طراز ہیں:

فَاِنَّ الْوَجُوْدَ حَقِیْقَةٌ وَاحِدَةٌ وَالشَّیِیُٔ لَا یُضَادُ نَفْسَهٗ۔
فَلَمْ یَبْقَ اِلَّا الْحَقُّ لَمْ یَبْقَ کَائِنٌ
فَمَا ثَمَّهٗ مَوْصُوْلٌ وَمَا ثَمَّهٗ بَائِنٌ [1]

اسی مؤقف کو عینیت کہا جاتا ہے اور اسے ہی ہمہ اوست کا نظریہ کہتے ہیں بنابریں۔

آپ قرب و معیت ذاتی زمانی و مکانی کے قائل ہیں۔ جبکہ علمائے متکلمین اہل سنت کے نزدیک وجود، صفاتِ باری تعالیٰ میں سے ایک صفت ہے اور صفات قائم بالذات تو ہیں مگر زائد بر ذات ہیں۔

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس کی صراحت کرتے ہوئے ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

وجود واجب تعالیٰ نزد جمہور متکلمین زاید است بر ذات او عزّ شانہ و عین ذات است نزد حکماء و شیخ ابوالحسن اشعری و بعضی از صوفیہ و حق نزد ایں فقیر آن ست کہ واجب تعالیٰ بذاتِ خود موجود است نہ بوجود بخلاف سائر موجودات کہ بوجود موجود اند۔

یعنی جمہور متکلمین کے نزدیک واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات عزشانہٗ پر زائد ہے اور حکماء و شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بعض صوفیاء کے نزدیک وجود عین ذات ہے اور اس فقیر کے نزدیک حق (صحیح) یہ ہے کہ واجب تعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے، وجود کے ساتھ نہیں برخلاف تمام موجودات کے کہ وہ سب وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ [2]

---

[1] (فصوص الحکم، کلمہ اسماعیلیہ)

[2] (معارف لدنیہ معرفت، ص ۱۴)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کشفی طور پر متکلمین اہل سنت کے عقیدہ کو ثابت کرنے کے بعد اب اس کی تائید میں جامع الشریعہ والطریقہ حضرت شیخ علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہٗ العزیز کا ایک قول پیش فرمارہے ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو:

فَوْقَ عَالَمِ الْوَجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِکِ الْوَدُوْدِ۔

یعنی شہنشاہ ودود (جلّ سلطانہٗ) کا عالم، عالمِ وجود سے بالا ہے۔

جس کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ وجود کائنات، ذات حق تعالیٰ کا عین نہیں بلکہ غیر ہے، اور کائنات سے فوق اور بلند ہے۔وَھُوَ الْمَقْصُوْدُ

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ حضرت شیخ سمنانی قدس سرہٗ العزیز نے نظریہ عینیت یعنی ہمہ اوست کے مقابلہ میں نظریہ ہمہ از اوست پیش فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ذات اور کائنات ایک دوسرے کا عین نہیں۔بلکہ کائنات، ذات کے اسماءوصفات کے ظلال کی مظہر ہے۔

بعدہٗ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اسی نظریہ کی کشف و تحقیق کے ذریعے تائید وتاکید فرمائی جس کی کماحقہ آج تک کوئی تردید نہیں کرسکا۔وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

بینہ نمبر ۲

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک قرب واحاطہ ومعیت ذاتی نہیں بلکہ علمی اور بے کیف ہے، جو نصوص محکمات سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (الطلاق ۱۲)

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز طریقت کا ایک مختلف فیہ مسئلہ بیان فرمارہے ہیں،وہ یہ کہ جب سالک دورانِ سلوک فنااور بقاکی منازل طے کرلیتاہے تو ممکن،واجب ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

فَوَقْتًا یَکُوْنُ الْعَبْدُ رَبًّا بِلَا شَکٍّ۔

یعنی سالک پر ایک ایساوقت آتا ہے کہ وہ بلاشبہ رب ہو جاتا ہے۔ [1]

جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک فناوبقا کی منازل کے بعد بھی ممکن واجب نہیں ہو سکتا،کیونکہ یہ محال ہےورنہ قلب حقائق لازم آئے گابلکہ ممکن، ممکن ہی رہتاہے اور واجب، واجب ہی رہتا ہے۔ جیسا کہ شبِ معراج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دَنَا فَتَدَلّٰی (النجم۸) کی خلوتوں میں انتہائے قرب کے باوجود واجب نہیں ہوئے بلکہ ممکن اور عبد ہی رہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: فَأَوْحَی إِلَی عَبْدِهِ مَا أَوْحَی (النجم۱۰) سے عیاں ہے۔ البتہ فناوبقاکے بعد عارف اخلاق وصفات الٰہیہ سے متخلق ومتصف ہو جاتا ہے۔ مقولہ:اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللہ کا یہی مفہوم ہے۔ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

(البینات شرح مکتوبات،ج۳،ص۴۶۹تا۴۷۲)

---

[1] (فصوص الحکم، کلمۂ اسحاقیہ)

مکتوب نمبر ۱۲۷

[مُلا صفر احمد رُومی کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ خدمتِ والدین اگرچہ حسنات میں سے ہے۔ لیکن مطلبِ حقیقی تک وصول کے سامنے محض بے کاری اور خالص بے روز گاری ہے۔ بلکہ بُرائی میں داخل ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (ابرار کی نیکیاں مُقربین کی بُرائیاں ہیں) اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

مکتوبِ مرغوب موصول ہوا۔ بسلسلہ رکاوٹ جو عذر آپ نے بیان کیا ہے، صحیح اور درست ہے۔ اس سے بھی زیادہ جو کچھ وقوع میں آسکے کرنا چاہیئے، اور اپنے آپ کو قصور وار ٹھہرانا چاہیئے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا (الأحقاف ۱۵)

ترجمہ: اور ہم نے آدمی کو حکم کیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے اس کی ماں نے اُسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنی اس کو تکلیف سے۔

دوسرے مقام پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان ۱۴)

ترجمہ: یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

اس کے باوجود اعتقاد یہ ہونا چاہیئے کہ مطلوبِ حقیقی تک وصول کے مقابلے میں سب کچھ محض بے کاری ہے۔ بلکہ جس طرح منازلِ سلوک طے کرنا چاہیئے اس کے سامنے معطل رہنا ہے۔ آپ نے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (ابرار کی نیکیاں مُقربین کی بُرائیاں ہیں) سُنا ہو گا۔

ہر چہ جُز عشقِ خدائے اَحسن است　　　گر شکر خوردن بود جان کندن است

ترجمہ: خدائے اَحسن کے عشق کے سوا جو کچھ بھی ہے چاہے شکر کھانے کا کام ہی کیوں نہ ہو اپنی جان کے ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔

اللہ کا حق تمام مخلوق کے حقوق پر مقدم ہے۔ مخلوق کے حقوق ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہے، ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس کی خدمت چھوڑ کر دوسروں کی خدمت میں مشغول ہو تو مخلوقات کی خدمات انجام دینا اس اعتبار سے حق تعالیٰ کی خدمات میں داخل ہے۔ لیکن ایک خدمت سے دوسری خدمت تک بڑا فرق ہے۔ مزارع اور ہل چلانے والے بھی بادشاہوں کے خادم ہی شمار ہوتے ہیں لیکن خاص مُقربوں کی خدمت کچھ اور ہی چیز ہے۔ وہاں زراعت اور ہل چلانے کا نام لینا بھی سراسر معصیت ہے۔ اور ہر کام کی مزدوری کام کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ہل چلانے والے کو دن بھر محنت شاقہ کرنے کے باوجود دن کی مزدوری صرف ایک ٹکہ ملتی ہے، اور مُقرب لوگ ایک گھڑی کی خدمت سے لاکھوں روپے کے مستحق بن جاتے ہیں۔ لیکن لاکھوں روپوں کے مستحق ہونے کے باوجود انہیں ان روپوں سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ وہ بادشاہوں کے قُرب میں گرفتار ہیں، انہیں اور کسی شے سے تعلق نہیں ہوتا۔ ہل چلانے والے خدمتگار اور بادشاہ کے مُقرب دونوں کی خدمتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فرح حُسین کو کافی توفیق نصیب ہو چکی ہے، اس کی طرف سے مطمئن رہیں، اس سے زیادہ کیا لکھوں؟ وَالسَّلَام۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے تقریباً ہر مکتوب میں دین کے اصول اور قاعدے بیان فرمائے ہیں جنہیں عملی زندگی میں اپنا کر ہی رضائے الٰہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ زیرِ نظر مکتوب میں بھی ایک اہم بات بیان کی گئی ہے جو کہ آج کے زمانے میں بالخصوص اہمیت کی حامل ہے۔

حقوق العباد میں سب سے اہم حقوق والدین کے حقوق ہیں جنہیں ادا کرنا واجب ہے اور ان کے تَرک کرنے پر سخت ترین وعیدیں وَارد ہوئی ہیں۔ نیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حقوق کے بعد سب سے زیادہ ضروری والدین ہی کے حقوق ہیں۔ تاہم یہ بات بھی سمجھنی ضروری ہے کہ والدین کے حقوق کی ادائیگی حقوق اللہ کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے، اگر والدین کی تابعداری کرنے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حقوق پر حرف آتا ہو تو والدین کی ایسی تابعداری اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوگی کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔

ترجمہ: خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ [1]

نیز چونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اَوامر کی بجاآوری اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت کا حاصل کرنا اور روشن شریعت کی تجلیات کا حاصل کرنا فرض ہے اور اطاعتِ والدین دوسرے درجہ میں واجب ہے اس لئے واجب کی ادائیگی کی خاطر فرض کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبة، ج ٦، ص ٥٤٥، الناشر: مکتبة الرشد - الریاض)

تصوف کی نگاہ سے چونکہ کامل شیخ جو عارف باللہ ہوتا ہے وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رسالت کو پہچاننے کا ذریعہ بنتا ہے۔ نیز اس کے توسط سے قرآن وحدیث کے علوم کی دولت ہاتھ آتی ہے اس لئے ایسے شیخ کی صحبت اختیار کرنے اور اس سے بیعت کرنے کے لئے بھی والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے، بالخصوص آج کے زمانے میں جبکہ والدین خود ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نافرمان ہوں تو ایسے نافرمانوں کا کہاماں کر دین سے دوری اختیار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ہاں اگر والدین بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تابعدار ہوں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات کی کسی صورت میں مخالفت نہ کرتے ہوں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اتباع کے ساتھ والدین کی فرمانبرداری کرنا اور ان کے حقوق کا لحاظ کرنا نور علی نور ہو گا۔

(دارالمعــرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ خدمتِ والدین اگرچہ حقوق العباد میں سے ایک بنیادی اور اہم حق ہے لیکن اگر اس حق کی ادائیگی حق تعالیٰ کی معرفت کے حصول میں حائل ومانع ہو تو وہ بےکار اور طی سلوک میں تعطلِ محض ہے۔ دراصل خدمت والدین اعمال ابرار میں سے ہے، جبکہ حق تعالیٰ کی معرفت کا حصول اعمالِ مقربین میں سے ہے اور اعمالِ ابرار، اعمالِ مقربین کی نسبت داخلِ سیئات ہیں، جیسا کہ حضرت شیخ ابوسعید الخراز قدس سرہٗ العزیز کے قول: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ سے مفہوم ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

دل در پےٴ این وآن نہ نیکوست ترا　　　یکدل داری بس است یک دوست ترا

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا حق تمام مخلوقات کے حقوق پر مقدم ہے اور والدین کے حقوق کی ادائیگی بھی حق تعالیٰ کے حکم کی فرماں برداری کی وجہ سے ہے ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس کی خدمت چھوڑ کر دوسروں کی خدمت میں مشغول ہو۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۴۷۶، ۴۷۷)

مکتوب نمبر ۱۲۸

[خواجہ مقیم کی طرف صادر فرمایا:

بلند ہمت بننے کی ترغیب اور بے مثل ذات کو مطلوب قرار دینے کے بغیر کسی شے پر اکتفانہ کرنے کے بیان میں۔

محترم خواجہ محمد مقیم ہم دُور افتادوں کو فراموش نہ کردیں بلکہ دور نہ جانیں۔

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

ترجمہ: آدمی اس کے ساتھ شمار ہوتا ہے جس سے محبت رکھتا ہے۔ [1]

مقصد کی بات یہ ہے کہ راستہ نہایت طویل ہے، اور مطلوب کمالِ بلندی پر ہے اور ہم نہایت پست اور کوتاہ بین اور درمیانی منازل مطلب نما سراب کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس سے پناہ کہ بندہ وسط کو نہایت خیال کرکے غیر مقصد کو مقصد قرار دے لے۔ اور چون کو بے چون تصور کرلے، اور مطلبِ حقیقی تک وصول سے رہ جائے۔ ہمت کو بلند کرنا چاہیئے، اور کسی بھی حاصل ہوجانے والی شے پر کفایت نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ اپنے مطلب کو نہایت بلندیوں میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اس طرح کی ہمت کا حصول شیخِ مقتدا کی توجہ سے وابستہ ہے۔ اور شیخ کی توجہ مُریدِ مقتدی کی محبت اور اخلاص کے مطابق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا کرے، اور اللہ تعالیٰ فضلِ عظیم والا ہے۔]

تشریح

سالک ابتدائے سلوک میں ایک نابینا شخص کی طرح ہوتا ہے، جیسے نابینا کو اپنے راستے کا علم نہیں ہوتا ایسے ہی ابتدائی سالک کو سلوک کے راستوں کا علم نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ سلوک کے نشیب

[1] (الصحیح البخاری، ج ۱۹، ص ۱۴۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

وفراز کو جانتا ہے۔ تیز دُھوپ میں سڑک کو دُور سے دیکھا جائے تو پانی کھڑا نظر آتا ہے لیکن جب نزدیک جاکر دیکھیں تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہی حال سالک کو پیش آتا ہے، اگر سالک کو مشاہدے کی دولت ہاتھ آجائے تو وہ اسماء وصفات اور اَنوارات کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ میرا معبود ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جہاں پر بہت سے سالک ہدایت یاب ہونے کی بجائے گمراہی میں جا گرے۔ عقائد سے ناواقفیت کی وجہ سے اُنہیں یہ علم نہیں تھا کہ نگاہ جس چیز کا ادراک کرلے وہ معبودِ حقیقی نہیں ہوسکتا۔ پس یہاں پہنچ کر سراب کی طرح جس کی نفی کرنا ضروری تھا اُسے سالک نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات سمجھ لیا اور اپنے باطن پر مغرور ہوکر گمراہ وبرباد ہوا۔ اس مقام پر سالک کو اپنے شیخ کی باطنی توجہات کی بہت زیادہ ضرورت پڑتی ہے تاکہ کامل رہبر کی استعانت وشفقت کے طفیل یہ دشوار اور کٹھن مرحلہ بخیر وخوبی طے ہوسکے۔ دیکھیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وہ ہستی ہیں جن کی وجہ سے دُنیاومافیہا پیدا ہوئے اور محبوب ربّ العالمین اور سردارِ انبیاء کرام ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب دُنیا میں تشریف لائے تو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا شقِ صدر فرمایا آپ کا یہ شقِ صدر ہونا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب کی دولت کے حصول کے لئے نیز مراتبِ عَالیہ کے لئے کسی کامل شیخ کی اَشد ضرورت ہوتی ہے ورنہ:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ترجمہ: یہ سعادت زورِ بازو سے حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ عطا کرنے والا بزرگ خدا اپنے فضل سے عطا نہ کردے۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو بلند ہمتی کی تلقین اور روحانی معیت کی تائید فرمارہے ہیں۔ چونکہ دورانِ سلوک سالک پر انوار و تجلیات وفیوضات کا ورود ونزول ہوتا ہے اور یہ تجلیات و تمثالات جو عالمِ وجوب کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں ان تمثالات وظلیات سے چھٹکارا حاصل کرنا شیخِ کامل مکمل کی توجہاتِ قدسیہ پر موقوف ہے، کیونکہ راہِ طریقت غیب الغیب ہونے کی وجہ سے نہایت پیچیدہ ودشوار ہے اور سالک بمنزلہ نابینا ہے، اس لئے ظلالِ وجوب اپنی قدسیت کے سبب سالک کو اپنی طرف مشغول و متوجہ کر لیتا ہے۔ اس مقام پر نفس و شیطان سالکین کو اغوا و گمراہ کر دیتے ہیں۔

دانائے شیر از حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی مفہوم کو یوں منظوم فرمایاہے:

دریں وُرطہ کشتی فرو شد ہزار　　　　که پیدا نہ شد تختہ بر کنار

اس لئے اس پچاس ہزار سالہ مشکل ترین رستہ کو بلند ہمتی، عزم بالجزم اور پختہ ارادہ کے ساتھ ساتھ شیخ کامل مکمل کی معیت وزیرِ نگرانی طے کرنا چاہیئے۔

بقول شاعر:

مانا کہ عشق کی منزل میں ہر گام پہ سو سو خطرے ہیں
لیکن یہ سفر آسان بھی ہے گر ساتھ تمہارا ہو جائے

چونکہ یہ دنیا دار الاسباب ہے اس لئے یہاں محنتیں اور ریاضتیں کرنا پڑتی ہیں، مصائب وآلام کو بخوشی قبول کرنا پڑتا ہے، گرمی و سردی کی پرواہ کئے بغیر جان جوکھوں میں ڈالنا پڑتی ہے، انکساری

وعاجزی اختیار کرنا پڑتی ہے، تب جا کر کہیں فضل وفتوحات کے دروازے کھلتے ہیں اور اپنے مشائخ کے سینے اچھلتے ہیں۔

اسی قانونِ فطرت کے مطابق حضرت سیدنا جبریل امین علیہ السلام نے غارِ حرا میں پہلی وحی کے موقعہ پر آپ کو سینہ سے لگا کر بھینچا، نیز آپ کا شقِ صدر بھی اسی اصولِ قدرت کی طرف مشیر ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ القائے فیض کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ فیض بالواسطہ ۲۔ فیض بلاواسطہ

فیض بالواسطہ

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فیض بالواسطہ سیدنا جبریل علیہ السلام القا ہوا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خود ارشاد فرمایا:

فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ۔

یعنی (جبریل علیہ السلام نے) مجھے دبایا یہاں تک کہ مجھے مشقت پہنچی۔ [1]

اس حدیث کی شرح میں عارفِ کامل حضرت عبد اللہ بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

جَزْمُ الْغطِّ بِالْمُغَطِّ وَضَمُّهٗ اِلَيْهِ وَهُوَ اِحْدٰى لِطُرُقِ الْاِفَاضَةِ يَحْدُثُ بِهٖ فِى الْبَاطِنِ قُوَّةٌ نُوْرَانِيَّةٌ۔

---

[1] (الصحیح البخاری، ج ۱، ص ۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جس کو دبایا گیا ہے تو یہ اتصال حصولِ فیض کا ایک طریقہ ہے جس سے باطن میں ایک قوتِ نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے۔[1]

فیضِ بلا واسطہ

یہ فیض حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو شبِ معراج دَنٰی فَتَدَلّٰی کی خلوتوں میں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست عطا فرمایا۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی پس مجھ پر ہر چیز عیاں ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔[2]

بینہ نمبرا

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو جو فیض بواسطۂ جبریل علیہ السلام ملا تھا، وہ ابتدائے نبوت کا معاملہ تھا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے انتہائے کمالات حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام کے ادراک سے بہت بلند ہیں۔

---

[1](بهجة النفوس)

[2](مشكوٰة المصابيح، ج ١، ص ٢٣٢، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ سالکین کو بھی تبعیت ووراثتِ نبوت کے طور پر شقِ صدر کی دولتِ عظمٰی سے نوازا جاتا ہے، جس کی دو صورتیں ہیں:

اولاً: یہ کہ القائے فیض کے دوران سالکین کی شدتِ تکلیف کی وجہ سے چیخیں نکل جاتی ہیں اور اتنا ہی درد ہوتا ہے جتنا شقِ صدر کے وقت ہوتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی سینہ پھٹنے لگا ہے اور کئی بار سالکوں کو یوں بھی محسوس کہ ابھی روح قفس عنصری سے پرواز کرنے لگی ہے۔

ثانیاً: یہ کہ حالت خواب میں یادورانِ مراقبہ سالک اپنا سینہ چاک ہوتے ہوئے دیکھتا ہے کہ اس سے سیاہ قسم کی کوئی چیز نکال کر پھینک دی گئی ہے اور وہاں انوار و تجلیات وفیوضات بھر دیئے گئے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ سالکین کو اشیائے کائنات اور ظلالِ تجلیات سے وراء حق تعالیٰ کو تلاش کرنا چاہیئے کیونکہ وہ تعالیٰ رنگ ونور سے وراءوبالا ہے۔ ان ہی تعلیمات کی خاطر خواجۂ بے رنگ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز ہند میں تشریف لائے تھے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس کے متعلق ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

فَھُوَ تَعَالیٰ وَرَائَھُمَا بَلْ وَرَاءَ جَمِیْعِ الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ وَوَرَاءَ جَمِیْعِ الشُّیُوْنِ وَالْاِعْتِبَارَاتِ وَوَرَاءَ الظُّھُوْرِ وَالْبُطُوْنِ وَوَرَاءَ الْبُرُوْزِ وَالْکُمُوْنِ وَوَرَاءَ التَّجَلِّیَاتِ وَالظُّھُوْرَاتِ وَوَرَاءَ کُلِّ مَوْصُوْلٍ وَمَفْصُوْلٍ وَوَرَاءَ الْمُشَاھِدَاتِ وَالْمُکَاشِفَاتِ وَوَرَاءَ کُلِّ مَحْسُوْسٍ وَمَعْقُوْلٍ وَوَرَاءَ کُلِّ مَوْھُوْمٍ وَمُتَخَیّلٍ فَھُوَ سُبْحَانَہٗ وَوَرَاءَ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءَ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءَ الْوَرَاءِ۔

چگویم با تو از مرغے نشانہ　　　　که با عنقا بود ہم آشیانہ

ز عنقا ہست نامے پیش مردم   ز مرغ من بود آں نام ہم گم

یعنی حق تعالیٰ ان (وجوب اور وجود) سے وراء ہے بلکہ وہ تمام اسماء وصفات سے وراء اور جملہ شیون واعتبارات سے بھی وراء ظہور وبطون سے بھی وراء بروز وکمون سے بھی وراء تجلیات وظہورات سے بھی وراء ہر موصول ومفصول سے بھی وراء مشاہدات ومکاشفات سے بھی وراء تمام محسوسات ومعقولات سے بھی وراء تمام موہومات ومتخیلات سے بھی وراء ہے۔ پس وہ سبحانہٗ وتعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔

پتا میں کیا بتاؤں وہ کہاں ہے   مگر وہ مثل عنقا بے نشاں ہے

اگر ہے نام عنقا سب کو معلوم   مگر ہے نام بھی اس کا تو معدوم[1]

نیز اسماء وصفات وشیونات واعتبارات اور تمام متخیلات وموہومات وغیرہا سے نجات پانے کے لئے بلند ہمتی اور عزمِ مصمم شیخ کامل کی توجہاتِ قدسیہ کے ساتھ مربوط ہے اور شیخِ کامل ومکمل کی توجہاتِ قدسیہ اور ادعیہ مبارک، سالک کی اپنے شیخ کے ساتھ بے پناہ اور لافانی محبت واخلاص اور وفاداری بشرط استواری کے سنہری اصولوں پر موقوف ہے۔ جوں جوں اپنے شیخ کے ساتھ مرید کا قلبی تعلق مضبوط ومستحکم ہوتا اور للّٰہیت کے جذبات پروان چڑھتے جاتے ہیں توں توں ماسوا کے نقوش مرید کے قلب ونظر سے مٹتے جاتے ہیں اور اغیار سے تعلقات ٹوٹتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ مختلف مراتب ومدارج طے کرتا ہوا واصل باللہ ہو جاتا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۸۱ تا ۴۸۶)

---

[1] (دفتر دوم، مکتوب ۱)

مکتوب نمبر ۱۲۹

[سید نظام کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انسان کی جامعیت اس کے تفرقے کا باعث ہے، اور یہی جامعیت اس کی جمعیت کا سبب ہے۔ جس طرح دریائے نیل کا پانی دوستوں کے لئے پانی اور دُشمنوں کے لئے مصیبت ہے۔

آپ کا مکتوب شریف ملا۔ آدمی چونکہ تمام موجودات میں جامع ترین ہستی ہے، اور اس کے اجزاء میں سے ہر جزو کے تعلق کے اعتبار سے کثیر موجودات کے ساتھ گرفتاری پائی جاتی ہے۔ پس فی الحقیقت اس کی جامعیت اس کی جناب قدس خداوندی جل سلطانہٗ سے سب سے زیادہ دُوری کا باعث بن چکی ہے، اور متعدد تعلقات بھی اس کی دُوری کا باعث بن چکے ہیں اور اگر یہ توفیقِ خداوندی سے اپنے آپ کو ان پراگندہ تعلقات سے الگ کر لے، اور اپنے اصل کی طرف رجوع کرے تو اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی ورنہ دور کی گمراہی میں جا گرا۔

اپنی جامعیت کے سبب جس طرح انسان بہترین موجودات ہے۔ اسی جامعیت کے باعث بدترین مخلوقات بھی یہی ہے۔ اس کا آئینہ بواسطہ جامعیت سب سے اَتم واَکمل ہے۔ یہ انسان اگر اپنا رُخ کائنات کی طرف رکھے تو جتنا زیادہ اسے میلا کچیلا کہیں، ٹھیک ہے۔ اور اگر اس کا رُخ حق تعالیٰ کی طرف ہو تو پھر مصفٰی اور نہایت بیش نما ہے۔ ان تعلقات کی میل کچیل سے مکمل آزادی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خاصہ ہے۔ آپ کے بعد دوسرے انبیاء کرام اور اولیاء عظام اپنے اپنے درجات کے مطابق صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیٰ نبیّنا وعلیہم وعلیٰ اتباعہم اجمعین الی یوم الدین۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بحرمت النبی المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان

تعلقات سے نجات عطا فرمائے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم وہ مقدس ذات ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے بدیں الفاظ مدح فرمائی: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نظر مبارک نہ تو کج ہوئی اور نہ ہی اس نے حد سے تجاوز کیا۔ اس سے زیادہ گفتگو مؤجبِ ملال ہے۔ وَالسَّلَامُ وَالْاِکْرَامُ۔]

تشریح

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز جامعیت انسان کا ذکر فرمارہے ہیں۔ دراصل انسان عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کے اجزائے عشرہ سے مرکب ہے، بنابریں اس کی موجودات کے ساتھ گرفتاری ومحتاجی زیادہ ہوتی ہے، جو حق تعالیٰ سے دوری ومحرومی کا باعث ہوتی ہے۔ جیسا کہ یہ آیہ کریمہ: ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (التین ۵) سے عیاں ہے۔ اور اگر انسان مخلوقات سے قطع تعلق کرکے رجوع الی اللہ سے مشرف ہو جائے تو دارین میں فلاحِ عظیم پالیتا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الأحزاب ۷۱) سے واضح ہے۔ اسی جامعیت کی وجہ سے انسان ضلالت وگمراہی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتا ہے اور اسی کی بدولت انسان دارین کی عظمتوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ جیسا کہ دریائے نیل کا پانی محبوبوں کے لئے پانی تھا اور محجوبوں کے لئے خون۔

بقول شاعر:

سبطیاں زان آبِ صافی می خورند
پیشِ قبطی خوں شد آب از چشم بند

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز انسان کی مدح کرتے ہوئے اس کی جامعیت پر تبصرہ فرما رہے ہیں۔ انسان جن اجزائے عشرہ مختلفہ سے مرکب ہے انفرادی طور پر ان اجزاء میں اتنی صلاحیت نہیں جتنی کہ ان کے باہم مترکب ہونے میں استعداد پائی جاتی ہے۔ اسی جامعیت کی بدولت انسان کامل، تجلیات عالمِ وجوب کی گنجائش رکھتا ہے اور بارِ امانت کے اٹھانے کے قابل ہوا، جس کے اٹھانے سے آسمان وزمین اور پہاڑ عاجز آگئے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (الأحزاب ۷۲) سے واضح ہے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا:

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید — قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

جو بار آسمان وزمیں سے نہ اُٹھ سکا — تو نے غضب کیا دل شیدا اٹھالیا

بینہ

واضح رہے کہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک امانت سے مراد درد وشوق ہی ہے جس سے ملائکہ بھی محروم ہیں۔

بقول شاعر:

قدسیاں را عشق ہست ودرد نیست — درد را جز آدمی در خورد نیست

اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا:

نداند جبریل ایں ہائے وہورا — کہ نشناسد مقام جستجورا

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۸۹ تا ۴۹۱)

مکتوب نمبر ۱۳۰

[جمال الدین کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ تلوینات احوال کا چنداں اعتبار نہیں۔ بے کیف اور بے مثال مقصد کا حصول ہونا چاہیئے۔

تلوینات کا چنداں اعتبار نہیں، ان میں گرفتار نہیں ہونا چاہیئے، کہ کیا آیا اور کیا گیا اور کیا کہا اور کیا سُنا؟ مقصود دوسری چیز ہے، جو گُفت و شنید اور دید و شہود سے منزہ اور مُبرّا ہے۔ سلوک کے بچوں کو اخروٹ وانگور (معمولی اشیاء) سے تسلی دیتے ہیں، ہمت بلند ہونی چاہیئے، کرنے والا کام دُوسرا ہے۔ یہ سب خواب وخیال ہے، خواب میں کوئی شخص اگر اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے تو وہ نفس الاَمر میں بادشاہ نہیں۔ لیکن اس طرح کے خواب سے بلند مراتب کے حصول کی اُمیدواری مترشح ہوتی ہے۔ طریقۂ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار اکابرہم میں وقائع کا کوئی اعتبار نہیں کرتے، انہوں نے یہ بیت اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

بیت:

چوں غلامِ آفتابم ہم از آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پَرَستم کہ حدیثِ خواب گویم

ترجمہ: میں آفتاب کا غلام ہوں ہر بات آفتاب کے متعلق ہی کہوں گا، میں نہ رات ہوں اور نہ رات کا پرستار ہوں کہ خواب کی باتیں کروں۔

اگر کوئی وارد ہو اور پھر چلا جائے، تو خوشی اور غمی کی کوئی ضرورت نہیں۔ بے کیف اور بے مثال مقصود کے حصول کا منتظر رہنا چاہیئے، وَالسَّلَام۔]

تشریح

مندرجہ بالا مکتوب بظاہر تو مختصر سی عبارت پر مشتمل ہے، لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس میں تصوف و سلوک کا مکمل فلسفہ بیان کر دیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے واضح فرمایا ہے کہ ذکر واذکار عبادات و مراقبات سے بالا صل رضائے الٰہی کے مقصود کا حصول ہونا چاہیئے۔ اس راہ میں پیش آنے والے حالات وواقعات اور وَارد ہونے والی کیفیات، سلوک کا مقصود نہیں ہیں۔ مثلاً اگر کوئی سالک صاحبِ کشف تو بن جائے لیکن فریضۂ نماز میں سُستی و کاہلی سے کام لے یا اپنے کشف پر اعتبار کرکے فرض روزوں کی تکمیل نہ کرے تو اُسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے غضب سے اس کا کشف بچا نہیں سکے گا۔ اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کی تلاش میں رہنا چاہیئے اور حالات وکیفیات پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے۔ ہاں راہِ سلوک کے نشیب و فراز سے واقفیت رکھنا اور ان کی معلومات کا ہونا ضروری شے ہے کیونکہ منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے راستہ کا علم ہونا البتہ ضروری ہے۔ اور راہِ سلوک میں عموماً دو قسم کی کیفیات آتی ہیں یا یوں سمجھ لیں کہ احوال کے دو درجے ہیں، ایک تلوین اور دوسرا تمکین۔

(دار المعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی نصیحت فرما رہے ہیں کہ سالک کو دورانِ سلوک پیش آنے والے تلوینات احوال اور ظہورِ تجلیات ساقط الاعتبار ہیں اور مراقبات وغیرہا کے دوران پیش آنے والے واقعات ناقابلِ التفات ہیں۔ یہ سب سراب وخواب وخیال ہیں جن کے ذریعے سالکینِ طریقت کو محض تسلی دی جاتی ہے، جیسا کہ مقولہ: تِلْکَ خَیَالَاتٌ تُرَبّٰی بِهَا اَطْفَالُ

الطَّرِیْقَۃُ۔ سے معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو بادشاہ دیکھے تو حقیقت میں وہ بادشاہ نہیں ہے، لیکن ایسے خواب سے بلند مرتبہ کی اُمید ہوتی ہے جو سالک کی روحانی استعداد اور باطنی صلاحیت کی خبر دیتے ہیں۔ اس لئے سالک کو ان چیزوں پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ بلند ہمت ہو کر منزلِ مقصود کی طرف گامزن رہنا چاہیئے۔

کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

چو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۴۹۵، ۴۹۶)

مکتوب نمبر ۱۳۱

[خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

طریقہ خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی بلندیٔ شان اور اس جماعت کے حال کی شکایت کے بیان میں جنھوں نے اس طریقہ میں بہت سی نئی باتیں نکال لی ہیں۔ اور انہیں اس طریقہ کی تکمیل قرار دے رکھا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ

اَخوی اَرشدی خواجہ محمد اشرف کو (اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی بزرگیوں سے نوازے اور مشرف فرمائے) معلوم ہونا چاہیئے کہ خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا طریقہ حق تعالیٰ تک پہنچانے والے طریقوں میں سب سے زیادہ قریب ہے۔ اور دوسروں کی نہایت ان بزرگواروں کی بدایت میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔ یہ سب کچھ اس بنا پر ہے کہ اس طریقہ میں التزامِ سُنت اور بدعت سے اجتناب ہے۔ یہ بزرگ حتی الامکان رُخصت پر عمل کرنا جائز نہیں رکھتے۔ اگرچہ بظاہر باطنی طور پر اسے نفع مند ہی پائیں۔ اور عزیمت پر عمل کرنے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اگرچہ صورت کے لحاظ سے سیرت اور طریقہ میں نقصان دہ ہی محسوس کریں۔ ان بزرگوں نے احوال و مواجید کو احکامِ شرعیہ کے تابع کیا ہے، اور اذواق و معارف کو علومِ شرعیہ کا خادم تصور کیا ہے۔ شرع شریف کے نفیس موتیوں کو بچوں کی طرح وَجد و حال کے اخروٹ اور انگوروں کے عوض نہیں لیتے۔ اور صوفیہ کی بے اصل باتوں سے مغرور اور فتنہ میں نہیں پڑتے۔ نصوصِ شرعیہ کے مقابلہ میں فصوص الحکم کی باتوں کو اختیار نہیں کرتے اور فتوحاتِ مدینہ کو چھوڑ کر فتوحاتِ مکیہ (ابنِ عربی کی کتاب) کی طرف التفات نہیں کرتے۔ ان کا حال دائمی ہے اور ان

کا وقت پائیدار ہے، وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کو بجلی کی چمک کی طرح نصیب ہوتی ہے، ان بزرگواروں کو دائمی طور پر نصیب ہے۔ وہ حضور جو تھوڑی دیر بعد باقی نہ رہے ان کے ہاں اعتبار سے ساقط ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (النور ۳۷)

ترجمہ: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

لیکن ہر ایک کا فہم ان کا مذاق تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ اس طریقہ علیہ کے کوتاہ اندیش لوگ ان کے کمالات کا انکار ہی کر بیٹھیں۔

بیت:

قاصرے گر کند این طائفہ را طعنِ قصور

حاشَ للہ کہ برآرم بزبان ایں گلہ را

ترجمہ: اگر کوئی کوتاہ ہمت اس گروہِ نقشبندیہ قدس سرہم پر اعتراض کرے تو وہ جانے اللہ کی پناہ کہ اس گلے کو میں زبان پر لاؤں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے قلمِ حق شناس سے تحریر شدہ ان مکاتیب میں کئی مقامات پر طرقِ ثلاثہ پر طریقۂ نقشبندیہ کی فضیلت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس فضیلت کے مختلف پہلو ہیں، جن میں سے ایک بڑا پہلو یہ ہے کہ اس عظیم البرکت سلسلہ میں جو کچھ ابتداء میں حاصل ہو جاتا ہے وہ دوسرے سلاسل کی انتہاء پر جا کر میسر ہوتا ہے، اور وہ بھی چند ایک کو ہی۔ اور ابتداء میں ہی اس قدر نعمت کا میسر آنا اس وجہ سے ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں ہر معاملہ میں سُنّتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا التزام اور بدعت سے ہر طرح کا اجتناب کیا جاتا ہے۔ اگر

کوئی شخص نقشبندی ہوتے ہوئے بھی سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مخالفت کرے گا اور بدعات میں مشغول ہو گا تو اُس پر مشائخِ نقشبندیہ کے فیوضات وبرکات منقطع ہو جائیں گی۔ اور اگر بالفرض وہ حالات وکیفیات کو محسوس کرے گا تو وہ استدراج میں داخل ہوں گی۔

نیز ہر معاملہ میں تقویٰ کا اختیار کرنا یعنی عزیمت پر عمل کرنا اور رُخصت سے پہلو تہی کرنا بھی سلسلۂ نقشبندیہ کے لوازم میں سے ہے، سوائے چند اُن جگہوں کے جہاں پر خود شریعت نے رُخصت کی تعلیم دی ہے۔ مثلاً دورانِ رمضان میں سفر کی حالت میں افطار کرنا وغیرہ۔ لیکن یہاں بھی تقویٰ کا تقاضہ یہی ہے کہ سفر میں بھی روزہ ہی رکھے کہ عزیمت میں بظاہر دشواری نظر آتی ہے لیکن دَر حقیقت عزیمت اپنے اندر بے پناہ انوار وفوائد رکھتی ہے۔ اور آج کل تو ویسے بھی سفر وہ نہیں رہے جو پہلے ہوتے تھے اور وہ دشواریاں نہیں رہیں جو پہلے لوگوں نے دیکھی تھیں۔

ایک اور اہم بات جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بیان فرمائی ہے وہ صوفیاء وحدت الوجود کی کُتب کا مطالعہ ہے جو کہ ناواقفِ سلوک صوفیاء کے لئے زہرِ قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ ان میں حالاتِ سُکر کا بیان ہے اور بعض ایسی باتوں کا بیان ہے جو ظاہرِ شریعت کے مخالف ہیں اس لئے عام سالکین کو ان کُتب کے مطالعہ سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ ایسی کُتب کے مقابلے میں روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں قرآن وحدیث کی تعلیمات ہیں جن کا مطالعہ از حد ضروری ہے لیکن کیا کیا جائے کہ آج کل عوام تو عوام رہے، خواص بھی قرآن وحدیث کے مطالعہ کی جگہ اَربابِ سُکر کی کتابوں اور رومانوی ناولوں میں مگن نظر آتے ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز طریقتِ نقشبندیہ کے فضائل وکمالات کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ در حقیقت امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں فیضانِ نبوت وولایت جاری ہیں۔ فیضانِ نبوت کے قسیم خلیفۂ رسول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جبکہ فیضانِ ولایت کے قسیم امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جملہ سلاسل طریقت میں فیضانِ نبوت وولایت جاری وساری ہے مگر طریقتِ نقشبندیہ میں نسبتاً فیضِ نبوت کا غلبہ ہے، بنابریں اس سلسلۂ طریقت کو سلسلۂ صدیقیہ بھی کہا جاتا ہے اور اس سلسلۂ طریقت کی نسبت کو نسبتِ صدیقی کہتے ہیں جسے ہمہ وقت حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر باش رہنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی کو حضور مع اللہ بلا غیبوبۃ بھی کہتے ہیں جیسا کہ یہ آیہ کریمہ: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (النور ۳۷) سے واضح ہے۔ اس لئے یہ نسبت تمام نسبتوں سے فوق وبالا ہے۔ یہ وہ نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ قصویٰ ہے جس کے سمجھنے سے اکثر افراد قاصر ہیں۔

قدوۃ الاخیار حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الغفار نے کیا خوب کہا:

تو نقشِ نقشبنداں را چہ دانی — تو طفلی کار مرداں را چہ دانی
گیاہ سبز داند قدر باراں — تو خشکی قدر باراں را چہ دانی
ہنوز از کفر وایمانت خبر نیست — حقائق ہائے ایماں را چہ دانی

اس نسبت کے حاملین دوسروں کی نہایت ان کی بدایت میں درج ہونے اور تجلّیٔ ذاتی دائمی سے ممتاز ہونے کے علاوہ وصلِ عریانی سے مشرف ہوتے ہیں، جبکہ دیگر سلاسل طریقت میں وصل مطلق ہوتا ہے جو حجب ظلمانی کے رفع کا باعث تو ہے مگر حجب نورانی پھر بھی حائل رہتے ہیں۔ جبکہ

وصلِ عریانی میں حجبِ نورانی بھی مرتفع ہو جاتے ہیں اور عارفین بلا حجاب وصلِ یار سے شادکام ہوتے ہیں۔ خواجگانِ نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ فضیلت و فوقیت اتباعِ سنت، عمل بعزیمت اور احتراز عن البدعت کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۴۹۹، ۵۰۰)

[ہاں اس طریقۂ علیہ کے متاخرین بزرگوں کے کچھ خلفاء نے اس طریقہ میں کچھ نئی چیزیں داخل کر دی ہیں اور اس سلسلہ کے اکابر کی روش کو ترک کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے مُریدوں کی ایک جماعت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ ان محدثات سے انہوں نے اس طریقہ کی تکمیل کی ہے۔ حاشا وکلا (پناہ بخدا) كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ بہت بڑی بات ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ جن لوگوں نے اس سلسلہ میں بعض نئی اور بے اصل باتیں داخل کی ہیں، ان سے اس سلسلے کی تکمیل نہیں بلکہ اس میں سلسلے کی تخریب اور اسے ضائع کرنا ہے۔ افسوس ہزار افسوس بعض وہ بدعات جن کا دوسرے سلسلوں میں وجود تک نہیں، انہیں اس سلسلہ میں جاری کر دیا گیا ہے۔ مثلاً اس سلسلہ کے بعض لوگ نمازِ تہجد جماعت سے ادا کرتے ہیں، ارد گرد سے لوگ تہجد کے وقت جمع ہوتے ہیں اور پھر یہ لوگ پوری جمعیت کے ساتھ یہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل مکروہِ تحریمہ ہے۔ جن فقہاء نے اس جماعت کی کراہت کے لئے تداعی (لوگوں کو بُلانا) کو شرط قرار دیا ہے، انہوں نے بھی ایک گوشہ مسجد میں اسے جائز کہا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ تین افراد سے زیادہ نہ ہوں، تین سے زیادہ افراد کامل کر یہ نماز جماعت سے ادا کرنا فقہاء کے نزدیک بالاتفاق مکروہ ہے۔ نیز اس طرح نمازِ تہجد ادا کرنے میں تیرہ رکعت تصور کرتے ہیں، بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر۔ اور ان دو کو ایک رکعت تصور کرتے ہیں اور اس طرح تیرہ رکعت تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ بات یوں نہیں، ہمارے نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات نے جو بعض دفعہ تیرہ

رکعت ادا فرمائی ہیں اور بعض دفعہ گیارہ رکعات اور بعض دفعہ نو رکعات تو وہ وتروں کو ساتھ ملا کر جفت رکعات کی بجائے طاق رکعات قرار دی ہیں۔ یوں نہیں کہ دو رکعات نفل کو جو بیٹھ کر ادا کی ہوں ایک تصور کیا ہے۔ اس قسم کے علم و عمل کا منشا روشن سُنتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی عدمِ تحقیق ہے۔ تعجب ہے کہ ان شہروں میں جو علماء مجتہدین کا مسکن وماویٰ ہیں اس طرح کی بدعات رواج پذیر ہو چکی ہیں حالانکہ ہم فقراً اسلامی علوم کا استفاضہ ان بزرگوں کی برکات سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی درست بات کا الہام فرمانے والا ہے۔

فرد:

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم

کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: میں نے غمِ دل تھوڑا سا بیان کیا ہے، میں ڈر گیا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو گا ورنہ باتیں بہت ہیں۔

وَالسَّلَام۔]

تشریح

وہ اُمور جن کا قرآن و حدیث میں یا اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک زندگیوں میں کوئی جواز و ثبوت نہیں ملتا بلکہ دین سے ناواقف لوگوں نے اُنہیں دین کا جزو بنا کر عمل کرنا شروع کر دیا ہو بدعات کہلاتے ہیں۔ پھر جیسے دِین کے ظاہری حصے میں بدعات پیدا کرنا لغو ہے یوں ہی دین کے باطن یعنی تصوف میں بھی ایسے کاموں کو داخل کر لینا بدعت کہلاتا ہے جن کا ثبوت اکابر مشائخِ سلاسل کی تعلیمات یا اُن کی عملی زندگیوں میں کہیں نہیں ملتا۔ ایسی بدعات کی ایک مثال تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے تہجد کی نماز کو باجماعت ادا کرنے کی صورت میں دی

ہے اور اس کے علاوہ بہت سے دیگر ایسے اُمور قابلِ ذکر ہیں جنہیں تصوف و سلوک میں نہ صرف شامل کر لیا گیا ہے بلکہ اُن ہی سے سلسلہ کی تکمیل کا فاسد گمان کر لیا گیا ہے اور اس پر سب سے زیادہ دُکھ کی بات یہ ہے کہ کئی ایک جگہوں پر مشائخ بھی عوام کے ساتھ شریک ہیں۔ اگر صرف عوام ہی ان بدعات کے خالق ہوتے تو بھی غلط تھا لیکن جب مشائخ بھی ان کے ہمنوا ہو گئے اور مسندِ علم پر متمکن علماء نے بھی چُپ سادھ لی تو اب گمراہی کے دروازے پوری طرح کھُل گئے اور طریقت جیسا بابرکت عمل جو انسان کو عروج کی بلندیوں پر پہنچانے کے لئے وضع ہوا تھا زوال پزیر ہونے لگا۔ نگاہِ عدل سے طریقت کے سلسلوں اور سالکینِ طریقت کے احوال کا جائزہ لے لیں، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

اب میں طریقت کی بدعات میں سے صرف ایک بدعت کا ذکر کرتا ہوں، اگرچہ یارانِ طریقت کو بُرا ہی محسوس ہو گا لیکن حق بیان کرنے سے چارہ نہیں ہے۔

آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں ہر دو طریقۂ ذکر کا ثبوت ملتا ہے یعنی ذکرِ جہری کا بھی اور ذکرِ خفی کا بھی۔ اور سلاسلِ طریقت کے اَسلاف میں سے نقشبندیہ نے ذکرِ خفی کو اپنایا ہے اور باقی سلاسلِ ثلاثہ نے ذکرِ جہری کو اختیار کیا ہے اور یہ دونوں طریقہ ہائے ذکر اپنی اپنی جگہ صحیح، درست اور باطل الٰہوں کو مٹانے میں کارگر ہیں۔ تاہم سلسلۂ نقشبندیہ خفی ذکر کے پابند ہیں اور ان کے لئے ذکرِ جہری منع ہے، بعینہٖ سلاسلِ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ کے سالکین اپنے مشائخِ کبار کی تعلیمات کے مطابق ذکرِ جہری کے پابند ہیں اور اُن کے لئے ذکرِ خفی منع ہے۔ لیکن آج مشائخِ طریقت اور اِمامانِ تصوف کے مندرجہ بالا قانون کو یکسر تَرک کر دیا گیا ہے اور ہر سلسلہ کے مشائخ اپنی اپنی مرضی کے مطابق ذکر کر رہے ہیں۔ نقشبندیوں نے ذکرِ جہری شروع کر رکھا ہے

اور دوسرے سلاسل والے اپنے اذکار کے ساتھ خفی ذکر میں مشغول ہیں۔یہی طریقت کی وہ بدعت ہے جس کی وجہ سے سلاسل کی برکات ختم ہو گئی ہیں اور سالکوں کے باطنی حالات پراگندہ ہو چکے ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک مشہور بزرگ نے اپنی محفل سے ایک سالک کو صرف اس وجہ سے نکال دیا تھا کہ اُس نے کھانا کھانے سے پہلے بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم پڑھی تھی۔اب اس بات سے اندازہ لگائیں کہ سلسلہ کی تعلیمات کا لحاظ رکھنا کس قدر لازم وضروری ہے۔

(دارالمعرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ بعض متاخرین خلفاء اس طریقتِ عالیہ میں بعض بدعات واحداثات شامل کرکے اس کی تکمیل کے معتقد ہو گئے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بدعت اور اس کی قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

فاضلِ اجل حضرت شیخ شریف جرجانی نقشبندی علائی قدس سرہٗ العزیز بدعت کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اَلْبِدْعَۃُھِیَ الْاَمْرُ الْمُحْدَثُ الَّذِیْ لَمْ یَکُنْ عَلَیْہِ الصَّحَابَۃُوَ التَّابِعُوْنَ وَلَمْ یَکُنْ مِمَّا اقْتِضَاہُ الدَّلِیْلُ الشَّرْعِیُّ۔

یعنی بدعت اس نئے کام کو کہا جاتا ہے جس پر صحابہ کرام اور تابعین عظام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)کا تعامل نہ ہو اور نہ ہی اس پر کوئی دلیلِ شرعی قائم ہو۔ [1]

[1] (کتاب التعریفات،ص ۹۱)

حضرت شیخ جرجانی نے اس کی تعریف یوں بھی فرمائی ہے:

اَلْبِدْعَةُھِیَ الْفِعْلَةُ الْمُخَالَفَةُ لِلسُّنَّةِ سُمِّیَتْ الْبِدْعَةُ لِاَنَّ قَائِلَھَا اِبْتَدَعَھَا مِنْ غَیْرِ مَقَالِ اِمَامٍ۔

یعنی بدعت خلافتِ سنت فعل کو کہتے ہیں۔ اسے بدعت سے اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا قائل اپنے امام کے قول کے برعکس کسی نئی بات کا واضع وموجد ہوتا ہے۔[1]

علمائے شریعت اور مشائخ طریقت نے بدعت کی موٹی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔بدعت فی الشریعت ۲۔بدعت فی الطریقت

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی اُمت کو دورِ فتن میں التزام بالسنۃ اور اجتناب عن البدعۃ کی تاکید و تلقین فرمائی، تاکہ التزام سنت کی بدولت امتِ مسلمہ کی مرکزیت قائم اور شیرازہ مجتمع رہے۔

چنانچہ ارشادِ گرامی ہے:

فَإِنَّهُ مَنْ یَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِی فَسَیَرَی اخْتِلاَفًا كَثِیرًا فَعَلَیْكُمْ بِسُنَّتِی وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِیِّینَ الرَّاشِدِینَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِیَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ۔

یعنی تم سے جو شخص ہمارے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، لہٰذا تم پر میری سُنت اور میرے خلفائے راشدین کی سُنت لازم ہے، اسی کو تھامے رہو اور دانتوں کے ساتھ سختی سے دبائے رکھو، اور اپنے آپ کو نوپید امور سے بچاؤ کیونکہ نوپید امر بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔[2]

---

[1] (کتاب التعریفات، ص ۹۱)

[2] (سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۳۲۹، الناشر: دار الکتاب العربي-بیروت)

ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ۔

یعنی جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو دین سے نہیں وہ مردود ہے۔[1]

یاد رہے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں ہر نوپید امر سے منع نہیں فرمایا گیا بلکہ "مَا لَيْسَ فِيهِ" کی قید لگا کر صراحت فرمادی کہ جو چیز دین سے نہ ہو خلافِ دین ہو وہ قابلِ رَدّ ہے اور جو چیز دین سے متصادم نہ ہو بلکہ مقصودِ شرع کے مطابق ہو اور صدر اول میں اس کی کوئی مثال یا اصل ثابت ہو وہ قابل عمل ہے جسے حدیث میں سنتِ حسنہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات : مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا۔[2] سے عیاں ہے۔

شارح بخاری حضرت امام عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے:

المحدثات ضربان ما أحدث يخالف كتابا أو سنة أو أثرا أو إجماعا فهذه بدعة الضلال و ما أحدث من الخير لا يخالف شيئا من ذلک فهذه محدثة غير مذمومة انتهى۔

یعنی محدثات (نوپید اُمور) کی دو قسمیں ہیں، ایسے امور جو قرآن و سنت یا اثر اجماع کے مخالف ہوں وہ بدعتِ ضلالت ہیں اور جو اُمور خیر ان (کتاب و سنت واثر و اجماع) کے مخالف نہ ہوں وہ محدثاتِ محمودہ ہیں (یعنی سُنتِ حسنہ ہیں)۔[3]

اسی لئے حضرت علامہ حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

وَالْمُرَادُ بِالْبِدْعَةِ مَا اَحْدَثَ مِمَّا لَا اَصْلَ لَهُ فِي الشَّرِيْعَةِ يَدُلُّ عَلَيْهِ۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۳۲۹، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۷۲، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)

[3] (فتح الباری، ج ۱، س ۳۰۲)

یعنی بدعت سے مراد وہ نو پید امور ہیں جن کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہ ہو جو ان پر دال ہو۔[1]

سُنت وبدعت کے باہم متضاد ہونے کے متعلق حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

سنت اور بدعت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک کے وجود سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے، لہٰذا ایک کے زندہ کرنے سے دوسرے کی موت واقع ہو جاتی ہے۔یعنی سنت کا زندہ کرنا بدعت کو مردہ کرنا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بھی (قیاس کر لیجئے)۔

پس بدعت، خواہ اس کو حسنہ کہیں یا سیئہ، (ہر حال میں اس سے) سنت کا دور کرنا لازم آتا ہے۔ شاید (حسنہ کہہ کر) حسنِ نسبی کی وجہ سے اعتبار کر لیا ہو۔(یعنی اس سے اضافی حسن مراد لیتے ہوں) ورنہ حُسنِ مطلق کی وہاں گنجائش نہیں ہے۔کیونکہ تمام سنتیں حق جل سلطانہٗ کی مرضیات ہیں اور ان کی اضداد (بدعتیں) مرضیاتِ شیطان ہیں۔ آج یہ بات بدعت کی اشاعت کی وجہ سے اگرچہ بہت سے لوگوں پر گراں ہیں لیکن کل (قیامت کے روز) ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا وہ۔

منقول ہے کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سلطنت کے زمانے میں جب دین کی ترویج کریں گے اور احیائے سُنت کا حکم دیں گے تو مدینہ کا علم جس نے بدعت پر عمل کرنا اپنی عادت بنالی ہو گی، اور اس کو اچھا سمجھ کر دین کے ساتھ ملا لیا ہو گا وہ تعجب سے کہے گا کہ اس شخص (حضرت امام مہدی) نے ہمارے دین کو ختم کر کے ہماری ملت کو مار ڈالا ہے۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ

[1] (جامع العلوم والحکم، ج ۲، ص ۱۲۷)

عنہ اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے اور اس کے حسنہ کو سیئہ خیال فرمائیں گے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم۔[1]

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عمل دو قسم کا ہے:

۱۔ عبادت کے طریقہ پر ۲۔ عرف و عادت کے طور پر

وہ عمل جو عبادت کے طریقے پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنا ہے اور وہ مردود ہے۔ اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ نہیں جانتا، اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر موقوف ہے نہ کہ دین وملت پر۔ جس طرح کہ بعض شہروں کا عرف دوسرے شہروں کے عرف کے خلاف ہے اسی طرح ایک شہر میں زمانے کے تفاوت کے اعتبار کی وجہ سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے البتہ عادی سنت کی رعایت بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت سید المرسلین علیہ و علیہم و علی تابعی کل من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔[2]

---

[1] (دفتر اول، مکتوب ۲۵۵)
[2] (دفتر اول، مکتوب ۱۳۹)

بدعت فی الطریقت

سالکین جادۂ طریقت کو قُرب سے آشنا کرنے والے سلاسل اربعہ میں سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سب سے اسلم، اوفق، اسہل اور اَقرب طریقہ ہے جو بعینہٖ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے اور اتباع سُنت، ملازمت بر صحبت، عمل بعزیمت اور تخریب بدعت پر موقوف ہے اور احکام شرعیہ اور سُننِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات پر کاربند رہنے اور رخصت کے بجائے عزیمت کو اختیار کرنے کو ترجیح دیتا ہے اس لئے اس میں روحانی ارتقاء کا دار و مدار ریاضتوں اور چلّوں پر نہیں بلکہ متابعت سنت اور شیخ کی صحبت و زیارت پر ہے۔

سلطان العشاق حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہٗ السامی نے کیا خوب فرمایا:

از دلِ سالک رہ جاذبہ ٔصحبت شاں   می بُرد وسوسہ ٔخلوت و فکر چلہ را

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس حقیقت کے متعلق یوں رقم طراز ہیں۔۔۔ اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

سلسلہ نقشبندیہ کے خلفائے متاخرین کی ایک جماعت نے ان بزرگوں کو اوضاع واطوار کو ترک کرکے بعض ایسے نئے امور مثلاً سماع ورقص اور ذکرِ جہر اختیار کر لئے ہیں اس کی وجہ عدم وصول ہے۔ یہ لوگ اس بزرگ خاندان کے اکابرین کی نیتوں کی حقیقت تک نہیں پہنچتے اور خیال کر بیٹھے ہیں کہ ان محدثات اور مبتدعات سے اس طریقہ کی تکمیل و تتمیم کر رہے ہیں، حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح سے وہ طریقہ کو خراب اور ضائع کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔[1]

---

[1](دفتر اول،مکتوب ۲۸۶)

نیز ایک مقام پر اس کے متعلق یوں ارقام پذیر ہیں:

لوگ وہ نئی بات جو طریقت میں پیدا کرتے ہیں فقیر کے نزدیک بدعت سے کم نہیں۔ جب کوئی نیا طریقہ سابقہ طریقت میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے فیوض وبرکات کا رستہ مسدود ہو جاتا ہے اس لئے اپنی طریقت کی حفاظت اہم ترین اَمر ہے۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس بات پر اظہارِ تعجب فرما رہے ہیں کہ علمائے مجتہدین ہی علم و فضل کا گہوارہ اور تقویٰ وطہارت کا مرجع ہوتے ہیں اور لوگ علومِ اسلامیہ کی تحصیل اور مسائل شرعیہ کی تحقیق کے لئے ان کی خدمت میں زانوئے تلمذّتہ کرتے، علمی تشنگی بجھاتے اور مسائل دریافت کرتے ہیں اس لئے اگر ان ہی حضرات کی موجودگی میں لوگ بدعات وخرافات کے کھلم کھلا مرتکب ہوں تو:

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کے مصداق حفاظتِ دین کا فریضہ کون سرانجام دے گا؟

بینہ

واضح رہے کہ جب احکامِ شرعیہ اور سننِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جارہا ہو اور اسلامی وروحانی قدروں کو پامال کیا جارہا ہو تو ایسے ایمان فروش اور حیاسوز ماحول میں ٹس سے مس نہ ہونا اور خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہنا حمیتِ اسلامی اور غیرتِ ایمانی کے سخت خلاف اور شیطانی کردار کے مترادف ہے جسے شیطان اخرس (گونگا شیطان) فرمایا گیا ہے، اَلْعَیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اس لئے بقدر استطاعت حالات کے تقاضوں کے مطابق حکمتِ عملی کے ساتھ غیر شرعی افعال کی

---

[1] (دفتر اول، مکتوب ۲۶۷)

مزاحمت و سرکوبی کرنا چاہیئے تا کہ بندۂ مؤمن کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حضور سرخرو ہو سکے ورنہ ندامت و خجالت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۵۰۱تا۵۰۷)

مکتوب نمبر ۱۳۲

[مُلّا محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

دولت مندوں کی مجلس سے اجتناب اور فقرا کی صحبت کی ترغیب کے بیان میں۔ کیونکہ فقرا کے آستانوں کی جارُوب کشی اغنیاء کے ہاں صدر نشینی سے بہتر ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران ۸)

ترجمہ: اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تو ہے بڑا دینے والا۔

اے برادر! آپ نے ظاہر طور پر فقرا کی صحبت و ہمنشینی سے کنارہ کشی کر کے اور دل تنگ ہو کر اغنیاء کی مجلس اختیار کر لی ہے۔ آپ نے بہت بُرا کیا ہے۔ آج اگر تمہاری چشمِ بصیرت بند ہے تو کل کھول دیں گے، مگر اس وقت ندامت اور شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا، بتادینا شرط ہے۔ اے دیوانگی کے مارے ہوئے تیرا معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ اغنیاء کی مجلس و صحبت میں تجھے جمعیتِ خاطر نصیب ہو گی یا نہ ہو گی۔ اگر ہو گی تو وہ بھی بُری ہے، اور نہ ہو گی تو یہ بہت ہی بُری بات ہے۔ ان کی مجلس میں اگر جمعیتِ خاطر نصیب ہو گی تو وہ جمعیت نہیں بلکہ فی الحقیقت استدراج (کچھ وقت کے لئے مہلت) ہے۔ اس صورتِ حال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ اور اگر جمعیتِ خاطر نصیب نہ ہو خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ، دنیا اور آخرت کا خسارہ اس کے نشانِ حال ہے۔ یادرکھ فقرا کے آستانے کی جارُوب کشی اغنیاء کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج اس بات کی سمجھ آئے یا نہ آئے، آخرکار سمجھ آجائے گی مگر

اس وقت کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ اپنے اصلی مقصد کی فکر کرو۔ جو کچھ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے رکاوٹ کا باعث ہے، اس سے دور بھاگو۔ اور بچو!

إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ (التغابن ۱۴)

ترجمہ: تمہاری کچھ بیبیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔

نصِ قطعی ہے۔۔ صحبت کے حقوق نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ تمہیں نصیحت کر دُوں۔ آگے اس پر عمل کرو یا نہ کرو یہ تمہاری مرضی۔

شعر:

وَقَدْ كَانَ مَا خِفْتُ اَنْ يَكُوْنَا　　　　اِنَّا اِلَى اللهِ رَاجِعُوْنَا

ترجمہ: یعنی بے شک وہ بات ہو کر رہی جس کا مجھے ڈر تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔]

تشریح

سلوک ایک دشوار گزار راستہ ہے، جس پر ہر لمحہ اور ہر قدم پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے امتحان وآزمائش دامن گیر رہتے ہیں اس لئے سلوک میں وہی شخص کامیاب ہوتا ہے جو طلبِ صادق رکھتا ہو اور ہمت وحوصلہ رکھنے والا ہو۔ ورنہ تصوف کی صحبتوں اور علم وعمل کی مجلسوں پر دُنیاوی عیش وآرام غالب آجاتا ہے۔ اور انسان صوفیانہ ماحول پر دُنیا پرستی کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ کتنے ہی احباب ایسے ہیں جو ہر لمحہ ذکر وفکر میں مشغول رہتے تھے اور حصولِ علم کے ساتھ ساتھ عمل میں کوشاں تھے لیکن شیطان نے انہیں ترقی کرتا دیکھ کر تصوف کی بہاروں سے نکال کر خزاں رسیدہ کر دیا۔ اسی موضوع پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب اپنے ایک مُرید مُلا محمد

صدیق کی طرف صادر فرمایا جس پر دُنیا کا رنگ چڑھ گیا تھا اور اُس نے اولیاء کی محافل پر دُنیاداروں کی محافل کو ترجیح دے دی تھی۔

حدیثِ مبارکہ میں وارد ہے کہ:

عَنْ أَنَسٍ أن النبي صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَسْرَجَ فِي مَسْجِدٍ سِرَاجًا لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ وَحَمَلَةُ الْعَرْشِ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ مَا دَامَ ذَلِكَ الضَّوْءُ فِيهِ وَإِنْ كَنَسَ غُبَارَ الْمَسْجِدِ نَقَدَ الْحُورَ الْعِينَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے مسجد میں چراغ جلایا تو جب تک روشنی رہتی ہے اس وقت تک فرشتے اور حاملینِ عرش اس کے لئے دُعا کرتے ہیں اور اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور مسجد کے غُبار کو صاف کرنا آہو چشم موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے۔[1]

غور طلب بات ہے کہ حدیثِ مبارکہ میں بادشاہوں یا رؤسا کی محافل کا ذکر نہیں ہے بلکہ مساجد کی جھاڑو کشی کا ذکر ہے اور فقراَ کی خانقاہیں بھی اسی ضمن میں ہیں کیونکہ وہاں پر ہر لمحہ درس وتدریس، ذکر واذکار اور تزکیۂ نفس ہوتا رہتا ہے اس لئے ایسی محافل کی بڑی شان ہے، لہٰذا دُنیاوی محافل ومجالس جو روحِ انسانی کو کدورتوں اور تاریکیوں میں پراگندہ کرتی ہیں، سے اجتناب ضروری ہے اور فقراَ کی صحبتوں کو اختیار کرنا لازمی ہے جہاں پر دینِ متین اور روشن شرع کے انوارات انسان کا باطن منور کر دیتے ہیں۔

(دارالمعرفت، ج ۳)

---

[1] (تفسیر القرطبي، ج ۱۲، ص ۲۷۵، الناشر: دار الکتب المصریة - القاهرة)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اُمراء کی صحبت اختیار کرنے والے سالکین کی مذمت فرما رہے ہیں، کیونکہ امراء کے زرق برق لباسات فاخرہ، دولت کی ریل پیل، ظاہر کرّوفرّ، ان کی مرغن غذائیں اور تر نوالے سالکین کے لئے دُنیا وآخرت میں باعثِ خسارہ ہیں جیسا کہ آیہ کریمہ: خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةَ (الحج ۱۱) سے عیاں ہے۔

نیز فقرا کی ہم نشینی ترک کرنے والے سالک کو اُمور دنیا میں اگر دل جمعی میسر ہو جائے تو وہ جمعیت نہیں بلکہ استدراج ہے جو قابلِ مذمت ہے کیونکہ وہ صحبت فقرا سے دوری کے باعث قربِ خدا سے محروم ہو گیا ہے اور اگر اسے دُنیوی معاملات میں جمعیت قلبی میسر نہ ہو تو اور بھی بُرا ہے، کیونکہ:

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

کے مصداق وہ صحبت فقرا سے بھی محروم رہا اور دولت اغنیاء سے بھی کچھ نہ پا سکا۔ ان محرومیوں اور بد نصیبیوں کا بنیادی محرک دولتِ دنیا اور بیوی بچے ہوتے ہیں جنہیں فتنہ ودشمن فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ آیات کریمہ: أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الأنفال ۲۸) اور إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ (التغابن ۱۴) سے عیاں ہے۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ العزیز نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

مال واولادت بمعنی دشمن اند
گرچہ نزدیک تو چشم روشن اند

اِنَّمَا اَمْوَ الُکُمْ رایاد گیر

مال وملک این جہان برباد گیر

جبکہ اہل اللہ کی چاکری اور ان کے آستانوں کی خاکروبی سرمایہ دارین اور سعادتِ کونین ہے، کیونکہ ان کے ساتھ عقیدت اور نیازمندی، محض للّٰہیت واخلاص کے جذبوں پر استوار ہوتی ہے اس لئے وہ رضائے مولیٰ کا مؤجب ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات والتسلیمات الْحُبُّ فِي اللَّهِ۔[1] سے واضح ہے۔

بقول شاعر:

صحبت روشن دلاں یک دم دودم

ایں دودم سرمایۂ بود وعدم

بینہ

واضح رہے کہ مکتوب الیہ حقائق آگاہ حضرت خواجہ محمد صدیق بدخشی ملقب بہ ہدایت نے صحبتِ امرا کو ترک کرکے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت عالیہ کی طرف مراجعت کرلی تھی اور بے شمار فیوض وبرکات وتوجہات سے سعادت اندوز ہوئے اور تکمیلِ سلوک کے بعد خلافت واجازت سے مشرف ہوئے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۵۱۱تا۱۵۱۳)

[1](مشکاۃ المصابیح، ج ۱، ص ۷۱، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

مکتوب نمبر ۱۳۳

[یہ مکتوب بھی مُلا محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ فرصت کے لمحات کو غنیمت جاننا چاہیئے، اور اپنے قیمتی وقت کی قدر کرنی چاہیئے۔

قاصد کے ہاتھ آپ نے جو مکتوب ارسال کیا تھا مل گیا ہے، فرصت کے لمحات کو غنیمت جانو، اور اپنے وقتِ عزیز کی قدر کرو، رسوم وعادات سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اور حیلوں، بہانوں سے خسارے اور محرومی میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔

مخبر صادق حضور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے:

هَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ سَوْفَ اَفْعَلُ۔

ترجمہ: ''یہ کام ابھی کرلوں گا'' کہنے والے ہلاک ہوگئے۔[1]

ایامِ زندگی کو موہوم مقاصد میں صَرف کرنا اور موہوم مقاصد (اَموال اور منافع دُنیوی) کو عمرِ موجود کے لئے نگاہ رکھنا بہت بُرا ہے۔ چاہیئے یہ کہ نقد وقت کو اہم اور ضروری کام میں صَرف کیا جائے۔ اور غیر نقد (آنے والی دُنیاوی زندگی جو ایک وہمی اَمر ہے) کو بے فائدہ آسائش وآرائش کے

---

[1] (التنویر شرح الجامع الصغیر، حرف التاء، فصل فی المحلی بأل من باب التاء المثناة الفوقیة، حدیث نمبر ۳۳۹۰، ج ۵، میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بالفاظ اَلتَّسْوِیْفُ شِعَارُ الشَّیْطَانِ یُلْقِیْہِ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور حضرت امام دیلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الفردوس بمأثور الخطاب، باب الالف، حدیث نمبر ۱۵۶۴، ج ۱، میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالفاظ اِیَّاکَ وَالتَّسْوِیْفَ بِالتَّوْبَۃِ نقل کی۔ اور مجمع الزوائد ومنبع الزوائد، کتاب النکاح، باب فیمن یدعوہا زوجھا فتعتل، حدیث نمبر ۷۵۷۱، ج ۴، نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بالفاظ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُسَوِّفَاتِ روایت کی ہے۔)

لئے ذخیرہ بنانا چاہیئے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی طلب میں بے آرامی کا ذرہ ہی عطا کر دے۔ تا کہ ماسوائے حق کے ساتھ آرام حاصل کرنے سے نجات میسر آ جائے گفتگو بے فائدہ ہے۔ سلامتی قلب طلب کرنی چاہیئے۔ اصل مقصد کی فکر میں رہنا چاہیئے اور لایعنی اُمور سے مکمل طور پر گریز کرنا چاہیئے۔

بیت:

ہر چہ جُز عشقِ خدائے اَحسن است　　　　گر شکر خوردن بود جاں کندن است

ترجمہ: خدائے اَحسن کے عشق و محبت کے سوا جو کچھ ہے، اگرچہ شکر کھانے کا فعل ہی کیوں نہ ہو دراصل اپنی جان کو ہلاک کرنے کی ہی بات ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (المائدۃ ۹۹)

ترجمہ: رسول پر نہیں مگر حکم پہونچانا۔]

تشریح

دُنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے اور یہ محبت انسان کے نیک اعمال کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ آج کے دور میں لوگ دُنیا میں اتنے مگن ہو گئے ہیں کہ اُنہیں نماز پڑھنے یا قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر واَذکار نیز درس و تدریس اور حصولِ علمِ دین کا وقت ہی نہیں ملتا۔ کسی کو اگر نماز یا دیگر نیک اُمور میں سے کسی اَمر کا کہا جائے تو کہتا ہے کہ وقت ہی نہیں ملتا۔ عجیب بات ہے کہ دُنیا کے مشکل ترین دھندوں کے لئے تو وقت مل جاتا ہے لیکن آخرت سنوارنے والے آسان کاموں کے لئے وقت نہیں مل پاتا۔

وقت ایک ایسا قیمتی گوہر ہے جو ایک دفعہ ہاتھ سے نکل گیا تو دوبارہ اس کا ہاتھ آنا ناممکن ہے۔

اگر ساری دُنیا بھی کمال جائے تو حرِص پھر بھی کم نہیں ہوتا۔ مزید برآں یہ تمام دولت و دُنیا پیچھے آل

واولاد کے لئے رہ جاتی ہے اور انسانی خالی ہاتھ رُخصت ہو جاتا ہے۔اس حقیقت کو جانتے ہوئے کہ یہ کہاں کی عقلمندی ہے دُنیا کے چند ٹکوں کی خاطر آخرت کو خراب کر لیا جائے۔

حضرت ربیع ابن خثیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ایک بہت بڑے عالمِ باعمل اور ولی تھے انہوں نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی ہر روز ایک بار اس میں لیٹ جاتے اور گلے میں ایک طوق ڈال لیتے پھر یہ آیت پڑھتے:

رَبِّ ارْجِعُونِ (۹۹) لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا (المؤمنون ۱۰۰)

ترجمہ: اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں۔

اس کے بعد یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو جاتے کہ "اے ربیع تیرا سوال پورا ہوا تجھے موقع نصیب ہوا اب اُس وقت کے لئے عمل کر جب تیری درخواست قبول نہیں ہو گی۔ اور تجھے عمل کرنے کا موقع نہیں عطا کیا جائے گا"۔

(دارالمعــرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سالکینِ طریقت کو فرصت کے لمحات غنیمت جاننے اور قیمتی اوقات کی قدر کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں کیونکہ جب سالک فانی لذتوں، دنیوی آسائشوں، فضول رسومات اور لایعنی عادات میں مشغول ہو جاتا ہے تو احکامِ شرعیہ اور اعمالِ صالحہ کے بجالانے میں تسویف و تاخیر سے کام لیتا ہے جب تک اس کے دل سے ماسوا کی محبت سرد نہیں ہو جاتی اور اغیار کی گرفتاری سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو جاتا اسے قلبِ سلیم میسر نہیں ہو سکتا جو عنایاتِ ربانی اور انعاماتِ رحمانی کا محل ہوتا ہے۔اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

(البینات شرح مکتوبات،ج۳،ص۷۱۵)

مکتوب نمبر ۱۳۴

[یہ مکتوب بھی ملّا محمد صدیق کی طرف لکھا:

''تھوڑی دیر تک کرلوں گا'' سے روکنے کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ مدارجِ قُرب میں بے اندازہ عروج عطا فرمائے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات اتمہا۔

اے محبت کے نشانات والے وقت انسان کی زندگی کو کاٹنے والی تلوار ہے۔ معلوم نہیں کل فرصت نصیب ہو یا نہ ہو۔ اہم اور ضروری کام آج ہی کرنا چاہیئے، اور غیر ضروری کام کل پر ڈالنا چاہیئے۔ عقلِ معاد کا یہی تقاضا ہے، جہاں عقلِ معاش اس تقاضا سے خالی ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھے۔ والسّلام۔]

تشریح

تمام مسلمانوں کو عمومی طور پر اور سالکینِ طریقت کو بالخصوص چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات کی دل وجان سے پاسداری کریں اور چندروزہ زندگی کو روشن سنتِ مطہرہ کے مطابق ڈھالیں اور شُترِ بے مہار کی طرح زندگی کو آزادی کے ساتھ نہ گزاریں۔ کرنے والے ضروری کام آج ہی کر لینے چاہئیں کیونکہ زندگی کے ایک پَل کا بھی بھروسہ نہیں ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من انقطع إلی اللہ کفاہ اللہ کل مؤنۃ ورزقہ من حیث لا یحتسب، ومن انقطع إلی الدنیا وکلہ اللہ إلیھا۔

ترجمہ: جو سب سے یک سُو ہو کر اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اللہ تعالیٰ اُس کے ہر کام میں کفایت کرے گا اور اس کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اُس کو وہم وگمان بھی نہ ہو اور جو دُنیا کی طرف یک سو ہو جائے، اللہ تعالیٰ اُس کو دُنیا کے حوالے کر دے گا۔[1]

نیز قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوا مَا بِأَنْفُسِھِمْ (الرعد ۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں۔

پس چاہیئے کہ دُنیاوی معاملات کی مشغولیت سے اپنے آپ کو نکال لیں اور کل کی بجائے آج ہی نیک کاموں کی ابتدا کر دیں۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنے قیمتی اوقات کی تعمیر کرنے کی نصیحت فرمارہے ہیں کیونکہ وقت ایسی تیز دھار تلوار کی مانند ہے جو ہر چیز کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، ہو سکتا ہے پھر مہلت ملے نہ ملے۔ اس لئے لایعنی مصروفیات کو ترک کر کے عبادات وطاعات میں مشغول ہو جانا چاہیئے اور توشۂ آخرت تیار کر لینا چاہیئے، عقل معاش اور عقلِ معاد دونوں کا یہی تقاضا اور حکم ہے۔

دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں ادا فرمایا ہے:

مکن عمر ضائع بافسوس وحیف

کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

---

[1](المعجم الأوسط، ج۳، ص ۳۴۶، الناشر: دار الحرمين - القاهرة)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عقل معاد اور عقلِ معاش کی قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تا کہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيْق

فاضلِ اجل حضرت علامہ سید شریف جرجانی قدس سرہٗ العزیز عقل کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

العقل: ما يعقل به حقائق الأشياء، قيل: محله الرأس، وقيل: محله القلب۔

یعنی عقل وہ ہے جس کے ذریعے حقائق اشیاء کو سمجھا جاتا ہے بعض نے اس کا محل سر (دماغ) کہا ہے اور بعض نے قلب کو اس کا محل قرار دیا ہے۔[1]

آئمہ مجتہدین کا محلِ عقل کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا عقل کا محل دماغ ہے یا قلب؟ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محلِ عقل دماغ ہے جبکہ حضرت امام شافعی اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں محلِ عقل قلب ہے۔

حضرت علامہ سید مرتضٰی زبیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو دماغ میں پیدا فرمایا ہے اور اس کا نور قلب میں ہے۔[2]

خطیب الاسلام ابو الکلام حضرت صاحبزادہ پیر سید فیض الحسن شاہ قدس سرہٗ الاحسن وارث مسندِ آلو مہار شریف ضلع سیالکوٹ (پاکستان) ان مختلف اقوال میں تطبیق بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ عقل کی دو قسمیں ہیں:

عقل جزئی اور عقلِ کُلی

---

[1] (التعریفات، ج ۱، ص ۱۵۲، الناشر: دار الكتب العلمیۃ بیروت - لبنان)

[2] (تاج العروس، ج ۸)

عقل جزئی

عقلِ جزئی کا مرکز سر (دماغ) ہے جہاں سے وہ حواسِ خمسہ کے ذریعے عالمِ کثرت سے رابطہ پیدا کرتی ہے اور عالمِ رنگ و بو اور دنیائے صوت وصورت کے مشاہدہ میں محور ہتی ہے تا آنکہ وہ اپنے آپ کو اسی دنیائے آب وگل کا مکین یقین کرلیتی ہے۔

عقلِ کُلی

عقلِ کلی کا مرکز دل ہے اور اس کا مقصود مکان کی بجائے لا مکان اور عالمِ کثرت کے بجائے دنیائے وحدت ہے۔ روحِ انسانی، سر کے ذریعے عالمِ کثرت سے تعلق قائم رکھتی ہے اور دل کے ذریعے عالمِ وحدت سے مربوط رہتی ہے۔ [1]

بینہ نمبرا

واضح رہے کہ عقل جزئی کو ہی عقلِ معاش کہا جاتا ہے جسے ہمہ وقت عیش وآرام اور لباس وطعام وغیرہا کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ دینی معاملات اور اخروی اُمور سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ یہ خالص دنیاداروں کی عقل ہوتی ہے جن کے متعلق مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں فرمایاہے:

اہلِ دنیا چہ کہین وچہ مہین — لعنۃ اللہ علیہم اجمعین

عقلِ کلی کو ہی عقلِ معاد سے تعبیر کیا جاتا ہے جو طبعی نفاست اور فطری طہارت کی بنا پر دینی اور اخروی امور میں مشغول رہتی ہے، اسے دنیوی معاملات سے کوئی خاص سروکار نہیں ہوتا۔

---

[1] (مقالاتِ خطیب الاسلام)

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ عقل کو خلق اول ہونے کا اعزاز حاصل ہے جیسا کہ حدیث: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ سے واضح ہے۔ اکثر صوفیائے کرام کے نزدیک عقل اول حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذات گرامی ہے جسے حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۵۲۱ تا ۵۲۳)

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ میں ہے:

عقل کے بیان میں

اس میں نو قول ہیں:

قول اول: ماہیت عقل میں

تمہید:

عقل لطیف چیز ہے اس کی کیفیت کو ہمارے اوہام ادراک نہیں کرسکتے اور ہمارے نزدیک فقہائے کرام سے کوئی قول صحیح ثابت نہیں ہوا کہ عقل کی ماہیت کیا ہے؟ (مہدی ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ تعالی)

عقل کیا ہے؟

فلاسفہ کہتے ہیں کہ عقل ایک روشن کرنے والا، احساس کرنے والا اور مفید جوہر ہے جو روح میں حلول کیے ہوئے ہے اور اس سے روح کی حیات ہے جیسے روح سے جسم کی حیات ہے تو روح کے لئے

حیات اور اعمال و احوال عقل سے اتصال کی بدولت ہے، جیسے جسم کی حیات اور اعمال و احوال روح کے اتصال سے ہے۔

یہ ایک ایسا قول ہے کہ جس کے ثبوت میں بطریق نص اور قیاس کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ عقل سے روح متصل مظہر حیات اور اس کے معنیٰ کا افادہ کرنے والی ہے تو لازم آئے گا کہ روحیں جسموں سے پہلے قائم و موجود ہوں اور وفات کے بعد باقی و ثابت رہیں۔

اور عقل نے روح سے ملاقات کی حالت میں حالت حیات جیسا فائدہ نہیں دیا۔ دلیل یہ ہے کہ عقل مذاکر نہیں ہے کہ اس کے ساتھ محسوس کرے اور نہ ہی ایسا ہے کہ وہ گزرے دنوں کو یاد کرے اور گزرے ہوئے احوال و اعمال میں تمیز کرے تو یہ قول بھی درست نہ ہوا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر عقل روح کے لئے حیات کا سبب ہوتی تو روح جسم سے پہلے اور جسم کے زوال کے بعد بھی عقل والی ہوتی اور پھر روح پر واجب ہوتا کہ وہ ایمان لائے اور احکام کی بھی پابند ہو۔ حسن و قبح (اچھے وبرے) میں فرق بھی کر سکے اور ہمارا اجماع ہے کہ روح ایسی نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ روح کی حیات کا سبب عقل نہیں ہے۔

اور اس لئے کہ تنہا روح درج ذیل اوصاف کی حامل نہیں ہے:

۱۔ اشیاء کو دیکھنا

۲۔ کسی کو انفرادی طور پر جاننا

۳۔ خیر و شر میں تمیز کرنا

۴۔ مکلف ہونا

۵۔ مستحق سزا و عقاب ہونا

ان میں سے کوئی چیز بھی روح کے لئے ثابت نہیں ہے۔

تحقیق کلام

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو روح اور جسم کے ساتھ وہ زندہ مولود کہلاتا ہے حالانکہ اس میں عقل ثابت نہیں ہوتی، اگر عقل روح سے متصل ومجاور اور ایک ساتھ ہوتی تو پھر چاہیے کہ (صبی) بچہ اور اسی طرح جنین (وہ بچہ جو ابھی شکمِ مادر میں ہوتا ہے) دونوں بالغ کی طرح اشیاء کو جاننے کی عقل رکھتے ہوں اور یہ حال ہے تو جب عقل نے کوئی فائدہ نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ یہ کلام درست نہیں۔

عقل کی دوسری تعریف

بعض فقہاء نے کہا کہ عقل جوہر ہے۔

پہلی روایت

احادیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب عقل کو پیدا فرمایا: آگے ہو! وہ آگے ہوئی، پھر حکم ہوا: پیچھے ہٹ، وہ پیچھے ہٹ گئی، پھر فرمایا: بیٹھ جا، تو وہ بیٹھ گئی پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس شخص کے لئے جسے میں نے عقل دی، تیرے سبب سے دوں گا اور تیرے سبب سے گرفت کروں گا، تیرے سبب سے عبادت کیا جاؤں گا تیری وجہ سے ثواب دوں گا اور تیری وجہ سے سزا دوں گا۔

دوسری روایت

جب اللہ تعالی نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا: بیٹھ جا، وہ بیٹھ گئی پھر فرمایا: کھڑی ہو جا، تو وہ کھڑی ہو گئی پھر فرمایا: پیٹھ پھر، اس نے پیٹھ پھیر لی پھر فرمایا: بول، وہ بولنے لگی، پھر فرمایا: دیکھ، تو دیکھنے لگی

پھر فرمایا: سن تو وہ سننے لگی، پھر فرمایا: مجھے اپنی عزت و جلال اور عظمت کی قسم! میں نے کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ عزت والی پیدا نہیں کی، تیرے سبب سے میری عبادت کی جائے گی، تیرے سبب سے میری معرفت ہوگی، تیرے سبب سے میری حمد کی جائے گی، تیرے سبب سے میں مؤاخذہ کروں گا، تیرے سبب سے دوں گا، تیرے سبب سے سزادوں گا، تیرے سبب سے ثواب دوں گا۔

تیسری روایت

عقل سے فرمایا: میں کون ہوں؟ عقل چپ رہی ، اللہ تعالیٰ نے اسے نور معرفت کا سرمہ عطا فرمایا تو عقل یوں عرض گزار ہوئی:

انت اللہ الذی لا الہ الا انت الواحد القہار۔

توہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو واحد و قہار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی ربوبیت کی قسم! میں نے تجھ سے زیادہ کوئی اچھی چیز پیدا نہیں کی

اس سے ثابت ہوا کہ اگر عقل جوہر نہ ہوتی تو قائم نہ ہوتی۔

اس قول کی تردید

ان احادیث مبارکہ سے یہ ثابت کرنا درست نہیں ہے کہ عقل جوہر ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی زندہ، بولنے والی مخلوق پیدا کر کے اس میں عقل کو رکھ کر اس کے ساتھ کلام فرمایا ہو۔

نیز یہ بات بھی ہے کہ اگر عقل کو جوہر مان لیا جائے تو آدمی سے اس کا الحاق اسی صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب کہ وہ ایک الگ آلہ اور گوشت کا ٹکڑا ہو اور پھر اس کا زوال بھی آدمی کے جسم سے گوشت کے اس ٹکڑے کے زوال پذیر ہونے سے ممکن ہو۔

اور یہ تو واضح سی بات ہے کہ عقل ایک ظاہر چیز ہے جو گھٹتی بڑھتی ہے اور بچوں میں بھی پائی جاتی ہے جب بالغ ہو جاتے ہیں یا جب وہ سوجھ بوجھ والے ہوتے ہیں ایسے ہی دیوانے جب ان کو افاقہ ہوتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہے کہ وفات کے بعد عقل اپنے حال پر قائم اور باقی نہیں رہتی بلکہ روح کے زائل ہوتے ہی زائل ہو جاتی ہے اور کبھی کبھار تو روح کے زائل ہونے سے پہلے ہی زوال پذیر ہو جاتی ہے اور عقل کا ظہور روح کے ظاہر ہونے کے بعد ہوتا ہے تو یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ عقل جوہر نہیں۔

تیسری تعریف:

بعض فقہاء نے کہا کہ ہم اس کے قائل نہیں کہ عقل جوہر ہے یا عرض مگر عقل حصول معرفت اور اشیاء کے ادراک کا سبب اور آلہ ہے۔

چوتھی تعریف:

اور بعض نے کہا: عقل لطیف شئے ہے، دل میں ضیاء بکھیرتی ہے، اسے جلا دیتی ہے، دل میں اتر کر چیزوں کو دیکھتی ہے اور اعیان کا ادراک کرتی ہے۔

اچھی چیز کو اس کے حسن کی وجہ سے اچھا اور بری چیز کو اس کے برے پن کی وجہ سے برا سمجھتی ہے ۔صالح چیزوں اور ان کے اعمال کو واجب گردانتی ہے محلات اوران کے انداز کی نفی کو واجب قرار دیتی ہے۔قبولیت اوراس کے مشابہ چیزوں کے تقاضوں کو ثابت کرتی ہے۔ معارف اوراس کے ارکان وآیات کا احاطہ کرنا بھی عقل کا کام ہے اور یہی معتزلہ کا قول ہے۔

پانچویں تعریف:

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا کہ عقل عبارت ہے تمیز ،دانائی، اصلاح معیشت اور فراست سے جس کی وجہ سے خطاب شرعی متوجہ ہوتا ہے۔

چھٹی تعریف:

بعض نے کہا کہ عقل ایک معنی ہے جس کی وجہ سے خطاب شرعی متوجہ ہوتا ہے اور اسی معنی کے سبب سے ثواب وعقاب ہوتا ہے۔

ساتویں تعریف:

بعض نے کہا کہ اگر عقل ایک آلہ ہے جس کے ذریعے علم اور پہچان حاصل ہوتی ہے اور یہ ممنوعات، لہو ولعب اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

آٹھویں تعریف

بعض نے کہا کہ عقل ایک جسم ہے لیکن آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

نویں تعریف

بعض نے کہا کہ عقل ایک علت کا نام ہے جس سے انسان دانشمند اور جان پہچان والا ہو جاتا ہے۔

اور یہ بات زیادہ درست ہے کہ اگر کہا جائے کہ عقل ایک عرض ہے جو ایک محل میں سرایت کئے ہوئے ہے جو چیزوں کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کارآمد ثابت ہوتی ہے اور غائب و نامعلوم چیزوں کے مشاہدہ کے لئے واضح دلیل بنتی ہے۔

علاوہ ازیں بعض نے کہا کہ عقل کا محل دماغ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا بھی ایسا ہی قول ہے ان کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ۔**القرع یزید فی الدماغ والدماغ یزید فی العقل** کدو کھانے سے دماغ کو تقویت ملتی ہے اور دماغ صحت مند ہو تو عقل بڑھتی ہے۔

دسویں تعریف

بعض حضرات کہتے ہیں کہ عقل کا محل دل ہے اور وہ (دل) عقل کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور عقل کی روشنی دماغ کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے یعنی عقل دل اور دماغ دونوں کے ذریعے سے فائدہ دیتی ہے اور وہ درخت کی طرح ہے۔

فلاسفہ اس چیز کے قائل ہیں کہ عقل کا محل روح ہے اور اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

دوسرا قول

عقل کی مقدار کیا ہے؟

عقل کی کمیت اوراس کے کامل وناقص ہونے کے بارے میں مختلف نظریات ہیں، چنانچہ آئندہ سطور میں ان نظریات کو دلائل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

اہل سنت وجماعت کے نزدیک عقل متفاوت ہے، برابر اورایک درجے کی نہیں ہوتی اور معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل مساوی اورایک جیسی ہوتی ہے، اس میں فرق نہیں پایا جاتا۔

عقل میں مساوات کے دلائل:

معتزلہ نے مساواتِ عقل پر دلائل دیئے ہیں:

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں عقل والوں کو آیات سے استدلال اور قیاس کرنے کا حکم دیتاہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر ۲)

توعبرت لو اے نگاہ والو۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتاہے:

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِأُولِي النُّهَى (طہ ۱۲۸)

بیشک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔

چونکہ آیات سے دلیل اخذ کرنے اور قیاس کرنے کا حکم ہر عقل والے کو شامل ہے۔

لہذا سب کے لئے عقل بھی برابر ماننا پڑے گی، اس لئے کہ اگر عقل میں مساوات نہ ہو بلکہ تفاوت ہو توپھر ہر عقل مند کے لئے آیات سے استدلال کرنا اور قیاس کرنا ممکن نہیں ہو گا۔

دوسری دلیل:

اور عقل اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے اور اس میں فرق بیان کرنا خطاب الٰہی میں فرق کا مؤجب بنے گا اور خطاب الٰہی میں تفاوت اور فرق کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بعض کے لئے احکام شریعت مہمل اور بے کار ہو جائیں اور بعض مکلفین احکام کے پابند ہوں۔

تیسری دلیل:

نیز یہ کہ عقل کی زیادتی تکلیف اور خطاب کی زیادتی کا سبب ہے اور عقل کا کم ہونا خطاب شرعی اور تکلیف احکام میں کمی کا موجب قرار پاتا ہے اور چونکہ احکام کا مکلف ہونے میں سب عقل والے برابر و مساوی ہوتے ہیں لہذا عقل جو اس مساوات کا سبب ہے اس میں بھی مساوات و برابری ہونی ضروری ہے، لہذا عقل میں تفاوت محال ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ عقل آنے کے بعد اگر عاقل اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا اور اپنے خالق کو نہیں پہچانتا تو اس کی گرفت ہو گی اور عاقل کو اس مؤاخذہ سے بچنے کے لئے کسی قسم کا بہانہ تراشنے اور عذر پیش کرنے کی اجازت اور گنجائش نہیں ہو گی اور اگر عقل متفاوت ہو تو بعض کے حق میں عذر ثابت ہو گا اور بعض کے لئے عذر ثابت نہیں ہو گا۔

چوتھی دلیل:

عقل کے غیر متفاوت اور مساوی ہونے پر یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اگر عقل میں زیادتی اور کمی ممکن ہو تو پھر یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ عقل کی کتنی مقدار پائی جائے اور کس حد تک وہ حاصل ہو؟ تو انسان خطاب الٰہی کا لائق اور اہل ہو گا، اس لئے کہ عقل کا مشاہدہ تو ہو نہیں سکتا اور نہ ہی یہ دیکھنے میں آتی ہے، معلوم ہوا کہ عقل میں تفاوت نہیں ہے۔

اہل سنت وجماعت کے عقل کے متفاوت ہونے پر دلائل :

اہل سنت نے عقل کے متفاوت ہونے پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَاعْتَبِرُوا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر ۲) تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

سے استدلال کیا۔ انہوں نے کہا کہ لوگ چونکہ عقل میں الگ الگ درجے کے مالک ہوتے ہیں، لہذا ان کے اعتبار اور قیاس کرنے میں بھی اسی نسبت سے ان میں فرق ہو گا اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اعقل الطیور الحمام۔ پرندوں میں زیادہ عقل والا کبوتر ہے۔ کبوتر کے لئے بھی ایک قسم کی عقل ثابت کی، اگر عقل غیر متفاوت ہوتی یعنی عقل میں سب برابر ومساوی ہوتے تو کبوتر بھی شرائع واحکام میں مخاطب ہوتا اور یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ لغت میں عقل اس چیز کو کہتے ہیں جو منکرات اور منہیات سے روکے، منافع اور نقصانات میں تمیز کرے، دوست اور دشمن میں فرق جانتی ہو۔

اور یہ اصل میں "عقال البعیر" اونٹ کی رسی سے مشتق ہے تو جس طرح رسی سے باندھ کر اونٹ کو پابند کر دیا جاتا ہے، اس طرح عقل بھی انسان کو شریعت کے دائرہ میں احکام کا پابند کر دیتی ہے اور اس قدر عقل تو ہر حیوان میں پائی جاتی ہے مگر وہ عقل کہ جس کے سبب خطاب متوجہ ہو وہ عقل اور ہے، اس سے مراد تمیز کرنے والی عقل ہے کہ جس کے ذریعے استدلال کیا جاسکے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں میں نظر وفکر کرکے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے اور اس سے صفات باری کا علم حاصل ہو۔ عقل سے مراد یہ ہے کہ وہ اچھے اور برے میں تمیز کرتی ہو، نفع اور نقصان کو جانتی ہو، آرام بخش اور دردناک چیزوں کا فرق جانتی ہو نیز انسان کو بے وقوفی اور بے ہودگی سے دور رکھے۔

اور بعض نے عقل کی حد وتعریف یوں بیان کی کہ عقل اس چیز کا نام ہے جو اچھائی کو پسند کرے اور برائی سے باز رکھے۔

عقل کی تعریف میں اختلاف لفظی ہے

اور بعض فقہاء اہل سنت نے فرمایا کہ در حقیقت اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ جو کہتے ہیں کہ عقل میں تفاوت نہیں ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اتنی عقل کہ جس کی وجہ سے انسان خطاب الٰہی کا اہل ہو سکے، اس مقدار میں سب لوگ مساوی ہیں، اس قدر عقل میں تفاوت اور فرق نہیں ہے۔ اسی اعتبار سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: عاقل کے لئے اپنے خالق وصانع کی معرفت کوئی عذر قبول نہیں کیونکہ اتنی مقدار عقل اس کو حاصل ہو چکی ہے جس سے وہ لائق خطاب ہو۔

لیکن احکام شرع کے واجب ہو جانے کے بعد عقل میں لوگوں کے درجات مختلف ہو جاتے ہیں ، بعض کی عقل اسباب واکتساب اور علم کی باریکیوں کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور بعض کی راہنمائی نہیں کرتی ۔ ظاہر بات ہے کہ یہ زیادہ عقل اور فہم وفراست کی وجہ سے ہوتا ہے اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ وہ عقل جو خطاب کے متوجہ ہونے کا سبب ہے اور غلط و صحیح کے درمیان تمیز کا ذریعہ ہوتی ہے، اس میں قصور اور کمی ونقصان پایا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں درجۂ کمال کی عقل ہوتی ہے:

عقل کے درجۂ کمال تک صرف انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہی پہنچ سکتے ہیں ، وہ عقل کے زیادہ ہونے کے محتاج نہیں ہوتے، کمال عقل کی بناء پر ہی وہ صغائر وکبائر گناہوں سے معصوم پیدا ہوئے۔

اب رہی یہ بات کہ عقل جس قدرزیادہ ہوتی ہے احکام کی پابندی اور تکلیف بھی انسان کے لئے اسی قدربڑھ جاتی ہے تو اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ عقل جب کمال درجے کی ہو تو پھر احکام کی تکلیف بھی یقینی طور پر زیادہ ہو جائے گی، دیکھیئے جیسا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام بعض ایسی چیزوں کے مخاطب تھے جو امت پرلازم نہیں ، جیسے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کا خطاب ہوا اور ہمارے نبی کریم ﷺ پر نماز تہجد فرض تھی جب کہ امت پر فرض نہیں اور اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً انبیاء کرام علیہم السلام کو جو امتحان اور آزمائشیں پیش آئیں وہ دوسروں کے لئے نہیں اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر بہت سخت اور کڑی ابتلاءوآزمائش کی گھڑیاں گزری ہیں کہ دوسرے لوگوں کے حق میں ان کے تصور کرنے سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں جب عقل کا فرق بھی ایک جیسا نہیں، کسی میں کم عقل ہوئی اور کسی میں اس سے بھی کم اور کوئی عقل کے بلند درجے پر فائز ہے اور کوئی اس کے منتہاء کمال کو پہنچا ہوا ہے تو ثابت ہوا کہ عقل کا تفاوت خطاب اور تکلیف شرعی میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا کیونکہ جب عقل میں کمی اور قصور ثابت ہو گیا تو پھر خطاب شرعی کا مخاطب ہونے میں تو سب شریک ہیں عقل خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔

تیسرا قول

عقل کے فائدہ اور اس کے زوال کا بیان

عقل کے بے شمار فوائد ہیں مگر سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ عقل سے انسان خطاب الٰہی کا اہل ہو جاتا ہے اور خطاب کے متوجہ ہونے سے پہلے عقل ہی سے انسان اس چیز کا اہل قرار پاتا ہے کہ اس

کے ایمان اوراسلام کو صحیح قرار دیا جائے خصوصاً امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس لئے عقل مند بچہ بالغ ہونے سے پہلے ایمان لانے کا مخاطب نہیں ہے۔

تاہم اگر عقل مند نابالغ بچہ ایمان لے آئے تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس کا ایمان لانا صحیح ہے اور عدیم العقل شخص کی طرف نہ خطاب متوجہ ہوتا ہے اور نہ وہ احکام شرعیہ کا مکلف ہوتا ہے جیسے مجنون ہے(دیوانہ) کہ وہ خطاب کا اہل ہے اور نہ ہی حقوق اللہ کے ادا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اسی طرح دیگر احکام اس کے لئے ثابت نہیں ہوں گے، جیسے طلاق، عتاق، نکاح وغیرہ اور دیوانے شخص کا ایمان بھی صحیح نہیں، اس طرح غیر عاقل بچہ اگر ایمان لائے تو بالاتفاق اس کا ایمان درست نہیں ہے۔

انبیاء ملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام سے عقل کا زوال اور قصور نا ممکن ہے

اسی معنی کے لحاظ سے ہم نے کہا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے حق میں عقل کا زوال اور اس میں قصور اور کوتاہی ممکن نہیں ہے، بلوغت سے پہلے اور بعد میں بھی اسی طرح فرشتوں کے لئے حکم ہے کیونکہ نبی بالغ ہونے اور وحی کے نازل ہونے سے قبل بھی اسی طرح ہی نبی ہوتا ہے جس طرح کہ بالغ ہونے کے اور وحی کے نزول کے بعد نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) ہوتا ہے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر فرمایا ہے کہ:

كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (۲۹) قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا (۳۰) وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا۔ (۳۱ مریم)

"پالنے میں بچّہ ہے بچّہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا۔"

اور جو شخص انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی عقل کے زائل ہونے کو جائز کہتا ہے وہ نبوت کے زائل ہونے کو بھی مانتا ہے، جب نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کی عقل (نعوذباللہ من ذلک) زائل ہو گی تو اس کی عبادات واحکام صحیح نہیں ہو گا اور خطاب بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہو گا اور انزال وحی بھی صحیح نہ ہو گا۔ منصب شریعت اور احکام کا بیان کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ یہ امور نبوت کے زوال پر دلالت کرتے ہیں حالانکہ نبوت کبھی زائل نہیں ہوتی اور جو شخص نبوت کے زائل ہونے کو جائز قرار دے وہ کافر ہے اور خشیت الٰہی کی وجہ سے بے ہوشی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر طاری ہو سکتی ہے اور یہ جائز ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی عظمت اور جلال کی وجہ سے مغلوب ہو جائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال سے بے ہوش ہو گئے تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا۔

"اور موسیٰ علیہ السلام گرے بے ہوش۔"

یہ ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے احوال ان پر مخفی نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ کیفیت ان سے اعمال کو فوت کرتی ہے، اس لئے کہ اگر نبی پر کوئی شئے مخفی اور پوشیدہ ہو جائے تو گویا اس پر حق پوشیدہ ہو گیا جب کہ وہ اس کو بیان کرنا چاہتا ہے اور اس سے نبی علیہ السلام کی حجت کا بطلان لازم آتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہے۔

چوتھا قول

عقل معرفت کا ذریعہ ہے

یہ بات معلوم ہے کہ عقل تمام مقدورات، مصنوعات اورآیات (نشانیوں) مثلاًزمین وآسمان، درخت، پانی، ہوا، آندھی وغیرہ میں نظر واستدلال کے لیے ذریعہ ہے تو ثابت ہو گیا کہ عقل کو صانع کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور پھر عقل کے ذریعے ان مصنوعات میں غور و فکر کرکے عارف کو علم حاصل ہوتا ہے۔

لہذا جس طرح معرفت کی نسبت عارف کی طرف کرنا درست ہے، اسی طرح عقل کی طرف بھی اس کی نسبت ہو سکتی ہے کیونکہ عقل حصول معرفت کا سبب اور آلہ ہے۔

ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کا نقطۂ نظر

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ عقل حصول معرفت کا ذریعہ نہیں ہے، کیونکہ معرفت نظر و فکر کے بغیر محض سماع (شرعی طریق سے) حاصل ہوتی ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

عقل کے آلۂ معرفت ہونے کی دلیل

ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاًوہ اعضائے جسم جو حس کا محل بنتے ہیں جیسے آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ یہ محسوسات کے ادراک کا ذریعہ وآلہ ہوتے ہیں حالانکہ محسوس کا علم صرف حس سے بغیر عقل کے حاصل نہیں ہوتا اورواسطہ (آلہ) اس چیز سے عبارت ہے کہ جس کو طلب علم کے وقت بروئے کار لا کر علم حاصل کیا جائے اور جب یہ جائز ہے کہ ''حس'' آلہ بن سکتی ہے تو پھر عقل بدرجۂ اولیٰ حصول معرفت کا آلہ وذریعہ قرار پانے کی حق دار بنے۔

سوال: اور اگر یہ کہا جائے کہ عقل آلہ ہے تو پھر اس کا جوہر ہونا ضروری ہے۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ عقل جوہر ہے اور عقل کا جوہر ہونا ہمارے لئے مضر نہیں، اس لئے کہ بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے عقل کو جوہر کہا ہے۔

اور اگر ہم یہ کہیں کہ عقل عرض ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حصول معرفت کا ذریعہ وآلہ ہو گی، دیکھیے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مفعول فعل سے حاصل ہوتا ہے اور وہ حرکت ہے جو ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے۔

اس کے بعد خوب سمجھ لیجئے کہ مفعول کبھی فعل (جو کہ حرکت ہے) کی طرف منسوب ہوتا ہے، کبھی اس کی نسبت ہاتھ یعنی آلہ کی طرف کر دی جاتی ہے اور کبھی فاعل کی طرف اس کی اضافت ہوتی ہے جو کہ قوت ہے تو ان میں سے ہر ایک مفعول کے حصول کا آلہ اور ذریعہ ہے بالکل اسی طرح ہماری بحث کو سمجھ لیجیے۔

عقل کا محل

عقل کا محل قلب ہے اور عقل کو استعمال کر کے فکر و نظر اور استدلال سے علم و معرفت حاصل ہوتی ہے اور علم و معرفت کبھی قلب کی طرف مضاف ہوتی ہے اور کبھی عقل کی طرف، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک۔

۱۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا (الاعراف ۱۷۹) وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں۔

۲۔ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (البقرة ۱۷۰) نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت۔

اور اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں۔

اشکال: پس اگر یہ اشکال وارد کیا جائے کہ عقل تو تمام اشیاء کو ادراک اور احاطہ سے پہچانتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے کہ کوئی چیز اس کا ادراک اور احاطہ و گھیراؤ کر سکے۔

جواب: تو اس سلسلہ میں اولاً یہ گزارش ہے کہ ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ عقل جس شئے کا ادراک کرتی ہے تو اس کا احاطہ اور گھیراؤ کر لیتی ہے، اس لئے کہ عقل عاقل سے زائل نہیں ہوتی کہ شئے کا احاطہ کرے، بلکہ تمام اشیاء اپنی حقیقت اور مکمل صفات کے ساتھ عقل سے معلوم ہو جاتی ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ علم بغیر ادراک و احاطہ کے حاصل ہو جیسا کہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ مکہ مکرمہ، کعبہ، بصرہ کی معرفت ہمیں حاصل ہے، لیکن ان کا ادراک حسی اور احاطہ عقلی ہمیں نہیں ہے، اس لئے کہ ادراک کہتے ہیں کہ کسی شئے کو اس طرح جاننا کہ اس کا محل و قوع، طول، عرض اور بناء اور رنگ و روغن سب معلوم ہوں۔ پس جب یہ جائز ہے کہ یہ اشیاء بغیر ادراک کے علم و عقل سے معروف و معلوم ہو سکتی ہیں تو اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی معرفت علمی اور عقلی طور پر حاصل ہو جائے نہ کہ ادراک اور احاطہ کے طور پر۔

دوسرا جواب: دوسری بات یہ ہے کہ علم و معرفت عقل سے حاصل ہوتے ہیں اور معرفت مدرکہ ہے اور علم محاط ہے اگرچہ معلوم اور معروف غیر مدرک ہو، نیز یہ کہ آلہ کی تعریف یہ ہے کہ جس سے کسی چیز کو حاصل کرنے میں مدد لی جائے اور عقل معرفت اور استدلال سے حاصل ہوتی ہے، اس لئے عقل کو آلۂ معرفت کہہ سکتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی عقل دی ہے کہ جس سے ہم عبودیت کو پہچانیں، ربوبیت پہچاننے کے لئے نہیں دی۔

حضرت حسن بصری کے قول کے معنی یہ ہیں کہ ہم ربوبیت اوراس کی حکمت کو کما حقہ' نہیں پہچان سکتے اور تخلیقِ کائنات، ایجادو انشاء، موت وحیات اوراحوال کے انجام اور مصالح اعیان اور شرائع کا نصب۔ پس یہ تمام ایسے معانی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم اور حکمت خاصہ کا مقتضیٰ ہیں، عقل سے ان اشیاء کا مناسب طور پر ادراک نہیں ہو سکتا۔

لیکن نشاناتِ قدرت اورآیات الٰہی میں غوروفکر کرنا اور صانع کے وجود اوراس کی معرفت پر جو چیزیں دلالت ور ہنمائی کرتی ہیں ان میں نظر و فکر اور تامل کرنا یہ صفات عبودیت ہیں جو کہ عقل سے حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ ہم گزشتہ ابحاث میں بیان کر چکے ہیں۔

پانچواں قول

کیا عقل حجت ہے؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی ایسے جزیرے میں پیدا ہوتا ہے کہ وہاں کوئی عقل والا نظر نہیں آتا تو ایسی جگہ جب وہ سن بلوغ کو پہنچتا اور جوان ہو جاتا ہے، لیکن اسے کسی دین کی جان پہچان نہیں اور نہ ہی معرفت خداوندی کے لئے اس میں قوت استدلال ہے اوراس سے ذاتی و نفسانی مصلحتوں کے سوا کوئی عقل مندوں ایسا فعل ظاہر نہیں ہوتا اور ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ کوئی دیوانوں ایسے کام نہیں کرتا۔ ایسے اوصاف رکھنے والے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

معتزلہ نے کہا کہ وہ شخص کافر ہے، اس لئے کہ عقل سے اس پر ایمان لانا واجب تھا اور دراصل یہ مسئلہ ایک دوسرے مختلف فیہ مسئلہ کی فرع اور شاخسانہ ہے، وہ یہ ہے کہ آیا بغیر سماع (شریعت) کے محض عقل ہی موجب ایمان ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلہ میں ہمارے علماء نے فرمایا

کہ محض عقل موجب نہیں ہے اوراس کے بر عکس معتزلہ نے کہا کہ عقل موجب ایمان ہے، اس کی تفصیل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص پہاڑ کی چوٹی پر پیدا ہوا اور اسے حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی عقل حاصل نہیں ہے تو اس کو مسلمان یا کافر ظاہر کرنے کے لئے دیکھا جائے گا کہ اگر تو وہ دارالاسلام کی حدود میں ہے تو جب تک اس سے کوئی علامت کفر ظاہر نہ ہو، اس کو مسلمان قرار دیا جائے گا اور اگر وہ کفرستان کی حدود میں ہے تو جب تک اس کے اسلام پر کوئی دلیل ظاہر نہیں ہوتی اسے کافر قرار دیا جائے گا۔

لیکن تیسری صورت یہ ہے کہ وہ ایسی خالی جگہ رہتا ہے جہاں نہ دارالاسلام کی حد لگتی ہو اور نہ دارالکفر کی تو اس کے کفر واسلام میں توقف کریں گے، اس لئے کہ اس سے انکار وشرک نہیں پایا گیا، لہذا بغیر دلیل اسے کافر نہیں کہیں گے اور اس سے توحید واقرار نہیں پایا گیا تو بغیر دلیل کے اس کے اسلام کا حکم نہیں کیا جائے گا۔

امام محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر گناہ کے کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

اعتراض: اگر کہا جائے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر یہ شخص اسی حالت میں قتل کر دیا گیا تو اس کے قاتل پر نہ قصاص واجب ہے اور نہ دیت، اس

سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کافر ہے کیونکہ اگروہ کافر قرار نہ دیا گیا ہوتا تو قاتل پر قصاص واجب ہوتا یا دیت واجب ہوتی۔

جواب: ہم نے کہا: یہ (یعنی قاتل پر قصاص یا دیت کا واجب نہ ہونا) اس کے کفر پر دلالت نہیں کرتا، اس لئے کہ قصاص یا دیت درج ذیل تین وجہوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے واجب ہوتی ہے اور وہ تین وجوہ یہ ہیں۔

(۱) ایسے شخص کو قتل کرنا جو دارالاسلام میں اجازت لے کر آیا ہو۔

(۲) ذمی و معاہد کو قتل کرنا۔

(۳) کسی مسلمان کو قتل کرنا جو مسلمان ہونے کے سبب مستحق تحفظ تھا۔

اوراس میں تینوں وجہوں میں سے ایک بھی نہیں پائی گئی (اس لئے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں، نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ کافر تھا۔)

اب سوال یہ ہے کہ یہ شخص جنتی ہے یا دوزخی؟

چنانچہ اس سلسلہ میں ہمارا موقف یہ ہے کہ ہم اسے دوزخی نہیں کہتے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی شان عدل یہ نہیں ہے کہ وہ سبحانہٗ تعالیٰ کسی کو بغیر جرم اور کفر کے عذاب دے۔

اور چونکہ اس میں ایمان نہیں پایا گیا اس لئے وہ جنت کا مستحق بھی نہیں ٹھہرتا۔

لیکن کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ بیکراں سے اس شخص کو جنت عطا فرمادے؟

اور یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے اس کو عذاب دے کیونکہ ایسا اللہ تعالیٰ کی شان عدل کے لائق و سزاوار نہیں ہے اور یہ اس حالت میں ہے کہ جب اشارہ و عبارت اور فاعل و مفعول کو نہ جانے، لیکن اگر وہ ان چیزوں کے درمیان فرق محسوس کرتا ہے تو پھر اس کی عقل کا نتیجہ ظاہر ہو گیا اور اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ قابل پرسش اور جواب دہ ہے، اس لئے کہ اس نے ذی عقل ہوتے ہوئے جدوجہد اور غور و فکر نہیں کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنکبوت ٦٩)

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بیشک اللّٰہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

تو اس کے کفر کا حکم نہیں کیا جائے گا لیکن اسے معذور بھی قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس نے فکر و تأمل کو ترک کیا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر چھوڑ دیا جائے گا اور اگر اس نے استدلال کیا اور اپنی عقل سے اس نے دلیل قائم کی اور سمجھنے میں خطا کی اور اس کا اعتقاد کر لیا تو اس کے کفر کا حکم صادر کیا جائے گا اگر اس کا اعتقاد کفر ہے تو اور اگر بدعت کا اعتقاد کیا تو مبتدع ہو گا کیونکہ جب اس نے استدلال کیا اور ایک دین پر اپنا اعتقاد پختہ کر لیا تو معلوم ہوا کہ اس نے صانع کے لئے خوبی و بدی کو واجب کر دیا اور جب خطا کی تو معذور نہ ہو گا کہ یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے، اس لئے کہ اگر وہ کوتاہی نہ کرتا تو ہو سکتا تھا، دین اسلام کی ہدایت ہو جاتی اور وہ صراط مستقیم کو پالیتا۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بہر حال معذور ہو گا کیونکہ اس کو دلیل سمعی (شریعت) نہیں پہنچی، اس کا مفصل ذکر اپنے مقام پر آئے گا۔

چھٹا قول

عقل سے احکام ثابت ہونے کی بحث

اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوتے ہیں، لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ وجوب کی دلیل کیا چیز ہے؟

معتزلہ کا مذہب

چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ عقل، ایمان اور احکامات کے واجب ہونے کی دلیل ہے، لہذا جو احکام شرعیہ عقل کے مطابق ہیں وہ تو مشروع اور ثابت ہیں اور جو حکم و شرع عقل کے خلاف ہے وہ صحیح نہیں۔

چنانچہ معتزلہ یہی بات کہتے ہیں کہ جو حکم عقل کے موافق ہو اس کی اتباع کی جائے۔

امام ابو الحسن اشعری کا قول

امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وجوب کی دلیل سماع ہے، جس نے ایمان واحکام کے امر کو سنا، اس پر ایمان اور تعمیل احکام واجب ہے اور جس کو سننے کا موقع ہی نہیں ملا، وہ خواہ بت پرستی کرتے ہوئے مر جائے، معذور ہے، اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

اہل سنت وجماعت کا موقف

اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ ہر حکم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے واجب ہوتا ہے اور احکام کے وجوب کی دلیل سماع یا وہ چیز جو سماع کے قائم مقام ہو جیسے کتابت، اشارہ اور کوئی بھی

چیز جو واجبات کے علم کا ذریعہ ہو، اس لئے کہ اہل فترت میں سے ہو جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا لیکن شریعت کے احکامات پر عدم علم کی وجہ سے عمل نہ کر سکا وہ معذور ہے۔

ایسے ہی وہ شخص جو دارالحرب میں ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو اس کا ایمان صحیح ہے مگر عدم علم کی بناء پر احکام شرع یعنی نماز، روزہ وغیرہ بجا نہیں لاتا تو وہ معذور ہے (مگر نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ احکام علم نہ ہونے کی وجہ سے، اگر وہ نہیں بجالایا تو وہ اس میں معذور ہے) کیونکہ اس تک دلیل شرعی نہیں پہنچی اور محض عقل سے احکام وشرائع اور ان کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔

لہذا محض عقل کو دلیل بناتے ہوئے اس پر احکام واجب نہیں کیے جائیں گے مثلاً جب وہ دارالاسلام آیا یا کسی مسلمان نے اسے احکام کے بارے میں بتایا تو جو نماز روزہ وہ نہیں کر سکا اس کی قضاء واجب نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور وحدانیت تو عقل سے حاصل ہو سکتی ہے لیکن ایمان محض عقل سے واجب نہیں ہوتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے واجب کیے بغیر صرف عقل موجب ایمان نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجوب کی دلیل موجود نہیں اور وہ شخص ایسے حال میں اگر کسی دین پر اعتقاد و ایمان رکھنے میں خطا کر لیتا ہے تو معذور نہیں ٹھہرے گا بلکہ کافر ہو گا۔

اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی رسول کو مبعوث نہ فرماتا اور تمام انسان کسی دین پر اعتقاد نہ لاتے اور غور و فکر اور استدلال کی قدرت عطا نہ کی جاتی اور اس چیز کی معرفت حاصل نہ کرتے کہ ہم مخلوق ہیں اور نہ اپنے بنانے والے کو پہچانتے بلکہ جانوروں کی طرح بے کار و بے مقصد زندگی بسر کرتے تو ایسے انسان کے لئے کیا حکم ہے؟

اسی مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص جو پہاڑوں میں پیدا ہوا اور اس کی عقل پر پردۂ غفلت پڑا رہا تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ معتزلہ نے کہا: یہ سب کافر ہیں، اس لئے کہ جب وہ صاحب عقل تھے تو ان کے لئے ضروری تھا کہ عقل سے اپنے صانع پر ایمان لاتے اور جب انہوں نے عقل سے کام نہیں لیا تو انہوں نے اپنے اوپر جو چیز لازم تھی اسے ترک کردیا، لہذا ان کے کفر کا حکم صادر کیا جائے گا، اگرچہ وہ کسی چیز کا اعتقاد نہ رکھتے ہوں۔

ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ سب معذور ہیں اگرچہ بت پرستی کرتے ہوں کیونکہ انہیں ایمان لانے اور کفر سے بچنے کا حکم ہی نہیں ملا، لہذا ایسی صورت حال میں وہ معذور ٹھہریں گے۔

اہل سنت ماتریدیہ کا موقف

ماتریدیہ اس بات کے قائل ہیں کہ ایسے حالات میں اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو کافر نہیں کہلائیں گے اس لئے کہ ان پر ایمان واجب ہی کب ہوا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولاً (الاسراء ۱۵)

اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

اور اس رسول سے مراد عقل ہے تو ثابت ہوا کہ اگر وہ عقل رکھتے ہوئے کفر کریں تو معذور نہیں قرار پائیں گے۔

پھر اگر وہ غور و فکر اور تامل و تدبر سے استدلال کرکے جان لے کہ وہ مصنوع و مخلوق ہے اور اس کا کوئی صانع اور خالق ہے اور اپنے پیدا کرنے والے پر یقین لائے لیکن زبان سے اقرار نہیں کیا اور نہ

ہی وہ اقرار کو جانتے تھے، صرف اتنا جانتے تھے کہ ہمارا کوئی صانع ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے سوا کوئی راستہ نہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ کوئی دین نہیں ہے تو عند اللہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) مؤمن ہیں اس لئے کہ اقرار کا تعلق احکام سے ہے اور احکام بغیر سماع (شرع) محض عقل سے معلوم نہیں ہوسکتے اور جب سماع و علم موجود نہیں تو اسے اقرار اور اس کے طریقہ و کیفیت کا علم کیسے ہو گا؟ تو وہ کیسے جانے گا کہ اقرار کس طرح کرتے ہیں اور اس کا طریق و کیفیت کیا ہے؟ لہٰذا وہ مؤمن ہے جب کہ اپنے صانع کی تصدیق کرتا ہو۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد مبارک کی وضاحت

اور جو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ عاقل اگر خدا کو نہیں پہچانتا تو وہ معذور نہیں ٹھہرے گا، آپ کے اس فرمان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایمان عقل سے واجب ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عقل والے غور و فکر کریں اور عقل سے استدلال کر کے اپنے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ان پر واجب اور ضروری ہے اور جب عقل سے استدلال کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچانے گا تو عند اللہ وہ مؤمن قرار پائے گا جب کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کسی اور دین کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اور اگر اس کے باوجود اس نے تامل و استدلال کر ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا تو اس نے خدا کو پہچاننے میں کوتاہی کی ہے تو اس وقت تک اس کے کفر کا حکم صادر نہیں کریں گے جب تک وہ کسی اور دین پر اعتقاد نہ رکھتا ہو۔

غور و فکر چھوڑنے کی وجہ سے معذور بھی نہیں ہو گا لیکن اس کی اس تقصیر و کوتاہی کا معاملہ مشیت ایزدی کے سپرد ہے، جیسے چاہے اس کے ساتھ معاملہ فرمائے۔

عقل تنہا موجب ایمان نہیں

دلیل: عقل بغیر سماع کے ایمان کو واجب نہیں کرتی ، اس لئے کہ عقل وجود باری تعالیٰ کو ثابت کرتی ہے اور احکام کی پابندی و تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقل کے سبب سے ثابت ہوتی ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ عقل تو اپنے نفس اور اس کی کیفیت کو نہیں جان سکتی یہ کسی اور شئے کو کس طرح واجب کر سکتی ہے؟ لہذا محض عقل موجب ایمان نہیں۔

عقل اپنی پہچان سے قاصر ہے

اس لئے کہ احکام میں فرق اور تفاوت تو اس وجہ سے آتا ہے کہ خطاب میں فرق و تفاوت ہے، عقل کی وجہ سے یہ فرق رونما نہیں ہوتا۔

دلیل: دلیل کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مثال ۱ :یہ کہ احکام میں تفاوت خطاب میں تفاوت کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کے واجب ہونے کا سبب وقت ہے اور نماز مقیم آدمی پر تمام آدمی پر تمام دنوں میں چار رکعت اور مسافر پر دو رکعت فرض ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ وقت اور عقل میں فرقل و تفاوت نہیں ہے، اس لئے کہ عقل ایک ہی ہے اور عقل جیسی تھی وہی ہے۔ معلوم ہوا کہ دن اور سبب جب ایک ہے تو یہ تفاوت اِحکام فقط خطاب میں فرق ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ عقل سے۔

مثال ۲: ایسے غور کریں کہ ظہر کی نماز تمام دنوں میں خواہ گرمی ہو یا سردی چار رکعتیں فرض ہیں جبکہ جمعہ کے روز دو رکعت ہیں تو یہ تفاوت بھی خطاب کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے، عقل سے یہ دو اور چار کا فرق پیدا نہیں ہوتا، اس کی دلیل یہ ہے کہ وجوب کا تعلق خطاب سے ہے عقل سے نہیں ہے۔ لہذا ابتداءً عقل سے شریعت کا قیام ممکن نہیں ہے، علاوہ ازیں عقل اس چیز کی راہ نمائی نہیں کرپاتی کہ شریعت کے ارکان وشرائط ، اسباب وعلامات اوران کی کیفیات اوراس کے دلائل کیاہیں ؟ ایسے ہی عقل قطعاً موجب ایمان نہیں۔

عقل کے موجب ایمان نہ بننے کی دلیل

اس لئے کہ ایمان کے بھی ارکان وشرائط ہیں اور عقل ان معانی کا ادراک کرنے سے قاصر ہے، بلکہ عقل خود اپنی ذات سے بے خبر اور اسے جاننے سے عاجز ہے تو عقل ایمان کی صورت اور اس کے اوصاف کو کس طرح جان سکتی ہے؟ لہذا جب ایمان کے اوصاف اور شرائط وارکان کو جاننے سے عقل قاصر وبے بس ہے تو وجوب ایمان پر دلیل بھی نہیں بن سکتی۔

دلیل کی تعریف

دلیل اس امر کو کہتے ہیں جو ذات مع الوصف پر دلالت کرے اور جب عقل بغیر سماع کے اوصاف ایمان بیان کرنے سے قاصر ہے تو دلیل کیسے بن سکتی ہے؟ لہذا ہمارا دعویٰ صحیح ثابت ہوا۔

اشکال: اگر کوئی یہ اعتراض وارد کرے کہ عقل اس حیثیت سے کہ اس سے احکام کا تعلق ہوتا ہے حجت الہٰی قرارپاتی ہے (لہذا آپ اس کے دلیل و حجت ہونے کا انکار نہیں کرسکتے) مثلاً دیکھیں کہ عقل بہت سے مقامات پر دلیل و حجت کا کردار ادا کرتی ہے۔ عقل قیاس، استحسان، استصحاب حال اور نصوص واحادیث میں تاویلات کی علت بنتی ہے۔ اسی طرح اصل سے فرع کی طرف قیاس عقل کی بناء پر حکم ثابت کرتے ہیں۔

جواب: قیاس حجت عقلیہ نہیں ہے بلکہ حجت شرعیہ ہے اس لئے کہ قیاس کے حجت ہونے کا اعتبار شرع کرتی ہے اور شرع ہی نے قیاس کو اثبات حکم کے لئے حجت قرار دیا ہے۔

دلیل: اس پر دلیل یہ ہے کہ نص میں جو حجت معتبر ہے وہ محض عقل سے جائز نہیں ہے کیونکہ منصوص پر قیاس کیے بغیر صرف عقل سے کسی حکم کو ثابت کرنا جائز نہیں ہوتا۔ ہاں! بلاشک وشبہ عقل اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے، اس معنیٰ کے لحاظ سے کہ عقل آلہ وذریعہ ہے حصول معرفت کے لئے اور اس حیثیت سے کہ استدلال کے لئے واسطہ اور خطاب کے متوجہ ہونے کے لئے سبب بنتی ہے۔

لیکن عقل وجوب کی دلیل اور حجت نہیں ہے، یہ (عقل) اسی طرح ہے جیسے وقت نماز کے لئے ہوتا ہے کہ وقت نماز کے لئے حجت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، بایں معنیٰ کہ وقت کے آنے سے نماز واجب ہو جاتی ہے حالانکہ اصل میں دلیل وجوب خطاب الہٰی سے وقت نہیں ہے،

اسی طرح ماہِ رمضان کا آنا روزے کے واجب ہونے اور نصاب بابِ زکوۃ میں حجت ہے حتیٰ کہ مہینہ اور نصاب وجوب کا سبب بن گئے، لیکن دلیل وجوب در حقیقت وہ خطاب ہے نہ کہ سبب، ایسے ہی ہمارے قول کو قیاس کرنا چاہیئے۔

اور جس چیز کا علم سماع پر موقوف ہے تو سماع اس چیز کے لئے علت ہے اور سماع کا حجت ہونا عقل و فکر سے مستغنی و بے نیاز نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ بغیر نبی کے سماع صحیح نہیں ہے اور نبی و متنبّی (جھوٹا نبی) میں بغیر معجزہ کے فرق و امتیاز نہیں ہو سکتا اور معجزہ و خرق عادت میں جو فرق کیا جاتا ہے وہ بھی عقل ہی سے ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عقل مثبت علم اور حصول معرفت کا ذریعہ و آلہ ہے اور بعض فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کی وضاحت میں واضع سے خطا ہوئی ہے۔ یہ خطا اس لئے ہے کہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے آدم علیہ السلام سے دعوت و تبلیغ فرمادی۔ اگر اس کے بعد سماع نہ بھی ہو تو یہی سماع کافی ہے، اس لئے کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کو بطور خبر متواتر اپنے آباؤ اجداد سے سنتے آئے ہیں تو جب آدم علیہ السلام کا باپ ہونا تواتر کے ساتھ سب تک پہنچ گیا تو اس طرح ان کا نبی ہونا بھی بطور خبر متواتر پہنچ گیا تو اہل فترت سب کفار ہیں، جس نے بھی کفر کا عقیدہ اختیار کیا اور حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کی رسالت اور فترت سے پہلے کے رسولوں کا انکار کیا وہ بھی کافر ہیں اور ایسے ہی وہ کفار جن کو ہمارے نبی اکرم ﷺ کی خبر نہیں پہنچی، معذور قرار نہیں دیئے جائیں

گے بلکہ ان کو کافر ہی کہا جائے گا، اس لئے کہ ان کو دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کی خبر پہنچ گئی یا فقط آدم علیہ السلام کی دعوت کی خبر پہنچ گئی۔

ساتواں قول

بچوں کا بیان

اس میں شک نہیں کہ مؤمنوں کے بچے دنیا وآخرت میں مؤمن ہیں اور وہ جنتی ہیں لیکن سوال کفار اور مشرکین کے بچوں کے بارے میں ہے کہ دنیا اور آخرت میں ان کا کیا حکم ہے؟

تو دنیا میں کفار و مشرکین کے بچے اپنے والدین کی تبعیت میں کافر ہیں، اگر کوئی گرا پڑا بچہ مل جائے تو اگر وہ دار الحرب یا کافروں کے علاقے میں پڑا ہوا تھا تو کافر ہے، خصوصاً جب کہ اٹھانے والا بھی کافر ہو، اگر اٹھانے والا مؤمن ہے تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ ''کتاب اللقیط'' میں ہے کہ وہ چونکہ کافروں کے علاقہ سے ملا ہے لہٰذا کافر ہے اور ''کتاب الدعویٰ'' میں ہے کہ بچہ کے اسلام کا اعتبار کیا جائے گا جب کہ مسلمان پانے والا ہو خواہ وہ بچہ دار الاسلام سے ملے اور خواہ کفرستان سے، بہر حال بچہ مسلمان سمجھا جائے گا۔

ابن سماعہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ پانے والے کا اعتبار کریں گے کہیں سے بھی پائے (یعنی اگر پانے والا کافر ہے خواہ دار الاسلام سے پائے یا کفرستان سے تو بچہ کافر ہو گا اور اگر پانے والا مسلمان ہے تو بچہ خواہ مسلمانوں کے علاقہ سے ملے یا کافروں کے علاقہ سے اس کو مسلمان اعتبار کریں گے)۔

سوال: آخرت میں کافروں کے بچے کہاں ہوں گے؟

جواب: معتزلہ اور خوارج کہتے ہیں کہ وہ دوزخی ہیں۔

اور اہل سنت و جماعت نے فرمایا کہ انہیں عذاب نہیں ہو گا۔ بعض نے کہا کہ وہ ''اعراف'' میں ہوں گے۔ بعض نے کہا: وہ اہل جنت کے خدمت گار ہوں گے اور سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: میں اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔

یہی سوال جب محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل بغیر گناہ کسی کو عذاب نہیں دے گا۔

اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ''لاھین'' کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: ''لاھین'' سے کیا مراد ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کے بچے۔

دوسری روایت میں ہے کہ میں نے مومنوں کے بچوں کے لئے سفارش کی تو میری وجہ سے ان کو بخش دیا گیا اور جب میں نے مشرکین میں نے مشرکین کے بچوں کی سفارش کی تو ان کو اہل جنت کا خادم بنا دیا گیا۔

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مؤمنین کے بچے بادشاہ اور مخدوم ہوں گے اور مشرکین کے بچے اہل جنت کے خدمت گار ہوں گے اور صحیح ترین بات یہ ہے کہ مشرکین کی اولاد حقیقت میں غیر کا فر پیدا ہوئی، لیکن دنیوی احکام کے ثبوت اور نفاذ قوانین کے لئے ان کو اپنے والدین کے تابع قرار دیا گیا تا کہ ان کے لئے دنیا میں ولایت، شادی بیاہ، وراثت وغیرہ کے احکام ثابت کیے جائیں لیکن حقیقت میں وہ کافر نہیں ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ بغیر گناہ اور معصیت کے کسی کو عذاب دے تو یہ اس کی شانِ عدل کے لائق نہیں ہے۔

سوال: اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور! آپ (ﷺ) سے جو میرے بچے پیدا ہوئے ہیں (اور بچپن میں فوت ہوگئے) وہ کہاں ہیں؟ فرمایا: جنت میں۔

عرض کیا: حضور! میرے وہ بچے جو آپ ﷺ سے نہیں پہلے شوہر سے ہیں؟ فرمایا: وہ جہنم میں اور اگر تو چاہے تو میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی چیخ و پکار سنواؤں؟

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے پہلے شوہر سے پیدا ہونے والی بالغ اولاد کے متعلق سوال کیا تھا کیونکہ اس پر قرینہ یہ ہے کہ بالغ پر بھی "طفل" (بچہ) کا لفظ بولا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (الحج ۵) "پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ۔" چنانچہ یہاں اللہ تعالیٰ نے بالغوں پر "طفل" کا اطلاق فرمایا ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ جب بچہ غیر عاقل ہو تو اس کے بارے میں توقف ضروری ہے جیسا کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے۔

لیکن جب وہ عاقل ہو تو اس پر کفر کا حکم درست ہے، جیسے کہ اس کا اسلام صحیح ہے، خصوصاً امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اس لئے کہ عقل مند بچہ جب اسلام لایا پھر (نعوذ باللہ) مرتد ہو گیا تو ان دونوں ائمہ کے نزدیک اس کا ارتداد معتبر ہوگا تو ایسا ہی یہاں حکم ہے۔ اور زیادہ قرین اور درست بات یہ ہے کہ آخرت کے معاملے میں بلوغ سے پہلے کفر کا حکم نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ بے عقل بچہ نہ مخاطب ہے اور نہ معاقب (لائق سزا)۔

مذکورہ بالا تمام بحث اور احکام انسان کے بچوں کے متعلق تھے اور ایسے ہی جنات کے بچوں کا حکم ہے۔

اور شیاطین کے بچوں کے متعلق متقدمین سے کوئی روایت نہیں ملتی اور معتزلہ کے نزدیک کوئی اشکال نہیں کہ ان کے نزدیک اہل نار سے ہیں لیکن جو بچوں کے لئے عذاب کے قائل ہیں ، وہ کہتے ہیں کہ شیاطین جب بچے جنتے ہیں تو وہ عاقل بالغ ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی کفر اختیار کر لیتے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ بات صحیح طور پر ثابت نہیں ہو سکی کہ شیاطین کی اولاد ہوتی بھی ہے یا نہیں ؟ لہٰذا جواب کی حاجت نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

آٹھواں قول

عقل افضل ہے یا علم ؟

اس میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے لپ عقل افضل ہے یا علم ؟ بعض نے کہا کہ عقل افضل ہے ، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ عقل افضل ہے اس لئے کہ علم عقل کا محتاج اور عقل علم کی محتاج نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ علم کئی قسم کا ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا علم ، دین اور شرائع کا علم ، یہ علوم عقل سے افضل ہیں ، اس لئے کہ بغیر عقل کے بندہ کی نجات ہو جاتی ہے جب کہ بغیر علم دین کے بندہ کی نجات نہیں ہوتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر عاقل مخاطب ومامور ہے کہ دین کا علم سیکھے ، اس کی طلب کرے ، ان علوم کے علاوہ دیگر علوم مثلاً صنعت و حرفت کا علم ، اصلاحِ اشیاء کا علم ، علمِ نجوم ، علمِ طب ، ان علوم سے عقل افضل ہے۔ اس لئے تمام علوم اصلاح نفس اور اصلاح معیشت کے لئے ہیں ، مصلحت عقل میں زیادہ ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا علم تمام مخلوق کے علم سے افضل ہے اور اس کا علم غیر مخلوق ہے اور جس شخص نے کہا ہے کہ علم افضل ہے، اس سے مراد علم الٰہی ہے اور علم دین اور علم شریعت واحکام ہے اور جس نے کہا: عقل افضل ہے جیسے مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تو اس سے مراد علم اکتساب واصلاح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عقل والوں کی فضیلت کا بیان

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جن اشیاطین سے افضل ہیں اور انسان جن سے افضل ہے اور اطاعت گزار جن نافرمان انسانوں سے بہتر ہیں۔

انسان کو جن پر اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام انسانوں میں سے ہوئے ہیں، جنوں میں سے کوئی نبی یا رسول نہیں ہوا۔

اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عام مؤمنوں سے افضل ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے افضل ہیں اور رسل کرام علیہم السلام انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل ہیں، اور رسولان اولوالعزم دیگر رسولوں سے افضل ہیں۔ فرشتوں کے بارے میں معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ رسولوں اور نبیوں (علیہم السلام) سے افضل ہیں۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسانوں کے خواص فرشتوں کے خواص وعوام سے افضل ہیں اور عامۃ المؤمنین انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔

امام محمد بن حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے "کتاب الصلوۃ" میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ نمازی جب سلام پھیرنے کا ارادہ کرے تو ملائکہ اور مؤمنین کی نیت کرے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ سلام کے وقت مؤمنوں اور فرشتوں کی نیت کرے۔ اہل تأویل نے اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ

جب امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیکھا کہ ملائکہ کو مؤمنین پر فضیلت حاصل ہے تو ذکر میں ملائکہ کو مقدم کر دیا اور جب دیکھا کہ مؤمنین کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے تو مؤمنین کا ذکر پہلے کر دیا۔

اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ مطلقاً یہ جواب صحیح نہیں، اس لئے کہ ملائکہ میں وہ بھی ہیں جو رسول ہیں جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اللّٰہُ یَصۡطَفِي مِنَ الۡمَلَائِکَۃِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ (الحج ۵۵)

اللہ چُن لیتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے۔

اور یہ محال ہے کہ غیر رسول، رسول سے افضل ہو جائے اور انسانوں میں بھی اسی طرح کہ غیر رسل، رسل سے افضل نہیں ہو سکتے۔

اور صحیح جواب یہ ہے کہ خواص مؤمنین یعنی انبیاء و مرسلین علیہم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام ملائکہ عوام مؤمنین سے افضل ہیں، صحیح نہیں، اس لئے کہ مؤمن کو ایمان کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور ملائکہ کو بھی ایمان حاصل ہوتا ہے، تمام اوصاف کے ساتھ۔ پھر مزید برآں یہ کہ ملائکہ کی طاعت مؤمنین سے اکثر زیادہ ہے جب کہ مؤمن سے فسق و فجور متصور ہو سکتا ہے بلکہ کفر کا بھی خوف لاحق رہتا ہے اور مؤمن سے عذاب و حساب اور دخول نار اور سوال قبر ہوتا ہے اور فرشتہ ان تمام معصیتوں سے معصوم اور محفوظ ہوتا ہے، تو یہ محال ہے کہ مؤمن ان خطرات و خدشات اور برے کاموں کے باوجود ملائکہ سے افضل ہو جائے۔

سوال :اگر کہاجائے کہ حضوراقدس ﷺ نے فرمایاکہ دنیامیں اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے مقرب بندے ہیں کہ وہ فرشتوں سے بھی افضل ہیں، ان میں سے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں؟

جواب:تواس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ حدیث بطریق آحادوارد ہوئی ہے اور فقہاء کرام نے اس کے حجت ہونے پر اتفاق نہیں کیا، لہذا اس حدیث مذکورہ کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری بات، یہ بھی ممکن ہے حدیث میں جو مؤمن انسان کی فرشتے سے فضیلت ذکر ہوئی، یہ فضیلت وبرتری ایک خاص وقت کے لحاظ سے ہو یاکسی مخصوص شخص کی نسبت سے ہو، مثلاًوہ ایک وقت میں افضل ہے اوردوسرے وقت میں نہیں اورایک شخص کے لحاظ سے افضل ہے، دوسرے شخص کے لحاظ سے نہیں ، توہوسکتاہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان کے بعد ایمان کے سبب افضل ہوں اوروہ ایمان، طاعت اورزہدوتقویٰ کی وجہ سے مقرب ہوگئے ہوں تووہ دنیامیں ہاروت وماروت سے افضل ہوں۔

اس لئے کہ ہاروت وماروت دنیاہی میں مبتلائے عذاب ہیں اورابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آخرت میں سوال کئے جائیں گے اور دنیامیں ان سے سوال نہیں کیاجائے گا۔

لیکن آخرت میں ابوذرہاروت وماروت سے افضل نہیں ہوں گے اور تمام فرشتوں سے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل نہیں ہوں گے اوراس لئے کہ ابوذراسلام سے پہلے کافر تھے اور اسلام کے بعدوہ معصوم نہیں اور خاتمہ سے مامون نہیں اوروہ شخص جس سے کفر حاصل ہواہو، اس

کے بارے میں یہ فیصلہ کیونکر دیا جاسکتا ہے کہ وہ انجام کار کفر سے معصوم و محفوظ ہو گا؟ لہذا وہ ان فرشتوں سے افضل نہیں ہو سکتا جو کہ مقدس و مطہر اور کفر و عصیان سے معصوم ہیں۔

جبرائیل علیہ السلام افضل ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؟

اہل سنت وجماعت کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ جبرائیل ، میکائیل ،اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام اور رسل ملائکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے افضل ہیں اور یہ قول ان کی تردید کرتا ہے۔

فرشتے افضل ہیں یا اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ ؟

کیاباقی فرشتے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے افضل ہیں یا نہیں؟ تو اس بارے میں علماء کے چند اقوال ہیں:

۱۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرشتوں سے افضل ہیں۔

۲۔ اور بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ فرشتے افضل ہیں کہ یہی بات صحیح ہے اس لئے کہ تمام فرشتے محل نبوت ہیں ، کیونکہ نہ ہی نبوت (یعنی انبیاء علیہم السلام، الہام ووحی خفی) اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سے حاصل ہیں تو جس بھی شخص کے ہاتھ اورزبان سے ظاہری وباطنی طور پر انزالِ وحی جائز ہو تو اس کا حکم نبوت کا حکم ہو گا۔

۳۔ اور اس لئے کسی فرشتے سے بغض رکھنا جائز نہیں اس لئے کہ سب اللہ تعالیٰ کے خواص انبیاء علیہم السلام اور پیمبر (سفارت کار) ہیں۔(ا) اور جو کسی فرشتے سے بغض رکھے کافر ہے۔(ب)

اور کسی فرشتے کو گالی دے گا کافر ہو جائے گا۔(ج) فرشتوں پر ایمان لانا واجب ہے، انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے درجہ و مرتبہ میں برابر ہیں تو ثابت ہوا کہ وہ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے افضل ہیں۔

سوال : اگر کہا جائے کہ حضور اقدس ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے جنت کی شہادت دی ہے اور یہ شہادت زوال ایمان سے عصمت اور امان کو واجب کرتی ہے۔

جواب: جواباً عرض یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شہادت سے وہ نزع کے وقت زوال ایمان سے مامون و محفوظ ہیں، بنیادی طور پر ان میں بزرگی و فضیلت نہیں ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ ابتداءً اسلام میں ان سے کفر بھی صادر ہوا مگر نبی اکرم ﷺ نے ان کے جنتی ہونے کی شہادت دی تو وہ جنت میں داخل ہوں گے لیکن جہنم میں ان کا داخل ہونا بھی ایک لازمی امر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا (مریم ۷۱)

اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمّہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے۔

اگرچہ عذاب نہ دیئے جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ ان امور مذکورہ سے معصوم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔۔

نواں قول

مستحسناتِ عقل کا بیان

معتزلہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو عقل اچھا کہے وہ اچھی ہے اور جسے برا کہے وہ بری ہے اور عام علماء نے فرمایا: حسن (اچھی چیز) وہ ہے جس کو شرع اچھا کہے اور قبیح وہ ہے جس کو شرع قبیح کہے چنانچہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تفصیل بیان کر دی جائے اس لئے کہ اشیاء میں حسن وقبح کے چند مراتب ہیں۔

حسن وقبح کی قسمیں

(۱) حسن لعینہ: وہ اشیاء جن کی ذوات میں حسن ہو، جیسے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اس کی عبادت کرنا اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔

(۲) حسن لغیرہ: وہ اشیاء جن میں فی نفسہ حسن وخوبی نہیں ہے مگر ان کے غیر میں خوبی ہے، جیسے سراؤں کا بنانا، مساجد کا تعمیر کرنا، اذیت دینے والی چیز کو راستہ سے ہٹانا۔

قبیح کی قسمیں

اسی طرح قبیح کے چند مراتب ہیں۔ مثلاً:

(۱) وہ اشیاء جن کی ذات میں برائی ہے جیسے شرک، زنا، چوری وغیرہ۔

(۲) اور وہ چیزیں جن کی ذات میں قباحت وبرائی نہیں لیکن اس سے متعلق دوسری میں قباحت ہے، اس کی وجہ سے یہ بھی قبیح ہو گئی۔

توہم کہتے ہیں کہ جب کوئی شئے قبیح یا حسن لغیرہ ہو تو اس کا حسن شرع کے اچھا جاننے سے ہو گا اور اس کا برا ہونا شرع کے برا جاننے سے ہو گا اور اس میں عقل کی مجال نہیں کہ کسی شئے کو حسن یا قبیح کہے اور جب کبھی وہ شئے حسن یا قبیح لعینہ ہو تو ہم کہیں گے کہ یہ حسن، حسن لعینہ ہے (یعنی اس کی ذات میں خوبی ہے) اور شرع نے اس کو پسند کیا ہے اور قبیح، قبیح لذاتہ ہے اور شرع نے اس کو قبیح قرار دیا ہے۔

ایسے ہی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کتاب ''العالم و المتعلم'' میں فرمایا کہ ظلم قبیح لعینہ ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ عقلاً حسن یا قبیح ہے بلکہ ہم یوں کہیں گے: ہمیں اس چیز کے حسن یا قبح کا علم عقل سے ہوتا ہے جیسے کہ شرع کی رہنمائی سے ہم کسی شئے کے حسن یا قبیح ہونے کو پہچانتے ہیں یہاں تک کہ اگر شرع اس کے حسن و قبح کو نہ بھی بیان کرتی تو بھی اسلام وعبادات وغیرہ حسن لعینہ ہوتے اور ظلم و کفر قبیح لعینہ ہوتے۔

اس گفتگو کا فائدہ یہ ہے کہ احسن الحسنات علانیہ طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کا چھپانا قبیح ہے، پھر بھی اگر تقیۃ(خوف سے) چھپایا تو جائز ہے اور اس کو شرع نے مستحسن قرار دیا، اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ۔ (المؤمن ۲۸)

اور بولا فرعون والوں میں سے ایک مرد مسلمان کہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔

اور اگر ظاہر کرلے تو جائز ہے اور یہ بہتر ہوگا یہا ں تک کہ اگر(اسی اظہارِ ایمان کی وجہ سے) قتل کر دیا جائے تو اجر پائے گا۔

توہم کہتے ہیں کہ یہ حسن کبھی شرع کی رہنمائی سے پہچانا جاتا ہے اور کبھی عقل سے اس کی معرفت ہو جاتی ہے۔بہر کیف دونوں صورتیں شرعاً پسندیدہ ہیں اور ایسے ہی اگر مجبور کیا گیا کہ فلاں کو ناحق قتل کر دے تو یہ قبیح لعینہ اور دوسرے کی جان بچانا حسن لعینہ ہے۔

اور اگر ناحق طور پر کسی کے قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو بہتر یہ ہے کہ اس کو قتل نہ کرے، یہاں تک کہ مجبور کرنے والے نے اگر اس کو ناحق قتل کر دیا تو یہ مقتول ماجور ہوگا اور اگر قتل کر دیا مکرہ

نے تو اس پر قصاص و دیت واجب نہیں، اس لئے کہ اپنی جان بچانا دوسرے کی جان بچانے سے اس کے نزدیک احسن ہے۔

اس مسئلہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ایک شئ جائز ہے کہ حسن لذاتہ ہو یا قبیح لعینہ ہو اور یہ دلالتِ شرع سے معلوم ہوگا، پھر ہر وہ شئ جو حسن لعینہ ہو تو شریعت بھی اس کو مستحسن سمجھتی ہے اور ہر وہ شئ جو قبیح لذاتہ ہو شریعت اس کو برا کہتی ہے، اس لئے کہ ہمیں ایسی مثال نہیں ملتی کہ ایک چیز حسن لذاتہ ہو اور شریعت نے اس کو قبیح قرار دیا ہو یا جو چیز قبیح لذاتہ ہو، شریعت نے اس کو مستحسن قرار دیا ہو، ایسا کہیں نہیں، ہاں! شرع قبیح کو اس وقت مستحسن قرار دیتی ہے جب کہ قبیح سے اقبح منعدم ہو جائے۔

صورتِ مسئلہ

مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جس کو قتل کا حکم دیا گیا اور **محکوم علیہ بالقتل** بھاگ گیا اور بھاگ کر کسی محفوظ مکان میں اطمینان سے جا بیٹھا، پھر اس کو کوئی شخص دیکھ لیتا ہے اور ادھر سے طالب قتل بھی آجاتا ہے اور اس نے اس شخص سے اس مفرور آدمی کی نسبت دریافت کیا۔ اب یہ شخص یقین کے ساتھ اس کو جانتا ہے کہ وہ فلاں جگہ روپوش ہے اور اس کو علم ہے کہ اگر میں نے اس کی نشاندہی کردی تو لامحالہ یہ اس کو قتل کردے گا تو اس کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے، اگرچہ جھوٹ بولنا قبیح لعینہ ہے لیکن اس قبیح کے اختیار کرنے سے جو اقبح ہے، منعدم ہو سکتا ہے۔

اور یہ مسئلہ اس شخص کے قول کی واضح طور پر تردید کرتا ہے جس نے حسن و قبح دونوں کو عقلی قرار دیا (یعنی یہ کہا کہ قبیح، قبیح بالعقل اور یونہی حسن، حسن بالعقل ہے) اس لئے کہ جھوٹ

بولنا عقلاً قبیح ہے اور شریعت نے اس معنی کے لحاظ سے مستحسن قرار دیا کہ اس سے ایک انسان کی جان بچ جاتی ہے۔

جھوٹ قبیح یعنی برا ہے اور ناحق قتل اقبح یعنی اس سے کہیں زیادہ برا ہے، اس کے انعدام کے لئے قبیح کو اختیار کرتا ہے۔

اور ایسے ہی کفر اقبح القبائح (سب سے زیادہ قبیح) ہے اور اگر کسی شخص کو کلمہ کفریہ جاری کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کو کلمۂ کفر زبان سے کہنا بشرطیکہ قلب اس کا مطمئن ہو، تقیۃً جائز ہے، اس کو کافر نہ کہا جائے گا۔ دشمن کے خوف سے کلمۂ کفر کا اظہار کرنا مباح ہے تو شریعت نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اور عقل کے نزدیک قبیح لذاتہ ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ حسن وہ ہے جس کو شرع اچھا سمجھے اور قبیح وہ ہے، جس کو شرع قبیح قرار دے، پھر بھی اگر صبر کرے اور قتل ہونے کو اختیار کرے تو یہ بھی جائز ہے اور اجر پائے گا، اس لئے کہ کفر قبیح لعینہ ہے تو ثابت ہوا کہ عقل کی مجال نہیں کہ وہ حسن و قبح کو پہچانے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، حصہ نہم)

مکتوب نمبر ۱۳۵

[یہ مکتوب مخلص دوست محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا:

ولایت کے مراتب کے بیان میں چاہے ولایتِ عامہ ہو یا خاصہ۔ نیز ولایتِ خاصہ کی بعض خصوصیات کے بیان میں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ ولایت فنا اور بقا کا نام ہے۔ اور یہ ولایت یا عام ہو گی یا خاص۔ اور عامہ سے ہماری مراد مطلق ولایت ہے۔ اور خاصہ سے ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ مراد ہے۔ ولایتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں فنا اَتم اور بقا اَکمل حاصل ہوتی ہے۔ تو جو نیک بخت اس نعمتِ عظمیٰ سے مشرف کیا گیا اس کا جسم طاعت کے لئے نرم ہو گیا۔ اس کا سینہ اسلام کے لئے کھل گیا اور اس کا نفس مطمئنہ ہو گیا۔ تو اس کا نفس اپنے مولا سے راضی ہو گیا اور اس کا مولا اس سے راضی ہو گیا، اور اس کا دل رب تعالیٰ کی ذات کے لئے ہی خالص ہو گیا اور اس کی رُوح پورے طور پر صفاتِ لاہوت کے مکاشفے کے لئے آزاد ہو گئی اور اس کا سر شیون اور اعتبارات کے ملاحظہ کے ساتھ موصوف ہو گیا اور اس مقام میں تجلیاتِ ذاتیہ برقیہ سے مشرف ہو گیا اور اس کا لطیفہ خفی رب تعالیٰ کے کمال تنزہ اور تقدیس کبریا کے سامنے دریائے حیرت میں ڈوب گیا۔ اس کا لطیفۂ اخفٰی اس ذات کے ساتھ بے کیف اور بے مثال طریقہ پر اتصال پذیر ہو گیا۔

هَنِيْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

ترجمہ: اربابِ نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں۔]

تشریح

یہاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ولایت کی بڑی بامعنی تشریح کی ہے اور ولایت کے لئے ایک کسوٹی بتادی ہے۔ اب جو بھی ولایت کا دعویٰ کرے اُسے اس کسوٹی میں تول کر دیکھ لیں، اگر وہ فنا والی صفات رکھتا ہو اور عنایاتِ الٰہی سے بقا حاصل کر چکا ہو تو یقیناً وہ ولی کہلوانے کا حق دار ہے اور اگر وہ نفس پرستی میں جکڑا ہوا ہو اور دُنیا کے پیچھے لگا ہو تو ولایت سے اُس کا دور کا بھی رشتہ نہیں ہو گا۔

دوسری اہم بات اس مکتوب میں یہ بیان کی گئی ہے کہ لفظِ ولایت کی دو اقسام ہیں: ایک ولایتِ عامہ اور دوسری ولایتِ خاصہ۔ پھر ولایتِ عامہ کی بھی دو اقسام ہیں: ایک ولایت تو وہ ہے جو تمام مؤمنین ومؤمنات کو شامل ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ مؤمنین ومؤمنات اعمالِ صالحہ بجالاتے ہوں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا (البقرۃ ۲۵۷)

ترجمہ: اللہ والی ہے مسلمانوں کا۔

بالفاظِ دیگر معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوست (ولی) ہیں۔

اور ولایتِ عامہ کی دوسری قسم وہ ہے جسے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہاں بیان فرمایا ہے اور وہ ولایت ایسی ہے جو سالکینِ طریقت میں سے اُن صوفیاء کے لئے ہے جو لطیفۂ قلب سے لے کر لطیفۂ خفی تک کسی لطیفہ کے ذریعے واصل ہوئے ہوں یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں کسی نبی کے زیرِ قدم ہوں۔ ولایتِ موسوی اور ولایتِ عیسوی اس ولایت کے درجات ہیں۔

ولایت کی دوسری قسم ولایتِ خاصہ ہے اور اس ولایت کو ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی کہا جاتا ہے۔ ولایتِ عامہ میں عروج ونزول مکمل نہیں ہوتا لیکن ولایتِ خاصہ کی وسعتِ شان یہ ہے کہ اس میں عروج بھی مکمل ہوتا ہے اور نزول بھی۔ ایسے ہی ولی اللہ دعوت وارشاد کا کام بھی اعلیٰ ترین طریقوں سے کرسکتے ہیں وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عروج کی وہ دولت ملی جو کسی نبی کو نصیب نہ ہوئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عروج کرتے کرتے سدرۃ المنتھیٰ سے بھی آگے گزر کر لامکان تک جا پہنچے اور جب نزول فرمایا تو وہ بھی مکمل نزول تھا۔ عروج ونزول کی اس تکمیل کا اَثر یہ تھا کہ ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں ساری دُنیا کو اسلام کے نور سے منور فرما دیا۔ اب جو خوش نصیب اپنے ایسے عظیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ولایت سے بہرہ ور ہو گا اس کا عروج ونزول بھی مکمل ہو گا اور وہ دعوت وارشاد کا کام بھی مکمل طریقے سے کرے گا لیکن اس بات سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس ولایت کا پروَردہ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرح دیدارِ الٰہی کا حق دار ہو گا کیونکہ وہ دولت دُنیا میں صرف اور صرف تاجدارِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور بس۔

یہ بات بھی ذہن میں ہونی چاہیئے کہ ولایتِ خاصہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے بلکہ اس نادر مقام تک پہنچنے کے لئے بہت دفعہ اپنی جان ومال اور اہل وعیال سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کی زندہ مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں جنھوں نے طرح طرح کے مصائب وآلام برداشت کئے۔ جانوں کی قربانیاں دیں، ہجرت کی اور فاقے برداشت کئے تب جاکے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور رضوا عنہ کا مقام ملا اور یہی ولایتِ خاصہ کا مقام ہے۔

حضرت باباسماسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ میں سے ہیں انہوں نے ولایتِ عامہ وخاصہ کو ایک ہی شعر میں بیان فرمایاہے کہ:

اے بندہ بہ من گریز خود راایلہ کن
گر شاہِ جہان نہ شدی آنگاہ گیلہ کن

ترجمہ: اے بندے میری طرف آجاؤ اور اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو چھوڑدو اگر تم جہان کے بادشاہ نہ بنے تو پھر مجھ سے گلہ کرنا۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

در مسلخ عشق جز نکور انکشند
لاغر صفتان وزشت خور انکشند
گر عاشقِ صادق زکشتن مگریخت
مردار بود آنکہ اورانہ کشند
بنشین بہ گدایان درِ دوست کہ ہر کس
بنشست با این طائفہ شاہی شد و برخاست

ترجمہ: مذبح خانہ میں (قصاب) اچھی بھیڑ بکری کو ذبح کرتے ہیں نہ کہ کمزور ولاغر اور بدمزاج جانور کو۔ اگر آپ سچے عاشق ہیں تو (نفس کے) مرنے سے نہ بھاگو اس مذبح خانے میں جس جانور کو ذبح نہیں کیا جاتا وہ مُردار ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں اور ہر وقت اسی سے طلب گار رہتے ہیں ان کے دروازوں پر بیٹھ جاؤ کیونکہ جو شخص اس طائفے کے ساتھ بیٹھ گیا وہ بادشاہ بن کر اُٹھتا ہے۔

حضرت خواجہ مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

مظہر طلبی گر بہ جہان منزل راحت

بگذر توز خود در پیش ایں پردہ مقام است

ترجمہ: اے مظہر اگر آپ ظاہر چیز اور راحت طلب کرتے ہیں تو اپنے آپ سے گزر جائیں کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور آپ کے درمیان نفس پردہ ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ولایت کا مفہوم اور اس کی تفصیلات بیان فرمارہے ہیں۔ دراصل ولایت کو عروج ونزول اور فناوبقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صوفیائے طریقت نے ولایت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ولایتِ عامہ ۲۔ولایتِ خاصہ

ولایتِ عامہ

اس سے مطلق ولایت مراد ہے جس میں عامۃ المسلمین بھی شریک ہیں، جیسا کہ آیۂ کریمہ: اللّٰہُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا (البقرۃ ۲۵۷) سے عیاں ہے، اسے ولایتِ ایمان بھی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ولایت ایک نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ قصویٰ ہے لیکن اس میں مؤمن نفسانی خواہشوں اور شیطانی شرارتوں سے محفوظ نہیں ہوتا۔ اسے فقط ایمانِ قلبی ہی نصیب ہوتا ہے جو کسی وقت بھی متزلزل ہو سکتا ہے۔

ولایتِ خاصہ

اس سے ولایت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) مراد ہے جو قُربِ خاص ہے جس میں عارف کے نفس کو فنائے تام اور بقائے اکمل کے بعد ایمانِ کامل میسر ہو جاتا ہے۔ بنابریں اسلامِ حقیقی کے لئے اس کا شرح صدر ہو جاتا ہے اور اس کا نفس امارگی اور لوامگی سے آزاد ہو کر مطمئنہ ہو جاتا ہے اور اس کا جسم اطاعت وانقیاد کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اسے ولایتِ احسان بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ۔[1] سے واضح ہے۔

اہلِ طریقت نے ولایتِ خاصہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

ولایتِ خاصہ بمعنیٰ عام   اور   ولایتِ خاصہ بمعنیٰ خاص

بینہ

واضح رہے کہ عروج کا معنی اوپر چڑھنا ہے۔ یہاں اوپر سے مراد جہت وسمت نہیں کیونکہ حق تعالیٰ اطراف وجہات سے پاک ہے لیکن جب سالک حق تعالیٰ کی طرف روحانی پرواز اور باطنی سیر کرتا ہے تو صوفیاء کرام کے نزدیک اسے عروج ہی کہا جاتا ہے جس سے مقصود انقطاع عن الخلق اور حق تعالیٰ کے ساتھ وصول بلا کیف ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ جب محمدی المشرب سالک فنا کے مراتب کو بالترتیب طے کر لیتا ہے تو اس سے تکبر تبختر اور کدورت وکثافت وغیرہا جیسی روحانی امراض ختم ہو جاتی ہیں، اس کا جسم خود بخود حق تعالیٰ کی مرضیات کے سانچے میں ڈھلتا جاتا ہے اور وہ اس کے اسماء وصفات وافعال کا مظہر بن جاتا ہے۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۷۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بقول رومیٔ کشمیر میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

اتنی رمز پچھانو یارو بہت کر اں کیہہ گلاں

میں کریوں ہتھ واگ بلوچے جدھر چلاوے چلاں

اور جب اس کے لطائفِ خمسہ ،صفات وشیونات واعتبارات وتنزیہات وتقدیسات سے مشرف ہوتے ہوئے ذات کے ساتھ بے کیف وبے چون طریقہ سے اتصال پذیر ہو جاتے ہیں تو اس قسم کے عارف کا جسم فنائے اتم اور بقائے اکمل کے مرتبہ پر فائز المرام ہو جانے کے بعد فانی نہیں رہتا بلکہ باقی اور ابدی ہو جاتا ہے، جیسا کہ جنت اور اس کی نعمتیں مخلوق ہونے کے باوجود ابدی ہیں کیونکہ جنت کو حق تعالیٰ کی رضا اور حسن ازلی کے جلووں کا محل ہونے کی وجہ سے فنا نہیں ہے۔ نیز انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے اجسادِ مطہرہ کی تخلیق جنت سے ہوئی ہے اسی لئے ان کے جسموں سے خوشبو آتی ہے اور وہ گلنے سڑنے سے مأمون اور مرتبۂ ابدیت سے حظِ وافر ملنے کی بنا پر محفوظ ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات: إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ ، فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ۔ [1] سے عیاں ہے۔ اسی بناء پر انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات نے شب معراج مسجدِ اقصیٰ میں نماز ادا فرمائی۔ نماز محض روح سے ادا نہیں کی جاتی بلکہ روح مع الجسد سے ادا کی جاتی ہے، ایسے ہی وہ صوفیاء جنہیں بقائے اکمل میسر ہو جاتی ہے نبیوں کی تبعیت ووراثت کے طور پر ان کے جسم بھی گلنے سڑنے سے محفوظ ومامون ہو جاتے ہیں۔

[1] (سنن ابن ماجه، ج ۲، ص ٥٥٦، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

جیسے کہ یہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اس پر دال ہے:

إذا مات حامل القرآن أوحى الله إلى الأرض أن لا تأكلي لحمه قالت: إلهي كيف آكل لحمه و كلامک في جوفه۔

یعنی جب حامل قرآن وفات پا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو اس کا گوشت کھانے سے منع فرمادیتا ہے وہ عرض کرتی ہے الٰہی میں اس کے گوشت کو کیسے کھاسکتی ہوں حالانکہ تیرا کلام اس کے سینے میں ہے۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز عالمِ امر کے لطائف کے مبادی فیوض کا تذکرہ فرمارہے ہیں یعنی لطیفۂ روح کا مبدأ فیض حق تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ ہیں، لطیفۂ قلب کا مبدأ فیض صفاتِ فعلیہ ہیں، لطیفۂ سر کا مبدأ فیض شیونات ذاتیہ ہیں، لطیفۂ خفی کا مبدأ فیض صفات سلبیہ اور تنزیہات باری تعالیٰ ہیں اور لطیفۂ اخفٰی کی مربی شان جامع اور اتصال بلا کیف ذات واجب تعالیٰ ہے۔

[اور ایک بات جو ذہن میں رکھنی چاہیئے یہ ہے کہ ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ عروج ونزول کے تمام طریقوں میں دوسرے تمام طریقوں میں دوسرے تمام مراتب وولایت سے ممتاز اور الگ ہے۔ جانبِ عروج میں تو اس طرح کہ لطیفۂ اخفٰی کی فنا اور اس کی بقا اسی ولایتِ خاصہ کے ساتھ مختص ہے۔ باقی تمام ولایتوں کا عروج اپنے درجات کے فرق کے مطابق صرف لطیفۂ خفی تک ہے۔ یعنی بعض اربابِ ولایت کا عروج مقامِ روح تک ہے، اور بعض کا سر تک، اور کچھ دوسروں کا عروج لطیفۂ خفی تک ہے۔ اور یہ ولایتِ عامہ کے درجات کی آخری حد ہے۔ اور جانبِ نزول میں اس طرح کہ ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے اولیاء کے اجسامِ مطہرہ کو بھی

[1] (كنز العمال، ج ١، ص ٥٦٢٨، الناشر: مؤسسة الرسالة-بيروت)

اس ولایت کے درجاتِ کمالات سے حصہ ملتاہے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو شبِ معراج جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا جسدِ عنصری کے ساتھ عروج حاصل ہوا۔اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر جنت اور دوزخ پیش کی گئیں۔اور اللہ تعالیٰ نے جن علوم کی وحی آپ پر نازل کرنی تھی نازل کی۔اور وہاں آپ حق تعالیٰ کی رویتِ بصری سے مشرف کئے گئے۔اور اس طرح کی معراج حضور سید الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص ہے۔اور وہ اولیاء جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال متابعت سے موصوف ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قدم مبارک کے نیچے چلتے ہیں انہیں بھی اسی مرتبہ مخصوصہ سے حصہ ملتاہے۔

وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَأْسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ

ترجمہ: کریم لوگوں کے پیالے میں زمین کا بھی حصہ ہے۔

اس باب میں آخری بات یہ ہے کہ دُنیا میں رؤیت کا وقوع حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔اور جو اولیاء کرام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قدم کے نیچے ہیں انہیں جو حالت نصیب ہوتی ہے وہ رؤیت کی حالت نہیں۔اور رؤیت اور اس حالت میں فرق اصل اور فرع اور شخص اور اس کے سائے کا فرق ہے۔رؤیت اور یہ حالت ایک دوسرے کا عین نہیں۔]

تشریح

جمہور علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو جو معراج حاصل ہوئی وہ روحًا اور جسدًا دونوں لحاظ سے تھی۔ لیکن یہ مقام صرف اور صرف امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

واصحابہٖ وسلم کے اُمتیوں کو یہ دولت آخرت میں نصیب ہو گی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی معراج کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ تو صرف رُوحی معراج تھی، غلط ہے۔

چونکہ علماءِ حق کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وارث قرار دیا گیا ہے اور وارث اپنے مؤرث کی تمام دولتوں میں شریک ہوتا ہے اس لئے یہ ضروری تھا کہ ظاہر وباطن کے علماء (جنہیں عُرفِ عام میں اولیاء کہا جاتا ہے) دولتِ معراج میں بھی حصہ دار ہوتے، اس لئے مشیتِ ایزدی نے ان خوش نصیبوں کے لئے یہ اہتمام فرمایا کہ جو اولیاء اللہ حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زیرِ قدم ہوں گے ان کا باطن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے جمال کے دیدار سے بہرہ ور ہو گا اور اُن کا یہ دیدار دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم پرورش پانے والے اولیاء اللہ کو حاصل ہونے والے دیدار سے الگ اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور اس معرفت کا اِدراک وہی خوش نصیب کر سکتا ہے جسے یہ دولت ہاتھ آچکی ہو۔ ہر ایک کا اس معرفت سے آگاہ ہونا اور اس سے مشرف ہونا ممکن نہیں ہے۔

پھر وہ خوش نصیب سالکینِ طریقت و حقیقت جنہیں اس نادر مقام سے حصہ مل جائے، وہ عبادت وریاضت اور ذکر واذکار نیز اتباعِ شریعت میں پہلے سے بھی زیادہ کوشش کرنے لگتے ہیں دوسری طرف اُن ظاہر پرست صوفیوں کی حالتِ زار پر بھی ذرا غور فرمالیں جو اپنے ناموں کے ساتھ غوث الزمان اور قُطبِ دوران کے القاب لکھتے نہیں تھکتے ان کی عملی زندگیوں کو دیکھیں تو روشن سُنت کا کوئی رنگ بھی نظر نہیں آتا۔ بلکہ سُنت کو تو چھوڑیں، فرائض بھی مکمل نہیں ہوتے، بھلا کیسی عجیب صوفیت ہے اور کیسے کیسے مقامات کے دعوے ہیں۔۔۔۔؟

ان کا نقطۂ نظر بھی عجیب ہے۔ کہتے ہیں کہ جب نفس، مطمئن ہو گیا اور سالک نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو پا لیا تو پھر ایسے سالک کو عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ ان کے اس بے سروپا سوال کا مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ جواب دیا ہے کہ نفس کو اطمینان کی دولت حاصل ہونے کے بعد بھی کمالات کی ضرورت رہتی ہے اور یہ کمالاتِ قُربِ عناصرِ اربعہ (مٹی، پانی، آگ اور ہوا) میں ہے۔ قُربِ عناصر کا مقام نفسِ مطمئنہ کے مقام سے اوپر ہے اور نفسِ مطمئنہ سے آگے قُربِ عناصر تک پہنچنے کے لئے عبادت کی اَشد ضرورت ہوتی ہے، اگر سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ لے گا تو آگے ترقی کیسے کرے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم باوجود محبوبِ ربّ العالمین کے اور معراجِ ظاہری وباطنی حاصل ہونے کے نیز تمام ترمراتبِ قُرب پالینے کے باوجود بھی عبادتِ ظاہری سے لاتعلق نہ ہوئے۔

اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ان تمام انعامات کے حصول کے بعد بھی عبادت کرنے کے معاملے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔

ترجمہ: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔[1]

پس وہ کیسا سالک ہو گا جو انعاماتِ الٰہیہ پا کر نفسِ مطمئنہ پر مشرف ہو گا لیکن مزید شکر گزار ہونے کی بجائے عبادتِ الٰہی سے منہ موڑ کر ناشکروں کی صف میں کھڑا ہونا پسند کرے گا۔

(دارالمعــرفت،ج۳)

---

[1](صحیح البخاری،ج۴،ص۲۹۲،المکتبۃالفاروقیۃ)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات عروجی منازل اور نزولی مراتب میں جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوات کی ولایات سے ممتاز اور منفرد ہے یعنی آدمیُ المشرب اولیاء کا عروج صفاتِ فعلیہ تک ہوتا ہے، نوحی المشرب اور ابراہیمی المشرب صوفیاء کا عروج صفاتِ ذاتیہ تک ہوتا ہے، موسوی المشرب صوفیاء کا عروج شیونات ذاتیہ تک ہوتا ہے، عیسوی المشرب اولیاء کا عروج تنزیہات (صفاتِ سلبیہ) تک ہوتا ہے، جسے اعتباراتِ ذاتیہ کہا جاتا ہے جو شیونات سے بلند تر ہے اور محمدی المشرب اولیاء کا عروج شانِ جامع اور اتصال بلاکیف ہے بنابریں محمدی المشرب صوفیاء کے اجساد مطہرہ پر عالمِ امر کے فیوضات وبرکات وتجلیات کے غلبہ کے باعث روحانیت ولطافت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے اس لئے وہ ہر قسم کے تغیرات سے محفوظ ہوتے ہیں۔

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ولایتِ موسوی، ولایتِ محمدی کے داہنی جانب واقع ہے اور ولایتِ عیسوی اس ولایت کے بائیں جانب ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے کی بناء پر لازمًا نبوت کی بہ نسبت ولایت کی جانب ان میں غالب ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں نسبتًا نبوت کا غلبہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا جسم انور اس قدر لطیف تھا کہ شبِ معراج آپ کو جسمِ اقدس سمیت حریم قدس جل سلطانہٗ میں شرفِ باریابی نصیب ہوا اور آپ مشاہدات عجیبہ اور مقاماتِ غریبہ کے

علاوہ حق تعالیٰ کے دیدار اور رؤیت بصری سے مشرف ہوئے اور یہ اعزاز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خاصہ ہے۔ یہاں تک کہ جب حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بھی رَبِّ اَرِنِیْ کہہ کر رؤیت کا مطالبہ کیا تو بارگاہ قدس جل سلطانہٗ کی طرف سے لَنْ تَرَانِیْ کا جواب موصول ہوا۔ ایسے ہی محمدی المشرب اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام مطہرہ کو بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تبعیت ووراثت میں کمال متابعت اور آپ کے زیر قدم ہونے کی بدولت اس مرتبۂ مخصوصہ سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

جیسا کہ حضرت شیخ ابوالحسن رفاعی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:

صَعِدْتُّ فِي الْفَوْقَانِيَّاتِ إِلیٰ سَبْعِ مِائَةِ أَلْفِ عَرْشٍ فَقِيْلَ لِیْ إِرْجِعْ لَا وُصُوْلَ لَکَ إِلَی الْعَرْشِ الَّذِيْ عُرِجَ إِلَيْهِ مُحَمَّدٌ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم۔

یعنی میں عالمِ بالا کی طرف عروج کرتا رہا یہاں تک کہ سات لاکھ عرش سے گزر گیا، پھر مجھے کہا گیا واپس لوٹ جا، جس عرش پر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو معراج ہوئی تو وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔[1]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی معراجِ جسمانی اور رؤیت بصری کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللّٰہِ التَّوْفِيْق

---

[1](النبراس، ص ۲۹۵، مطبوعہ مکتبۂ حقانیہ، ملتان)

معراجِ جسمانی

لفظ معراج عروج سے مشتق ہے جس کا معنی بلندی ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ (المعارج۴) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: فعرج بِي إِلَى السَّمَاءِ۔ [1] سے واضح ہے۔ معراج کے لغوی معنی اَلسُّلَّمْ یعنی زینہ کے آتے ہیں۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک نورانی زینہ کے ذریعے آسمانوں پر تشریف لے گئے اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عروجی طیر اور جسمانی سیر کو معراج کہا جاتا ہے۔

مسئلہ معراج نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ یوں تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو متعدد بار معراج ہوئی مگر وہ سب روحانی تھیں، جبکہ ایک معراج جسمانی ہے اور یہی جمہور علمائے اُمت کا مذہب ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

والمعراج لرسول الله عليه الصلاة والسلام في اليقظة بشخصه إلى السماء، ثم إلى ما شاء الله تعالى من العلى حقٌّ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو بحالت بیداری جسم اقدس کے ساتھ آسمان کی طرف پھر وہاں سے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا معراج ہونا حق و ثابت ہے۔ [2]

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۶۳۹، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

[2] (شَرْحُ العَقَائِدِ النَّسَفِيَة، ج ۱، ص ۸۲، مکتبۃ أهل السنة والجماعة)

مسئلہ رُؤیت باری تعالیٰ

یہ مسئلہ علم الکلام کے معرکہ آراءمسائل میں سے ایک ہے جس کے متعلق علمائے متکلمین اہل سنت اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔ معتزلہ رؤیت باری تعالیٰ کے انکار وامتناع کے قائل ہیں، جبکہ علمائے متکلمین اہل سنت کے نزدیک یہ مسئلہ ثابت ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام حضرت علامہ دوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصیدہ بدء الامالی میں یوں رقم طراز ہیں:

یَرَاہُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِغَیْرِ کَیْفٍ — وَاِدْرَاکٍ وَضَرْبٍ مِّنْ مَثَال

فَیَنْسَوْنَ النَّعِیْمَ إِذَا رَاَوْہُ — فَیَا خُسْرَانَ أَھْلَ الْاِعْتِزَالِ

ترجمہ: یعنی مؤمن بلا کیف وادراک اور بغیر کسی ضرب ومثال کے حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے پس جب اس کا دیدار نصیب ہو گا توسب نعمتوں کو بھول جائیں گے۔

ہائے افسوس معتزلہ کے خسارہ پر!

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز منکرین رؤیت کے متعلق اظہار تعجب کرتے ہوئے رقم طرازہیں:(اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں)

تعجب ہے کہ وہ لوگ جو رؤیت باری تعالیٰ کی دولت پر ایمان نہیں رکھتے وہ کس طرح اس سعادت کے حصول سے بہرہ ور ہوں گے؟ کیونکہ منکرین کے نصیب میں تو محرومی ہے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ مؤمن بہشت میں ہوں اور دیدار نہ ہو کیونکہ شرع سے جو کچھ بظاہر مفہوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ تمام اہل بہشت کو دولتِ دیدار حاصل ہوگی اور یہ کہیں نہیں آیا کہ بعض اہل بہشت کو دیدار ہو گا اور بعض کو نہیں ہو گا۔۔۔ جاننا چاہیئے کہ بہشت اور ماسوائے بہشت سب حق تعالیٰ کے

نزدیک برابر ہیں، کیونکہ سب اسی کی مخلوق ہیں اور وہ سبحانہٗ کسی چیز میں بھی حلول و تمکن کئے ہوئے نہیں لیکن بعض مخلوقات کو حق تعالیٰ کے انوار کے ظہور کی قابلیت ہے اور بعض کو نہیں۔ جس طرح کہ آئینہ صورتوں کے ظہور کی قابلیت رکھتا ہے اور سنگ و کلوخ یہ قابلیت نہیں رکھتے۔ پس اس بارگاہ جل شانہٗ کی طرف سے مساوات کی نسبت کے باوجود فرق اسی طرف سے ہے۔

ایں قاعدہ یاد دار کانجا کہ خداست

نے جزو نہ کل نہ ظرف نے مظروف است

یاد رکھو جس جاوہ خداوندبریں ہے

ظروف مظروف وجزو کل نہیں ہے [1]

جنت میں کیفیت رؤیت کے متعلق شرح عقائد نسفی میں ہے:

فیری لا في مکان و لا علی جھة من مقابلة و لا اتصال شعاع و لا ثبوت مسافة بین الرائي و بین اللہ تعالی۔

یعنی رؤیت باری تعالیٰ ہوگی مگر مکان، جہت، مقابلہ اتصال شعاع اور رائی، مرئی (اللہ تعالیٰ) کے درمیان ثبوتِ مسافت کے بغیر۔ [2]

عالمِ دنیا میں عدم رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق حضرت علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

رؤیت در دنیا خلاف نیست میان علمائی اسلام کہ رؤیت در دنیا نخواہد بودن۔

---

[1] (دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

[2] (شَرحُ العَقَائِدِ النَّسَفِیَة، ج ۱، ص ۴۵، مکتبة أھل السنة و الجماعة)

یعنی رؤیت باری تعالیٰ کے مسئلہ میں علمائے اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ دنیا میں حق تعالیٰ کی رؤیت نہیں ہوتی۔ [1]

اس پر انہوں نے دو احادیث مبارکہ سے استدلال فرمایا ہے:

۱۔ حدیث دجال میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرب قیامت دجال لعین لوگوں سے کہے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں، حالانکہ کوئی بھی دنیوی زندگی میں خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ البتہ بعد از وفات اس کے دیدار سے مشرف ہوں گے جیسا کہ حدیث: أَنَّهُ لَنْ يَرَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ۔ [2] سے عیاں ہے۔

۲۔ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے روایت کرتی ہیں:

وَالْمَوْتَ قَبْلَ لِقَاءِ اللهِ۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے شرفِ ملاقات سے قبل موت کا ذائقہ چکھنا ہو گا۔ [3]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

دنیا میں رؤیت (باری تعالیٰ) واقع نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ دنیا اس دولت کے ظہور کی قابلیت نہیں رکھتی اور جو کوئی اس دنیا میں رؤیت کے واقع ہونے کا قائل ہو وہ جھوٹا اور مفتری ہے اس نے حق تعالیٰ کے غیر کو حق جانا ہے۔ اگر اس دنیا میں یہ دولت میسر ہو سکتی تو حضرت کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات دوسروں کی نسبت زیادہ حقدار تھے اور ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ

---

[1] (المعتمد فی المعتقد، ص ۴۳، مطبوعہ استنبول)

[2] (سنن الترمذی، ج ۴، ص ۵۰۸، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۵۰۳، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

والسلام جو اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں تو اس کا وقوع بھی اس دنیا میں نہیں ہوا بلکہ بہشت میں تشریف لے گئے تو وہاں دیدار سے مشرف ہوئے جو کہ عالمِ آخرت سے ہے لہٰذا دنیا میں رؤیت نہیں ہوتی بلکہ جب عالمِ دنیا سے نکل کر آخرت کے ساتھ ملحق ہو گئے تو دیدار (خدا تعالیٰ) سے مشرف ہوئے۔[1]

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نفی رؤیت کے متعلق حدیث مروی ہے جبکہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثبوت رؤیت کے بارے میں احادیث مبارکہ روایت ہیں اور وہ تین قسم کی ہیں:

- ایک وہ جن میں مطلق رؤیت کا بیان ہے۔
- دوسری میں رؤیت بصری کی صراحت ہے۔
- تیسری میں رؤیت قلبی کا ذکر ہے۔

بنابریں رؤیت باری تعالیٰ میں اختلاف واقع ہو گیا۔ بعض کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو رؤیت قلبی نصیب ہوئی، بعض کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو رؤیت بصری کا شرف ملا جبکہ تیسرا گروہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے رؤیت قلبی اور رؤیت بصری دونوں کا قائل ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک کشفی اور تحقیقی اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے رؤیت بصری ثابت ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

---

[1] (دفتر سوم، مکتوب ۱۷)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب دریافت کیا گیا کہ آپ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے رؤیت باری تعالیٰ کے قائل ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کا کیا جواب دیں گے تو آپ نے جوابًا ارشاد فرمایا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کا جواب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حدیث مبارکہ سے دوں گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: رَأَیْتُ رَبِّيْ۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد گرامی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے بڑا اور وزنی ہے۔[1]

بینہ نمبر ۲

یہ امر مستحضر رہے کہ اگرچہ دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ ممکن ہے مگر بچشم سر دنیا میں واقع نہیں ہے کیونکہ دنیا اور چشم دنیا عدم سے ساختہ شدہ ہونے کی بنا پر اس دولت عظمیٰ کی صلاحیت ولیاقت ہی نہیں رکھتے جبکہ چشم آخرت، شیونات ذاتیہ کا اثر رکھتی ہے اس لئے چشمِ دنیا کو چشمِ آخرت کے ساتھ قطعًا کوئی مناسبت نہیں کہ دیدارِ خدا سے مشرف ہو سکے۔ و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۵۲۷ تا ۵۳۹)

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ میں ہے:

حیات الانبیاء علیہم السلام (انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونے) کا بیان

بعض علماء حیاتِ انبیاء کے منکرہیں حالانکہ ہمارے اہلِ سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام بالخصوص رحمۃ للعلمین ﷺ حیاتِ حقیقی جسمانی کے ساتھ اپنی

---

[1] (فتح الباری، ج ۱۳، ص ۴۳۴)

قبر انور میں زندہ ہیں۔ اپنی نورانی قبروں میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں۔ اذان و اقامت کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور حج کرتے ہیں۔ اور سُنتے، دیکھتے، جانتے اور کلام فرماتے ہیں۔ اور سلام پیش کرنے والوں کو جواب دیتے ہیں۔ چلتے ہیں پھرتے ہیں اور جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔ جس طرح چاہیں تصرفات فرماتے ہیں۔ اپنی امتوں کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ اور مستفیضین کو فیوضات وبرکات پہنچاتے ہیں۔ اس عالم دنیا میں بھی ان کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور کئی خوش نصیب حضرات کو ان کا دیدار بارہا نصیب ہوا ہے۔ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلے میں بہت سے دلائل ہیں جن میں سے بعض دلائل ہم پیش کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱:

وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ (زخرف ۴۵)

ترجمہ: اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے بھیجا آپ سے پہلے، پوچھ لیجیئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے"۔

دلیل نمبر ۲:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الاسراء ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے محبوب کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف وہ (مسجدِ اقصیٰ) جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھیں ہیں۔ تا کہ ہم دکھائیں (اپنے محبوب کو) اپنی نشانیاں بے شک وہ (اللہ) دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ یعنی وہ اللہ جلّ جلالہٗ اپنے محبوب کے اقوال وافعال کو جانتا ہے۔

دلیل نمبر ۳:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرة ۱۵۴)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یہ نہ کہو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے"۔

دلیل نمبر ۴:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (۱۶۹) فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (آل عمران ۱۷۰)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔

دلیل نمبر ۵:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ (سبا ۱۴)

ترجمہ: پھر جب ہم نے اس (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا حکم بھیجا جنّوں کو اس کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب سلیمان زمین پر آئے جنّوں کی حقیقت کُھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔

اس آیت سے بھی بطریقِ دلالۃ النص حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ جب کیڑوں نے مضبوط ترین اور سخت ترین عصا سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھانا اس سے کہیں سہل

اور آسان تھا مگر اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا بلکہ محفوظ ہونا حیات کی صریح دلیل ہے۔ اسی طرح آیت میں ذکر شدہ ''خرور سلیمان'' سے بھی حضراتِ انبیاء کی حیاتِ مبارکہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسدِ اطہر کے زمین پر آجانے کو ''خرّ'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے مگر اس کو ''سقط'' سے تعبیر نہیں فرمایا کیونکہ '' خرّ'' کا لفظ قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ میں جہاں کہیں بھی مذکور ہے وہ زندہ انسان کے جھک جانے یا گر جانے کیلئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:

وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا (یوسف ۱۰۰)

ترجمہ: سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا (اعراف ۱۴۳)

ترجمہ: پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسٰی گرا بے ہوش۔

لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسدِ اطہر کے سلامت زمین پر آنے سے حیات بعد الوفات کا جو بھی انکار کرتا ہے وہ قرآن کے معارف اور علوم سے ناواقف ہے۔[1]

دلیل نمبر ۶:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ (سجدہ ۲۳)

ترجمہ: تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی سو (اللہ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کو جو توریت کتاب عطا کی گئی) اس میں شک نہ کر کہ (دونوں حضور پُر نُور ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کی) معراج کی رات ملاقات ہوئی۔

---

[1] (آپ کے مسائل اور ان کا حل: مصنفہ مولوی یوسف لدھیانوی دیوبندی)

دلیل نمبر۷:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿النساء ۶۴﴾

ترجمہ: اور جس وقت وہ اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اگر اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا، رحمت کرنے والا پاتے۔

دلیل نمبر۸:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء ۱۰۷)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے حبیب ﷺ) مگر رحمت واسطے تمام جہان کے۔

دلیل نمبر۹:

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام ۵۴)

ترجمہ: اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے مہربانی کرنا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان کی دولت کے ساتھ بارگاہِ نبوت پر حاضر ہو، اس کے لیے خُداوندِ قدوس کا اپنے رسولِ رحمت ﷺ کو حکم ہے کہ آپ اس کو السلام علیکم کی دُعا کے ساتھ رب کی رحمت و مغفرت کا پیغام پہنچایئے تو حق تعالیٰ کا یہ حکم دونوں حالتوں (ما قبل الموت ومابعد الموت) کے لیے عام ہے یعنی رہتی دنیا تک کیلئے یہ حکم باقی ہے جس طرح قرآنِ کریم کی دیگر آیات کے

بارے میں یہ اصول مسلّم ہے کہ اگرچہ ان کے نزول کا واقعہ خاص ہے لیکن ان کا حکم قیامت تک کیلئے جاری وباقی ہے، اسی طرح اس آیت مبارکہ میں بھی یہ حکم قیامت تک کیلئے ہے۔[1]

دلیل نمبر ۱۰:

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب ٦)

ترجمہ: یہ نبی (مکرم ﷺ) مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں۔

دلیل نمبر ۱۱:

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (حضرات) انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے ابویعلیٰ اور مسند بزار نے اور ابویعلیٰ کے تمام راوی ثقہ ہیں۔[2]

دلیل نمبر ۱۲:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیًا أُبلغتہٗ۔

---

[1] (آپ کے مسائل اور ان کا حل: لمولوی یوسف لدھیانوی دیوبندی)

[2] (رواہ ابویعلیٰ البزار ورجال ابی یعلیٰ ثقات۔ (مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۱۱، ولسان المیزان: حسن بن قتیبہ: ص ۲۴۶، مسند ابویعلٰی ج۶ حدیث ۳۴۲۵، فتح الباری ج۶ ص ۴۸۷، المطالب العالیہ ج۳ ص ۲۶۹، احادیث صحیحہ للالبانی حدیث ۶۲۱، الجامع الصغیر ص ۱۲۴، تکملہ فتح الملہم ج۵ ص ۲۸، بیہقی حیات الانبیاء ص ۳، الحاوی للفتاوٰی ج۲ ص ۱۴۸، خصائص الکبریٰ ج۲ ص ۲۸۱، مسند بزار ص ۲۵۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ: جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر دُرود پڑھا، میں خود اس کو سُنتا ہوں اور جو دُور سے مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔[1]

دلیل نمبر ۱۳:

عن اوس بن اوس رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال انّ من افضل ایّامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم علیہ السلام و فیہ قبض و فیہ النفخۃ و فیہ الصّعقۃ فاکثروا علیّ من الصلٰوۃ فانّ صلٰوتکم معروضۃ علیّ۔ قالوا: یارسول اللہ! کیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمت ای یقولون قد بلیت، قال انّ اللہ عزّ و جلّ قد حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علیہم السلام۔

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اس دن ان کا انتقال ہوا، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا (جمعہ کے دن) مجھ پر کثرت سے دُرود پڑھا کرو بے شک تمہارا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! ہمارا صلاۃ و سلام آپ کے انتقال کے بعد آپ کو کیسے پہنچے گا جبکہ آپ کا جسدِ مبارک خاک میں مِل چُکا ہوگا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے جسموں کو حرام کر دیا۔[2]

---

[1] (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ ص ۸۷، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۲ و ۴۹۸ اتحاف السادۃ المتقین زبیدی ج ۳ ص ۲۸۹، تفسیر درِمنثور ج ۵ ص ۲۱۹، فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۷)

[2] (اخرجہٗ ابو داؤد فی السنن، کتاب الصلٰوۃ، باب فضل الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ ج ۱ ص ۲۷۵، ونسائی فی السنن، کتاب الجمعۃ، باب اکثار الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الجمعۃ ج ۱ ص ۲۰۳، ۲۰۴، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۶۰، کنز العمال ج ۸ ص ۳۶۸، ابن ماجہ ص ۷۶، شرح الصدور ص ۳۱۶، سننِ کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۹، کتاب الروح لابن قیم ص ۶۳، مسند احمد ج ۴ ص ۸)

دلیل نمبر ۱۴:

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه انّ رسول اللہ ﷺ قال مامن احد یسلّم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی اردّ علیه السلام۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری روح لوٹادی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ میں سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔[1]

دلیل نمبر ۱۵:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنه قال قال رسول اللہ ﷺ انّ للہ ملائکة سیّاحین فی الارض یبلّغونی عن امتی السّلام۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے ملائکہ مقرر ہیں جو مجھے میری اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر ۱٦:

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالی عنه قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: وصلّوا علیّ فانّ صلٰوتکم تبلغنی حیث کنتم۔

---

[1] (رواہ ابو داؤد واحمد فی السنن، کتاب المناسک، باب زیادۃ القبور ج ۲ ص ۲۱۸، حدیث نمبر ۲۰۴۱، واحمد بن حنبل فی المسند ج ۲ ص ۵۲۷ حدیث نمبر ۱۰۸۲۷، والبیهقی فی السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۴۵، ترغیب وترهیب ج ۲ ص ۴۹۹، کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۸ حدیث نمبر ۲۲۰۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲)

[2] (نسائی ج ۱ ص ۱۸۹، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱، ابن ابی شیبه ج ۲ ص ۵۱۷، موارد الضمان ص ۵۹۴، مشکوٰۃ ص ۸٦، البدایه والنهایه ج ۱ ص ۱۵۴، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳، خصائص کبرٰی ج ۲ ص ۲۸۰، الاحسان بترتیب ابن حبان ج ۳ ص ۸ حدیث نمبر ۱۰، ۹، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سُنا آپ نے فرمایا کہ: مجھ پر دُرود پڑھو، کیونکہ مجھ تک تمہارا دُرود پہنچتا ہے چاہے تم جہاں بھی ہو۔[1]

دلیل نمبر ۱۷:

عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول: والذی نفس ابی القاسم بیده لینزلنّ عیسٰی ابن مریم۔۔۔۔ ثم لئن قام علٰی قبری فقال یامحمّد: لا جبتهٗ۔ قلت هو الصحیح باختصار۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابو القاسم ﷺ کی جان ہے کہ البتہ نازل ہوں گے حضرت عیسیٰ بن مریم۔۔۔ پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر یہ کہیں گے: یا محمّد! تو میں ان کو جواب دُوں گا۔[2]

دلیل نمبر ۱۸:

عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال قال النبی ﷺ لیلة اسری بی لقیت موسٰی فنعتهٗ فاذا رجل حسبته قال مضطرب رجل الرأس کأنّهٗ من رجال شنوئة قال ولقیت عیسٰی فنعتهٗ النّبیُّ ﷺ فقال ربعة احمر کأنّما خرج من دیماسٍ یعنی الحمّام ورأیت ابراهیم وانا اشبه ولدهٖ به۔

---

[1] (مسنداحمد ج ۲ ص ۳۶۷، ابو داؤد ج ۱ ص ۲۷۹، خصائص کبرٰی ج ۲ ص ۲۸۰، مشکوٰۃ ص ۸۶، فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸)

[2] (رواه ابو یعلٰی ورجاله رجال الصحیح۔ مسند ابو یعلٰی ج ۱۱ ص ۴۶۲ حدیث نمبر ۶۵۸۴، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱، المطالب العالیه ج ۴ ص ۲۳، باب حیاته فی قبره ج ۴، ص ۳۴۹، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۸، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شبِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی۔ (حضرت ابوہریرۃ) نے فرمایا کہ پھر آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان فرمایا اور کہا: پس وہ جوان تھے، میرا خیال ہے آپ ﷺ نے فرمایا: کسی قدر گھنگریالے بالوں والے تھے، ایسے جیسے کہ قبیلہ شنوہ کے مرد ہوتے ہیں، فرمایا اور میں (ﷺ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملا، پھر آپ ﷺ نے ان کا حُلیہ بیان فرمایا اور کہا: وہ چوڑے جسم کے سُرخ رنگ کے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی غسل خانہ سے نکل کر آئے ہیں، اور میں (ﷺ) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہوں۔ [1]

دلیل نمبر ۱۹:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال قال النبی ﷺ رأیت عیسٰی و موسٰی و ابراھیم، فامّا عیسٰی فاحمر جعد عریض الصدر و امّا موسٰی فادم جسیم سبط کأنّہ من رجال الزطّ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (شبِ معراج میں) میں (ﷺ) نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا، پس حضرت عیسیٰ تو سُرخ رنگ، پُر گوشت جسم اور چوڑے سینے والے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور موزوں ساخت والے تھے، وہ ایسے تھے جیسے (سوڑان) کے طویل القامہ زط ہوتے ہیں۔ [2]

---

[1] (صحیح بخاری ج ا ص ۴۸۱، ۴۸۹۔ ج ۲ ص ۸۳۶، ۸۴، ۸۳۸، صحیح مسلم ج ا ص ۹۶، ترمذی ج ۲ ص ۱۴۱، مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۳۲۹، مسنداحمد ج ۲ ص ۲۸۲، نسائی ج ۲ ص ۳۲۹، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۲۲۱)

[2] (صحیح بخاری ج ا ص ۴۸۹)

دلیل نمبر ۲۰:

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ انّ رسول اللہ ﷺ قال مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیف الاحمر وھو قائم یصلّی فی قبرہ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو وہ سُرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔[1]

دلیل نمبر ۲۱:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنہا قالت کنت ادخل بیتی الّذی فیہ رسول اللہ ﷺ وانی واضع ثوبی واقول انّما ھو زوجی وابی فلمّا دفن عمر رضی اللہ تعالی عنہ معھم فواللہ ما دخلتہ الا وانا مشدودۃ علیّ ثیابی حیاء من عمر۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں اپنے اس کمرے میں جس میں حضور اکرم ﷺ مدفون ہیں، بلا حجاب داخل ہو جاتی تھی اور میں سمجھتی تھی کہ ایک تو میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے والد ماجد، پس جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی تدفین ہوئی تو اللہ کی قسم میں اس حجرے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حیا کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی نہ جاتی تھی۔[2]

---

[1] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، مسند احمد ج ۵ ص ۵۹، مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۸،۱۴۸، سنن نسائی ج ا ص ۲۴۲، کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۱۸ تلخیص الجیر ج ۲ ص ۱۲۶ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ا ص ۲۱۶)

[2] (مشکوٰۃ ص ۱۵۴، فتاوی مظھریہ ص ۴۲۰)

دلیل نمبر ۲۲:

عن سعید بن المسیّب قال لم ازل اسمع الاذان و الاقامة فی قبر رسول اللہ ﷺ ایام الحرة حتی عاد النّاس۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں، میں حضور ﷺ کی قبر شریف سے اذان اور اقامت کی آواز سُنتا رہا یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے۔[1]

دلیل نمبر ۲۳:

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ أکثروا الصلٰوۃ علیّ یوم الجمعة فانہ مشھود تشھدہ الملائکة و ان احدا لن یصلی الا عرضت علیّ صلاتہ حتی یفرغ منھا قال: قلت! و بعد الموت؟ قال: و بعد الموت ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبیّ اللہ حی یرزق رواہ ابن ماجة باسناد صحیح۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ دُرود بھیجا کرو، یہ یوم مشہود ہے، اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں، کوئی شخص جب بھی مجھ پر دُرود بھیجتا ہے اس کے فارغ ہونے تک میرے سامنے اس کا دُرود مجھے پیش کر دیا جاتا ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اور موت کے بعد (کیا ہوگا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کیلئے انبیائے کرام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔[2]

---

[1] (خصائصِ کبری ج ۲ ص ۲۸۱، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۸، بحوالہ دلائل النبوۃ زرقانی ج ۵ ص ۳۳۳، ۳۳۲)

[2] (سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ذکر وفاتہ و دفنہ ﷺ ج ۱ ص ۵۲۴ حدیث نمبر ۱۶۳۷، الترغیب و الترھیب ج ۲ ص ۳۲۸ حدیث نمبر ۲۵۸۲، مصباح الزجاجة ج ۲ ص ۵۹ حدیث نمبر ۶۰۲)

دلیل نمبر ۲۴:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من زار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔[1]

دلیل نمبر ۲۵:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لقد رأیتنی فی الحجر، وقریش تسألنی عن مسرای، فسألتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم أُثبتها، فکربت کربۃ ما کربت مثلہٗ قط، قال: فرفعہ اللہ لی أنظر الیہ۔ مایسألونی عن شئ الا أنباتھم بہ۔ وقد رأیتنی فی جماعۃ من الانبیاء، فإذا موسیٰ علیہ السلام قائم یصلّی، فإذا رجلٌ ضربٌ جعد کأنہ من رجال شنوئۃ۔ وإذا عیسی ابن مریم علیہما السلام قائم یصلّی، اقرب النّاس بہ شبہا عروۃ بن مسعود الثقفی۔ وإذا إبراھیم علیہ السلام قائم یصلّی، أشبہ النّاس بہ صاحبکم (یعنی نفسہٗ) فحانت الصلاۃ فأممتھم فلمّا فرغت من الصلاۃ، قال قائل: یا محمّد، ھٰذا مالک صاحب النّار فسلّم علیہ۔ فالتفت إلیہ فبدأنی بالسلام۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا اور قریش مجھ سے واقعۂ سفر معراج کے بارے میں سوالات کر رہے تھے انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزیں پوچھیں جنہیں میں نے محفوظ نہیں رکھا تھا

---

[1] (رواہ الطبرانی، المعجم الکبیر، الدار قطنی عن حاطب فی السنن ج ۲ ص ۲۷۸ حدیث نمبر ۱۹۳، شعب الایمان للبیھقی ج ۳ ص ۴۸۹ حدیث نمبر ۴۱۵۴، مجمع الزوائد للھیثمی ج ۴ ص ۲)

جس کی وجہ سے میں اتنا پریشان ہوا کہ اس سے پہلے اتنا کبھی پریشان نہیں ہوا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اُٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ وہ مجھ سے بیت المقدس کے متعلق جو بھی چیز پوچھتے میں (دیکھ دیکھ کر ان کو بتادیتا اور میں نے خود کو گروہ انبیائے کرام علیہم السلام میں پایا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، اور وہ قبیلہ شنوئہ کے لوگوں کی طرح گھنگریالے بالوں والے تھے اور پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت مشابہ ہیں، اور پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور تمہارا دوست (یعنی خود حضور ﷺ) ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ پھر نماز کا وقت آیا، اور میں نے سب انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت کروائی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھے ایک کہنے والے نے کہا: یہ مالک ہیں جو جہنم کے داروغہ ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے (مجھ سے) پہلے مجھے سلام کیا۔ [1]

دلیل نمبر۲۶:

علامہ امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وفی الفتاوی الرّملیة الانبیآء والشھدآء والعلماء لایبلون والانبیآء والشھدآء یاکلون فی قبورھم ویشربون ویصلّون ویصومون ویحجون۔

ترجمہ: فتاویٰ رملیہ میں ہے کہ انبیاء اور شہداء اور علماء نہیں بوسیدہ ہوتے اور انبیاء اور شہداء اپنی قبروں میں کھاتے پیتے اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں۔ [2]

---

[1] (رواہ مسلم۔ الصحیح المسلم کتاب الإیمان باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال ج ا ص ١٥٦ حدیث نمبر ١٧٢ ،النسائی فی السنن الکبرٰی ج٦ ص ٤٥٥ حدیث نمبر ١١٤٨٠ ، مسند ابو عوانه ج ا ص ١١٦ حدیث نمبر ٣٥٠، المسند المستخرج علی صحیح الإمام المسلم ج ا ص ٢٣٩ حدیث‌نمبر ٤٣٣، فتح الباری العسقلانی ج ٦ ص ٤٨٧)

[2] (زرقانی علی المواهب ج ٥ ص ٣٣٤)

دلیل نمبر ۲۷:

علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں کہ:

إنه ﷺ حیٌّ فی قبرہٖ کسائر الانبیآءِ فی قبورھم وھم احیآء عند ربھم وإنّ لارواحھم تعلقا بالعالم العُلویّ والسفلیّ کما کانوا فی الحال الدّنیویّ فھم بحسب القلب عرشیّون وباعتبار القالب فرشیّون واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلمُ باحوالِ اربابِ الکمال۔

ترجمہ: بے شک وہ نبی ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ سارے انبیائے کرام اپنی قبروں میں اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور بیشک ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی اور عالم سفلی سے اسی طرح قائم رہتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا اور وہ اس معاملہ میں قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے اعتبار سے فرشی ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالٰی اربابِ کمال کے احوال کو زیادہ جانتا ہے۔ [1]

دلیل نمبر ۲۸:

علامہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

إن الأنبیاء لایموتون وإنھم یصلون ویحجون فی قبورھم وإنھم احیآء۔

ترجمہ: بے شک انبیائے کرام نہیں مرتے اور بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے اور حج کرتے ہیں۔ [2]

دلیل نمبر ۲۹:

إنّ اللہ تعالی یُعطی لارواحھم قوّۃ الاجساد فیذھبون من الأرض والسّمآء والجنّۃ حیثُ یشّاءون وینصرون اولیآءھم ویُدمّرون اعدآءھم۔ ان شآء اللہ تعالی۔

---

[1] (شرح شفاءشریف ج ۲ ص ۱۴۲)

[2] (فیوض الحرمین ص ۲۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ انبیائے صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوّت عطا فرماتے ہیں تو وہ زمین آسمان اور جنّت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔[1] ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دلیل نمبر ۳۰:

امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں:

ولا شک ان حیاۃ الأنبیآء علیہم السّلام ثابتۃٌ مّعلومۃٌ مستمرّۃٌ و نبیّنا ﷺ افضلھم بالنصوصِ والاجماعِ (وإذ کان کذٰلک ینبغی) یجبُ أن تکون حیاتہ اکمل و اتمّ من سآئرھم أی الأنبیاء علیہم السلام۔

ترجمہ: بلا شک وشبہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات ثابت شدہ حقیقی ویقینی اور دوامی ہے اور ہمارے نبی ﷺ ان سب سے افضل ہیں نصوص اور اجماع کے ساتھ تو لازم وضروری ہے کہ آپ کی حیات بھی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات سے اکمل واتمّ ہو۔[2]

دلیل نمبر ۳۱:

دیوبند کے تمام بڑے بڑے علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ:

فھو ﷺ حیٌّ فی قبرہ الشریفِ یتصرّفُ فی الکونِ بإذن اللّٰہ تعالٰی کیف شاء۔

ترجمہ: وہ نبی ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور جہان میں جیسے چاہتے ہیں باذن اللہ تصرّف فرماتے ہیں۔[3]

[1](تفسیر مظھری ج ۱ ص ۱۵۲)
[2](زرقانی علی المواھب ج۸ ص ۳۰۹)
[3](المھند ص ۲۸)

دلیل نمبر ۳۲:

استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی الفقیہ الاصولی شیخ الشافعیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال المتکلمون المحقّقون من اصحابنا أن نبیّنا ﷺ حیٌّ بعدو فاتہ و إنّہ یسر بطاعات امّتہ و یحزن بمعاصی العُصاۃ منھم و إنّہ تبلغہ صلاۃ من یصلّی علیہ من أمّتہ۔

ترجمہ: ہمارے تمام متکلمین اور محققین علماء شافعیہ کا فرمان ہے کہ بے شک ہمارے نبی کریم ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور بے شک آپ کی امت میں سے جو آپ پر درود بھیجے اس کا درود آپ کو پہنچتا ہے۔[1]

دلیل نمبر ۳۳:

مولوی انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دیوبند فرماتے ہیں:

و نُقِلَ عن مالک رحمہ اللہ تعالٰی أنّ احترام النبی ﷺ بعد وفاتہ ایضا کما کان فی حیاتہ و فی البیھقیّ عن انس و صحّحہ و وافقہ الحافظ فی المجلّد السادس أن الأنبیآء أحیاء فی قبورھم یصلون معناہ أن أرواح الأنبیاء علیھم السلام لیست بمعطّلۃ عن العباداتِ الطیّبۃ و الأفعال المبارکۃ بل ھم فی قبورھم ایضًا کم کانوا مشغولین حین حیاتھم فی صلاۃٍ و حجّ و کذٰلک حال تابعیھم علی قدر المراتب۔

ترجمہ: امام مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ بیشک نبی ﷺ کا ادب واحترام آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی لازم ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی حیات میں تھا اور امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس کی تصحیح بھی کی اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری کی

---

[1] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۴۸۴)

جلد ششم میں اس کی موافقت کی ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) بے شک تمام انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں معنی اس حدیث کا یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح عبادات اور افعال مبارکہ سے معطل نہیں ہوتیں بلکہ اپنی قبروں میں اسی طرح عبادات کرتی ہیں جس طرح ظاہری حیات میں نماز، روزہ، حج وغیرہ کرتی تھیں اسی طرح ان کے تابعین کا حال ہے۔ علی قدر المراتب۔ [1]

دلیل نمبر ۳۴:

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدلّل اور مبسوط بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فحصل من مجموع هٰذا النقول والأحاديث أن النبی ﷺ حی بجسده وروحه وأنه يتصرف ويسير حيث شاء فی الأرض وفی الملكوت وهو بهيئته الّتی كان عليها قبل وفاته لم يتبدّل منه شئ وإنه فغيّب من الابصار كما غيّب الملآئكة مع كونهم احيآء باجسادهم فإذا اراد الله رفع الحجاب عمّن اراد اكرامه برؤيته رأه علی هيئته الّتی هو عليها لا مانع من ذٰلک ولا داعی إلی التخصيص برؤية المثال۔

ترجمہ: ان تمام نقول اور احادیث کے مجموعہ کا ماحصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے جسم اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور بلا شبہ آپ جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ اور زمین اور عالم ملکوت کے ہر گوشے میں تصرف فرماتے ہیں اور آپ بالکل اپنی اسی ہیئت پر ہیں جس پر قبل ازوفات تھے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور بیشک آپ ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جس طرح فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے غائب کر

---

[1] (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴)

دیئے گئے ہیں جب اللہ تعالیٰ آپ کی رؤیت کے ساتھ کسی کو عزت واکرام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور وہ آپ ﷺ کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے جس پر آپ ﷺ ہیں اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے اور رؤیتِ مثال کی تخصیص کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ [1]

دلیل نمبر ۳۵:

سیّد الطائفہ امام الاولیاء حضرت جنید بغدادی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ:

من كانت حياته بنفسه يكون مماته بذهاب روحه ومن كانت حياته بربّه فإنه ينتقل من حيات الطبع إلى حياة الأصل وهى الحياة الحقيقيّة وإذا كان القتيل بسيف الشريعة حيًّا مرزوقًا فكيف من قُتِل بسيف الصدق والحقيقة۔

ترجمہ: جو اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے وہ روح کے نکل جانے سے مردہ ہو جاتا ہے اور جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہے وہ نہیں مرتا بلکہ وہ حیات طبعی سے حیاتِ اصلی و حقیقی کی طرف انتقال کرتا ہے۔ جب شریعت کی تلوار سے قتل ہونے والا زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے تو جو صدق و حقیقت کی تلوار سے قتل ہوتا ہے وہ کتنی اعلیٰ زندگی کے ساتھ زندہ ہوگا۔ [2]

دلیل نمبر ۳۶:

مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

أن النبی ﷺ حی كما تقرر وإنه يصلی فی قبره بأذان وإقامة۔

---

[1] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۴۸۶)

[2] (تفسیر روح البیان)

ترجمہ: بے شک نبی اکرم ﷺ (اپنی قبر شریف میں) زندہ ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا، اور بے شک آپ ﷺ اپنی قبر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔ [1]

دلیل نمبر ۳۷:

علامہ عینی لکھتے ہیں:

فانهم لا یموتون فی قبورهم بل هم أحیاء۔

ترجمہ: یقینا انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے بلکہ وہاں زندہ ہوتے ہیں۔ [2]

دلیل نمبر ۳۸:

علامہ شامی لکھتے ہیں:

أن الأنبیاء احیاء فی قبورهم کما ورد فی الحدیث۔

ترجمہ: حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ [3]

دلیل نمبر ۳۹:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

أن حیاته ﷺ فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیّا و الأنبیاء أحیاء فی قبورهم۔

---

[1] (فتح الملهم ج۳ ص ۴۱۹)
[2] (باب فضیلة ابی بکر علی سائر الصحابة عمدة القاری شرح بخاری ج۷ ص ۲۰۰)
[3] (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۲)

ترجمہ: آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قبر مبارک کی زندگی ایسی ہے جس پر موت وارد نہیں ہو گی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ [1]

دلیل نمبر ۴۰:

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

أن اللہ جل ثنائہ رد إلی الأنبیاء أرواحھم فھم أحیاء عند ربھم کالشھداء۔۔۔الخ۔

ترجمہ: بے شک اللہ جل شانہ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح ان کی طرف لوٹادی ہیں، سووہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔ [2]

دلیل نمبر ۴۱:

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد وفاتہ و کذا سائر الأنبیاء علیھم السلام أحیاء فی قبورھم حیاۃ اکمل من حیوۃ الشھداء الّتی اخبر اللہ بھا فی کتابہ العزیز الخ۔

ترجمہ: وفات کے بعد آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیائے کرام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اُس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کیا ہے، بڑھ کر ہے۔ [3]

---

[1] (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)
[2] (حیات الانبیاء ص ۱۴، وفاءالوفاء ج ۲ ص ۴۰۶، زرقانی شرح مواھب ج ۵ ص ۳۳۲)
[3] (وفاءالوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

دلیل نمبر ۴۲:

علامہ سمہودی ایک اور مقام پر تحریر کرتے ہیں:

وأما أدلة حياة الأنبياء فمقتضاها حياة الأبد ان كحالة الدنيا مع الاستغناء عن الغذاء الخ۔

ترجمہ: بہر کیف حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہے جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے وہ مستغنی ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۴۳:

امام علی بن عبد الکافی السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وإما حيوة الأنبياء أعلى وأكمل واتمّ من الجميع لأنها للروح والجسد على الدوام على ما كان في الدنيا الخ۔

ترجمہ: بہر حال حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات تو تمام سے اعلیٰ، اکمل اور اتم ہے کیونکہ ان کی حیات جسم اور روح دونوں کو دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔[2]

دلیل نمبر ۴۴:

امام علی بن عبد الکافی السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فإن الصلوٰة ليستدعى جسدًا حيا وكذٰلك الصفات المذكورة في الأنبياء ليلة الاسراء كلها صفات الاجسام ولا يلزم من كونها حياة حقيقية أن يكون الأبدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج إلى الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ في الحجاب الكثيف وغير ذٰلك من صفات الاجسام التي نشاهدها بل قد يكون لها حكم أخر فليس في العقل ما

---

[1] (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۷)

[2] (شفاء السقام ص ۱۵۴)

یمنع من اثبات الحیوٰۃ الحقیقیۃ لھم وأما الادراکات کالعلم والسماع فلا شک أن ذٰلک ثابت وسنذکر ثبوتہ لسائر الموتٰی فکیف بالانبیاء انتھٰی۔

ترجمہ: نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور اسی طرح معراج کی رات حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں جتنی صفات کا ذکر ہے وہ تمام اجسام کی صفات ہیں اور اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کر سکیں اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دنیوی ابدان سے جدا اور الگ ہو عقلاً اس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لیے حقیقی حیات ثابت ہو، رہے ادراکات مثلاً علم اور سماع وغیرہ تو ان کے ثبوت میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں، یہ تو تمام مردوں کیلئے ثابت ہیں پھر بھلا حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے کیوں نہ ثابت ہونگے؟[1]

دلیل نمبر ۴۵:

تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الأنبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فإذا ثبت أن نبینا ﷺ حی فالحی لابد من أن یکون إما عالمًا أو جاھلًا ولا یجوز أن یکون النبی ﷺ جاھلًا الخ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیھم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی حضرت

---

[1](شفاء السقام ص ۱۴۳)

محمد ﷺ زندہ ہیں تو زندہ کیلئے لازم ہے کہ یا تو عالم ہو یا جاہل اور یہ بات تو ہر گز جائز نہیں کہ آنحضرت ﷺ جاہل ہوں (معاذاللہ)(تو لا محالہ آپ ﷺ عالم ہونگے) ۔۔ ۔۔ ۔۔ الخ۔[1]

دلیل نمبر۴۶:

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ:

لأن عندنا رسول اللہ ﷺ حی یحس ویعلم وتعرض علیہ أعمال الأمۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام علی مابیّنا الخ۔

ترجمہ: ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں حِسّ وعلم سے موصوف ہیں اور آپ پر اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں جس طرح کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔[2]

دلیل نمبر۴۷:

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ومن عقائدنا أن الأنبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم فأین الموت إلی أن قال وصنف البیھقی رحمہ اللہ تعالی جزؤا اسمعناہ فی حیوۃ الأنبیاء علیھم السلام فی قبورھم واشتد نکیر الاشاعرۃ علی من نسب ھٰذا القول إلی الشیخ الخ۔

ترجمہ: ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر ان پر موت کہاں؟ (پھر آگے فرمایا) کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں میں حیات پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو خود ہم نے سُنا ہے اور جن

---

[1] (طبقات الشافعیۃ الکبری ج۶ ص ۲۸۱)
[2] (طبقات الشافعیۃ الکبری ج۲ ص ۲۸۲)

لوگوں نے امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف یہ غلط بات منسوب کی ہے اشاعرہ نے سختی سے اس کارد کیا ہے۔[1]

دلیل نمبر ۴۸:

علامہ سمہودی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

انا لا نسلم أنه لا يستغفر بعد الموت لما سبق من حياته و من استغفار أمّته بعد الموت عند عرض أعمالهم عليه الخ۔

ترجمہ: بے شک ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد استغفار نہیں کرتے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور جب امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں تو آپ ﷺ ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر ۴۹:

قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ:

وقد ذهب جماعة من المحققين إلى أن رسول الله ﷺ حي بعد وفاته و أنه يسّر بطاعات أمته الخ۔

محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ ﷺ امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔[3]

---

[1](طبقات ج ٦ ص ٢٦٦)
[2](وفاء الوفاء ج ٢ ص ٤١١)
[3](نيل الاوطار ج ٣ ص ٢٦٤)

دلیل نمبر ۵۰:

شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر بن محمد السہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

وقد ورد فی الخبر عن النبی ﷺ تعرض الأعمال یوم الإثنین والخمیس علی اللہ وتعرض علی الأنبیاء والآباء والأمہات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسناتہم وتزداد بیاضًا واشراقًا فاتّقوا اللہ ولاتوذوا موتاکم وفی خبر اٰخر أن أعمالکم تعرض علی عشائرکم وأقاربکم من الموتیٰ فإن کان حسنًا استبشروا وإن کان غیر ذٰلک قالوا اللہم لاتمتہم حتی تہدیہم کماھدیتنا الخ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے حدیث وارد ہوئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور باپ دادوں اور ماؤں پر پیش کیے جاتے ہیں وہ نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے روشن اور چمکیلے ہو جاتے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اپنے مردوں کو اذیت مت دو اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں اور اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اعمال برے ہوتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو ان کو ہماری طرح ہدایت نہ دے دے۔ [1]

دلیل نمبر ۵۱:

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

لأن الأنبیاء علیہم السلام أحیاء فی قبورہم وقد اقام النکیر علی افتراء ذٰلک ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ تعالی علیہ الخ۔

---

[1] (عوارف المعارف علی ھامش الأحیاء ج۴ ص ۱۵۳)

ترجمہ: اس لیے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس افتراء کی سختی سے تردید کی ہے۔[1]

دلیل نمبر ۵۲:

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

والحاصل أن حياة الأنبياء ثابتة بالإجماع الخ۔

ترجمہ: حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔[2]

دلیل نمبر ۵۳:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

حياة النبی ﷺ فی قبره هو وسائر الأنبياء معلومة عندنا علما قطعيا لما قام عندنا من الأدلة فی ذٰلک وتواترت به الأخبار الدالة علی ذٰلک الخ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔[3]

دلیل نمبر ۵۴:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

أن من جملة ما تواتر عن النبی ﷺ حياة الأنبياء فی قبورهم۔

---

[1](شامی ج۳ص ۲۶۳باب المغنم)

[2](المنحة الوهبية ص ۲ طبع اسبنول)

[3](انباه الاذكيا ص ۲،فتاوی امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ج ۲ ص ۱۴۷)

ترجمہ: یعنی جو چیزیں آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۵۵:

امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

قد صحت الأحادیث أنه ﷺ حی فی قبرہ یصلی بأذان و إقامة۔

ترجمہ: بلا شبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر ۵۶:

مولوی محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

إن کثیرًا من الأعمال قد ثبتت فی القبور کالأذان و الإقامة عند الدارمی و قرأة القرآن عند الترمذی۔

ترجمہ: قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرأۃِ قرآن کا ترمذی کی روایت میں۔[3]

---

[1] (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوسنوی رحمة اللہ تعالی علیہ ص ۴)

[2] (منح المنة ص ۹۲)

[3] (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

دلیل نمبر ۵۷:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد امتّنا اثنتین۔۔۔الاٰیۃ۔ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اراد بالموتتين الموت فى الدنيا والموت فى القبر وهما موتتان المعروفتان المشهورتان فلذٰلک ذکرهما بالتعريف وهما موتتان لکل أحد غير الأنبياء عليهم السلام فإنهم لا يموتون فى قبورهم بل هم أحياء وأما سائر الخلق فهم يموتون فى القبور ثم يحيون يوم القيامة الخ۔

ترجمہ: دو موتوں سے مراد ہے، ایک وہ موت مراد ہے جو دنیا میں آتی ہے اور دوسری وہ ہے جو قبر میں آتی ہے یہی دو مشہور اور معروف موتیں ہیں۔ اس لیے ان کو (الف ولام حرف تعریف سے ذکر کیا ہے) ہاں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اس سے مستثنٰی ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں بخلاف دیگر مخلوق کے کہ (حساب وکتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پا جاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے۔[1]

دلیل نمبر ۵۸:

مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتے ہیں کہ:

نقل عن الإمام مالک رحمه اللّٰه تعالى انه کان يکره أن يقول رجل زرت قبر النبى ﷺ قال ابن رُشد رحمه اللّٰه تعالى من اتباعه أن الکراهة لغلبة الزيارة فى الموتى وهو ﷺ أحياه اللّٰه تعالى بعد موته حياة تامة واستمرت تلک الحيوة وهى مستمرة فى المستقبل وليس هٰذا

---

[1](عمدۃ القاری ج۷ ص ۲۰۰)

خاصة بهﷺ بل يشارکه الأنبياء عليهم السلام فهو حی بالحيوة الکاملة مع الاستغناء عن الغذاء الحسی الدنيوی۔

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یہ کہے کہیں میں نے آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت کی۔ علامہ ابن رُشد مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ بالعموم مردوں کے لیے بولا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد مکمل حیات بخشی ہے اور یہ مستقبل میں دائمی ہے اور یہ آنحضرت ﷺ ہی سے مختص نہیں بلکہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام بھی اس میں آپ کے ساتھ شریک ہیں پس آپ کو حیاتِ کاملہ حاصل ہے لیکن دنیوی اور حسّی خوراک کی حاجت نہیں پڑتی۔[1]

دلیل نمبر ۵۹:

علامہ ابو الوفاء علی بن محمد ابن عقیل الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

قال ابن عقيل رحمة اللہ تعالی عليه من الحنابلة وهو ﷺ حی فی قبره يصلی۔

ترجمہ: علامہ ابن عقیل الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر ۶۰:

امام بدر الدین بعلی الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ:

والأنبياء أحياء فی قبورهم وقد يصلون۔

---

[1] (نور الإيمان بزيارة آثار حبيب الرحمٰن ص ۱۴، ونحوه فی وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۳)

[2] (الروضة البيهة ص ۱۴)

ترجمہ: حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۶۱:

فقیہ وقت امام حسن بن عمار بن علی شرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

ولما هو مقرر عند المحققين أنه ﷺ حي يرزق متمتع بجميع الملاذ و العبادات غير أنه احجب عن أبصار القاصرين عن شريف المقامات۔

ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں، آپ ﷺ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ تمام لذّتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔[2]

دلیل نمبر ۶۲:

امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

نحن نؤمن و نصدق بأنه ﷺ حي يرزق في قبره و أن جسده الشريف لاتأكله الأرض و الإجماع على هٰذا۔

ترجمہ: ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اور آپ ﷺ کو رزق ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھاسکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔[3]

---

[1](مختصر الفتاوی ص ۱۷۰)
[2](نور الایضاح ص ۱۷۷)
[3](القول البدیع ص ۱۲۵)

دلیل نمبر ۶۳:

علامہ محمد عابد سندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

أما هم فحياتهم لا شك فيها و لا خلاف لإحد من العلماء في ذٰلک إلى أن قال فهو ﷺ حى على الدوام۔

ترجمہ: بہر حال حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت ﷺ دوامی طور پر زندہ ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۶۴:

مولوی احمد علی سہارنپوری صاحب لکھتے ہیں کہ:

و الأحسن أن يقال أن حياته ﷺ لا يتعقبها موت بل يستمر حيا و الأنبياء أحياء في قبورهم۔

ترجمہ: بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ ﷺ کو حاصل ہے اور باقی حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[2]

---

[1](رسالہ مدنیہ ص ۴۱)

[2](ہامش بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

دلیل نمبر ۶۵:

مولانا عبد الہادی محمد صدیق نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

إنهم اتفقوا على حيوته ﷺ بل حيوة الأنبياء عليهم الصلوٰة و السلام متفق عليها لا خلاف لأحد فيه الخ۔

ترجمہ: محدثینِ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اکرم ﷺ زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیھا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[1]

دلیل نمبر ۶۶:

مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

ودلت النصوص الصحيحة على حيوة الأنبياء عليهم السلام كما سيأتي إن شآء الله تعالى في موضع يليق به۔ انتهٰی۔

ترجمہ: نصوصِ صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ جیسا کہ مناسب موقع پر اس کا ذکر ہو گا۔ ان شآء اللہ تعالیٰ۔[2]

دلیل نمبر ۶۷:

مولوی خلیل احمد سہارنپوری تحریر کرتے ہیں کہ:

ان نبی الله ﷺ حی فی قبره کما أن الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم الخ۔

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[1]

---

[1](انوارالمحمود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۶۱۰)

[2](فتح الملهم ج ۱ ص ۵۲۵)

دلیل نمبر ۶۸:

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنصِ حدیث قبر میں زندہ ہیں"۔[2]

دلیل نمبر ۶۹:

حضرت امام ربانی شہباز لامکانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرھندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

برزخ صغریٰ چوں ازیک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں مواطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی قبورھم شنیدہ باشد۔

ترجمہ: چھوٹی برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے دنیوی جگہوں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا ہے اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ کے حالات خاصے متفاوت ہیں۔ آپ نے یہ تو سُنا ہی ہو گا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔[3]

دلیل نمبر ۷۰:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقوّيه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء افضل من الشهداء الخ۔

---

[1](بذل المجھود ج ۲ ص ۱۱۷)

[2](التکشف ص ۴۴۲)

[3](مکتوبات شریف دفتر دوم ص ۲۹ طبع لکھنؤ)

ترجمہ: اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہدائِ کرام نصِّ قرآن کی رُو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔(تو بطریقِ اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)۔ [1]

دلیل نمبر ۷۱:

ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

وهم أحياء في قبورهم ويستحب اتيان قبورهم لسلام عليهم۔

ترجمہ: اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی قبروں پر آنا ان پر سلام کہنے کے لیے مستحب ہے۔ [2]

دلیل نمبر ۷۲:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لأنه بعد موته وإن كان حيا فهي حياة أُخروية لاتشبه حيوة الدنيا الخ۔

ترجمہ: کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری قسم کی حیات ہے، وہ دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے۔ [3]

دلیل نمبر ۷۳:

مولوی شمس الحق عظیم آبادی تحریر کرتے ہیں کہ:

ان الأنبياء في قبورهم أحياء۔

---

[1] (فتح الباری ج ٦ ص ٣٧٩)

[2] (قاعدہ فی المعجزات والكرامات ص ٧٩ من مجموعہ رسائل ابن تیمیہ)

[3] (فتح الباری ج ٤ ص ٣٦)

یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۷۴:

مفتی عزیز الرحمن لکھتے ہیں کہ:

انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصًا آنحضرت ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے افضل واعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے فقط۔[2]

دلیل نمبر ۷۵:

قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ:

انه ﷺ حی فی قبره بعد موته کما فی حدیث الأنبیاء أحیاء فی قبورهم و قد صححه البیهقی و الف فی ذٰلک جزئاً اقال الأستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا أن نبینا ﷺ حی بعد وفاته انتهٰی و یؤید ذٰلک ماثبت أن الشهداء أحیاء یرزقون فی قبورهم و النبی ﷺ منهم الخ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس مسئلے میں انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے استاذ ابو منصور البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں محقق متکلمین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں۔ ان کا

---

[1](عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

[2](فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۷۱)

بیان ختم ہوا۔ اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ بھی شہید ہیں۔[1]

دلیل نمبر ۷۶:

مولوی مفتی محمود دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

نبی کریم ﷺ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبورِ مطہرہ میں حیات ہیں۔ حدیثِ معتبر سے ثابت ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور میں اس قسم کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔[2]

دلیل نمبر ۷۷:

شیخ التفسیر علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی تحریر کرتے ہیں کہ:

پس ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام و اولیائے عظام سب کے سب زندہ ہیں انہیں مردہ کہنا یا مردہ تصور کرنا پرلے درجہ کی بے ایمانی اور گمراہی ہے۔[3]

دلیل نمبر ۷۸:

مولوی مفتی محمود دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں سب احیاء ہیں۔[4]

---

[1](نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱، تسکین الصدور ص ۲۶۳)
[2](فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۲۸۰)
[3](فتاویٰ اویسیہ ج ۱ ص ۵۰)
[4](فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۲۸۳)

دلیل نمبر ۷۹:

شیخ التفسیر مفتی محمد فیض احمد اویسی لکھتے ہیں کہ:

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ موت بمعنی استخراجِ روح کے ہی نہیں آتا بلکہ موت حیاتِ ابدی کے حاصل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً قرآنِ مجید میں وارد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو چکے ہیں انہیں مردہ مت خیال کرو اور ان کو مردہ مت کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں روزی کھاتے ہیں، "فرحین ویستبشرون" کے انعامات پر بے حد خوش ہیں پس جبکہ شہداء مجاہدین جن کا درجہ مرتبہ مراتبِ نبوت سے کم اور ادنیٰ ہے اور ان کے لیے زبان سے مردہ کہنا اور دل سے مردہ خیال کرنا منع اور حرام ہے تو انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر آقائے نامدار ﷺ کو مردہ کہنا تو ہر حال میں حرام اور منع ہے۔[1]

دلیل نمبر ۸۰:

حافظ الحدیث مولانا غازی محمد کمال القادری المرشدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

جان لو کہ حیات الانبیاء یعنی انبیاء علیہم السلام موت کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور دوسری عبادات ادا کرتے ہیں اور یہ عقیدہ اہل سنت وجماعت کا ہے۔[2]

---

[1](فتاویٰ اویسیہ ج ۱ ص ۵۰)

[2](مقالات غازی ص ۵۰)

دلیل نمبر ۸۱:

مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف لکھتے ہیں کہ:

انهم أحياء في قبورهم يصلون و قد قال النبی ﷺ من صلّی علیّ عند قبری سمعته و من صلی علیّ نائیا بلّغته۔

ترجمہ: حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دُور سے پڑھتا ہے تو وہ مجھے (بذریعہ ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔[1]

دلیل نمبر ۸۲:

مفتی سیّد عبد الرحیم صاحب دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

شیخ ابو یعقوب سنوی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل کو ظہر کے وقت مر جاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجدِ حرام میں آیا، طواف کیا اور تھوڑی دُور جا کر مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے، کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔[2]

---

[1](التعليقات السلفية علی سنن نسائی ج ۱ ص ۲۳۷)

[2](فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۱، فضائل صدقات حصہ دوم لمولوی زکریا دیوبندی ص ۴۷۸)

دلیل نمبر ۸۳:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ "شرف مختم" میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ:

وہ روایت کرتے ہیں شیخ کمال الدین سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی کے واسطے سے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحاق ابرہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کہ میں ۵۵۵ھ میں سیّد احمد رفاعی کے ساتھ حج کے سفر میں تھا، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریفہ پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا "السلام علیک یا جدّی" (اے نانا جان آپ پر سلام) وہاں سے جواب عطا ہوا "وعلیک السلام یا ولدی" (تجھ پر سلام اے میرے بیٹے) کہ اس کو تمام اہلِ مسجد نے سُنا، حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر وجدِ شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک روتے رہے اور شدتِ شوق میں عرض کیا۔ یا جداہ۔

یعنی اے نانا جان! حالتِ بُعد میں اپنی روح کو حضور میں بھیج دیا کرتا تھا وہ نائب بن کر زمین بوس ہو جاتی تھی، اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایاں دستِ مبارک دیجئے تاکہ میرا لب اس کے بوسے سے مشرف ہو جائے، پس فوراً آپ ﷺ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی اور سید رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا بوسہ لیا۔ [1]

---

[1] (مجمع البحور ص ۱۸۲، بحوالۂ فتاویٰ رحیمیہ ج ا ص ۲۱۲، تنویر الایمان بوسیلۃ اولیاء الرحمن ص ۱۰۱)

دلیل نمبر ۸۴:

تنویر الایمان میں لکھا ہے کہ:

حضور ﷺ نے بھوک کی شکایت سُن کر روٹی عنایت فرمائی۔ حضرت ابنِ جلار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینۃ الرسول ﷺ میں آیا تو مجھ پر ایک دو فاقے گزرے۔ میں نے روضۂ رسول اللہ ﷺ پر حاضر ہو کر عرض کی۔ "انا ضیفک یا رسول اللہ ﷺ" یارسول اللہ ﷺ میں آپ کا مہمان ہوں۔ اس کے بعد میں سو گیا اور میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے میرے ہاتھ میں ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی روٹی میں نے خواب میں کھائی اور بیدار ہوا تو باقی آدھی روٹی میرے ہاتھ میں موجود تھی۔ [1]

دلیل نمبر ۸۵:

تنویر الایمان میں ہے کہ:

"میں نے روضۂ رسول اللہ ﷺ پر حاضر ہو کر فریاد کی اور حضور ﷺ نے مجھے نقد پیسے عنایت فرمائے"۔

احمد بن محمد صوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تین مہینوں تک جنگلوں جنگلوں گھوما یہاں تک کہ میرے بدن کا چمڑہ پھٹ گیا۔ میں مدینہ منورہ میں آیا اور مزار اقدس پر حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ اور دونوں صاحبان ابو بکر صدیق اور عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر سلام بھیجا۔ اس کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ مجھ سے فرماتے ہیں۔ "اے احمد! تو آیا کیا حال ہے تیرا؟ میں نے عرض کیا: "انا جائع فی ضیافتک یا رسول اللہ ﷺ" اے اللہ کے رسول ﷺ

---

[1] (جذب القلوب، تنویر الایمان ص ۹۹)

میں آپ کی ضیافت میں بھوکا ہوں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا! '' اپناہاتھ کھول'' میں نے ہاتھ کھولا۔ آپ نے چند درھم میرے ہاتھ میں رکھ دیے۔ میں بیدار ہوا تو درہم میرے ہاتھ میں تھے۔ میں نے بازار میں جاکر فطیرہ اور فالودہ خرید کر کھایا اور پھر جنگل کو چلا گیا۔[1]

دلیل نمبر۸۶:

حضرت سلطان باہور حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

'' اور جو جاہل کہ بدعت اور گمراہی میں پڑ جاتا ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسی کہ اُسے رسول اللہ ﷺ نے کتنا ہی سمجھایا مگر وہ اپنی جہالت سے باز نہ آیا، اور یاد رہے کہ جو شخص انبیائے کرام علیہم السلام کو مردہ جانے اس پر ایمان سلب ہو جانے کا خوف ہے الخ''۔[2]

دلیل نمبر۸۷:

غیر مقلد مولوی فضل الرحمن ہری پوری لکھتے ہیں کہ:

کُل پیغمبروں کے جسم صحیح وسالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس دُرود بھیجے یا سلام کرے تو آپ خود سُن لیتے ہیں اگر دُور سے دُرود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچادیتے ہیں۔ اہلِ حدیث کا یہی اعتقاد ہے۔[3]

---

[1](ص ۹۹، جذب القلوب)

[2](کتاب عین الفقر از سلطان باھور حمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۱۰۲ بحوالۂ تسکین الصدور ص ۲۹۴)

[3](رسالہ دُرود شریف ص ۱۶)

دلیل نمبر ۸۸:

مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ:

"محققین کی جماعت کا یہی مسلک ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے مرقد میں زندہ ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اُمت کی اطاعت کی خبر پا کر خوش ہوتے ہیں"۔ [1]

دلیل نمبر ۸۹:

عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی لکھتے ہیں کہ:

والّذی نعتقد أن رتبة نبینا ﷺ علی مراتب المخلوقین علی الإطلاق وإنه حی فی قبره حیوة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل إذ هو افضل منهم بلاریب وإنه یسمع من یسلم علیه۔

ترجمہ: جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی سے متصف ہیں، جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ وارفع ہے۔ جس کا ثبوت قرآنِ کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ ﷺ پر سلام کہتا ہے آپ ﷺ سُنتے ہیں۔ [2]

---

[1](اسلام کی چودھویں کتاب ص ۴۵)

[2](بحوالہ اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ طبع کانپور)

دلیل نمبر ۹۰:

نواب قطب الدین دہلوی لکھتے ہیں کہ:

''زندہ ہیں انبیائے کرام علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے''۔[1]

دلیل نمبر ۹۱:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست''۔

ترجمہ: حیاتِ انبیاء متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[2]

دلیل نمبر ۹۲:

علمائے دیوبند کے نزدیک حیات النبی ﷺ:

عندنا وعند مشائخنا حياة حضرة الرسالة ﷺ حی فی قبره الشريف و حيوته ﷺ دنيوية من غير تكليف وهی مختصة به ﷺ وبجميع الأنبياء صلوٰت الله عليهم اجمعين والشهداء لا برزخية كما هی حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطی فی رسالته انباه الاذكياء بحيوة الأنبياء حيث قال قال الشيخ تقی الدين السبكی حيوة الأنبياء والشهداء فی القبر كحياتهم فی الدنيا ويشهد له صلوٰة موسیٰ عليه السلام فی قبره فإن الصلوة تستدعی جسدا حيا إلی آخر ماقال فثبت بهٰذا أن حيوته دنيوية برزخية لكونها فی عالم البرزخ ولشيخنا شمس الإسلام والدين محمد قاسم العلوم علی

---

[1] (مظاہرِ حق ج ۱ ص ۴۴۵)

[2] (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

المستفیدین قدس اللہ سرہ العزیز فی ھٰذا المبحث رسالۃ مستقلۃ دقیقۃ المأخذ بدیعۃ المسلک لم یُر مثلہا قد طبعت و شاعت فی الناس و اسمہا آب حیات أی ماء الحیات الخ۔

ترجمہ: ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے، بلا مکلّف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو، چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالے **"انباء الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء"** میں بتصریح لکھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی اور شہدائِ کرام کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔۔۔ الخ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام "آبِ حیات" ہے۔[1]

[1](المہند علی المفند ص ۱۴، ۱۳، عقائد علماء دیوبند و حسام الحرمین ص ۲۲۱، فتاوی مظاہر العلوم المعروف فتاوی خلیلیہ ج ۱ ص ۴۱۱)

دلیل نمبر ۹۳:

شیخ الحدیث مولوی عبد الحق و دیگر مفتیانِ کرام جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تحریر کرتے ہیں کہ:

حضور انور ﷺ و دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں تمام اہلسنت وجماعت اور جملہ اکابرین دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات موعود کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور انکے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ومامون ہیں اور جسدِ عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے جو حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں۔ لیکن فطری تقاضے کی بناء پر مشغول بالعبادت ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کے قریب جو دُرود وسلام پڑھا جائے اس کو آپ ﷺ بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہ تمام محدثین، متکلمین اہلسنت وجماعت کا متفق علیہا عقیدہ ہے۔ اکابر علماء دیوبند کے مختلف رسائل میں اس کی تصریح موجود ہے۔[1]

دلیل نمبر ۹۴:

قاضی شوکانی تحریر کرتے ہیں کہ:

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشهداء أنهم أحياء يرزقون و أن الحياة فيهم متعلقة بالجسد فکیف بالأنبياء و المرسلين۔[2]

دلیل نمبر ۹۵:

و اسئل من ارسلنا من قبلک الخ۔

---

[1](فتاویٰ حقانیہ ج ۱ ص ۱۵۸)

[2](نیل الاوطار ج۳ ص ۲۱۲، بحوالۂ فتاوی حقانیہ ج ۱ ص ۱۵۸)

اس آیت کریمہ سے حیات الانبیاء پر استدلال کرتے ہوئے علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

"یستدل بہ علی حیاۃ الانبیاء"۔[1]

دلیل نمبر ۹۶:

مفتی صوبۂ سرحد، قاطع النجدیت، شائستہ گل القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

وکرامات الاولیاء لا تنقطع بعد موتھم اما الانبیاء علیھم السلام فلأنھم أحیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کماوردت بہ الأخبار فتکون الاغاثۃ معجزۃ لھم والشھداء ایضا أحیاء فی قبورھم شوھدو انھارا جھارا یقاتلون الکفار۔

ترجمہ: بعد وصال کرامات اولیاء کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی انبیاء علیہم السلام کے معجزات ختم ہوتے ہیں کیونکہ وہ سب اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے پس انبیاء کرام علیہم السلام کی مدد ان کا معجزہ ہے اور اسی طرح شہداء بھی اپنی قبور میں زندہ ہیں دن کو سامنے ظاہر ہو کر کفار کو قتل بھی کرتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر ۹۷:

امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افغانی قندھاری ثم بریلوی فرماتے ہیں کہ:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ — میرے چشمِ عالَم سے چُھپ جانے والے[3]

---

[1] (مشکلات القرآن ص ۲۳۴، دُرمنثور ج ۲ ص ۱۶، روح المعانی ج ۲ ص ۲۵، جمل ج ۴ ص ۸۸، شیخزادہ ج ۳ ص ۲۹۸، خفاجی ج ۴ ص ۴۴۴، بحوالہ آپ کے مسائل اوران کاحل ج ۱ ص ۴۶۵)

[2] (المقاصد السنیہ ص ۱۲۷)

[3] (حدائقِ بخشش)

دلیل نمبر ۹۸:

مفتی عبد العلیم القادری الرضوی لکھتے ہیں کہ:

یاحبیبی أنت حی فی المزار	ہے عقیدہ دل نے پایا ہے قرار
حیاۃ النبی کا ہے عقیدہ	مصطفی ﷺ کا یہ فرمان ہے
نبی اللہ حیّ لا یموت	مجتبیٰ ﷺ کا ہی اعلان ہے [1]

دلیل نمبر ۹۹:

متہ بابا جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"میرے عزیز سُنی مسلمان بھائیو! دونوں احادیث مبارکہ کے الفاظ پر غور کرو (عرضت) (معروضة عليّ) (انّ الله حرّم) (فنبیّ الله حیّ) (یرزق) (بعد الموت) کی تردید (ارمت) کی تردید۔ یہ تمام صیغے وجملے اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور پُرنور ﷺ قبرِ اطہر میں زندہ ہیں۔ [2]

دلیل نمبر ۱۰۰:

صاحبِ زاد المسیر لکھتے ہیں کہ:

انه لما اسری به جمع الانبیاء فصلی بهم، ثم قال له جبریل سل من ارسلنا من قبلک، الآیة، فقال! لا اسأل، قدا کتفیت، رواه عطاء عن ابن عباس وهذا قول سعیدبن جبیر و الزهری و ابن زید، قالوا! جمع له الرسل لیلة اسری به فلقیهم و امر ان یسألهم فما شک و لا سأل۔ [3]

---

[1](المقاصد السنیه ص ۱۲۶)
[2](المقاصد السنیه ص ۱۳۳)
[3](زاد المسیر فی علم التفسیر ج۷ ص ۳۱۹)

ترجمہ: جب آنحضرت ﷺ کو معراج پر پہنچایا گیا تو آپ ﷺ کیلئے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا، آپ ﷺ نے نماز میں ان سب کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں عرض کیا! آپ ان سب پیغمبروں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے الخ۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے سوال کی ضرورت نہیں، میں نے اس پر اکتفاء کیا (جو مجھے بتلایا گیا)۔۔۔۔۔
حضرت سعید بن جبیر، زہری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ معراج کی رات آپ ﷺ کے لئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا، اس موقع پر آپ ﷺ کی ان سے ملاقات ہوئی اور آپ کو حکم ہوا کہ آپ ﷺ ان سے پوچھئے، پس آپ ﷺ کو نہ تو شک تھا اور نہ آپ ﷺ نے پوچھا۔

دلیل نمبر ۱۰۱:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

قال عطاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ لما اسری بہ ﷺ إلی المسجد الاقصٰی بعث اللہ لہ آدم و جمع المرسلین من ولدہ فأذن جبریل ثم اقام فقال! یا محمد! تقدم فصل بھم، فلما فرغ رسول اللہ ﷺ من الصلاۃ فقال لہ جبرئیل علیہ السلام! و اسأل یا محمد من ارسلنا من قبلک من رسلنا، الآیۃ، فقال ﷺ لا اسأل لأنی لست شاکًا فیہ۔

ترجمہ: حضرت عطاء، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا، اور جب آپ ﷺ مسجد اقصیٰ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام جو ان کی اولاد میں سے تھے سب کو جمع کیا، پس جبرئیل علیہ السلام نے اذان اور اقامت کہی اور عرض کیا! اے محمد ﷺ آگے بڑھئے اور ان کو نماز پڑھایئے، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا! اے محمد

ﷺ اور پوچھئے ان سے جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا ہے، پس آپ ﷺ نے فرمایا! میں ان سے کچھ نہیں پوچھتا کہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں۔ [1]

دلیل نمبر ۱۰۲:

تفسیرِ قرطبی میں ہے کہ:

لمّا اسری برسول الله ﷺ من المسجد الحرام إلى المسجد الاقطی۔ وهو مسجد بيت المقدس۔ بعث الله له آدم ومن وُلد من المرسلين، وجبريل مع النبی ﷺ، فاذن جبريل عليه السلام ثم اقام الصلاة، ثم قال! يا محمد ﷺ تقدم فصل بهم، فلمّا فرغ رسول الله ﷺ قال له جبريل عليه السلام! سل يا محمد ﷺ من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن الٰهة يعبدون۔ فقال رسول الله ﷺ، لا اسأل قد اكتفيت۔ قال ابن عباس رضی الله تعالى عنه! وكانوا سبعين نبيّا منهم ابراهيم وموسٰى وعيسٰى عليهم السلام، فلم يسألهم لأنه كان أعلم بالله منهم، فی غير رواية ابن عباس۔ فصلوا خلف رسول الله ﷺ سبعة صفوف، المرسلون ثلاثة صفوف والنبيّون أربعة، وكان يلی ظهر رسول الله ﷺ ابراهيم خليل الله، وعلى يمينه اسماعيل وعلى يساره اسحاق ثم موسٰى، ثم سائر المرسلين، فأمهم ركعتين، فلمّا انفتل قام فقال! "ان ربی أوحٰی إلیّ أن أسألكم هل أرسل أحد منكم يدعو إلى عبادة غير الله؟" فقالوا! يا محمد! انا نشهد انا أرسلنا أجمعين بدعوة واحدة أن لا إلٰه إلا الله وأن مايعبدون من دونه باطل، وانک خاتم النبيين وسيد المرسلين، قد استبان ذٰلک لنا بامامتک ايانا، وأن لا نبیّ بعدک إلى يوم القيامة إلا عيسٰى بن مريم فإنه مأمور أن يتبع أثرک۔

ترجمہ: جب آنحضرت ﷺ کو مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور جو ان کی اولاد میں سے انبیاء تھے سب کو اکٹھا فرمایا، جبرئیل علیہ السلام بھی آپ

---

[1] (تفسیر کبیر ج۲۷ ص ۲۱۶)

ﷺ کے ہمراہ تھے، پس جبرئیل علیہ السلام نے اذان واقامت کہی اور عرض کیا اے محمد ﷺ آگے بڑھیے اور ان کو نماز پڑھائیے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی! آپ سوال کیجیے ان رسولوں سے جو آپ ﷺ سے پہلے بھیجے گئے تھے کہ کیا ہم نے اللہ کے علاوہ کوئی معبود بنائے تھے کہ جن کی پوجا کی جاتی تھی؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے سوال کی ضرورت نہیں کہ میں نے اس پر کفایت کی (جو مجھے بتایا گیا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہاں ستر نبی تھے، جن میں حضرت ابراہیم ، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے، پس آپ ﷺ نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا، اس لیے کہ آپ ﷺ ان سب سے زیادہ اللہ کی جانب سے علم رکھتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے علاوہ دوسری روایت میں ہے کہ، پس آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی سات صفیں تھیں، جن میں سے تین صفیں رسولوں کی اور چار انبیاء کی تھیں، آپ ﷺ کے پیچھے متصل حضرت ابراہیم علیہ السلام، دائیں جانب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، بائیں جانب حضرت اسحاق علیہ السلام، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر تمام انبیائے کرام علیہم السلام تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو دور کعتین نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ! بے شک میرے رب نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں آپ سے سوال کروں کہ کیا تم میں سے کوئی ایک ایسا رسول بھیجا گیا تھا جو لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہو؟ ان سب نے کہا! اے محمد ﷺ! بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم بھیجے گئے ایک (اللہ) کی طرف دعوت کے لیے اور یہ کہ نہیں کوئی معبود سوا اللہ تعالیٰ کے، اور یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہے۔ اور بے شک آپ

ﷺ خاتم النبیین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں، اور یہ بات اس سے واضح ہو گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ہماری امامت فرمائی ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کے علاوہ قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، سوائے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے کہ بے شک وہ اس پر مامور ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی اتباع کریں۔ (تفسیر قرطبی)

دلیل نمبر ۱۰۳:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

و أراد بذٰلک لقائه ﷺ إیاه لیلة الاسراء کما ذکر فی الصحیحین وغیرهما، وروی نحو ذٰلک عن قتاده وجماعة من السلف، وکان المراد من قوله تعالیٰ! فلاتکن فی مریة من لقائه علی هٰذا وعده تعالی نبیه ﷺ بلقائه موسیٰ علیه السلام وتکون الآیة نازلة قبل الاسراء۔

ترجمہ: اس سے مراد یہ ہے کہ معراج کی رات آنحضرت ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی، جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے، اور اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلف کی ایک جماعت سے بھی منقول ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد سو آپ اس کے ملنے میں شک نہ کیجیے، کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ فرمایا، اس اعتبار سے یہ آیت واقعۂ معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے۔[1]

دلیل نمبر ۱۰۴:

تفسیر زاد المسیر میں ہے کہ:

والثانی من لقائه موسیٰ لیلة الاسراء قاله ابو العالیه ومجاهد وقتاده وابن السائب۔

---

[1] (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۳۸)

ترجمہ: دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی۔[1]

دلیل نمبر ۱۰۵:

تفسیر بحرِ محیط میں ہے کہ:

ای من لقائک موسیٰ ای فی لیلۃ الاسراء، ای شاھدتہ حقیقۃ وھو النبی الذی اوتی التوراۃ وقد وصفہ الرسول فقال طوال جعدٍ کأنہ من رجال شنوۃ حین راءہ لیلۃ الاسراء الخ۔

ترجمہ: یعنی آپ ﷺ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کیجئے، یعنی آپ ﷺ نے واقعتًا ان کو دیکھا ہے، اور وہ وہی نبی تھے جن کو تورات دی گئی تھی اور تحقیق آپ ﷺ نے ان کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا وہ لمبے قد کے گھنگریالے بالوں والے تھے جیسے قبیلۂ شنوۃ کے آدمی ہوتے ہیں۔[2]

دلیل نمبر ۱۰۶:

تفسیر جلالین میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

فانعم اللہ تعالی علی النبی ﷺ بالاسراء المشتمل علی اجتماعہ بالانبیاء۔ (ای بارواحھم واجسادھم معًا علی الصحیح کما قال شیخنا)۔

---

[1](زاد المسیر ج۶ ص ۴۳)
[2](تفسیر بحر محیط ج۷ ص ۲۰۵)

ترجمہ: ہمارے شیخ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو معراج کی رات لامکاں پر بلا کر بے پناہ انعامات فرمائے انہی میں سے جمیع انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات بھی شامل ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام بوقتِ ملاقات اپنے اجسام اور ارواح کے ساتھ حاضر تھے۔ [1]

دلیل نمبر ۱۰۷:

صاحبِ تفسیرِ صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ولقد أتینا موسیٰ الکتاب فلاتکن فی مریۃ من لقائہ (وقد التقیا لیلۃ الاسراء) جلالین، السجدہ۔ ای فی الارض عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ وفی السماء السادسۃ۔ کماورد بہ الحدیث۔

ترجمہ: تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی سو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب تورات عطا کی گئی) اس میں شک نہ کر (دونوں حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور موسیٰ علیہ السلام کی) معراج کی رات ملاقات ہوئی۔ حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں معراج کی رات جب میرا گزر کثیب احمر (لال ٹیلہ) کے پاس سے ہوا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا (اور جب حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بیت المقدس پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بمع جمیع انبیائے کرام علیہم السلام کے بیت المقدس میں استقبال کیلئے حاضر ہیں)(اور جب حضور پُرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم چھٹے آسمان پر پہنچے) تو وہاں پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی) جس طرح کہ احادیث میں وارد ہے۔

---

[1] (جلالین وجمل ج ۲ ص ۱۰ ۲ اسرٰی)

دلیل نمبر ۱۰۸:

صاحبِ تفسیرِ خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال! قال رسول اللہ ﷺ لما اسری بی رأیت موسیٰ علیہ السلام یصلی فی قبرہ فی کثیب الاحمر۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا جب مجھے (معراج کیلئے لے جایا گیا) (بیت المقدس جاتے ہوئے) میں نے کثیب احمر (لال ٹیلہ) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ [1]

دلیل نمبر ۱۰۹:

صاحبِ تفسیرِ جمل فرماتے ہیں کہ:

کیفیۃ الانبیاء الآتی ذکرھم فی السمٰوٰت السبع فاجتمع بھم کذٰلک فی جملۃ الانبیاء فی بیت المقدس فسبعۃ ھٰولآء المذکورین إلی السمٰوٰت صعدوا فوجدھم فیھا لحکم ومصالح۔ (تفسیر جمل ج ۲ ص ۶۱۱ ــــــ) قال جبرئیل علیہ السلام ھٰذا ابوک آدم فسلم علیہ فسلمت علیہ فرد السلام وقال مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح۔

ترجمہ: ان انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر (جن کا ذکر میں اپنی تفسیر میں) آگے چل کر کرنے والا ہوں جنکے ساتھ حضور پُر نور ﷺ کی ساتوں آسمانوں پر ملاقاتیں ہوئیں (حالانکہ) یہ انبیائے کرام علیہم السلام بیت المقدس میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ موجود تھے پھر ان انبیائے کرام کا ساتوں آسمانوں پر حضور ﷺ سے پہلے پہنچ جانا اللہ جل جلالہ کی حکمت و مصلحت (سے خالی نہیں) ہے (حضور پُر نور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں پہلے آسمان پر پہنچا) تو جبرئیل علیہ السلام

---

[1] (خازن ج ۵ سجدہ ۱۸۸، معالم ج ۵ ص ۱۸۸، صاوی ج ۲ ص ۲۶۲)

نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں جو آپ کے جدِ امجد (والد) ہیں انہیں سلام فرمائیں سو میں نے سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا نیز یہ بھی کہا۔ خوش آمدید۔ ایسے عظیم المرتبت، غیب جاننے والے، صالح فرزند کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ [1]

دلیل نمبر ۱۱۰:

علامہ مفتی امجد علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

قرآن مجید میں شہداء کو مردہ کہنے سے منع فرمایا "ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات" پھر انبیاء تو انبیاء ہیں (علیہم السلام) حدیث میں ہے! ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔ [2]

دلیل نمبر ۱۱۱:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ:

لم یزل ﷺ ولا یزال متوجھًا إلی الخلق مقبلًا إلیھم بوجھہ۔

ترجمہ: سرکار دوعالم ﷺ ہمیشہ مخلوق کی جانب چہرہ مبارک کہ فرماتے رہیں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ حیاتِ جسمانیہ کے ساتھ زندہ رہنے کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ آپ ﷺ رحمۃ للعلمین ہیں۔ [3]

افلت شموس الاولین وشمسنا ابداعلی افق العُلی لاتغرب

---

[1] (بخاری۔ باب المعراج۔ ۵۹)

[2] (فتاوی امجدیہ ج ۴ ص ۳۱۹)

[3] (فیوض الحرمین ص ۳۰) بحوالۂ (حیات الانبیاء والشھداء والموتٰی)

دلیل نمبر ۱۱۲:

امام بارزی کا فتویٰ

امام بارزی سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ وصال کے بعد زندہ ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ استاذ العلماء ابو منصور البغدادی فقیہ اُصولی شافعیوں کے شیخ نے "مسائل انجاز مبین" میں فرمایا کہ علماء متکلمین محققین اہلِ سنت کا ارشاد ہے کہ ہمارے نبی ﷺ وصال کے بعد زندہ ہیں اور اپنی اُمت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہ سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور یہ کہ حضور ﷺ کے دربار میں تمام سرکاری غلاموں کا دُرود پیش ہوتا ہے۔

"وقال ان الانبیاء لایبلون ولاتاکل الارض منھم شیئا"۔

ترجمہ: اور یہ بھی فرمایا کہ انبیاء بوسیدہ نہیں ہوتے اور ان حضرات کے پاک جسموں کا کوئی حصہ زمین نہیں کھا نہیں سکتی۔[1]

دلیل نمبر ۱۱۳:

مولوی سید حسین احمد مدنی دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

"آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیاتِ دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر"۔[2]

---

[1](انباء الاذکیاءللسیوطی ص ۹) بحوالۂ (حیات الانبیاء والشھداء والموتیٰ)

[2](مکتوباتِ شیخ الاسلام مکتوب نمبر ۴۴، ج ۱ ص ۱۲۰)

دلیل نمبر ۱۱۴:

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

”وہ (وہابی) وفاتِ ظاہری کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسد کے منکر ہیں اور یہ (علماء دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور وشور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارے میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں“۔[1]

دلیل نمبر ۱۱۵:

شیخ الاسلام علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

من انکر الحیوۃ فی القبر وھم المعتزلۃ ومن نحا نحوھم واجاب اھل السنۃ عن ذٰلک۔

ترجمہ: جن لوگوں نے آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں، اہلِ سنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ منکرینِ حیات، اہلِ سنت میں سے نہیں ہیں۔[2]

”قد تمسک بہ من انکر الحیوۃ فی القبر واجیب عن اھل السنۃ۔۔۔ ان حیوتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی القبر لایعقبھا موت بل یستمر حیّا“۔

ترجمہ: منکرینِ حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلِ سنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اب بھی دائمی طور پر زندہ ہیں۔[1]

---

[1] (نقشِ حیات ج ۱ ص ۱۲۰)

[2] (عمدۃالقاری شرح بخاری ج۸ ص ۲۰۱)

دلیل نمبر۱۱۶:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ:

عن علی رضی اللہ تعالی عنہ قال قدم علینا اعرابی بعدما دفنا رسول اللہ ﷺ بثلاثۃ ایام، فرمی بنفسہ علی قبر رسول اللہ ﷺ وحثا علی رأسہ من ترابہ، فقال! قلت یا رسول اللہ ﷺ فسمعنا قولک ووعیت عن اللہ فوعینا عنک وکان فیما انزل اللہ علیک ولو انھم إذ ظلموا انفسھم" الآیۃ۔ وقد ظلمت نفسی وجئتک تستغفر لی، فنودی من القبر انہ قد غفر لک۔

ترجمہ:یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی نے روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہو کر اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے مغفرت طلب کی،روایت ہے کہ مرقد اطہر سے صدا آئی ! "**انہ قد غفر لک**"۔[2]

دلیل نمبر۱۱۷:

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ " التنویر "میں فرماتے ہیں کہ:

ان النبیّ ﷺ حیٌّ بجسدہٖ وروحہ وانہ یتصرّف و یسیر فی اقطار الارض وفی الملکوت وھیئۃ التی کان قبل وفاتہ ولم یبدل منہ شئ وأذن لھم ای الانبیاء فی الخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت العلویّ والسفلیّ وان حیات النبی ﷺ فی قبرہٖ وحیات سائر الانبیاء معلومۃ عندنا علمًا قطعیًا لما قام عندنا من الادلۃ القطّ حجّۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الاخبار منھا قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ومنھا قال رسول اللہ ﷺ حرم اللہ علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء۔

---

[1](فتح الباری ج۷ ص۲۲)

[2](تفسیر قرطبی ج۵ ص۲۶۶،۲۶۵)(تفسیر معارف القرآن ج۲ ص۴۵۹،۴۵۸،تسکین الصدور۳۶۷)

ترجمہ: بے شک نبی کریم ﷺ جسم اور روح کے تعلق کے ساتھ حیات ہیں اور جس طرح کہ حضور ﷺ کو وفات سے پہلے اطراف زمین اور ملکوت میں چلنے پھرنے کی قدرت حاصل تھی، اسی طرح اب بھی زمین میں چلتے پھرتے ہیں اور اطرافِ زمین اور عالم ملکوت میں تصرّف فرماتے ہیں۔ ان امور میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو اجازت دے رکھی ہے کہ قبروں سے نکل کر سیر فرمائیں اور ملکوتِ علوی اور سفلی میں تصرّف فرمائیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں حیات ہیں۔ اسی طرح سارے انبیائے کرام حیات ہیں۔ یہ بات ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے اس لیے کہ اس کے ثبوت میں قطعی دلائل اور حجتیں موجود ہیں اور متواتر حدیثیں وارد ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ اجسادِ انبیاء علیہم السلام کو کھائے۔ [1]

دلیل نمبر ۱۱۸:

شیخ الاسلام مولوی سید احمد شاہ شاگردِ خاص مولانا غور غشتوی بابا فرماتے ہیں کہ۔

انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور چلتے پھرتے ہیں۔

پھر اسکے بعد لکھتے ہیں:

ولا مانع من ان یراہ کثیرون فی وقت واحد کأنّہ کالشمس۔ [2]

---

[1] (التنویر للسیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

[2] (تنویر الایمان فی اتباع مذھب النعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۱۵)

دلیل نمبر ۱۱۹:

فتاویٰ فیضِ نقشبندیہ میں لکھا ہے کہ:

"حیاتِ انبیائے کرام علیہم السلام اجماع سے ثابت ہے اور اجماع کی مخالفت کفر ہے"۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ جو حیاتِ انبیاء کا منکر ہو وہ کافر ہے اور اسلام کے دائرے سے باہر ہے۔

(العطایا السیفیۃ فی فتاویٰ النقشبندیۃ، حصہ چہارم)

---

[1] (فتاویٰ فیض نقشبندیہ ص ٦٥)

مکتوب نمبر ۱۳۶

[یہ مکتوب بھی مُلّا محمد صدیق کی طرف صادر فرمایا:

تَسویف (یعنی نیک کام میں ٹال مٹول) اور مطلوبِ حقیقی کے حصول میں تاخیر سے روکنے کے بیان میں۔

آپ کا مکتوب مرغوب موصول ہوا۔ چونکہ قاصد رمضان المبارک کے آخری عشرہ متبرکہ میں پہنچا۔ اس لئے اس ہفتہ کے گزرنے کے بعد جواب کا پروگرام بنایا۔ خانخاناں کے خط کا جواب اور خواجہ عبد اللہ کے خط کا جواب ارسال کر دیا ہے، اسے ملاحظہ کر لیں۔ اس دفعہ تمہارا فوج میں جانا فقیر کے نزدیک غیر معقول نظر آتا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کیا حکمت ہے؟ حقیقت معاملہ کا علم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو ہی ہے۔ آپ کو یومیہ روزی عطا فرمائی ہوئی ہے۔ اسے غنیمت جانتے ہوئے اپنے کام کی فکر کرنی چاہیئے۔ اسے مزید روزہ حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ طریقہ لاتناہی سلسلے کی شکل اختیار کر جائے گا۔ درویشی میں لمبی اُمیدیں رکھنا کفر ہے۔ اور قرض سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ اور معاملہ غیر معلوم ہے کہ خواجہ صاحب سے شاید اس کی صورت بن سکے۔ اگر اس بارے میں اشتباہ ہو تو خواجہ صاحب کی طرف یہ بات صاف اور صریح طور پر لکھیں۔ اگر وہ بھی جواب میں واضح طور پر لکھیں اور ان کی طرف سے پختہ وعدہ محسوس ہو تو اس نیت کے تحت جا سکتے ہیں۔ لیکن تسویف (نیک کام میں ٹال مٹول) اور تاخیر کا کیا علاج؟ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں جلد کر لیں فرصت کے لمحات نہایت غنیمت ہیں۔]

تشریح

"درویشی میں لمبی اُمیدیں رکھنا کفر ہے" یہ مقولہ قابلِ غور ہے۔ اس کی روشنی میں سالکوں کو اگر اس قدر رزق ملتا رہے جس سے گزرِ اوقات ہو سکتی ہے، تو اس پر قناعت کر لینی چاہیئے کہ قناعت بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ عطاؤں میں سے ایک عطیہ ہے۔ مگر صوفیوں کے حالات تو کچھ اور ہی نظر آتے ہیں وہ دُنیاداروں کی طرح دُنیا کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور حصولِ دُنیا میں حلت وحرمت کا بھی خیال نہیں رکھتے۔

(دارالمعــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز قوت لا یموت اور روزمرہ کی ضروریات زندگی پر اکتفا کرنے کی نصیحت فرمارہے ہیں۔ در حقیقت جب کوئی شخص بقدر ضرورت رزق پر قناعت نہیں کرتا تو اسے مزید مال ودولت کے حصول کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے یوں سیم وزر وثروت کا سلسلۂ طلب لامتناہی ہوتا جاتا ہے جو کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات والتحیات ہے:

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ۔

یعنی ابن آدم کے پاس اگر دو وادی مال ہو تو تیسری چاہے گا اور آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی کے علاوہ کسی چیز سے نہیں بھرتا اور اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔[1]

---

[1](صحيح البخاري، ج٢٠، ص٦٥، المكتبة الفاروقية)

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب کہا:

کاسہ ٔچشمِ حریصاں پُر نشد | تا صدف قانع نشد پُر دُر نشد
بند بگسل باش آزاد، اے پسر | چند باشی بندِ سیم وبندِ زر

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز طولِ امل کی قباحت بیان فرمارہے ہیں، دراصل طولِ امل ان لمبی امیدوں کو کہتے ہیں جو راہِ اطاعت وعبادت میں حائل ومانع اور ہر شر وفتنہ کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ وہ لا علاج روحانی مرض ہے جو عبادات میں تساہل، ترک توبہ، ہوس زر، قساوت قلبی اور غفلتِ آخرت کا مؤجب ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے طولِ امل کی شناعت یوں بیان فرمائی:

إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَتَخَوَّفُ عَلَى أُمَّتِي الْهَوَى وَطُولُ الْأَمَلِ فَأَمَّا الْهَوَى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأما طول الأمل فيُنسي الْآخِرَةَ۔

یعنی مجھے اپنی امامت کے اتباعِ خواہشات اور طولِ امل کا بہت ڈر ہے۔ خواہشات کی پیروی تو انسان کو حق سے روک دیتی ہے اور طولِ امل آخرت کو بھلادیتی ہے۔[1]

طولِ امل سے بے فائدہ غم وہم اور لغو تفکرات لاحق ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے:

قَتلَنِیْ ھَمُّ یَوْمٍ لَمْ اَدْرَکْهُ قِیْلَ وَکَیْفَ ذٰلِکَ یَا اَبَا ذَرٍ قَالَ اِنَّ اَمَلِیْ جَاوَزَ اَجَلِیْ۔

یعنی آنے والے دن کی فکر نے مجھے ہلاک کردیا جسے میں پا نہیں سکتا۔ عرض کیا گیا اے ابوذر وہ کیسے؟ فرمایا میری لمبی امیدیں میری موت سے تجاوز کرچکی ہیں۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۴۳۸، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)

ایک مقام پر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصیحت کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

اَلدُّنیا ثَلَاثُ سَاعَاتٍ سَاعَۃٌ مَضَتْ وَ سَاعَۃٌ اَنْتَ فِیْهَا وَ سَاعَۃٌ اَتُدْرِ کُهَا اَمْ لَا۔

یعنی دنیا تین ساعتیں ہے، ایک ساعت تو گزر گئی اور ایک ساعت وہ ہے جس میں تم اب ہو اور ایک ساعت وہ ہے جو تمہیں نصیب ہو یا نہ ہو۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

در حقیقت انسان ایک ہی سانس کا مالک ہے، ایک دن یا پوری ایک گھڑی کا بھی مالک نہیں، فلہٰذا اس ایک سانس میں طاعت وعبادت کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ بھی فوت ہو جائے اور توبہ کرنے میں بھی جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور موت آنے والے سانس کی فرصت نہ دے۔ آنے والی گھڑی کے لئے رزق کی فکر نہ کرو، شاید اگلی ساعت تک زندگی وفا نہ کرے اور خواہ مخواہ فکرِ معاش میں مبتلا ہو کر یہ وقت بھی ضائع ہو جائے اور کوشش عبث جائے مگر انسان رزق کی تگ ودو میں مشغول رہ کر اپنا وقت عزیز ضائع کر دیتا ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ الْعَظِیْم

نیز آپ فرماتے ہیں کہ امید دو قسم کی ہوتی ہے:

۱۔ عامۃ الناس کی اُمیدیں ۲۔ خواص کی اُمیدیں

عامۃ الناس کی اُمیدیں

عامۃ الناس کی اُمیدیں یہ ہیں کہ متاعِ دُنیا جمع کرنے کے لئے آرزوئے زندگی اور دنیا میں عمر دراز تک زندہ رہنے کے منصوبے بناتے ہیں جو سراسر گناہ ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ (الحجر ۳)

یعنی انہیں چھوڑو کہ کھائیں اور برتیں اور امید انہیں کھیل میں ڈالے تو اب جانا چاہتے ہیں۔

خواص کی اُمیدیں

خاص لوگوں کی اُمیدیں یہ ہیں کہ انسان اعمالِ صالحہ اور خدمات دینیہ کو بیش از پیش بجالانے کی آس واُمید رکھے، اور اسے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مشیت پر موقوف جانے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا (۲۳) إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (الکھف ۲۴)

یعنی اور ہر گز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کردوں گا، مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

علمائے کرام نے طولِ امل کی بجائے نیت محمودہ کا قول کیا ہے جس کی جامع و مناسب تعریف یوں بیان فرمائی ہے:

"کسی نیک کام کو شروع کرنے کا پختہ ارادہ کرنا اور ساتھ یہ اعتقاد بھی رکھنا کہ اس کا اہتمام واختتام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیّت سے ہے"۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۳۵تا ۴۳۶)

---

[1](ماخوذ از منہاج العابدین)

مکتوب نمبر ۱۳۷

[حاجی خضر خان افغان کی طرف صادر فرمایا:

ادائے نماز کی بلندی میں جس کا کمال نہایت النہایۃ کے ساتھ وابستہ ہے، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

آپ کا مکتوب مرغوب موصول ہوا۔ مضمون وضاحت سے ذہن میں آیا۔ عبادت میں لذت اور اس کے ادا کرنے میں رنج وتکلیف کا رفع ہونا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ خاص کر ادائے نماز میں جو غیر منتہی کو میسر نہیں۔ علی الخصوص فرض نماز کے ادا کرنے میں۔ کیونکہ ابتداً میں نفل نماز کے ادا کرنے میں لذت نصیب ہوتی ہے۔ اور نہایت النہایۃ میں پہنچ کر لذت کی یہ نسبت ادائے فرض کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے، اور بندہ ادائے نوافل میں اپنے آپ کو بے کار تصور کرتا ہے، اور اس کے نزدیک ادائے فرض ہی کارِ عظیم قرار پاتا ہے۔

این کارِ دولت است کنوں تاکرا رسد

ترجمہ: یہ دولت اور سعادت کا کام ہے، دیکھیئے اب یہ نعمت کسے نصیب ہوتی ہے۔

یہ بات علم میں ہونی چاہیئے کہ نماز ادا کرتے وقت جو لذت نصیب ہوتی ہے، نفس کے لئے اس میں کوئی حصہ میسر نہیں۔ بلکہ وہ اس لذت کی حالت میں نالہ وفغان کر رہا ہوتا ہے۔ سبحان اللہ کیا بلند مرتبہ ہے۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

ترجمہ: اَربابِ نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں۔

ہم جیسے دیوانوں کے لئے اس طرح کی گفتگو غنیمت ہے۔

بارے بہ ہیچ خاطرِ خود شاد میکنم

ترجمہ: کسی طرح ہی مجھے دل کی خوشی نصیب ہو جائے۔

یہ بات بھی جان لیں کہ دُنیا میں رتبۂ نماز آخرت میں رتبۂ رُؤیت کی طرح ہے۔ دُنیا میں نہایتِ قُرب نماز میں حاصل ہوتا ہے، اور آخرت میں نہایتِ قُرب دیدارِ خداوندی کے وقت ہو گا۔

اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیں باقی عبادات نماز کے وسائل اور ذرائع ہیں، اور نماز مقاصد میں سے ہے۔ وَالسَّلَامُ وَالْاِکْرَامُ]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہاں بڑے نکتے کی بات کہی ہے کہ "نماز مقاصد میں سے ہے" مراد یہ ہے کہ اگر کوئی انسان بقیہ نیک اعمال تو کرتا ہے لیکن نماز کا پابند نہ ہو تو وہ اصل مقصد کو نہیں پہنچ سکے گا یعنی اُسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضاوخوشنودی حاصل نہیں ہو سکے گی کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اصل رضا تو نماز میں پوشیدہ ہے۔ لیکن یہ بات بھی ضروری ہے کہ نماز اُسی درجے کی ہو اور جب نماز اُس درجے پر پہنچ جاتی ہے تو اُس میں لذت وحلاوت پیدا ہو جاتی ہے اور لذت وحلاوت کے لئے چند ایک چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ نماز کے لئے کہا گیا ہے کہ وضو صحیح اور کامل ہو۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

أَنَّهُ قَالَ (بَعْدَ ذِكْرِ فَضْلِ الْوَضُوْءِ وَثَوَابِهِ) فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلَّى فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَمَجَّدَهُ بِالَّذِي هُوَ لَهُ أَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهُ لِلّٰهِ إِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔

ترجمہ: (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے وضو کی فضیلت اور ثواب بیان کرنے کے بعد فرمایا) پھر اگر وہ کھڑا ہوا اور اس نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور خوبیاں اور بڑائی بیان کی جیسی کہ اس کی شان کو لائق ہے اور اپنے دل کو خاص اللہ تعالیٰ کے لئے اس کے غیر سے خالی کیا تو وہ بے شک اپنے گناہوں سے ایسا صاف ہو گیا گویا اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہے۔ [1]

پس وضو کی تکمیل اور اس میں مبالغہ کرنا نہایت ضروری ہے کہ بعض اوقات سُستی کی وجہ سے وضو نامکمل رہتا ہے جس سے نماز کی تکمیل نہیں ہوتی۔

حضرت ابوروح کلاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً، فَقَرَأَ فِيهَا سُورَةَ الرُّومِ، فَلَبَسَ بَعْضُهَا، قَالَ: " إِنَّمَا لَبَّسَ عَلَيْنَا الشَّيْطَانُ، الْقِرَاءَةَ مِنْ أَجْلِ أَقْوَامٍ يَأْتُونَ الصَّلَاةَ بِغَيْرِ وُضُوءٍ، فَإِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَأَحْسِنُوا الْوُضُوءَ۔

ترجمہ: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی جس میں سورۃ روم کی تلاوت فرمائی دورانِ تلاوت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو کچھ اشتباہ ہو گیا تو نماز کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ شیطان نے ہمیں قرأت کے دوران اشتباہ میں ڈال دیا جس کی وجہ وہ لوگ ہیں جو نماز میں بغیر وضو کے آجاتے ہیں (یعنی وضو اچھے طریقے سے نہیں کرتے جس کی وجہ سے اعضاء خشک رہ جاتے ہیں) اس لئے جب تم نماز کے لئے آیا کرو تو خوب اچھی طرح وضو کیا کرو۔ [2]

---

[1] (صحیح مسلم، ج۴، ص ۲۷۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (مسند أحمد، ج ۲۵، ص ۲۰۸، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ)

تیسری حدیث میں حضرت رفاقہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

إِنَّهَا لاَتَتِمُّ صَلاَةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَل۔

ترجمہ: کہ تم لوگوں میں سے کسی شخص کی نماز مکمل نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضو کو اس طرح پورا نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم فرمایا ہے۔[1]

دوم یہ ہے کہ نماز کو سمجھ کر پڑھے کہ کیا پڑھ رہا ہے اور اس کی دلیل بھی اوپر کی حدیث حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں گزر چکی ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (١) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ٢)

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے، جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تعوذوا بالله من خشوع النفاق" قالوا: يارسول الله، وما خشوع النفاق؟ قال: " خشوع البدن ونفاق القلب"۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہم نفاق والے خشوع سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: بدن کا خشوع اور دل کا نفاق (یعنی دل کسی اور طرف مشغول ہو اور بظاہر اعضاء نماز میں ہوں)۔[2]

---

[1] (سنن أبي داؤد، ج ١، ص ٣٢١، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

[2] (شعب الإيمان، ج ٩، ص ٢٢٠، الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

اگر نماز کے دوران دل حاضر نہ ہو گا تو نماز میں کیا خاک لطف محسوس ہو گا تو اس سے ثابت ہوا کہ لذت و سرور والی نماز کے لئے دل کا حاضر ہونا ضروریات میں سے ہے۔

سوم یہ کہ نماز کے اعمال میں سے کسی عمل کو حقیر جان کر ترک نہ کرے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ یَقُولُ خَمْسُ صَلَوَاتٍ کَتَبَھُنَّ اللّٰہُ عَلَی الْعِبَادِ مَنْ جَاءَ بِھِنَّ لَمْ یُضَیِّعْ مِنْھُنَّ شَیْئاً اسْتِخْفَافاً بِحَقِّھِنَّ کَانَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدٌ أَنْ یُدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ وَمَنْ لَمْ یَأْتِ بِھِنَّ فَلَیْسَ لَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ عَھْدٌ إِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَہُ الْجَنَّۃَ۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرماتے سُنا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو انہیں ادا کرتا رہے، اور ان کی کوئی چیز (نماز کے اعمال میں سے کوئی عمل) غیر اہم سمجھ کر ضائع نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائے گا اور جو شخص ایسا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی وعدہ نہیں، اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے جنت میں داخل کرے۔[1]

تو وہ نمازی جو نماز کی سُنتوں اور مستحبات کو محض سُنت یا محض مُستحب جان کر ترک کرتے رہتے ہیں اور ان کی ادائیگی اور محافظت سے نماز کی تکمیل نہیں کرتے وہ بھی نماز کے لطف سے محروم رہتے ہیں۔

چہارم یہ ہے کہ نمازی لقمۂ حرام سے قطعی طور پر پاک ہو۔

---

[1](سنن النسائی، ج ۱، ص ۱۴۸)

جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں وارد ہے:

عَنْ اِبْن عَبَّاس قَالَ: تُلِيَتْ هَذِهِ الْآيَة عِنْد النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ "يَا أَيُّهَا النَّاس كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْض حَلَالًا طَيِّبًا" فَقَامَ سَعْد بْن أَبِي وَقَّاص فَقَالَ يَا رَسُول اللهّ اُدْعُ اللهَّ أَنْ يَجْعَلنِي مُسْتَجَاب الدَّعْوَة فَقَالَ "يَا سَعْد أَطِبْ مَطْعَمك تَكُنْ مُسْتَجَاب الدَّعْوَة وَ اَلَّذِي نَفْس مُحَمَّد بِيَدِهِ إِنَّ الرَّجُل لَيَقْذِف اللُّقْمَة الْحَرَام فِي جَوْفه مَا يُتَقَبَّل مِنْهُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا وَ أَيّمَا عَبْد نَبَتَ لَحْمه مِنْ السُّحْت وَ الرِّبَا فَالنَّار أَوْلَى بِهِ"۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! میرے لئے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اے سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی جان ہے حرام کا لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی نحوست کی وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔ [1]

پنجم یہ ہے کہ نماز کی لذت و حلاوت حاصل کرنے کے لئے نگاہ کا نامحرم کو دیکھنے سے پاک ہونا اَشد ضروری ہے۔

[1](تفسیر إبن کثیر، ج ۲، ص ۱۴۵، دار النشر: مؤسسة قرطبة، مکتبة أولاد الشیخ)

کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ النَّظْرَةَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ مَسْمُومٌ، مَنْ تَرَكَهَا مَخَافَتِي أَبْدَلْتُهُ إِيمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهُ فِي قَلْبِهِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ نظر (بد نگاہی)، شیطان کے زہر آلودہ تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس (بد نگاہی) کو چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کو ایسی تازگی دے گا کہ وہ اس کی حلاوت اپنے دل میں محسوس کرے گا۔[1]

جب نگاہ آلودہ ہو جاتی ہے تو دل کے زنگ آلودہ ہونے کی وجہ سے حضورِ قلب کی دولت کا حاصل ہونا ممکن نہیں رہتا، جو نگاہ کی حفاظت نہیں کرتا اس کا دل اس کے قابو میں نہیں رہتا۔ یہ نگاہ ہی ہے جو انسان کو زنا جیسے قبیح اور کبیرہ گناہ تک پہنچا دیتی ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (٣٠) وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ (النور ٣١)

ترجمہ: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ اُن کے لیے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی خبر ہے، اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔

نماز میں لذت و حلاوت اور سکون و سرور کی دولت حاصل کرنے کے لئے مندرجہ بالا شرائط کی وہی حیثیت ہے جو کسی عمارت کے لئے بنیادوں کی ہوتی ہے اگر ان کو پورا نہ کیا جائے تو نماز، نماز ہی

---

[1] (المعجم الكبير للطبراني، ج ١٠، ص ١٧٣، دار النشر: مكتبة ابن تيمية - القاهرة)

نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر نمازیوں کو نماز میں وہ چاشنی نہیں ملتی جس کی طرف احادیث مبارکہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

الصلاة معراج المؤمن۔

ترجمہ: نماز مؤمن کی معراج ہے۔[1]

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلاَةِ۔

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔[2]

پس وہی نماز معراج کے درجہ کو پہنچے گی جس میں مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ رکھا جائے گا اور وہی نماز آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گی جو ان لوازمات کے نور سے منور ہوگی ورنہ ان ضروریات سے عاری نماز بے حیائی کے کاموں سے منع کرنے کی طاقت ہرگز نہیں رکھے گی۔ تو اب یہ ایک کسوٹی رکھ دی گئی ہے اور ہر ایک کو اپنی نماز اس کسوٹی میں تول لینی چاہیئے، اگر اسے نماز میں لذت کی دولت میسر ہے تو ثابت ہوگا کہ وہ خوش نصیب اپنے قلب و نگاہ اور پیٹ کو حرام سے بچائے ہوئے ہے اور اگر وہ ان چیزوں سے نہیں بچ رہا تو پھر نماز سے گلہ کیوں ہے؟ گلِہ تو اپنے آپ سے ہونا چاہیئے اور اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیئے۔

اب ہم اُس نکتے کی طرف آتے ہیں کہ جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ عبادت کے دوران حاصل ہونے والی تکلیف کا دور ہونا،

---

[1] (تفسیر الفخر الرازي، ج ۱، ص ۱۲۱، دار النشر: دار إحیاء التراث العربی)

[2] (سنن النسائی، ج ۷، ص ۶۱، الناشر: مکتب المطبوعات الإسلامیة –حلب)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عظیم نعمت ہے خاص طور پر جب یہ نعمت حالتِ نماز میں حاصل ہو جائے کیونکہ بندے کو اپنے مالک کا قُرب سب سے زیادہ نماز میں حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ۔

ترجمہ: بندہ اپنے ربّ سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کرنے کی حالت میں ہوتا ہے۔ [1]

حالتِ نماز میں لذت کی یہ دولت عوام کو تو حاصل ہی نہیں اور اگر کسی کو ہے بھی تو لاکھوں میں سے کسی ایک کو لیکن سالکینِ طریقت میں سے جو جو سالک مندرجہ بالا شرائط کو پورا کرتے ہوں اُن میں سے مبتدیوں کو نوافل میں حلاوت محسوس ہوتی ہے اور منتہیوں کو نمازِ فرض میں۔ اور لذت وسکون کی یہ نعمت سالک کی روح کے لئے عطیہ ہے جبکہ نفس اس سے محروم ہے۔

نیز عبادات میں سے نماز کو ''مقصد'' کا درجہ حاصل ہے جبکہ دوسری عبادات اس مقصد تک پہنچنے کے ذرائع ہیں اس بات سے نماز کی اہمیت کا اندازہ کرلیں۔

اکثر لوگ پہلے تو نماز پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھتے ہیں تو پابندی نہیں کرتے۔ جبکہ دوسرے اعمال کو بہت ضروری خیال کرتے ہیں اور جو سب سے زیادہ ضروری ہے (یعنی نماز) اس کی اہمیت کو سمجھتے ہی نہیں۔ مثلاً عمرہ کرنا سُنت ہے جبکہ حج فرض ہے۔ تو حج کی استطاعت ہوتے ہوئے بھی اس کو ادا نہیں کرتے لیکن عمرہ کسی سال بھی قضا نہیں کرتے اور جب عمرہ کی سعادت سے بہرہ مند ہو کر واپس آتے ہیں تو فرض نماز کو بھی ادا نہیں کرتے جس کی اہمیت عمرہ تو کیا حج سے بھی زیادہ ہے۔ اللہ

---

[1] (صحیح مسلم، ج۳، ص ۲۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

سبحانہٗ و تعالیٰ سمجھ کی دولت کے ساتھ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔(آمین یا رب العالمین بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و سلم)
(دار المعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ بندۂ مؤمن کو دورانِ نماز لذت و حلاوت کا حاصل ہونا نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ قصوٰی ہے۔ جو نماز لذت سے یکسر محروم اور ریاکاری سے معمور ہو وہ مؤجب ذلت اور باعث خسارہ ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ (الماعون ۴) سے عیاں ہے۔

دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز
کہ در چشم مردم گذاری دراز

جب سالک شیخ کامل و مکمل کے زیرِ تربیت سنت و شریعت اور اپنے اسباقِ طریقت کو پابندی سے بجالاتا ہے تو ابتدائی اور متوسط مراحل میں اسے نوافل میں لذت اور چاشنی حاصل ہوتی ہے بنابریں وہ نوافل کا زیادہ اہتمام کرتا ہے تاکہ تمام لذت سے لطف اندوز ہو سکے اور جب وہ فنا و بقا کے جملہ مراتب طے کرلیتا ہے اور حقائق الٰہیہ کی سیر کرتا ہوا دوائر محبت سے گزر جاتا ہے۔ اور توحید ذاتی میں مستغرق، ادراک بسیط کی منزلوں میں گم اور وصل عریانی کے منصب سے شادکام ہو جاتا ہے تو وہ منتہی

عارف نوافل کی بجائے فرائض میں لذت وحلاوت محسوس کرتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر اس پر الصلاۃ معراج المؤمن۔[1] اور لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْب کی حقیقت عیاں ہوتی ہے۔

بقول شاعر:

ذوق طاعت بی حضور دل نیابد ہیچ کس
طالب حق را بود دل حاضر دریں درگاہ بس

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ جو لذت دوران نماز حاصل ہوتی ہے اس میں نفس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ وہ عین اس لذت کے وقت نالہ وفغاں میں مبتلا ہوتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ بھی مستحضر رہے کہ بعض گندم نما جو فروش پیر اور ملنگ نظریۂ وحدت الوجود کو نہ سمجھنے کی بنا پر نماز کا انکار کرتے اور اپنے متعلقین کو بھی ادائے نماز سے روکتے ہیں جو سراسر زندقہ وارتداد والحاد ہے، جس کا دینِ اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ حضرت شیخ حسین بن منصور حلاج قدس سرہٗ العزیز جنہیں اَنَا الْحَقّ کے نعرہ کی پاداش میں تختۂ دار پر کھینچ دیا گیا وہ بھی نماز پنجگانہ کے علاوہ روزانہ ہزار نوافل کا اہتمام فرماتے تھے اور جس روز انہیں سولی پر چڑھایا گیا اس دن انہوں نے پانچ سو نوافل ادا فرمائے تھے۔

---

[1] (تفسیر الفخر الرازي، ج ا، ص ۱۲۱، دار النشر: دار إحیاء التراث العربی)

بینہ نمبر۳

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ بعض منکرین نماز آیہ کریمہ: هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ (المعارج۲۳) سے نماز کی بجائے دائمی ذکر مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ یہاں صلوٰۃ کا بیان ہے، ذکر کا تذکرہ نہیں اور دَآئِمُوْنَ سے مراد نماز پنجگانہ کو مداومت واستقامت اور ہمیشگی کے ساتھ اوقاتِ مامورہ پر ادا کرنا ہے ورنہ پانچ نمازوں کی فرضیت اور اوقات مامورہ پر ادا کرنے کی اہمیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ جیسا کہ ارشادات ربانی: وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ (البقرة۴۳) اور إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا (النساء۱۰۳) سے واضح ہے۔

بینہ نمبر۴

یہ بھی واضح رہے کہ بعض نام نہاد صوفیوں نے آیہ کریمہ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (الحجر۹۹) سے یہ مفہوم مراد لیا ہے کہ جب سالک کو عبادت کرتے کرتے مقامِ یقین حاصل ہو جائے تو پھر اسے عبادت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جس طرح کہ وسائل اور وسائط منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں، اور منزل پر پہنچنے کے بعد انہیں ترک کر دیا جاتا ہے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ

جبکہ مفسرین کرام نے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (الحجر۹۹) میں یقین سے مراد موت بیان فرمایا ہے جس واضح مطلب یہ ہے کہ سالکین اور عابدین کو مرتے دم تک عبادت کرتے رہنا چاہیئے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بڑھ کر مقامِ یقین پر کون فائز ہو سکتا ہے؟ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تاحیات حق تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز رہے تو کوئی اور شخص عبادت سے کیسے مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟

نیز پیکرِ تسلیم ورضا، شہزادۂ گلگوں قبا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان کربلا میں تادمِ واپسیں زیرِ خنجر عبادت میں مشغول رہے۔

بینہ نمبر ۵

یہ بھی یاد رہے کہ جو صوفی دورانِ نماز وجد کرتے اور تڑپتے پھڑکتے ہیں یہ ان کے کم ظرف اور ناقص ہونے کی علامت ہے کیونکہ ان کی روح ابھی تک قفسِ عنصری میں مقید ہے اور جن صوفیاء کی ارواح جسمانی قید سے آزاد ہوکر عالمِ بالا اور لا مکان کی سیر کرتی اور مشاہدۂ محبوب میں مستغرق رہتی ہیں وہ سکون و قرار میں رہتے ہیں جو ان کے کامل اور واصل باللہ ہونے کی علامت ہے اور یہی نسبت نقشبندیہ کا امتیاز ہے۔وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نماز کی مقصدیت وعظمت بیان فرمارہے ہیں کہ یہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیات والتسلیمات کے لئے ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے کہ جس کی بدولت منتہی عارفین کو غایتِ قُرب نصیب ہوتا ہے،جیسا کہ آیہ کریمہ:وَاسْجُدْوَاقْتَرِبْ (العلق ۱۹)سے عیاں ہے۔ نیز وہ حالتِ نماز میں مشاہدۂ یار سے مشرف ہوتے ہیں البتہ اس کا کھلے بندوں دیدار آخرت میں ہوگا۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے:

إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ۔

یعنی بے شک تم عنقریب اپنے رب کا دیدار کروگے جیسے تم اس چاند کو دیکھتے ہو اور تمہیں اس کی رؤیت میں کوئی رکاوٹ وپریشانی نہیں ہوگی۔[1]

---

[1](مشکوٰۃالمصابیح،ج۳،ص ۱۵۷۴،الناشر:المكتب الإسلامي -بيروت)

علمائے اعلام نے آخرت میں رؤیت باری تعالیٰ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔رؤیت عامہ　　　　۲۔رؤیتِ خاصہ

رؤیت عامہ

یہ ہے کہ روزِ محشر مسلمین و کفار سب کو حق تعالیٰ کا دیدار ہو گا لیکن اس کی کیفیات مختلف ہوں گی۔

چنانچہ حضرت علامہ شیخ ضیاء الدین خالد کردی قدس سرہ العزیز رقم طراز ہیں:

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ الْحَشْرِ سَوْفَ تَجَلّٰى لِلْكٰفِرِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ الْعُصَاةِ بِصِفَةِ الْجَلَالِ وَالْقَهْرِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ بِصِفَةِ اللُّطْفِ وَالْجَلَالِ۔

یعنی میدانِ محشر میں روزِ قیامت اللہ تعالیٰ تجلی فرمائے گا جو کافروں اور گنہگار مسلمانوں کے لئے جلال اور قہر کی صفت کے ساتھ اور مؤمنوں کے لئے لطف و جلال کی صفت کے ساتھ ہو گی۔[1]

کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

ورنہ در وقتِ حساب و داد گاہ
ہر کسے بینند چہ مؤمن چہ تباہ
مؤمنش بینند باوصاف کمال
کافرش بینند باوصاف جلال

رؤیتِ خاصہ

---

[1] (الاسلام والایمان، ص ۲۰)

اس رؤیت سے محض مؤمن جنت میں لطف اندوز ہوں گے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ (۲۲) إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامۃ۲۳) سے عیاں ہے۔ نیز حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں سلاموں کے ہدیئے اور تحیّۃ کے تحفے پیش کئے جائیں گے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ (الأحزاب۴۴) سے واضح ہے۔ مگر بایں ہمہ کچھ عاشقان خدا کی آرزو ہی فقط لقائے یار اور دیدار محبوب ہوگی۔

بقول شاعر:

ہر کس بہ بہشت آرزوئے دارد
عاشق بجز ایں دیدار ندارد

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۵۵۰تا۵۵۴)

مکتوب نمبر ۱۳۸

[شیخ بہاؤ الدین سرہندی کی طرف صادر فرمایا:

کمینی دُنیا کی مذمت اور دُنیاداروں کی صحبت و مجالست سے پرہیز کرنے کے بیان میں۔

فرزندِ ارشد اس کمینی اور مبغوض دُنیا پر خوش نہ ہو۔ جنابِ قدس خداوندی جل سلطانہٗ کی طرف دائمی توجہ کے سرمایہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اور اس بات کا خیال کرے کہ کیا چیز فروخت کر رہا ہے۔ اور کیا خرید رہا ہے۔ آخرت کو دُنیا کے بدل میں دے دینا اور مخلوق میں اُلجھ کر حق سبحانہٗ سے کٹ جانا بے وقوفی اور بے عقلی ہے۔ دُنیا اور آخرت کا جمع ہونا ضدوں کے جمع ہونے کی مانند ہے۔

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَ الدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا۔

ترجمہ: کیا ہی اچھا ہوتا اگر دین اور دُنیا دونوں جمع ہو جاتے۔

ان دو ضدوں میں جس کو چاہیں اختیار کریں۔ اور جس کے عوض چاہیں اپنے آپ کو فروخت کر دیں۔ آخرت کا عذاب اَبدی اور دائمی ہے، اور دُنیا کا ساز و سامان بالکل تھوڑا ہے۔ خدا تعالیٰ سبحانہٗ دُنیا کو اپنا دُشمن قرار دیتا ہے، اور آخرت اللہ تعالیٰ و تقدس کی پسندیدہ شے ہے۔

عِشْ مَا شِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ
وَ الْزَمْ مَا شِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ

ترجمہ: جتنا بھی عرصہ زندہ رہو آخر تم نے مَرنا ہے، اور جس شے بھی چمٹو آخر تمہیں اُسے چھوڑنا پڑے گا۔

آخرکار زن و فرزند کو چھوڑنا پڑے گا۔ لہٰذا ان کی تدابیر کو حق سبحانہٗ کے حوالے کرنا چاہیئے اور آج اپنے آپ کو مردہ تصور کرنا چاہیئے، اور ان کی مہمات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے۔ نص قطعی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ (التغابن ۱۴)

ترجمہ: اے ایمان والو تمہاری کچھ بیبیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔

بار بار تاکید ہے۔ خوابِ خرگوش میں کب تک پڑے رہو گے؟ آخر آنکھ کھولنی چاہیئے۔ اہلِ دُنیا کی صحبت اور ان سے میل جول زہرِ قاتل ہے۔ اس زہر کا کشتہ دائمی موت موت میں گرفتار ہے، عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔ چہ جائے کہ صراحتًا بار بار تاکید اور مبالغے کے ساتھ کہا جائے۔ بادشاہوں کے درباروں کا لقمہ چَرب و شیریں مرضِ قلبی میں اضافہ کرتا ہے۔ تو ایسی صورت میں نجات اور فلاح کس طرح نصیب ہو سکتی ہے۔ ڈرو، ڈرو، ڈرو۔

من آنچہ شرطِ بلاغست با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

ترجمہ: میں نے شرطِ تبلیغ پوری کر دی ہے، تو میری باتوں سے خواہ نصیحت حاصل کر خواہ ملال۔

شیر سے بھی زیادہ ان کی صحبت سے دور بھاگو، کیونکہ شیر صرف دُنیوی موت کا سبب بنتا ہے، اور اس سے آخرت برباد نہیں ہوتی۔ لیکن حکام و سلاطین سے میل جول ہلاکتِ اَبدی اور خسارۂ دائمی کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی صحبت سے بچو، ان کے لقمہ سے بچو، ان کی دوستی اور محبت سے بچو اور ان کو دیکھنے سے بھی گریز کرو۔ حدیثِ صحیح میں وارد ہو چکا ہے:

مَنْ تَضَعْضَعَ لِغَنِيٍّ ذَهَبَ ثُلُثَا دِينِهِ۔

ترجمہ: جو کسی غنی کی اس کی دولت کی وجہ سے تواضع کرتا ہے اس کو دو حصے دین ضائع ہو جاتا ہے۔[1]

---

[1] (الجامع لشعب الايمان للبيهقى، ج ۱۲، ص ۳۷۳، الناشر: مكتبة الرشد بالرياض، بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي)

آپ کو احساس ہونا چاہیئے کہ یہ سب تواضع اور چاپلوسی ان کی دولت کی وجہ سے ہے۔ اور اس کا نتیجہ دوحصے اپنا دین بربدار کرنے کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ تو تمہارا اِسلام سے کیا تعلق اور تم نجات کیسے پاسکتے ہو؟ یہ سب مبالغہ اور تاکید اس لئے ہے کہ فقیر جانتا ہے کہ ناجنس لوگوں کی صحبت اور ان کے لقمۂ چَرب وشیریں نے اس فرزند کو نصیحت قبول کرنے اور عقلمندی اختیار کرنے سے دور کر دیا ہے۔ اور سرسری کلمہ وکلام سے متاثر ہونے سے اُمید کم ہے۔ تو میں بار بار کہتا ہوں، اور ان کی شکل سے بھی گریز کر۔ اللہ سبحانہٗ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان باتوں سے نجات دے جو ہمارے بلند شان والے رب تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ بحرمۃ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو سید بشر ہیں اور جن کی مدح میں مَا زَاغَ الْبَصَرَ وارد ہوا ہے۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا]

تشریح

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دُنیا کی حقیقت ایک ہی شعر میں بیان فرمادی ہے:

چیست دُنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ترجمہ: دُنیا یہ ہے کہ (انسان اپنے) خُدا اسے (اور اس کے احکامات سے) غافل ہو جائے۔ صرف سونا، چاندی اور اہل وعیال (ہی) دُنیا نہیں ہیں۔

مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات یعنی نمازوروزہ، حج وزکوٰۃ اور معاملات سے غافل ہو جانا اور محرمات ومکروہات میں پڑ جانے والا انسان دُنیادار ہے اور جو مال واسباب اور اہل وعیال کے ہوتے ہوئے بھی احکامِ الٰہی سے غافل نہیں ہو اوہ دنیادار نہیں بلکہ دیندار ہے۔

آج کے دور میں اکثر لوگوں کو دُنیا کے ساتھ اتنی الفت ومحبت ہو جاتی ہے کہ وہ آخرت کو سِرے سے ہی بھول جاتے ہیں اور اسلام کے کسی ایک شعبے کو بھی اپنے اوپر لاگو نہیں کر سکتے۔ اور آیت قرآنی میں جو بیوی بچوں کو فتنہ فرمایا گیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی بچوں کو دُنیاوی عیش وعشرت کی خواہش پوری کرنے اور اس کے دیگر اخراجات نیز بچوں کی خواہشات کی تکمیل میں حلال وحرام کی تمیز بھی نہ کرے اور روپے پیسے اکٹھا کرتے کرتے ہی دُنیا سے رُخصت ہو جائے اور دُنیاوی زندگی میں کی جانے والی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانیوں کے عوض عذاب میں مبتلا ہو جائے اور اس کی جمع پونجی پر بیوی بچے مزے کر رہے ہوں ظاہر ہے ایسی آل واولاد کو فتنہ نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

تو جب دُنیا کی بُرائی اور قباحت معلوم ہوگئی تو اب یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ جو چیز یا جو شخص اس ناپاک دُنیا میں کسی طرح سے ملوث ہو گا وہ بھی قبیح شمار ہو گا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلاَّ ذِكْرَ اللَّهِ وَمَا وَالاَهُ وَعَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا۔

ترجمہ: دُنیا اور اس کی تمام چیزیں ملعون ہیں۔ ہاں البتہ ذکرِ الٰہی اور اس کی معاون چیزیں اور عالِم یا متعلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں۔[1]

---

[1](سنن الترمذی، ج ۹، ص ۱۰۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اور قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر ایسے خوش نصیبوں کا ذکر ہے جن کا مقام ومقر جنت ہے اور ایسے خوش نصیبوں کو قرآن نے ذاکرین وذاکرات کا نام دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ذکرِ الٰہی کے ساتھ نسبت رکھنے والے دُنیا میں رہتے ہوئے بھی دُنیا کی طرح ملعون نہیں ہوئے بلکہ مُفلحون ہوگئے اور جنہوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ذکر کے ساتھ نسبت رکھنے کی بجائے دُنیا جیسی کمینی چیز کے ساتھ نسبت اختیار کی، دُنیا کی طرح وہ بھی ملعون قرار پائے تو جس طرح دُنیا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ناپسندیدہ چیز ہے ایسے ہی اس کے ساتھ نسبت رکھنے والے بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ناپسندیدہ لوگ ٹھہرے۔ اس بات سے ''نسبت'' کی اہمیت سمجھ لینی چاہیئے۔

اب اہلِ دُنیا کی مجلس اختیار کرنے نیز ان کے ساتھ تعلقات ومراسم رکھنے کی بُرائی کے چند پہلوؤں پر غور کریں۔

امراء کے گھروں میں کھانا کھانے کے وقت مسنون افعال کی ادائیگی کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا اس لئے ان کا ہم نشین بھی سُنتوں کی ادائیگی نہیں کرے گا۔

مثلاً حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

الوضوء قبل الطعام ينفي الفقر، وبعده ينفي اللمم۔

ترجمہ: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا غربت کو ختم کرتا ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا رَنج واَلم کو ختم کرتا ہے۔[1]

(واضح رہے کہ یہاں حدیث شریف میں وضوء کے لفظ سے مراد ہاتھ دھونا ہے۔)

---

[1](شرح السنة للبغوی، ج ۱، ص ۳۵۰، الناشر: المكتب الإسلامي -دمشق، بيروت)

ہاتھوں کو دھونا اس لئے ضروری ہے کہ کاروبارِ زندگی میں ہاتھ عموماً آلودہ ہوتے ہیں۔ نیز جراثیم زدہ ہو جاتے ہیں اور انہیں دھوئے بغیر کھانا کھانے سے جراثیم معدہ میں جا کر بیماری کا سبب بنتے ہیں۔ اس لئے کھانا کھانے سے پہلے انہیں صاف کر لینا زیادہ مناسب ہے لیکن اگر ہاتھ پہلے سے بھی صاف ہوں تو دھونے سے سُنت کا ثواب تو ضرور ملے گا اور نہ دھونے سے سُنت کا ثواب رہ جائے گا۔

دوم: دُنیا داروں بالخصوص امراء کے گھروں میں کھانا میزوں پر لگایا جاتا ہے بلکہ آج کل تو ڈائننگ روم اور ڈائننگ ٹیبلوں کا رواج عام ہو گیا ہے، لیکن ان میز کرسیوں کی صورت میں بھی چلیں کم از کم کھانا بیٹھ کر سکون کی حالت میں کھا لیا جاتا ہے، جبکہ اس سے بھی بڑھ کر خلافِ تعلیمات اسلام وہ رواج سامنے آگیا ہے جس میں پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے لوگوں کے پاس بیٹھنے کا وقت بھی باقی نہیں بچا، یہ حیوان صفت انسان کھڑے ہی کھڑے کھاتے پیتے، گھومنے پھرنے کے مزے بھی لوٹتے رہتے ہیں۔ آج کے شادی ہال اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں، اور یہ طریقہ بھی سراسر سُنت کے خلاف ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أتى بطعام وضعه على الأرض۔

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کھانا کھانے کے لئے تشریف لاتے تو (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے کھانا) زمین پر رکھا جاتا تھا۔[1]

---

[1](إحياء علوم الدين، ج ٢، ص ٢١٢)

یہی وجہ ہے کہ کھانا زمین پر بیٹھ کر کھانا سُنت ہے کیونکہ اس میں تواضع اور انکساری پائی جاتی ہے، جبکہ میز کرسیوں پر کھانا کھانا تکبر پیدا کرتا ہے۔

سوم: دولت مندوں کے گھروں میں ہر فرد علیحدہ علیحدہ کھانا کھانے کا عادی ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر مل بیٹھ کر اکٹھا کھائیں گے تو ایک دوسرے سے جراثیم لگیں گے اور اس طرح ایک ہی برتن سے کھانے کی صورت میں بیمار ہو جائیں گے حالانکہ یہ سوچ ہی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، ہر چیز کا نفع ونقصان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تنہا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

خير الطعام ما كثرت عليه الأيدي۔

ترجمہ: بہترین کھانا وہ ہے جس پر ہاتھ زیادہ ہوں۔ [1]

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

فَاجْتَمِعُوا عَلَى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ۔

ترجمہ: مل کر کھانا کھایا کرو اور (کھانے سے قبل) اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو۔ اس سے تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔ [2]

---

[1] (إحياء علوم الدين، ج ٢، ص ٢١٥)

[2] (سنن أبي داؤد، ج ٣، ص ٣٠٦، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

جبکہ اکیلے اکیلے کھانے کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی یہ وعید ہی کافی ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

شر الناس من أكل وحده۔

ترجمہ: لوگوں میں شریر وبدترین شخص وہ ہے جو اکیلا کھانا کھائے۔[1]

الغرض کتنے ہی ایسے قبیح اعمال ہیں جنہیں معاشرے میں شامل کرنے والے غرباء نہیں بلکہ دولت ودُنیا کے پُجاری امراءِ وقت ہیں اور ان کے دیکھے دیکھے عام متوسط اور غریب لوگ بھی ان خلافِ شرع اُمور میں پھنس چکے ہیں اور یہی بات واضح کرنا مقصود ہے کہ جس طرح دُنیا ایک کمینی اور بُری چیز ہے۔ ایسے ہی دُنیاداروں کی صحبت ومجلس بھی دینِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دور لے جانے والی بلا ہے اور عام دیندار لوگوں کے لئے بالعموم اور سالکینِ طریقت کے لئے بالخصوص ضروری ہے کہ اس طرح محافل ومجالس سے اجتناب کریں ورنہ سُنت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نور سے محروم ہونا ایک لازمی ولابدی اَمر ہو گا اور ترکِ سُنت سے ایسی ایسی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی بلکہ پیدا ہو چکی ہیں جن کا تدارک انسان کے پاس نہیں۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز دنیا کی مذمت بیان فرما رہے ہیں۔ چونکہ دنیا حق تعالیٰ کی مبغوضہ اور ناپسندیدہ ہے اس لئے سالکین طریقت کو دنیوی محبتوں سے چھٹکارا حاصل کرکے اخروی اُمور کو اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ دین ودُنیا کا اکٹھا ہونا محال ہے۔

---

[1](حَاشِيةُ الشِّهَابِ عَلَى تفْسيرِ البَيضَاوِي، الْمُسَمَّاة: عِنَايةُ القَاضِى وكِفَايةُ الرَّاضِى عَلَى تفْسيرِ البيضَاوي، ج٦، ص ٤٠٠، دار النشر: دارصادر - بيروت)

بقول شاعر:

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں

ایں خیال است ومحال است وجنوں

اس لئے اپنے جملہ معاملات اور گھریلو تدابیر کو حق تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے اور اپنے آپ کو مردہ تصور کرنا چاہیئے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سبيلٍ وعُدَّ نفسَكَ فِي أهلِ القُبُورِ۔

یعنی دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ اجنبی ہو یا راہ گیر اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سالکین کو امراء کی صحبت ومحبت اور دید وشنید سے اجتناب کرنے، ان کے ساتھ میل ملاپ اور کلام وطعام سے احتراز کرنے کی نصیحت فرمارہے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر اغنیاء وامراء کے ساتھ خوشامد اور تواضع سے پیش آنا پڑتا ہے، جس کے باعث سالکین کا دینی اور روحانی نقصان ہوتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات والتحیات: مَنْ تَضَعْضَعَ لِغَنِيٍّ ذَهَبَ ثُلُثَا دِينِهِ۔[2] سے واضح ہے۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

سر مکن در پیش دنیا دار پست

ور کنی بیشک رود دینت ز دست

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۴۵۱، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

[2] (الجامع لشعب الایمان للبیھقی، ج ۱۲، ص ۳۷۳، الناشر: مکتبۃ الرشد بالریاض، بالتعاون مع الدار السلفیۃ ببومباي)

بہـــرے کہ مـــتائے دنـیـادارا

تاچـــہ خواہی کردن این مردارا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ بحرمۃ سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وغیرہا کہنا جائز ہے اور جہاں فقہائے کرام نے دعا میں بحق فلاں کے الفاظ سے منع فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا اپنا ذاتی حق نہیں البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے مقبول و محبوب بندوں کی عزت افزائی کے لئے ان کے کسی معاملہ کو اپنے ذمہ کرم پر لے لے تو یہ اس کی بندہ نوازی ہے۔ جیسا کہ ارشادات باری تعالیٰ: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (الروم۴۷) اور كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ (یونس ۱۰۳) سے عیاں ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نصر الْمُؤمِنِينَ۔

یعنی میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جو مسلمان اپنے بھائی کی ناموس کو بچاتا ہے اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ اسے نارِ جہنم سے بچائے، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ آیہ کریمہ: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نصر الْمُؤمِنِينَ۔ تلاوت فرمائی۔[1]

امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں بھی مروی ہے:

أسألک بحق محمد إلا غفرت لي۔

---

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۳۸۹، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

یعنی اے مولا! میں تجھ سے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے صدقہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔[1]

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایت ابن المنذر منقول ہے:

اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ کَرَامَتِہٖ عَلَیْکَ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ۔

یعنی اے اللہ! میں تجھ سے تیرے بندۂ خاص حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عزت اور ان کی بزرگی کے طفیل، جو انہیں تیری بارگاہِ قدس میں حاصل ہے، التجاء کرتا ہوں کہ میری خطا کو معاف فرما۔[2]

بینہ

واضح رہے کہ **بحرمۃ**، **بحق**، **بجاہ** اور **بمنزلۃ** جیسے الفاظ سے مراد ایک ہی ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور دعا کرنا جائز ہے جو کتاب و سنت اور علمائے کرام اور مشائخ عظام کے معمولات سے ثابت ہے۔**واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔**

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۷۵۵ تا ۱ ۵۶)

[1](الدر المنثور في التفسير بالماثور، ج ۱، ص ۳۱۲، الناشر: دار ھجر-مصر)
[2](تفسیر عزیزی، ج ۱، ص ۱۸۵)

مکتوب نمبر ۱۳۹

[جعفر بیگ نہانی کی طرف صادر فرمایا:

اس بد بخت جماعت کے بیان میں جو اہل اللہ پر اعتراض کرتی ہے۔ اس جماعت کی ہجو و مذمت جائز بلکہ مستحسن ہے۔

آپ کے التفات نامہ گرامی نے مشرف فرمایا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ آپ فقرا کے حالات کی خبر گیری رکھتے ہیں، اور موجودگی اور عدم موجودگی کو یکساں حیثیت دیتے ہیں۔

مخدوم گرامی! کفارِ قریش نے جب اپنی کمال بد بختی کی بناء پر اہلِ اسلام کی بُرائی اور مذمت میں بہت مبالغہ کیا تو حضرت رسالت مآب علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اسلامی شعرا کو حکم دیا کہ نالائق کفار کی مذمت وبُرائی اشعار میں کریں۔ وہ شاعر حضرت رسالتِ مآب علیہ و علیٰ آلہٖ من الصلوٰۃ افضلہا و من التسلیمات اکملہا کے سامنے منبر پر بیٹھتا اور کفار کی مذمت میں اعلانیہ اشعار کہتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے جتنا وقت یہ کفار کی مذمت میں مصروف رہتا ہے، روح القدس (جبریل علیہ السلام) اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ مخلوق کی طرف سے ایذا اور تکلیف کا پہنچنا عشق کی غنیمتوں میں سے ہے۔ اے اللہ ہمیں ان عُشاق میں داخل کر لے۔ بحرمت سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات۔]

تشریح

جو لوگ دینِ اسلام، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ پر طعن کرتے ہیں اور ان کے افعال پر بے جا تنقید کرتے رہتے ہیں، ان کی مذمت بیان کرتے رہنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ اور اس بات کا ثبوت ہمیں اسوۂ نبوی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں یوں ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے کفار کی مذمت کرنے کے لئے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا تھا اور وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حکم کے بموجب اشعار میں گستاخوں کی برائی بیان کیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ فَيَقُومُ عَلَيْهِ يَهْجُو مَنْ قَالَ فِي رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ مَعَ حَسَّانَ مَا نَافَحَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے وہ اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی گستاخی کرنے والوں کی ہجو (یعنی مذمت) کیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا بے شک جب تک حسان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف سے دِفاع کرتا رہے گا روح القدس (حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ (ان کے مددگار) ہوں گے۔ [1]

اور ایک روایت میں ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ اهْجُ الْمُشْرِكِينَ فَإِنَّ جِبْرِيلَ مَعَكَ۔

---

[1](سنن أبي داؤد، ج۴، ص ۲۶۲، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا کہ مشرکین کی ہجو کرو، حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے ساتھ ہیں۔ [1]

اس سے ثابت ہوا کہ مُقربین خدا کے منکروں کی بے ادبی وگستاخی کو اُجاگر کرنے کے لئے نیز ان سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کو متنبہ کرنے کی نیت سے ان کی برائی بیان کرنا جائز اور درست ہے چاہے یہ منکر کفار ہوں یا اسلام کے ظاہری لبادے میں چھپے ہوئے ہوں۔ ان بے اَدبوں کی محرومی کا سب سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ آج تک ان میں ایک بھی ولی پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی قیامت تک پیدا ہو گا۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی میں فرمایا ہے کہ:

از خدا خواہیم توفیقِ ادب!
بے ادب محروم گشت از فضلِ رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد!
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق
گردد اندر وادئ حسرت غریق
ہر چہ آمد بر تو از ظلمات وغم
آن زیباکی وگستاخیست ہم

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۳، ص ۲۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ہر کہ راروئے بہ بہبود نہ بود

دیدنِ روئے نبی سود نہ بود

ترجمہ: ہم خدا تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب انسان اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ بے ادب انسان صرف اپنے آپ کو ہی بُرائی میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ سارے جہان میں بے ادبی کے فتنے کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔ جو شخص طریقت میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے وہ وادئ حسرت میں ڈوب کر رہ جاتا ہے۔ تم پر جو تاریکیاں اور غم چھائے رہتے ہیں اس کی وجہ تمہاری اپنی بے باکی اور گستاخی ہے۔ جسے اپنی بھلائی کا خود خیال نہ ہو وہ اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چہرۂ انور کو بھی دیکھ لے تو بے سود ہے۔

(دارالمعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اہل اللہ پر زبان طعن دراز کرنے والوں کی ہجو و مذمت کرنے کو مستحسن قرار دے رہے ہیں۔ دراصل اہل اللہ کی شان میں طعن و ملامت اور زبان درازی کرنا شرم و حیا سے یکسر عاری ہونے کی علامت ہے جو ان کی قساوت قلبی اور حرماں نصیبی کا بیّن ثبوت ہے۔

بقول شاعر:

ہر کہ با عارفان بہ کینہ بود

خاتم کفر را نگینہ بود

اس قسم کے لوگوں کو منہ توڑ جواب دینا لسانی جہاد ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: إِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهِ وَلِسَانِه۔[1] سے عیاں ہے۔

جب کفار نگوں سار نے اہل اسلام کی ہجو کی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے شاعر حضرات کو ان کی ہجو و مذمت کرنے کا حکم فرمایا، ملاحظہ ہو:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اهْجُوا قُرَيْشًا فَإِنَّهُ أَشَدُّ عَلَيْهِمْ مِنْ رَشْقِ النَّبْلِ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا قریش کی ہجو کہو کیونکہ یہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ سے بھی سخت ہے۔[2]

ایک مقام پر شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرکین کی ہجو کہنے کا حکم فرمایا، چنانچہ ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ: اهْجُ الْمُشْرِكِينَ فَإِنَّ جِبْرِيلَ مَعَكَ۔ وَكَانَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِحَسَّانَ: أَجِبْ عَنِّي اللَّهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے قریظہ کی جنگ کے روز حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ مشرکین کی ہجو کہو جبکہ تمہارے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۳۵۲، الناشر: المكتب الإسلامي –بيروت)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۳۵۱، الناشر: المكتب الإسلامي –بيروت)

فرماتے رہے کہ میری طرف سے جواب دو (پھر یوں دعا فرمائی) اے اللہ! اس کی روح القدس کے ذریعے مدد فرما۔[1]

ایک مقام پر ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یوں مروی ہے:
كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانَ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ يَقُومُ عَلَيْهِ قَائِمًا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أو ينافح. وَيَقُولُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ أَوْ فَاخَرَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے جس پر وہ اچھی طرح کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف سے فخر کرتے یا مدافعت کرے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے بے شک اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے حسان کی مدد کرتا ہے جب تک یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف سے مدافعت یا فخر کرتے ہیں۔[2]

چنانچہ ایک روز ابو سفیان (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی ہرزہ سرائی اور بدزبانی کے جواب میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں فرمایا:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَاَجَبْتُ عَنْهُ — وَعِنْدَ اللّٰهِ فِيْ ذَاكَ الْجَزَاءُ
وَاِنَّ اَبِيْ وَوَالِدَتِيْ وَعِرْضِيْ — لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ
اَتَشْتِمُهٗ وَلَسْتَ لَهٗ بِكُفْءٍ — فَشَرُّ كُمَا لِخَيْرِ كُمَا الْفِدَاءُ
لِسَانِيْ صَارِمٌ لَّا عَيْبَ فِيْهِ — وَبَحْرِيْ لَا تُكَدِّرُهُ الدِّلَاءُ

---

[1] (مشكوٰة المصابيح، ج٣، ص ١٣٥١، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[2] (مشكوٰة المصابيح، ج٣، ص ١٣٥٤، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)

یعنی اے ابو سفیان! تو نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ہجو کی ہے تو میں نے اس کا جواب دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھے اس کی جزائے خیر ملے گی۔ تمہاری ہرزہ سرائی سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عزت کے دفاع کے لئے میرا باپ، میری والدہ اور میری بیوی بطور ڈھال کام دیں گے۔ کیا تو ان کی جناب میں دشنام طرازی کرتا ہے جس کا تو ہم پایہ نہیں، تم دونوں میں جو برا ہے وہ اچھے پر فدا ہو جائے۔ میری زبان تیغ برّاں ہے جس میں کوئی عیب نہیں اور میرا فصاحت وبلاغت کا سمندر ڈول نکالنے سے گدلا نہیں ہوتا۔

بینہ

واضح رہے کہ جب سالکین طریقت کے قلوب میں کینہ وکدورت، بغض وحسد اور ریاوشرک جیسی روحانی امراض موجود ہوں تو وہ توحید کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتے۔

بقول شاعر:

گل توحید نروید بہ زمینے کہ دراُو
خار شرک وحدو کبر وریاو کین است

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۵۶۵ تا ۵۶۸)

کافروں، منافقین اور بدمذہبوں پر سختی کرنا خلق عظیم میں داخل ہے

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

وَإِنَّکَ لَعَلَی خُلُقٍ عَظِیمٍ (القلم ۴)

ترجمہ: اور بیشک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خلق عظیم والے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرما رہا ہے:

وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (التوبۃ ۷۳)

(اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) کافروں اور منافقوں پر سختی کرو۔

معلوم شد کہ غلظت بایشاں داخل خلق عظیم است۔ (مکتوبات مجددیہ)

یعنی معلوم ہوا کہ کافروں، منافقوں پر سختی کرنا بھی خلق عظیم میں داخل ہے، اور رحمت للعالمین کی رحمت کا ہی حصہ ہے۔ کیونکہ کافروں اور منافقوں پر سختی کرنے سے وہ اپنا نامۂ اعمال مزید گندا کرنے سے بچ جائیں گے۔

اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبۃ۷۳)

ترجمہ: اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔

تو رسول اکرم، رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جمعہ مبارک کے دن مسجدِ نبوی سے منافقوں کا نام لے لے کر باہر نکالا۔ فرمایا اے فلاں تو منافق ہے اٹھ مسجد سے نکل جا، اے فلاں تو بھی منافق ہے اُٹھ مسجد سے نکل جا۔

(۱)

چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم جمعۃ خطیبا فقال قم فلان فإخرج فإنک منافق أخرج یافلان فإنک منافق فأخرجھم بأسمائھم ففضحھم ولم یک عمر بن الخطاب شھد تلک الجمعۃ لحاجۃ کانت لہ فلقیھم وھم یخرجون من المسجد فإختبأ منھم إستحیاء أنہ لم یشھد الجمعۃ وظن أن الناس قد إنصرفوا و إختبأوا ھم منہ وظنوا أنہ قد علم بأمرھم فدخل المسجد فإذا الناس لم ینصرقوا فقال لہ رجل: أبشر یاعمر فقد فضح اللہ تعالی المنافقین الیوم۔

یعنی رسول اکرم رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جمعہ کے دن جب خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا اے فلاں تو منافق ہے، لہٰذا میری مسجد سے نکل جا، اے فلاں تو بھی منافق ہے نکل جا مسجد سے چنانچہ بہت سارے منافقوں کے نام لے لے کر مسجد شریف سے نکالا اور ان کو سب کے سامنے رسوا کیا۔

اتفاق سے اس جمعہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی وجہ سے دیر سے آئے تو دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد سے نکل کر جا رہے تھے ان کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھے کہ شاید جمعہ ہو گیا ہے اور وہ شرم کے مارے چھپ رہے تھے اور منافق لوگ اپنی رسوائی کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چھپ رہے تھے۔

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ابھی جمعہ نہیں ہوا۔ اچانک ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے عمر خوشخبری ہو کہ آج اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو رسوا کر دیا ہے۔[1]

(۲)

سیرت ابن ہشام میں عنوان ہی یوں قائم کیا گیا ہے:

طَرْدُ الْمُنَافِقِينَ مِنْ مَسْجِدِ الرَّسُولِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ۔

یعنی منافقوں کو مسجد نبوی سے دھتکار دینا۔

اور پھر یہ بیان فرمایا:

فَأَمَرَ بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ فَأُخْرِجُوا مِنْ الْمَسْجِدِ إِخْرَاجًا عَنِيفًا۔

---

[1] (روح المعانی، ج ۱۱، ص ۱۱، تفسیر ابن کثیر، ج ۲، س ۳۸۴، تفسیر روح البیان، ج ۳، ص ۴۹۳، تفسیر خازن، ج ۳، ص ۱۱۵، تفسیر مظهری، ج ۴، ص ۲۸۹، تفسیر بغوی علی الخازن، ج ۳، ص ۱۱۵)

یعنی منافقوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا تو ان کو سختی کے ساتھ مسجد سے نکال دیا گیا۔[1]

(۳)

جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے منافقوں کو مسجد شریف سے نکل جانے کا حکم دیا تو سیدنا ابو ایوب اور سیدنا خالد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اُٹھ کھڑے ہوئے اور عمر بن قیس کو ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹتے گھسیٹتے مسجد سے باہر پھینک دیا۔(سیرت ابن ہشام)

(۴)

حضرت ابو ایوب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رافع بن ودیعہ منافق کو پکڑا اس کے گلے میں چادر ڈال کر زور سے بھینچا اور اس کے منہ پر طمانچہ مارا پھر اس کو مسجد سے نکال دیا اور ساتھ ساتھ وہ صحابی فرماتے جاتے: اف لک منافقًا خبیثًا۔ ارے خبیث منافق تجھ پر افسوس ہے۔(سیرت ابن ہشام)

(۵)

زید بن عمرو منافق کی لمبی داڑھی تھی تو سیدنا عمارہ بن حزم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی داڑھی کو پکڑ کر زور سے کھینچا اور کھینچتے کھینچتے مسجد شریف سے باہر نکال کر اس کے سینے پر دونوں ہاتھوں سے تھپڑ مارا وہ گر گیا پھر وہ منافق بولا اے عمارہ تو نے مجھے بہت عذاب دیا ہے۔

---

[1] (سیرت ابن ھشام، ص ۵۲۸)

(۶)

ایک نوجوان منافق قیس بن عمرو اس کو حضرت ابو محمد نجاری بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکڑا اور اس کی گدی پر مارنا شروع کر دیا حتٰی کہ اسے مسجد نبوی شریف سے باہر نکال دیا۔(سیرت ابن ہشام)

(۷)

سیدنا عبد اللہ بن حارث صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ فرمان عالی شان سنا کہ اے منافقو! مسجد سے نکل جاؤ تو آپ نے حارث بن عمرو کو پکڑا اس کے سر پر بالوں کا گھپا تھا اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔ حتٰی کہ اسے مسجد شریف سے باہر پھینک دیا تو وہ منافق کہہ رہا تھا اے عبد اللہ تو نے مجھ پر بہت سختی کی ہے، تو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے منافق! تو اسی لائق ہے۔ اے اللہ کے دشمن! آئندہ مسجد شریف کے قریب نہیں آنا کیونکہ تو پلید ہے۔(سیرت ابن ہشام)

(۸)

سیدنا عمرو بن عوف اور ان کا بھائی زوی بن حارث جو کہ منافق تھا، یہ دونوں مسجد میں بیٹھے تھے تو جب فرمان جاری ہوا کہ اے منافقو! مسجد سے نکل جاؤ تو حضرت عمرو بن عوف نے بھائی سے فرمایا اے منافق! تجھ پر افسوس ہے تجھ پر شیطان کا غلبہ ہے۔

پھر اسے گھسیٹ کر سختی کے ساتھ مسجد شریف سے باہر نکال دیا۔(سیرت ابن ہشام)

یہ تھا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہدایت کے ستاروں کا کردار، مگر آج کل کا پیدا ائشی مفتی مسلمان یہی رٹ لگائے جارہاہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کسی سے نفرت کا حکم نہیں دیا، گویا انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔لگا رہا ہے۔

لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

نیز سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مزید فرمایا:

دوستی والفت با دشمنان خدا منجر بدشمنی خدائے عزوجل ودشمنی پیغمبر او علیہ الصلوٰۃ والسلام مے شود۔

یعنی خدا تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی اور محبت کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ دشمنی کی طرف لے جاتی ہے۔[1]

لہٰذا اے مسلمان بھائیو! غور کرو ولی، غوث، قطب بلکہ خود اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرمائیں بچو، بچو، بچو۔ لیکن آج کا مسلمان کہے نہیں جی کسی سے نفرت نہیں کرنی چاہیئے۔

ببیں تفاوت راہ است از کجا تا بکجا

حسبنا اللہ و نعم الوکیل

(۲)

اور اس کی تائید دوسری حدیث پاک سے ہو رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سیدنا ابو امامہ باہلی کو ارشاد فرمایا:

لا تجالس قدریًا و لا مرجیًا و لا خارجیًا انھم یکفون الدین کما یکفأ الاناء ویغلون کما غلت الیھود والنصاری۔

---

[1] (مکتوبات مجددیہ، ص ۱۶۳)

یعنی اے ابو امامہ! کسی قدری، کسی مرجئ، کسی خارجی (یہ تین گمراہ فرقوں کے نام ہیں) کے پاس مت بیٹھو، کیونکہ یہ لوگ دین کو یوں الٹ دیتے ہیں جیسا کہ برتن الٹ دیا جاتا ہے۔ اور یہ لوگ یہود و نصاریٰ کی طرح دین میں غلول کرتے ہیں۔ [1]

خاص کر خارجی لوگوں نے دین میں ایسا غلو کیا ہے کہ کافروں اور بتوں والی آیات مبارکہ پڑھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نبیوں، ولیوں کو بالکل نکمے، ناکارہ ثابت کیا ہے۔ پڑھ کر دیکھو "تعارف تقویۃ الایمان"۔

(ا) اسی لئے سیدنا عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں کو ساری مخلوق سے بدتر قرار دیتے تھے۔

جیسے کہ بخاری شریف میں ہے:

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ إِنَّهُمْ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوهَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں کو ساری خدائی سے بدتر جانتے تھے اور فرماتے یہ اس لئے ہے کہ یہ خارجی لوگ وہ آیتیں جو کہ کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان آیات مبارکہ کو ایمان والوں (یعنی نبیوں اور ولیوں) پر چسپاں کرتے ہیں۔ [2]

نیز یہ ارشاد گرامی کسی وعظ کی کتاب سے نہیں لیا گیا بلکہ یہ اس کتاب میں ہے جس کا درجہ قرآن پاک کے بعد ہے یعنی صحیح بخاری۔ اللہ تعالیٰ ماننے کی توفیق عطا کرے۔

---

[1] (فتاوی الحرمین، احباب کے نام کھلا خط، ص ۱۶)

[2] (صحیح بخاری، باب قتل الخوارج، ج ۲، ص ۱۰۲۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

نیز اس ارشاد مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جو شخص یہ کہے کہ نبی ولی کچھ نہیں کرسکتے وہ اہل سنت وجماعت میں سے ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا، بلکہ ایسا شخص پکا خارجی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے، تاکہ وہ اپنے بیگانے کو پہچانیں۔

نیز رحمت کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ فرمانا کہ مرجی، قدری، خارجی دین میں یوں غلو کرتے ہیں جیسے کہ یہود ونصاریٰ نے غلو کیا ہے۔ بے شک خارجیوں کا دین میں غلو ایسا ہی ہے جیسے کہ یہودیوں کا غلو ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَتِ الْیَهُودُ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُولَةٌ (المائدۃ۶۴)

یعنی یہودی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سب کچھ ہے لیکن وہ دیتا کسی کو کچھ نہیں۔ یوں ہی خارجی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس علم غیب بھی ہے، اختیار بھی۔ لیکن وہ نہ تو کسی نبی، ولی کو غیب کا علم دیتا ہے اور نہ اختیار دیتا ہے (العیاذ باللہ) صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

(۳)

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کیا حضور آپ کو فلاں آدمی نے سلام بھیجا ہے۔ یہ سُن کر فرمایا مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ اس نے دین میں ایک نیا ہی مذہب ایجاد کیا ہے، اگر واقعی ایسا ہے تو اسے میرا سلام مت کہو۔

(۴)

ایک صاحب جن کا نام ایوب تھا وہ فرماتے ہیں میں طلق بن حبیب (بے ادب) کے پاس بیٹھا تھا تو مجھے حضرت محمد بن سیرین نے دیکھ لیا تو فرمایا:

لم اراک جلست الی طلق بن حبیب لا تجالسه۔ (فتاوی الحرمین)

یعنی اے ایوب تو طلق بن حبیب کے پاس کیوں بیٹھا تھا، آئندہ اس کے پاس مت بیٹھو۔

(۵)

اسامہ بن عبید فرماتے ہیں کہ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں دو بد عقیدہ مولوی حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور ہم احادیث مبارکہ بیان کریں، تو فرمایا اجازت نہیں۔ پھر انہوں نے عرض کیا حضور ہم قرآن پاک کی آیات مبارکہ بیان کریں تو فرمایا نہیں۔ نیز فرمایا تم اٹھ جاؤ یا میں اٹھ جاتا ہوں۔ یہ سن کر وہ دونوں اٹھ کر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد کچھ احباب نے عرض کیا:

یا ابابکر وما کان علیک ان یقرأ علیک آیة من کتاب اللہ قال انی خشیت ان یقرأ علیک آیة من کتاب اللہ قال انی خشیت ان یقرأ علی آیة فیحرفانها فیقر ذلک في قلبي۔ (فتاویٰ حرمین)

یعنی احباب نے عرض کیا حضور اگر وہ مولوی صاحبان قرآن پاک کی کوئی آیت مبارکہ سنا دیتے تو کیا حرج تھا، یہ سن کر فرمایا مجھے ڈر تھا کہ وہ اپنے نظریئے کے مطابق ہیرا پھیری کر کے آیت پاک بیان کرتے تو وہ کہیں میرے دل پر نہ بیٹھ جاتا۔

یہ واقعہ بیان کرکے بعض بزرگوں نے فرمایا مسلمانو! ہوش کرو کہ حضرت محمد بن سیرین ولیوں کے ولی امام المعبرین وہ تو اتنی احتیاط کریں کہ کسی بدعقیدہ سے قرآن پاک کی ایک آیت مبارکہ ایک حدیث پاک سننا گوارہ نہ کریں اور تم کہتے ہو کہ ہر کسی کی سننی چاہیئے اس سے بچو، بچو۔

(۶)

سلام بن مطیع فرماتے ہیں:

ان رجلا من اهل الاهواء قال لايوب يا ابابكر اسالک عن كلمة قال فولى وهو يشير باصبعه ولا نصف كلمة اشار لنا سعيد ينصره اليمنى۔ (فتاویٰ الحرمین)

یعنی ایک بدعقیدہ آدمی نے حضرت ایوب کی خدمت میں عرض کیا اے ابو بکر میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں تو حضرت ایوب پشت پھیر کر چل دیئے، اور چھنگلی سے اشارہ کرکے فرمایا میں آدھی بات بھی نہیں سنتا۔

اللہ تعالیٰ ایسے اکابر کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا کرے جنھوں نے اپنے کردار اور اپنے اقوال مبارکہ سے صلح کلیت کے سامنے بند باندھ دیا ہے۔

(۷)

سیدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد کسی نے عالم رؤیا میں آپ سے ملاقات کی اور عرض کیا حضور کیا حال ہے، تو فرمایا:

عاتبني و أوقفني ثلاث سنة بسبب انی نظرت باللطف یوما الی مبتدع فقال انک لم تعاد عدوی۔

یعنی فرمایا مجھے میرے رب نے عتاب کیا(ڈانٹ دی) اور مجھے تین سال کھڑا رہنے کا حکم دیا اور یہ اس لئے کہ میں نے ایک دن ایک بدعقیدہ کی طرف شفقت سے دیکھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عبد اللہ تو نے میرے دشمن کے ساتھ دشمنی کیوں نہ کی(کیوں شفقت سے دیکھا تھا)۔[1]

یہ واقعہ لکھ کر صاحب روح البیان فرماتے ہیں یہ تو صرف شفقت سے دیکھنے کا وبال ہے تو جو لوگ ان کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے ہیں ان کا کیا حال ہو گا؟(الامان الحفیظ)

اے میرے عزیز بھائیو! بچو، بچو، بچو بعد میں پچھتانے اور کف دست ملنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ان ارید الا الاصلاح ماستطعت

(۸)

سیدنا عبد اللہ بن عمر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

وان مرضوا فلاتعودوھم وان ماتوا فلاتشھدوا اھم۔(رواہ ابو داؤد، فتاویٰ الحرمین)

یعنی اگر (بے ادب) بیمار ہو جائے تو ان کی بیمار پرسی مت کرو، اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں مت شریک ہو۔

آج کل کا جاہل مسلمان فورًا کہہ دیتا ہے کہ ہر کسی کا جنازہ پڑھ لینا چاہیئے تو کیا (معاذ اللہ خاک بدہن گستاخ) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں غلط فرمایا ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ (التوبۃ ۸۴)

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج۷، ص ۴۵۴)

یعنی اگر کوئی بھی منافق مر جائے تو اے حبیب آپ اس کا جنازہ نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

مکتوب نمبر ۱۴۰

[ملّا محمد معصوم کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے۔

اے محبت کے نشانات والے رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے۔ فقرا کے لئے درد و غم کا ہونا لازمی بات ہے۔

بیت:

غرض از عشقِ توام چاشنی درد و غم است
ورنہ زیرِ فلک اسبابِ تنعم چہ کم است

ترجمہ: تیرے ساتھ عشق لگانے سے میری غرض و غایت درد و غم کی چاشنی ہے، ورنہ آسمان کے نیچے ناز و نعمت کے اسباب کیا کم ہیں؟

دوست آوارگی چاہتا ہے۔ تاکہ اس کے غیر سے بالکلیہ قطع تعلق ہو جائے، آرام بے آرامی میں ہے، اور لذت و خوشی سوز میں ہے، قرار بے قراری میں اور راحت زخم خوردہ ہونے میں ہے۔ اس مقام میں فراغت تلاش کرنا اپنے آپ کو محنت میں ڈالنا ہے۔ اپنے آپ کو مکمل طور پر محبوب کے سپرد کرنا چاہیئے، اس کی طرف سے جو کچھ آئے پوری رضا اور خوشی سے قبول کرنا چاہیئے اور اپنے ابرو نہیں پھیرنے چاہئیں۔ زندگی گزارنے کا طریقہ اسی روش میں ہے۔ جہاں تک ہو سکے استقامت اختیار کرو۔ ورنہ سُستی تمہارے پیچھے تعاقب کر رہی ہے۔ تمہاری مشغولیت بہت ہو چکی تھی۔ لیکن قوت سے پیشتر ہی ضعف کا شکار ہو گئی اگر تھوڑا سا بھی تردداات اور شکوک اور بے اطمینانی سے اپنے

وقت کو ضائع نہ کریں تو اس طرح پہلے سے بھی بہتر ہو جائے گا۔ چاہیئے کہ ان بے چینی کے اسباب کو عین جمعیت کے اسباب قرار دیں۔ تب ہی کوئی کام انجام دیا جاسکتا ہے۔ والسلام]

تشریح

سلوک مَردوں کا کام ہے اور مَردوں کے لئے قدم بہ قدم مصائب وآلام در پیش رہتے ہیں۔ عشق کسی کے ساتھ بھی ہو، اس میں بے سکونی اور بے چینی لازمی بات ہے۔ چہ جائیکہ رب العالمین کے ساتھ عشق تو کیا جائے اور لیکن پریشانی نہ دیکھنی پڑے۔ راہِ آخرت کے سب سے بڑی سالک تو خود حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والتسلیمات ہیں اور ان کی زندگیاں مصیبتوں اور رنجشوں سے بھری پڑی نظر آتی ہیں۔ اس لئے سالکینِ طریقت وحقیقت کو بھی دُنیاوی رنجشوں سے آزردہ ہونا مناسب نہیں، بلکہ ان دکھوں پر صبر کرنا اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنکبوت ٦٩)

ترجمہ: اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

اور حدیث قدسی میں ہے:

إذا وجهت إلى عبد من عبيدي مصيبة في بدنه أو ماله أو ولده ثم استقبل ذلك بصبر جميل استحييت منه يوم القيامة أن أنصب له ميزانا أو أنشر له ديوانا۔

ترجمہ: جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندے پر اس کے جسم یا اس کے مال واولاد پر کوئی مصیبت بھیجتا ہوں اور وہ صبر جمیل سے اس مصیبت کا استقبال کرتا ہے تو پھر مجھے شرم آتی ہے کہ میں

قیامت کے دن اس کے لئے ترازو رکھوں یا اس کے اعمال نامے کھولوں (بلکہ میں اسے بلا حساب وکتاب جنت میں داخل کروں گا)۔ [1]

دوسری حدیث قدسی میں ہے کہ:

إذَا مَرِضَ الْعَبْدُ بَعَثَ اللّٰہُ تَعَالٰی إِلَيْهِ مَلَكَيْنِ فَقَالَ انْظُرَا مَاذَا يَقُولُ لِعُوَّادِهِ فَإِنْ هُوَ إِذَا جَاءُوهُ حَمِدَ اللّٰہَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ رَفَعَا ذٰلِکَ إِلَى اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ أَعْلَمُ فَيَقُولُ لِعَبْدِي عَلَيَّ إِنْ تَوَفَّيْتُهُ أَنْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَإِنْ أَنَا شَفَيْتُهُ أَنْ أُبْدِلَ لَهُ لَحْمًا خَيْرًا مِنْ لَحْمِهِ وَدَمًا خَيْرًا مِنْ دَمِهِ وَأَنْ أُكَفِّرَ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ۔

ترجمہ: جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو فرشتے بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ دیکھتے رہو وہ کیا کہتا ہے، ان لوگوں سے جو اس کی بیمار پُرسی کو آتے ہیں، اگر وہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تعریف وستائش کرتا ہے (یعنی کسی قسم کا شکوہ نہیں کرتا) تو وہ دونوں فرشتے اوپر اللہ عزّوجل کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں اور وہ (اللہ تعالیٰ) خوب جانتا ہے مگر پوچھتا ہے اس کے بعد فرماتا ہے اگر میں اپنے بندے کو اپنے پاس بُلالوں گا تو اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جو شفا دوں گا تو میں اس کے گوشت کا پہلے کے گوشت سے بہتر بدلہ دوں گا اور اس کے خون کا پہلے کے خون سے بہتر بدلہ دوں گا اور اس کے گناہوں کو معاف کردوں گا۔ [2]

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من إجلال الله ومعرفة حقه أن لا تشكو وجعک ولا تذكر مصيبتک۔

---

[1](روح المعانی، ج ۱۵، ص ۱۳۴، الناشر: دار الکتب العلمیۃ-بیروت)

[2](موطا امام مالک، ج ۵، ص ۱۳۷۵، الناشر: مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نہیان)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کے حق کی معرفت یہ ہے کہ تم اپنے دَرد کا شکوہ نہ کرو اور نہ ہی اپنی مصیبت کا ذکر کرو۔[1]

ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اس حال میں گیا کہ ان کی چند سانسیں باقی تھیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو پانی پلاؤں؟ کہنے لگے مجھے کھینچ کر دُشمن (کفار) کی طرف پہنچا دو تاکہ میں آخری سانس تک ان سے لڑوں اور پانی میری ڈھال میں رکھ دو اگر شام تک زندہ رہا تو پی لوں گا کیونکہ اس وقت میں روزے سے ہوں۔

ایک عارف اپنی جیب میں کاغذ کا ایک ٹکڑا لئے پھرا کرتے تھے اور بار بار اُسے جیب سے نکال کر اس کا مطالعہ کیا کرتے تھے اس کاغذ کے ٹکڑے پر یہ آیت مبارکہ لکھی ہوئی تھی:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّکَ فَإِنَّکَ بِأَعْيُنِنَا (الطور ۴۸)

ترجمہ: اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

نیز حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اہلیہ راستے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑیں جس سے ان کے پاؤں کا ناخن ٹوٹ گیا اور خون بہنے لگا لیکن اس تکلیف کے باوجود وہ ہنسنے لگیں۔ کسی نے پوچھا کہ "کیا آپ تکلیف محسوس نہیں کرتیں؟" کہنے لگیں کہ اس تکلیف پر ملنے والے ثواب کے خیال نے میری تکلیف زائل کر دی ہے۔

---

[1] (ارشادالساری، ج ۹، ص ۲۷۱، الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية، مصر)

راہِ آخرت کے سالکین کا کیسا صبر تھا کہ وہ مصائب پر شکوہ تو کیا بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اُس نے ہمیں آزمائش کے قابل سمجھا اور اَجر وثواب کا موقع عنایت فرمایا۔ تاریخِ اسلام اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

دوسری طرف یہ بھی دیکھیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دُشمنوں پر اس طرح کی آزمائشیں نہیں آیا کرتیں بلکہ ان کی دُنیاوی زندگیاں بڑی راحت وآرام سے گزرتی ہیں کیونکہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ فرعون جو کہ اَزلی کافر تھا ۴۰۰ سال کی عمر میں ایک دفعہ بھی اس کے سَر میں درد تک نہیں ہوا۔ کسی کو خواب میں اس کی وجہ بتلائی گئی کہ اگر فرعون کو کوئی جسمانی تکلیف دی جاتی تو ممکن ہے کہ اس تکلیف کی وجہ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف راغب ہو جاتا اور یہ بات مشیتِ ایزدی میں نہیں تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

شكا نبي من الأنبياء عليهم السلام إلى ربه فقال يا رب العبد المؤمن يطيعک ويجتنب معاصيک تزوي عنه الدنيا وتعرض له البلاء ويكون الكافر لا يطيعک ويجترىء عليک وعلى معاصيک تزوي عنه البلاء وتبسط له الدنيا فأوحى الله تعالى إليه إن العباد والبلاء لي وكل يسبح بحمدي فيكون المؤمن عليه من الذنوب فأزوي عنه الدنيا وأعرض له البلاء فيكون كفارة لذنوبه حتى يلقاني فأجزيه بحسناته ويكون الكافر له الحسنات فأبسط له في الرزق وأزوي عنه البلاء فأجزيه بحسناته في الدنيا حتى يلقاني فأجزيه بسيئاته۔

ترجمہ: ایک نبی علیہ السلام نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ! تیرا مؤمن بندہ تیری اطاعت کرتا ہے، نافرمانی سے بچتا ہے مگر تو دُنیا کو اس سے ہٹا کر رکھتا ہے اور آفات میں مبتلا کر دیتا ہے اور کافر تیری اطاعت نہیں کرتا بلکہ نافرمانیوں پر جرأت دکھاتا ہے پھر بھی تو اُس سے آفات

کو دور رکھتا ہے اور دُنیا کی فراوانی بخشتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ بندے بھی میرے ہیں اور آفات بھی میری ہی پیدا کردہ ہیں اور ہر چیز میری حمد وثنا کرتی ہے۔ مؤمن بندہ کے ذمے کوئی گناہ ہوتا ہے تو میں اُس سے دُنیا کو ہٹا کر مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہوں تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ پھر جب میری ملاقات ہوگی تو میں اس کی نیکیوں کا بدلہ اُسے عطا کروں گا اور کافر کی بُرائیوں کے باوجود اس کے لئے رزق کی فراخی کرتا ہوں اور آفتوں کو ٹالتا ہوں حتی کہ جب میرے پاس آئے گا تو اُس کے گناہوں کا بدلہ چکھاؤں گا۔[1]

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سارے مکتوب شریف کو اپنے اس شعر میں بیان کر دیا ہے کہ:

الٰہی ہمہ را بہ من بد خو کن
روی دل مرا از ہمہ جہان یک شو کن

ترجمہ: الٰہی تمام مخلوق کو میرے لئے بد طنیت بنا دے کہ وہ مجھے بُرا جانے۔ اور میرے قلب کا رُخ اس دُنیا سے ہٹا کر اپنی طرف موڑ دے۔

اس لئے غم ہو یا خوشی، صوفی کو چاہیئے کہ صبر وشکر اور تحمل سے کام لے اور اپنے خالق ومالک کی طرف رجوع کرے اور یوں کہے کہ "اے اللہ! اگر اس درد وغم کے بدلے میری آخرت سنورتی ہے تو اس غم کو مجھ سے دور نہ کر اور مجھے اس پر صبر واستقامت عطا فرما اور خاتمہ بالخیر کی دولت نصیب فرما" آمین یا رب العالمین۔

(دارالمعرفت، ج۳)

---

[1](إحياءعلوم الدين، ج۴، ص ۱۳۲، الناشر: دارالمعرفة -بيروت)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ فقر، عشق ومحبت کے مغتنمات میں سے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوا:

إِنِّي أُحِبُّکَ. قَالَ: انْظُرْ مَا تَقُولُ. فَقَالَ: وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُحِبُّکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. قَالَ: إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا لَلْفَقْرُ أسرعُ إلى من يحبُّني من السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ۔

یعنی میں آپ سے محبت کرتا ہوں، فرمایا دیکھ لو کیا کہہ رہے ہو؟ چنانچہ اس نے تین مرتبہ کہا کہ قسم بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں تو ارشاد فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو فقر کے لئے پاکھر تیار کرلو، کیونکہ فقر، سیلاب کے اپنے منتہاء تک پہنچنے سے زیادہ جلدی اس شخص تک پہنچتا ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے۔[1]

دراصل اس میں یہ حکمتِ خداوندی کارفرما ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے محبوں اور دوستوں کو اپنی طرف ہی مائل ومتوجہ رکھنا چاہتا ہے اور مخلوق کی طرف سے ملامت واذیت کو اس کا سبب بنادیتا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا:

یارب ہمہ خلق راز من بدخو کن

وزجملہ جہانیاں مرا یکسو کن

[1](مشکوۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۴۴۵، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

روئے دل من صرف کن از ہر جہتی

در عشق خودم یکجہت و یک رُو کن

اے رب! تمام مخلوق کو مجھ سے بد ظن کر دے اور تمام دنیا والوں سے مجھ کو یکسو کر دے، میرے دل کا رُخ ہر طرف سے پھیر دے اور مجھے اپنے عشق میں یک سمت و یک رُو کر دے۔

چونکہ درد و غم اور رنج والم محبت کے لوازمات میں سے ہیں اس لئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس کی تصریح فرماتے ہوئے ایک مقام پر رقم طراز ہیں کہ:

جو چیز دوسروں کے لئے راحت و آرام کا باعث ہوتی ہے وہی چیز عارفین کے لئے مؤجب کلفت ہوتی ہے۔ کیونکہ عامۃ الناس حظِ نفس کے لئے عیش و آرام، راحت و چین اور طغیان و عصیان میں سرگرداں رہتے ہیں۔ جبکہ عارفین کی ارواح قدسیہ نفسانی لذتوں اور بشری کدورتوں سے پاک ہونے کی بنا پر جسمانی تکالیف سے لذت گیر ہوتی ہیں، نیز دنیوی آلام و نوائب اور جسمانی تکالیف و مصائب روحانی ارتقاء اور باطنی نشو و نما کا ذریعہ ہوتے ہیں جو بظاہر تو تلخ معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں نفع بخش اور ماسوی اللہ سے انقطاع کا باعث ہوتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر عارفین کے لئے آرام بے آرامی میں، ساز سوز میں، قرار بے قراری میں، اور راحت جراحت میں ہوتی ہے۔

بقول کسے:

مرغ آتش خوردہ کے لذت شناسد دانہ را

یہی وہ امانتِ درد ہے جس کے اُٹھانے سے زمین و آسمان عاجز آ گئے اور انسان نے اسے بخوشی اٹھا لیا۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (الأحزاب ٧٢) سے عیاں ہے۔

اقبال مرحوم نے خوب کہا:

سختیاں کرتا ہوں دل پر، غیر سے غافل ہوں میں

ہائے کیا اچھی کہی، ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں

درد ہی وہ نعمتِ عظمٰی اور دولتِ قصوٰی ہے جو صاحبانِ درد، اہل اللہ سے محبت و نیاز، اخلاص و صحبت و ملازمت اور وفاداری بشرط استواری سے میسر آتا ہے۔

تمنادرد دل کی ہو تو خدمت کر فقیروں کی

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا:

درد منداں دی سنگت رل کے کون رہوے خوشحالی

درد میرے دا پیا پچھاواں رہیوں ناں دردوں خالی

دانائے شیر از حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کسی بزرگ نے فرمایا:

سعدی! بیا ترا قطبی دہم۔

آپ نے عرض کیا:

اے شیخ! مرا قطبی درکار نیست گر خواہی دادن چیزی مرا دردِ دل بدہ۔

بزرگ نے فرمایا:

ایں کار برائی مدت درکار است۔

یعنی اے سعدی! آؤ میں آپ کو قطب بنا دوں۔

تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواباً عرض کی:

مجھے قطبیت درکار نہیں، اگر آپ مجھے کچھ دینا چاہتے ہیں تو مجھے دردِ دل عطا فرمادیں۔ اس پر اس بزرگ نے فرمایا کہ دردِ دل کے لئے ایک مدت درکار ہے۔

قدوۃ الابرار حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شاید اسی لئے کہا تھا:

کفر کافر را و دین دیندار را　　　ذرۂ دردے دلے عطار را

درد کی عظمت کے پیش نظر کسی صاحبِ درد شیخ نے کہا تھا:

مرا نہ مرید و ردخواں میباید　　　نی زاہدنی حافظِ قرآن میباید

صاحبِ درد سوختہ جاں میباید آتش زدۂ بے خانماں میباید

جب کسی خوش قسمت کو درد و عشق کی دولت و نعمت میسر ہو جاتی ہے تو وہ بار بار مرتے اور مر مر کے جیتے ہیں۔

حضرت عارف جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

از خار خارِ عشق تو در سینہ دارم خارہا

یکبار میرد ہر کسے بیچارہ جامی بارہا

بینہ

واضح رہے کہ سالک کو دوستوں کی کج روی اور لا پرواہی سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ سب کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے جاننا چاہیئے، کیونکہ بندوں کے دل اسی حق تعالیٰ کے تصرف میں ہیں جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

بقول شاعر:

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست

کہ دل ہر دو در تصرف اوست

یعنی دشمن اور دوست کی مخالفت کو خدا کی طرف سے سمجھ کیونکہ دونوں کے دل اسی کے تصرف میں ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۱۷۵ تا ۱۷۴۵)

مکتوب نمبر ۱۴۱

[مُلّا محمد قلیج کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سلوک کے اس کام میں عمدہ چیز محبت واخلاص ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ بحرمت حضرت سید المرسلین علیہ وعلیہم وعلی آلہٖ الصلوات والتسلیمات بیش از بیش ترقیات عطا فرمائے۔ قلبی احوال کے بارے میں آپ کبھی کچھ نہیں لکھتے کہ کیا صورت حال ہے؟ اس سلسلے میں ضرور کچھ نہ کچھ لکھا کریں کہ یہ بات غائبانہ توجہ کی موجب ہے۔ اس کام میں عمدہ بات محبت واخلاص ہے۔ اگر اس وقت ترقی محسوس نہیں ہو رہی تو غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب اخلاص پر استقامت حاصل ہے تو سالوں کا کام چند گھڑیوں میں میسر آسکتا ہے۔ والسلام]

تشریح

حقیقی تصوف وسلوک کا راستہ طے کرنے کے لئے قلب، روح، سر، خفی، اخفٰی کے لطائف سیڑھی کا کام دیتے ہیں اور اس سیڑھی کے مراتب صحیح معنوں میں وہی خوش نصیب طے کر سکتے ہیں جن کے اندر محبت واخلاص کی دولت موجزن ہو۔ محبت واخلاص کی وجہ سے سالوں کا کام چند لمحوں میں طے ہو جاتا ہے لیکن محبت واخلاص کے بغیر چند گھڑیوں میں طے ہونے والے مراتب میں بھی عمریں گزر جاتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اولوالعزم پیغمبر تھے، مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد (فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا) آزر میں دینِ اسلام اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے محبت واخلاص کا کوئی جذبہ نہیں تھا، اس لئے وہ غضبِ الٰہی کا حق دار ٹھہرا۔ یہی حال نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چچاؤں

(ابو جہل اور ابو لہب) کا تھا۔ لیکن دوسری طرف حضرت ابو سفیان جو شروع میں کافر اور اسلام کے دُشمن تھے مگر جب ان کے دل میں اسلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے محبت پیدا ہوئی تو درجہ صحابیت پر فائز ہو گئے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رضوا عنھم کی مصداق ہوئے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

عاشقی پیدا است از زاریِ دل　　　　نیست بیماری چو بیماریِ دل

ترجمہ: عشق و محبت دل کی زاری اور رونے سے پیدا ہوتی ہے (جس دل میں زاری کی یہ دولت حاصل نہ ہو وہ دل بیمار ہوتا ہے اور) دل کی بیماری کی طرح تو کوئی بیماری ہی نہیں ہے۔

از محبت تلخ ہا شیرین شود　　　　از محبت مِس ہا زرین شود

ترجمہ: محبت سے کڑوی چیز بھی میٹھی ہو جاتی ہے اور محبت سے تانبا بھی سونا بن جاتا ہے۔

جس طرح ابو سفیان نے اسلام لانے سے قبل حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ تلخ زندگی گزاری تھی پھر اسلام لانے کے بعد وہ تلخی شیرینی میں تبدیل ہو گئی۔

از محبت شاہ بندہ می شود　　　　از محبت مردہ زندہ می شود

ترجمہ: اور محبت سے بادشاہ بھی بندگی اختیار کر لیتا ہے اور محبت سے مُردہ دل بھی زندہ ہو جاتا ہے۔

جس طرح حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بادشاہی چھوڑ کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بندگی اختیار کر تھی۔ اور اس محبت واخلاص کی وجہ سے اُن کا قلب، رُوح، سِر، خفی، اخفیٰ، نفسی اور قالبی جو کہ پہلے مُردہ تھے زندہ ہو گئے۔

پس جو شخص اپنے لطائف کو زندہ کرنے کا خواہش مند ہو تو اسے دینِ اسلام، اہلِ اسلام، علماءِ کرام اور اولیاء اللہ سے محبت کرنی چاہیئے۔

دوسری اہم چیز جس کی طرف حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں اشارہ کیا ہے وہ ہے ''توجہ''۔ توجہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ ہے جو وہ اپنے خاص بندوں کو عنایت فرماتا ہے۔ سالکینِ سلوک ابتدائی مراتب کو شیخ کی اسی توجہ کی برکت سے طے کرتے ہیں اور توجہ کی یہ طاقت کتابوں سے نہیں مل سکتی، بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے آج تک یہ صرف سینہ بہ سینہ ہی چلی آرہی ہے۔

توجہ کی سات اقسام ہیں

۱۔ وہ توجہ جو ایک شیخ اپنے مریدین کے لطائف پر آمنے سامنے بیٹھ کر کرتا ہے۔

۲۔ وہ توجہ جو غائب مریدوں پر کی جاتی ہے۔

۳۔ دورانِ مراقبات کی جانے والی توجہ۔

۴۔ عالمِ اَرواح میں روحوں پر کی جانے والی توجہ۔

۵۔ ماں کے پیٹ میں بچہ پر کی جانے والی توجہ۔

۶۔ عالمِ برزخ میں یعنی اہلِ قبور پر کی جانے والی توجہ۔

۷۔ وہ توجہ جو اس دنیا سے گزر کر عالمِ برزخ میں جلوہ گر ہونے والے اولیاء کرام اور مشائخِ عظام سے لے لی جاتی ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ توجہ کی یہ دولت سینہ بہ سینہ آرہی ہے اور اسے کسی قیل و قال سے تعلق نہیں ہے، بلکہ اس کا ادراک سالکوں کو صرف احساس سے ہوتا ہے اور احساس لطائفِ عشرہ کرتے

ہیں۔ توجہ پہلی مجلس میں ہی محسوس ہونے لگتی ہے، لیکن بعض احباب کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دُنیا کی گندگیوں اور آلائشوں سے ان کا باطن سیاہ ہو چکا ہوتا ہے۔ نیز شرع شریف کی بار بار کی جانے والی خلاف ورزیاں بھی لوگوں کے قُلوب کو زنگ آلودہ کرتی ہیں، اور ایسا سیاہ زنگ آلودہ دل توجہ کو یکدم محسوس کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے ایک صاحبِ توجہ کو ایسے دُنیا پرست کے لطائف پر سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ تب اس کے لطائف کو توجہ کا احساس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے روضہ ٔاقدس پر کئی دفعہ حاضری دے چکے ہیں لیکن کچھ محسوس نہیں ہوا۔ عقل کے اندھوں کو غور کرنا چاہیئے کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ایک سالی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس ایسی حالت میں حاضر ہوئی کہ اُس کے زیب تن کئے ہوئے کپڑے نہایت باریک تھے (چونکہ عورتوں کو باریک لباس پہننا منع ہے کیونکہ اس سے جسم نظر آتا ہے اس لئے) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اُن کی طرف سے اپنا رُخِ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ پس وہ لوگ جنھوں نے اپنا حُلیہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبارک حُلیہ کے خلاف بنا رکھا ہو نیز اُن کا ہر کام خلافِ شرع ہی واقع ہوتا ہو، اُن کی طرف سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے چہرۂ انور کو نہیں پھیریں گے تو اور کیا ہوگا؟ پھر توجہاتِ عالیہ کا احساس کیسے ہوگا؟

ثابت ہوا کہ کامل مشائخِ طریقت پر ناقص ہونے کا الزام دھرنے کی بجائے اپنے گریبان میں منہ ڈالا جائے اور اپنے اعمال کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھ لیا جائے۔ لوگ اولیاء اللہ یا صاحبِ قبر سے

اپنے کرتوتوں کی وجہ سے متنفر ہو جاتے ہیں اور بالآخر اپنے مسلکِ حقہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے گمراہ مسلک کو اختیار کر لیتے ہیں اور یوں محض اپنی جہالت کی وجہ سے اپنی آخرت بھی خراب کر لیتے ہیں۔

(دار المعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز محبت واخلاص کو سلوکِ طریقت کی بنیاد قرار دے رہے ہیں۔ دراصل محبتِ شیخ راہِ طریقت کا پہلا زینہ ہے جو بالآخر فنافی الشیخ پر منتج ہوتا ہے، بعد ازاں فنافی الرسول اور فنافی اللہ کے مراتب و مدارج طے ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ رومی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

گر توذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
گر جدا بینی ز حق تو خواجہ را
گم کنی ہم متن ہم دیباچہ را

محبت واخلاص ہی دو ایسے بنیادی اور اہم ارکانِ طریقت ہیں جن کی بدولت سالک راہِ طریقت کی پُر خار وادیوں کو عبور کرتا ہوا واصل بحق ہو جاتا ہے۔ وھو المقصود

نیز سالک حقیقی وہی ہے جو ہر قسم کی نفسانی خواہشات اور دنیوی اغراض سے کنارہ کش ہو کر اپنے شیخ کامل مکمل سے محض حق تعالیٰ کا طالب ہو۔ جیسا کہ مقولہ: اَلْمُرِیْدُ لَا یُرِیْدُ اِلَّا اللہ اس پر دالّ ہے۔ اور جب تک سالک محبت واخلاص سے خالی ہو وہ کبھی بھی منزلِ مقصود سے شادکام نہیں ہو سکتا۔

بقول شاعر:

میری روز و شب دعائیں جو نہیں قبول ہو تیں
میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

اور جب کسی سالک کا سینہ محبت واخلاص سے معمور ہو اگر وقتی طور پر روحانی ارتقاء اور باطنی احوال نہ بھی محسوس ہوں تو اسے فکر مند نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس پر استقامت ہی دلیلِ قبولیت ہے جو ہزر کرامتوں سے بہتر ہے۔ جیسا کہ مقولہ: اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ سے واضح ہے۔

بقول شاعر:

مابرائے استقامت آمدیم   نی پی کشف و کرامت آمدیم

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۵۷۷، ۵۷۸)

احسن الصناعة فی تشریح اقسام التوجه و الافاضة میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اہل سنت وجماعت وصوفیاء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ خانقاہوں اورآستانوں میں کاملین اولیاء کرام کے حضور میں مریدین کو جو توجہات کی جاتی ہیں آیا اس کی اصل ہے اور توجہ کی کتنی اقسام ہیں؟

المستفتی: محمد افضل حنفی سیفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب و منه الصدق و الصواب

الحمد للّٰہ الذی رفع اهل الحق و وضع اهل الباطل و احق الحق و ابطل الباطل و الصلٰوة و السلام علی نبینا و سیّدنا و سندنا و وسیلتنا فی الدارین محمّد النبی المکمل الاکمل و علٰی آلہٖ و اصحابه الذین جاهدوا لاحقاق الحق و ابطال الباطل و رفعوا الحق و وضعوا الباطل و علٰی التابعین الذین ناظروا لاظهار الحق و اخفاء الباطل و علٰی تبعهم الذین لا یخافون لومة

لائم فی احقاق الحق الراسخ و ابطال الباطل الزائل اللّٰھمّ انا نسئلک الفتح و الغلبة فی المناظرات مع اھل الباطل بجاہ الرسول الاکمل ﷺ اما بعد!

توجہ و تصرفِ مشائخ کرام

انسان گوشت پوست کا بنا ہوا ہے، دھڑکنے والا دل رکھتا ہے، یہ متاثر کرتا بھی ہے اور متاثر ہوتا بھی ہے۔ متاثر کرتا ہے اچھے اخلاق سے، عقلمندی سے، علم سے، ایثار و قربانی سے، تواضع سے یعنی اگر اخلاق حمیدہ اس کے اندر ہوں تو دوسرے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگر اس کے اندر قوت ارادی بڑھ جائے تو اس کے متاثر کرنے کی صلاحیت بھی بڑھ جاتی ہے، جس بندے میں بھی قوت ارادی بڑھ جائے تو وہ دوسروں کو متاثر کرلیتا ہے حتی کہ مسمریزم و ہپناٹزم وغیرہ کا عمل کرنے والے بھی اسی سے کام لے کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے ہیں۔ شریعت میں اس کو،، نظر کا لگ جانا،، کہتے ہیں حدیث پاک میں ہے: العین حق،، نظر لگ جانا حق ہے،، یہ عداوت، حسد، کینہ کی وجہ سے یا پیار سے دیکھنے کی وجہ سے لگ جاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو نظر لگی اور آپ ﷺ نے اس کے اتارنے کا طریقہ بتایا۔ بہر حال ہم نظر لگنے کو شرعاً حق مانتے ہیں۔

تو اب سوچنے کی بات ہے کہ جس نظر کے اندر عداوت ہو، دشمنی ہو، حسد ہو جب وہ لگتی ہے تو جس کے اندر شفقت ہو، رحمت ہو، اخلاص ہو، تو یہ نظر دوسرے پر اثر کیوں نہیں دکھا سکے گی۔ بہر حال اچھی نظر کے لگ جانے کو توجہ کہتے ہیں۔ اب بری نظر سے تو کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا کیونکہ حدیث پاک میں اس کا ذکر ہے امام ابنِ کثیر نے نظر لگنے کے متعلق 25 احادیث و روایات ذکر کی ہیں۔

اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر بندے کے دل پر جو اثر ہوتا ہے، یہ اصل میں ان کی توجہ ہوتی ہے اسی وجہ سے سالک نیک بننے اور گناہ چھوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ حدیث پاک سے بھی ثابت ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کی توجہ نقطہ کمال پر تھی، اگر کسی ایک نظر رحمت پڑتی تو اسے دھو کر پاک وصاف بنادیتے اور آپ ﷺ کی ایک صحبت دل کی کایاپلٹ کرر کھ دیتی تھی، لوگ مردہ آتے تھے مسیحابن کرلوٹتے تھے اور اہل طریقت بھی اسی فیضانِ نبوت کے ذریعے سالکین کے دل پر ان کی اصلاح کیلئے اثر ڈالتے ہیں۔ تصوف وسلوک القائی اور انعکاسی عمل ہے، اس لئے اس راہ پر چلنے اور حصول ترقی کیلئے صحبت ومحبت شیخ ضروری ہے اور شیخ سے اخذ فیض اور حصول توجہ کیلئے اعتماد علی الشیخ نہایت ضروری ہے، توجہ، تصرف، ہمت اور جمع خاطر اس سلسلے کی خاص اصطلاحات ہیں اور ان کاماخذ کتاب الہی ہے۔

اللہ والوں کی صحبت اور توجہ کے مؤمنین کے دلوں پر اثرات کے دلائل

الشیخ العلامۃ علاء الدین علي بن احمد المھائمي لکھتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ وَ اَیَّدۡنٰہُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ای بتغلیب ملکیتہ علی بشریتہ۔

ترجمہ: ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی تائید پاک روح سے کی یعنی وصف ملکیت کو بشریت پر غالب کر دیا۔[1]

حدیث نبوی ﷺ سے اسی حقیقت کی تائید ہوتی ہے:

قال النبی ﷺ اللھُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ۔[2]

---

[1] (تفسیر تبصیر الرحمٰن، ج ۱، ص ۱۱۵)

[2] (رواہ مسلم ج ۴ ص ۱۹۳۳ باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: حضور ﷺ نے (حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حق میں) دعا کی کہ یا اللہ !ان کی مدد پاک روح (یعنی جبرئیل علیہ السلام) سے فرما۔

فائدہ :درج بالا آیت اور حدیث سے تائید و تاثیر باطنی ثابت ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تائید باطنی یوں ظاہر ہوئی کہ اوصاف ملکیہ سے متصف ہوئے اور ملائکہ کی دنیا میں جا آباد ہوئے اور وحی کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تائید سے یقیناً تائید باطنی مراد ہے ۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! حسان (رضی اللہ عنہ) کے دل میں جبرئیل علیہ السلام کے القاء والہام سے کفار کی توہین کرنے کی قوت پیدا کر دے تاکہ وہ ایسے اشعار کہنے پر قادر ہو جائیں۔

قرآن مجید سے القاء اور تصرف باطنی کی چند مثالیں:

إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ: جب تم آپس میں دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔

وقولہ تعالیٰ: إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا (الأنفال ۱۲)

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو

ایمان والوں کی ہمت بڑھانے اور انہیں ثابت قدم رکھنے کی صورت کیا ہے جس پر فرشتوں کو مامور کیا گیا یہی کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت کا القا کریں کہ ان کے دل قوی ہو جائیں اور کفار کا مقابلہ پوری دل جمعی سے کریں۔

مسئلہ: جو مواقع شریعت مطہرہ میں جائز اور محمود ہیں ان میں توجہ اور تصرف کا استعمال جائز اور امراض باطنیہ (حسد، کینہ وغیرہ) میں اور سلب امراض اور کشف ونسبت وغیرہ میں جائز و مستحسن اور کسی کے دل پر زور ڈال کر اس کے دل کا حال معلوم کرنے یا اس سے کوئی رقم حاصل کرنے وغیرہ میں ممنوع ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ایک حبشی غلام پر توجہ ٔاتحادی اور اس سے حبشی غلام کا رنگ وروپ بدل جانا

حکایت: مثنوی شریف میں مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس واقعے کو نقل فرمایا ہے: ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ ﷺ کے ساتھ ایک مقام پر تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! پانی نہیں ہے اور ہم کافی زیادہ پیاسے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ میں سے کوئی ایک چلا جائے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ مبارک کو لے آئے۔ صحابہ کرامؓ میں سے ایک گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے ساتھ لے آئے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ یہ سامنے پہاڑ جو نظر آرہا ہے، اس کے پیچھے تین میل کے فاصلے پر ایک کالا حبشی غلام اونٹنی پر سوار ہے اور پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اس کے پاس ہے، اس غلام کو میرے پاس لے آؤ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس طرف تشریف لے گئے اور اس حبشی کو اسی مقام پر پایا جس کی نشاندہی آپ ﷺ نے فرمائی تھی، تو اسے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا: "ہمارے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ آپ کو بلا رہے ہیں۔" حبشی غلام نے کہا کہ میں تو آپ کے آقا و مولا کو نہیں پہچانتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں پہچان کرا دوں گا۔ حبشی ڈر گیا اور زور سے آواز دینے لگا کہ "اے لوگو! یہ آدمی مجھے قتل کرنا

چاہتا ہے، مجھے بچاؤ!'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''میں آپ کو قتل نہیں کرنا چاہتا، بلکہ رسول اللہ ﷺ آپ کو بلا رہے ہیں۔'' آخر حبشی غلام کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے حبشی! آپ کہاں جا رہے ہو؟ حبشی نے جواب دیا کہ مجھے میرے آقا نے پانی لینے کے لئے بھیجا تھا، اور میں نے پانی پالیا لیکن ابھی کافی دیر ہو چکی ہے لہٰذا مجھے جانا ہے، کہیں میرا آقا یہ نہ سوچے کہ کسی نے اس کے غلام کو قتل کر دیا ہے۔ لیکن جب حبشی غلام نے آپ ﷺ کی والضحی چہرۂ انور کا دیدار کیا اور آپ ﷺ کے حسن و جمال پر نظر پڑی تو حبشی غلام حیران ہوا اور ہر چیز بھول گیا۔ اور زور سے چلانے لگا اور کہنے لگا، اے میرے بھائیوں، دنیا اور زمین میں میں نے ایسا چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاتھ دو۔ حبشی نے ہاتھ دے دیا تو آپ ﷺ اسے کلمہ پڑھانے لگے، اور وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے حبشی غلام سے پانی کا مشکیزہ لیا اور اس پر اپنی انگلیاں مبارک رکھیں، اصل میں اس وقت آپ ﷺ کا دست مبارک حوضِ کوثر کے ساتھ ملا ہوا تھا اور واسطہ وہ مشکیزہ بنا۔ تمام صحاب کرام رضی اللہ عنھم نے اس سے وضو بھی کیا اور پانی بھی پی لیا یعنی آپ ﷺ کی انگلی مبارک کی برکت سے اس مشکیزے سے چشمے جاری ہوئے لیکن پھر بھی اس مشکیزہ کا پانی کم نہیں ہوا۔ حبشی غلام نے جب یہ منظر دیکھا تو اس کا عقیدہ اور بھی مضبوط ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اب آپ واپس چلے جایئے۔ حبشی نے کہا کہ مجھے اپنے آپ سے جدا نہ کریں۔ حتیٰ کہ مجھے اپنے مالک کے گھر کا بھی پتہ نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک اس پر ڈالی اور اسے اپنے سینے کہ ساتھ لگا کر توجۂ اتحادی فرمائی۔ جب حضور ﷺ نے اس سے چادر ہٹائی تو اس کالے حبشی غلام کا کالا رنگ تمام بدن سے ختم ہو چکا تھا، اور اس کا چہرہ سفید چمک رہا تھا۔ تمام حالات اس کے بدل گئے۔ آپ ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا کہ آپ کو میرا امر ہے کہ

آپ واپس چلے جائیں۔ حبشی غلام اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ وہاں اس کے گاؤں کے پاس اس کا آقا اور اسکے ساتھ کچھ لوگ اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلے ہوئے تھے۔ جب اس کے آقا نے اس اونٹنی کو دیکھا تو کہنے لگا کہ اونٹنی بھی وہی ہے، مشکیزہ بھی وہی ہے، صرف آدمی بدلا ہوا ہے، یہ میرا غلام نہیں ہے کیونکہ وہ تو کالا تھا اور یہ تو بالکل سفید اور نورانی چہرہ والا انسان۔ اسکے آقا کو شک ہوا کہ اس کے غلام کو اس شخص نے قتل کیا ہے اور اب اونٹ کو چوری کر کے لے جارہا ہے۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ اس کو پکڑ لو۔ حبشی سمجھ گیا کہ میرے آقا نے مجھے نہیں پہچانا تو یہ بھی اپنے لئے فکر مند ہوا اور آواز لگائی ''کہ میں وہی کالا حبشی غلام ہوں''۔ تو گاؤں کے لوگوں نے اس کی آواز سے اس کو پہچان لیا۔ حبشی غلام نے تمام واقعہ ان کے سامنے بیان کیا، تو حبشی نے اپنے آقا اور گاؤں کے تمام لوگوں کو حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا اور سب کے سب مشرف بہ اسلام ہوئے۔[1]

فائدہ: اس واقعہ سے آپ ﷺ کا علم غیب عطائی بھی ثابت ہوا اور توجہ اتحادی بھی ثابت ہوئی جیسا کہ اس کی تفصیل بیان ہوگئی۔

---

[1] (التجلیات الرحمانیہ فی معادن الحقائق الاسلامیہ ج ۱ ص ۳۱۶)

توجہ کے بارے میں ابو الزھراء اویس بن عبد اللہ المجتبی الحسینی لکھتے ہیں :

كيفية التوجه الى اللطائف و المقامات

(لطائف اور مقامات کی طرف توجہ کی کیفیت)

مشائخ کا مریدین پر توجہ کے ذریعے ان کی استعداد کو بڑھانا

اعلم ان مشائخنا يتوجهون "اولاً: على اللطائف وطريقة التوجه أن يجعل الشيخ قلبه حذاء قلب الطالب ملتجئاً الى حضرة الحق و مستمداًمن ارواح مشائخ الطريقة ويصرف همته لِإلقاء أنوار الذكر التي وصلت إِلى قلبه لتصل إِلى قلب الطالب حسب استعداده ويتوجه الى جميع اللطائف مثل ذلکُ۔

ترجمہ: جان لو کہ ہمارے مشائخ توجہ فرماتے ہیں، سب سے پہلے مشائخ کی توجہ لطائف پر ہوتی ہے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو طالب (مرید) کے قلب کی طرف کرکے اس حال میں کہ شیخ بارگاہ حق سبحانہ تعالیٰ سے التجا کرنے والا ہو اور مشائخ طریقت کی ارواح سے استمداد لینے والا ہو اور اپنی ہمت کو صرف کرے ذکر کے انوار کے القاء کیلئے جو اس کے سینے سے پہنچتی ہے مرید کے قلب کی طرف، اس کی استعداد کے موافق، اسی طرح تمام لطائف کی طرف توجہ کرے۔

و كذلک يتوجه في أي مقام من مقامات السلوک وينبغي اولاًأن ينصبغ بأنوار ذلک المقام و كيفياته ثم يلقيهابصرف همته التوبة إِلى زيادة باطن الطالب ۔و كذلک يتوجه الشيخ إلى المراقبة كل نوع منهابحسبه ويتوجه كذلک لحصول نسبة الجمعية وحضور القلب۔

ترجمہ: اسی طرح شیخ توجہ کرے گا سلوک کے مقامات میں سے کسی مقام میں، مناسب ہے کہ اول رنگ دے اس مقام کو انوار کے ساتھ اور اسکی کیفیت کے ساتھ، پھر یہ کثرت توبہ کی اِلقاء کرے

اپنی ہمت کو صرف کرتے ہوئے طالب کے باطن پر، اوراسی طرح شیخ توجہ کرے گا مراقبے کی طرف اسکی ہر اک قسم سے اندازے کے مطابق اوراسی طرح توجہ کرے گا تاکہ نسبتِ جمعیت اوراسے حضور قلب حاصل ہو جائے۔

و جمعية القلب عبارة عن زوال الخطرات و الحضور عبارة عن توجه قلب الطالب اِلى الحق فإن حصلت له نسبة الجمعية و الحضور توجه اِليه لحصول الجذب اِلى الفوق فإن حصل له ذلک و ظهرت له الانوار التى علامتها توجه القلب اِلى اصله فوق العرش و كذلک تصل كل لطيفة اِلى اصلها أو يحصل له جذب ببركة توجه الشيخ الكامل و حصول السرعة فى سير السالک يكون من دوام استنفاعه بالاذكار و الانقطاع عن الخلق و دوام التوجه اِلى اللہ و من كثرة توجهات الشيخ الكامل و من قوة استعداد المريد۔

ترجمہ: جمعیت قلب عبارت ہے خطرات (وسواس) کو زائل کرنے سے اور حضور عبارت ہے طالب کے قلب کی توجہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اگر اس کو نسبت جمعیت اور حضور حاصل ہو جائے تو یہ حصول جذب کیلئے فوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے پس جب اس کو یہ حاصل ہو جائیں اور ظاہر ہو جائیں اس فوق کی نشانیاں اور انوارات تو پھر قلب متوجہ ہو جاتا ہے اپنی اصل کی طرف جو فوق العرش ہے اسی طرح ہر ایک لطیفہ اپنے اصل کی طرف پہنچتا ہے یا اسکو جذب حاصل ہوتا ہے شیخ کامل کی توجہ کی برکت سے، اور سالک کے سلوک میں سرعت کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے اذکار سے ہمیشہ نفع طلب کرتا رہے اور مخلوق خدا سے انقطاع تعلق رکھے وراللہ کی طرف ہمیشگی کے ساتھ تعلق رکھے یا اسی طرح سیر السلوک میں اس کو تیزی شیخ کامل کی کثرت توجہات اور مرید کی استعداد کی قوت سے بھی ملتی ہے۔[1]

[1] (الاشارات السنية لسالكى الطريقة النقشبندية ص ٢٨)

اکابرینِ طریقۂ نقشبندیہ کا طریقۂ تصرف

الشیخ حسین بن علی الکاشفی المعروف بالواعظ الھروی لکھتے ہیں:

ان في طريقة اكابر النقشبندية تصرفاً بأن يتوجه المرشد بقلبه إلى باطن الطالب ويحصل لباطن الطالب إرتباط و إتصال بقلب المرشد من طريق هذا التوجه، ويقع اتحاد بين قلبه وبين باطن هذا الطالب بواسطة ذلک الارتباط و الإتصال، وتشرق في قلب الطالب اشعة من شمس قلبه بطريق الإنعكاس۔ وتلک الصفة ناشئة عن استعداد المشائخ، ظهرت في مرآة استعداد الطالب بطريق الإنعكاس۔

اکابرینِ طریقۂ نقشبندیہ مبارکہ کا طریقۂ تصرف یوں ہے (یعنی اللہ جل وعلاشانہٗ نے انہیں تصرفاتِ کاملہ سے نوازا ہوا ہوتا ہے) کہ مُرشد مبارک اپنے قلب سے طالب کے باطن کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں (طالب سے مراد مُرید ہے) تو مُرشد کے قلب سے اس توجہ کی برکت کی وجہ سے مُرید کے باطن کو ایک ربط واتصال حاصل ہو جاتا ہے، اور اس ارتباط اور اتصال کے ذریعے شیخ کے قلب اور مُرید کے باطن کے درمیان ایک اتحاد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور شیخ کی توجہ کی برکت سے مُرید کے سینے میں بطریقۂ انعکاس ایک چنگاری بھڑک اٹھتی ہے۔ اور مشائخ کرام کی استعداد سے یہ نایاب صفت مبارکہ مُرید کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اور مُرید کے سینے میں یہ صفت بطریقۂ انعکاس اس (مُرید) کی استعداد کے مطابق آئینہ کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ [1]

---

[1] (رشحات عین الحیات، ص ۳۳۱)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی لکھتے ہیں:

اور توجہ کا طریقہ یہ ہے کہ مرشد پہلے خود تمام خیالات سے خالی ہو جائے اور پھر اپنے دل کو اس کے دل کے مقابل کرے اور خدا کے اسم ذات کی ضرب اس کے دل پر لگائے اور یہ خیال کرے کہ موجودہ ذکر کی کیفیت میری وجہ سے اس کو حاصل ہورہی ہے اور یہ ذکر اس کے دل میں سرایت کررہاہے اور یہ ضربیں ایک سو ایک بار ہونی چاہیئے تاکہ شوق اور ذکر کی حرارت اس کے قلب پر اثر کرے اور اس کا قلب ذکر سے حرکت کرنے لگے بعد ازیں جو ذکر اس کی حیثیت کے مطابق ہو اس کو دینا چاہیئے اور مرید کو مرشد کے بتائے ہوئے اشغال میں مشغول ہونا اور باطنی اسرار کو چھپانا چاہیئے تاکہ انوار و اسرار اس کو حاصل ہو جائیں۔[1]

مشائخ کے تصرفات اور توجہ کا طریقہ:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شیخ تمام باتوں سے خالی ہو اپنے نفس ناطقہ کی طرف اس نسبت میں جس القاء مرید پر منظور ہو متوجہ ہو اور توجہ قلبی مرید کی طرف مائل کرے کہ میری کیفیت جذب مرید میں اثر کررہی ہے خیال کرے ان شآء اللہ حسب استعداد نور برکتیں حاصل ہو نگی اور لطیفۂ قلب کے جاری کرنے کے بعد ہر لطیفہ پر تدریجاً توجہ کرے اور اس طرح انوار مراقبات و لطائف کے القاء میں توجہ کرے اور اگر مرید موجود نہ ہو تو اس کی صورت کا تصور کر کے غائبانہ توجہ کرے اور اسے فائدہ پہنچائے۔[2]

---

[1] (کلیات امدادیہ ص ۲ ۱ و ص ۵۴)

[2] (کلیات امدادیہ ص ۵۴)

حضرت امامِ ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا اپنے شیخ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے مریدین کی تربیت کے لئے خصوصی توجہات کی درخواست

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ اپنے مکتوبات میں مکتوب نمبر۳میں فرماتے ہیں:

عرض داشت آنکہ یارآں کہ این جااندوہم چنین یاران آنجائے ہرکدام بامقام محبوس اند طریق برآوردن آنہاازآن مقامات متعسرست آن قدرقدرتے کہ مناسب آن مقام ست درخود نمی یابد حق سبحانہ ببرکت توجہات علیہ حضرت ایشان ترقی بخشد۔

ترجمہ: گزارش ہے کہ وہ ساتھی جو یہاں ہے اور ایسے ہی وہاں کے ساتھی ہر کوئی کسی نا کسی مقام پر رکا ہوا ہے ان کو ان مقامات سے باہر نکالنے کا طریقہ مشکل ہے یہ فقیر اپنے اندر اس قدر قدرت نہیں پاتا جو اس مقام کے مناسب ہے اللہ تعالیٰ آپ کی بلند توجہات کی برکت سے انہیں ترقی بخشے۔

شرح: حضرت امام ربانی قدس سرہ اپنے یاران طریقت کے باطنی حالات کا تجزیہ اپنے مرشد بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ احباب جو یہاں سرہند شریف میں زیر تربیت ہیں اور وہ یار جو آپ نے دہلی سے بندہ کی تربیت میں سلوک طے کرنے کیلئے بھیجے ہیں وہ کسی نا کسی خاص مقام پر پہنچ کر رکے ہوئے ہیں اور آگے ترقی نہیں کر رہے ہے یہ فقیر بھی (ابھی تک) اپنے اندر اتنی ہمت اور وسعت نہیں پاتا کہ انہیں اس مشکل سے نکال سکے۔ اس لئے یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توجہات عالیہ کی برکت سے انہیں ترقی عطا فرمائے۔ یاران اینجا سے مراد صوفیائے سرہند شریف اور

آپ کے خاص وخدام ہیں یاران آنجاسے مراد صوفیائے دہلی شریف اوروہ خاص خدام ہیں جو حضرت خواجہ قدس سرہ نے منازل سلوک طے کرنے کیلئے حضرت امام ربانی قدس سرہ کے زیر تربیت رہنے کیلئے بھیجے ہوئے تھے۔یار فارسی زبان کالفظ ہے جو دوست، خلیل، محب اور محبوب کے معنی میں مستعمل ہے۔اصطلاح طریقت میں مرید یا پیربھائی کو یار کہاجاتا ہے۔قرآن کریم کی روسے متقین کے باہمی اخلاص وتعلق پر بھی یہ لفظ صادق آسکتاہے۔

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ (الزخرف ۶۷)

گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیز گار۔

اور حدیث مبارکہ: این المتحابون بجلالی۔[1] بھی اسی مفہوم کی غماز ہے۔

سالکین کی تین اقسام:

منازل سلوک میں سیر کرنے والے تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں:

واقفین راجعین سابقین

واقفین

اثنائے سلوک میں کسی مقام پر تھوڑی دیر کیلئے رک جانے والوں کو واقفین کہاجاتا ہے۔

راجعین

وہ سالک جو زیادہ دیر تک کسی مقام میں رکے رہیں اورترقی نہ کریں انہیں راجعین کہاجاتا ہے۔ یہ مقام خطرے سے خالی نہیں زیادہ دیرر کے رہنے سے رجعت واقع ہو جاتی ہے اورسالک تنزل کا شکار ہو کر اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔

---

[1] (ترمذی ص ۶۲ ج ۲)

سابقین

وہ خوش نصیب سالکین جو رحمت خداوندی سے ہر آن ترقی پذیر ہوتے رہیں اور قرب و وصل کے مقام تک جا پہنچیں۔ سابقین کہلاتے ہیں۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ (۱۰) أُولَئِکَ الْمُقَرَّبُونَ (الواقعة ۱۱)

(اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرّبِ بارگاہ ہیں) میں ایسے ہی حال و مقام کی طرف اشارہ ہے۔

دلیل نمبر ۱: حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اس مکتوب میں اپنے احباب کی دو حالتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ ہمارے بعض ساتھی واقفین ہیں اور بعض سابقین ہیں لیکن ہمارے ساتھی راجعین کے زمرے میں نہیں آتے۔ والحمدللہ علی ذالکُ۔

آپ قدس سرہ نے احباب کی باطنی تکمیل کے بارے میں جو اپنے عجز کا اظہار فرمایا ہے یہ آپ کی کسر نفسی ہے یا اثنائے سلوک میں ہونے کی وجہ سے اپنی ہمت صرف کرنے کی بجائے اپنے شیخ کی توجہ کو زیادہ موثر اور مفید سمجھ کر یہ عرض داشت پیش کی ہے۔

توجہ شیخ کیا ہے۔۔۔۔۔۔؟

شیخ کا اپنی قوت ارادی اور قلبی طاقت سے طالب کے دل پر اثر ڈال کر اس کی باطنی حالت میں تبدیلی پیدا کر دینا توجہ کہلاتا ہے۔

سلوک کی منزلوں میں شیخ ہر سبق کیلئے توجہ کے ذریعے طالب کے لطائف پر فیض القا کرتا ہے اس کو تصرف یا ہمت بھی کہا جاتا ہے۔

توجہ کا ثبوت قرآن وحدیث سے

توجہ کے اس مفہوم کی قرآن وحدیث سے تائید ہوتی ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی توجہ اولاد کیلئے اصلاح احوال کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ (یوسف ۹)

کہ تمہارے باپ کا چہرہ (رخ) صرف تمہاری ہی طرف رہے اور اس کے بعد پھر نیک ہو جانا۔

یہاں صالحیت سے مراد اصلاح دینیہ بھی ہے اور دنیویہ بھی۔(**فافهم**)

دوسری جگہ ارشاد قرآنی ہے:

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا (الأنفال ۱۲)

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔

یعنی ان کی ہمت بڑھاؤ،، فرشتوں کا ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کی ہمت بڑھانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت اور جذبہ القاء کریں کہ وہ کفار کے مقابلے میں مضبوطی دکھائیں اور ڈٹ کر لڑیں، یہ عمل بھی توجہ ہی کہلائے گا۔

اسی طرح پہلی وحی کے نزول کے وقت غار حراء میں جبریل امین علیہ السلام کا حضور سرور عالم ﷺ کو سینے سے لگا کر دبانا قوت توجہ اور صرف ہمت کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سینے لگا کر دبانا بھی دراصل توجہ ہی تھی

جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

فَغطنی حتی بلغ منی الجھد۔[1]

یعنی جبریل علیہ السلام نے مجھ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو دبایا یہاں تک کہ مجھے مشقت پہنچی۔

اس حدیث کی شرح میں عارف کامل حضرت عبد اللہ بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فیہ دلیل علی ان اتصال جرم الغاط بالمغط وضمہ الیہ تحدث بہ فی الباطن قوۃ نوریۃ۔

یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جس کو دبایا گیا ہے تو یہ اتصال حصول فیض کا ایک طریقہ ہے جس سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک ولی اللہ کی توجہ سے چرواہے کا علماء و فقہاء کو بیانِ مسائل میں پیچھے چھوڑ دینا

آگے چل کر لکھتے ہیں:

وقد وجد ذلک اھل المیراث من اھل الصوفۃ المتبعین المحققین حتی لقد حکی عن بعض فضلائھم انہ اتاہ ناس یتکدون علیہ فابی عن اجابتھم وکان بحضرتہ رجل من العوام راعی غنم فدعاہ الشیخ فضمہ الیہ ثم قال لہ اجب ھؤلاء عما سئلوا عنہ فاجاب الرجل وابلغ فی الجواب ثم اعرضوا علیہ مسائل فبکی یفصل ویمنع ویجیز حتی قطع من حضرہ من الفقہاء فی البحث ثم دعاہ الشیخ فضمہ الیہ فاذا ھو قد رجع الیٰ حالہ او لاًلا یعرف شیئاً فقال لہ

---

[1] (بخاری ص ۲ ج ۱)

رجل یاایھاالسیدان الفقراءاذاوھبوا شیئالایرجعون فیه فقال له نعم هو کذلک و لکن لیس لک نسبة فی ذلک الشان ثم بشره بخیر و کان کذلک۔

ترجمہ: فیض کاجو فیضان ہے یہ میراث ہے ان صوفیاء محققین کرام کیلئے جو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مبارک کی کامل تابعداری کرتے ہیں حتی کہ بعض علماء نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک اللہ والے کے پاس کچھ علماء(اہل ظاہر) آئے اوران پر اعتراضات اور سوالات کرنے لگے تو اس اللہ کے ولی نے جواب دینے سے انکارکیاتوان کی مجلس میں ایک عام آدمی جو کہ بھیڑ بکریوں کاچرواہاتھااس اللہ والے نے اسے بلوایااوراسے اپنے سینے سے لگایا(اور توجہ اتحادی اس کی طرف کی)پھر اس اللہ والے نے کہا کہ ان لوگوں کو جواب دوتو اس چرواہے نے ان لوگوں کوجواب دیئے جوانہوں نے سوالات کیے تھے اور حق جواب دیئے پھر انہوں نے کچھ مسائل پیش کئے تو کسی میں تفصیل بیان کی توکسی میں ممنوعیت بیان کی اور کسی میں اجازت دی۔یہاں تک کہ بڑے بڑے فقہاءبحث کرنے میں خاموش کھڑے رہ گئے پھر اس اللہ والے نے اسے اپنے سینے سے لگایاتووہ شخص پہلے کی طرح چرواہابن گیاجو کچھ نہیں جانتاتھا،تواس چرواہے نے کہاکہ اے اللہ کے ولی !اےسید!اللہ والے جب کوئی چیزکسی کو عطاکردیتے ہیں توپھرواپس نہیں لیتے توانہوں نے جواب میں فرمایاکہ ہاں بالکل ایساہی ہے لیکن تواس کااہل نہیں ہے پھر اس اللہ والے نے اسے خیر کی بشارت دی۔ [1]

---

[1](بهجةالنفوس ص ٦ ١ ج ١ دارالکتب العلمیه بیروت لبنان)

رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا بذریعہ توجہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احوال وکیفیات بدلنا

اسی طرح احادیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام کا حضرت سیدنا عمر، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، حضرت سیدنا معاذ بن جبل، حضرت ابو محذورہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پکڑ کر، سینے پر ہاتھ رکھ کر، سر سے ناف تک ہاتھ پھیر کر، نظر خاص فرما کر توجہ کے ذریعے احوال وکیفیات بدل دینا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔[1]

اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا توجہ وتصرفات سے لوگوں کی زندگی میں انقلاب برپا کرنا

اسی طرح اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی توجہات اور تصرفات سے بیشمار انسانوں کے دلوں اور دماغوں میں انقلاب پیدا ہونا، توبہ کی توفیق ملنا اور فیض ولایت حاصل ہونا بھی تسلسل کے ساتھ ثابت ہے جس سے کسی بھی اہل عقل و فہم کو انکار نہیں ہو سکتا۔

دلیل نمبر ۲: شیخ کی توجہ کیلئے طالب اور مرید کے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے اس لئے یہ اعتراض بے جا ہے کہ رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ابو طالب وغیرہ پر توجہ کیوں نہ فرمائی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل اللہ کی توجہات حکمت خداوندی کے تابع ہوتی ہیں کیونکہ ہدایت اور ضلالت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (البقرة ٢٦)

---

[1] (مستدرک ص ۸۴ ج ۳، مجمع الزوائد، ص ۶۸، ج ۹، مسند احمد، ص ۱۴۹، ج ۱، ابوداؤد، ص ۱۴۹، ج ۲، مسند احمد ص ۸۷ ج ۵، ابن ماجہ ص ۵۲)

اللہ بہت سے لوگوں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت فرماتا ہے۔

اقسام توجہ:

صوفیائے کرام نے توجہ و تصرف کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں جن میں سے تین اقسام زیادہ معروف ہیں .

ا۔توجہ انعکاسی

جیسے کسی چیز پر شیشے یا روشنی کا عکس اور پر تو پڑنا یا اہل مجلس کا عطر و غیرہ کی خوشبو پانا انعکاسی توجہ کے مشابہ ہے۔یہ توجہ وقتی اور عارضی ہوتی ہے اس قسم کا اثر بھی تھوڑی دیر کیلئے ہوتا ہے اسلئے یہ توجہ اگرچہ ضعیف ہوتی ہے لیکن فائدے سے خالی نہیں۔

۲۔توجہ القائی

اس توجہ کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص دیئے (چراغ) میں بتی اور تیل ڈال کر لا یا تو دوسرے نے آگ لگا کر روشن کر دیا۔یہ تاثیر کچھ طاقت رکھتی ہے اور کچھ دیر اس کا اثر باقی رہتا ہے لیکن جب کوئی بیرونی صدمہ پہنچے مثلاً آندھی ،بارش وغیرہ تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے اس لئے یہ توجہ کسی حد تک مفید ضرور ہے لیکن لطائف کی مکمل اصلاح نہیں کر سکتی ۔اس لئے مرید کو مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔توجہ اتحادی:

یہ توجہ سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے اس میں شیخ اپنی پوری ہمت صرف کرکے اپنی روح کے کمالات طالب کی روح میں القاء کر دیتا ہے اس طرح کہ دونوں روحیں باہم جذب ہو جاتی ہیں جیسے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نانبائی کو توجہ اتحادی دے کر اس کے ظاہر و باطن کو اپنے جیسابنادیا جس کو وہ ضبط نہ کرکے وصال پا گیا۔

خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی توجہ ٔ اتحادی سے نانبائی کا اُن جیسا بن جانا

حکایت نمبر ۱:

از حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ منقول است کہ روزِ در خانہٗ ایشان چند کس مہمان شدند، وما حضر موجود نبود او وقت۔ حضرت خواجہ در فکر ضیافت مہمانان مشوش شدہ در تلاش ماحضر شدند اتفاقاً نانوائی متصل بخانہٗ ایشان دکان داشت برین تشویش مطلع شدہ یک قرص نان خوب پختہ بانہاری مکلف ومرغن بخدمت ایشان آورد وو قت ایشان باین سلوک او بسیار خوش شد فرمودند بخواہ چہ می خواہی، او عرض کرد کہ مرا مثل خود سازید فرمودند تحمل این حالات نمی توانی کرد چیزے دیگر بخواہ او بر ہمیں سوال اصرار داشت وخواجہ اعراض می فرمودند، تاآنکہ لجاج او بسیار شد ناچار او را در حجرہٗ بردند تاشیر اتحادی بروے کردند چون از حجرہ برآمدند درمیان خواجہ

ودرمیان نانوائی در صورت و شکل ہیچ فرق نمانده بود و مردم راامتیاز مشکل اُفتاد،این قدر بود کہ حضرت خواجہ ہشیار بودند، وآن نانوائی مدہوش وبے خود،آخر بعد سہ روز درہمیں حالت سکروبے ہوشی قضا کرد د،رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز سے منقول ہے کہ ایک دن ان کے ہاں چند مہمان آئے اور ماحضر موجود نہیں تھا۔ مہمان نوازی کی فکر میں انہیں پریشانی لاحق ہوئی، ضیافت کے سامان کیلئے باہر نکلے، اتفاقاً آپؒ کے مکان سے متصل نانبائی کی دکان تھی وہ اس تشویش پر مطلع ہوا تو اس نے روٹی اور سالن تیار کرکے خدمت میں پیش کیا۔ انہیں اس حسنِ سلوک سے بہت خوشی ہوئی حتی کہ اس کو فرمایا مانگ جو مانگنا چاہتا ہے۔ نانبائی نے اپنی سمجھ کے مطابق عرض کیا ’’مجھے اپنے جیسا بنادیں‘‘۔ آپؒ نے فرمایا تو اس حالت کا متحمل نہیں ہو سکتا کوئی دوسری چیز طلب کر۔ اس نے اسی مطالبہ پر اصرار کیا اور آپ اس سے اعراض فرماتے رہے، جب اس کی لجاجت اور اصرار زیادہ ہوا تو آپ ناچار نانبائی کو حجرہ میں لے گئے اور اس پر توجہ اتحادی فرمائی، جب وہ حجرہ سے باہر آئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ اور نانبائی کے درمیان شکل و صورت میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا اور لوگوں کو ان کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو چکا تھا۔ صرف اتنا فرق محسوس ہوتا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ حالتِ ہوش میں تھے اور وہ نانبائی مدہوش اور بے خود تھا۔ بالآخر تین دن کے بعد اسی حالتِ سُکر و مدہوشی میں انتقال کر گیا۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے۔ [1]

---

[1] (تفسیر عزیزی، سورۃ علق، ج ۴، ص ۴۱۲)

شیخ علی رامیتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ اتحادی سے نوجوان لڑکے کا ان کا ہم شکل ہو جانا اور چالیس دن بعد وفات پا جانا

حکایت نمبر ۲:

الشیخ محمد امین الکردی الاربلی الشافعی مذھباً النقشبندی مشرباً الشیخ علی الرامیتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

أن احد السادات جاء یوما لزیارته قدس سرهٗ ولم یکن عنده شئ یکرم به ضیفه أصلا فجلس معه وهو مهتم لذلک فما لبث ان جاءه أحد مریدیه وکان أبوه طباخا بقصعة من ثرید فوضعها بین یدي الشیخ ثم وقف بالذل والانکسار وقال له انی صنعت هذه علی اسمک۔ فأرجوک أن تتقبلها فتهلل وجه الشیخ قدس سرهٗ سروراً بصدق خدمته وانکساره وأکل هو وضیفه منها ثم لما انصرف نادي الغلام وقال له بارک الله لک فی رزقک وتقبل هدیتک أطلب منی ماتحب فانه یحصل لک ان شاء الله تعالیٰ وکانت همة الغلام عالیة جداً فقال له ان أقصی مرادی ان أکون مثلک صورة وسیرة فقال الشیخ هذا أمر صعب لاتطیقه فقال لاأرید غیره فأخذ الشیخ بیده وأدخله الی خلوته وتوجه الیه بکلیته وتفضل علیه بعلی همته فبعد ساعة خرج الغلام وقد صار کالشیخ صورة وسیرة لایقدر أحد أن یمیز بینهما وعاش أربعین یوما وقیل أقل ثم انتقل الی رحمة الله عز وجل۔

ترجمہ: کہ سادات میں سے ایک شخص الشیخ علی الرامیتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کے لئے تشریف لے کر آئے اور آپ کے پاس کوئی چیز بھی نہ تھی کہ مہمان کی ضیافت کر سکیں۔ وہ مہمان آپ کے پاس بیٹھے اور آپ بہت زیادہ پریشان تھے کہ ان کی ضیافت کیسے کی جا سکے، کچھ دیر بعد آپ کے مریدین میں سے ایک شخص ثرید لے کر آیا جس کا باپ نان بائی تھا، اور شیخ کے سامنے رکھا اور انکساری کے ساتھ کھڑا رہا۔ اور کہنے لگا کہ یہ سب کا سب میں نے آپ کی خوشنودی حاصل کرنے

کے لئے کیا ہے، میں آپ کی بارگاہِ اقدس سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ آپ اسے قبول فرمائیں۔ پس شیخ مبارک کا چہرہ اس کے صدق خدمت اور انکساری کی وجہ سے اور بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے چمکنے لگا۔ تو شیخ مبارک اور مہمان نے اُس سے کھا لیا۔ جب مہمان چلا گیا تو شیخ علی رامیتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُس نوجوان لڑکے کو بلوایا اور اُسے کہا اللہ تعالیٰ آپ کے رزق میں برکت ڈالے اور آپ کے اس تحفے کو قبول فرمائے، اب آپ کو جو چیز بھی چاہیئے تو مجھ سے طلب کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ چیز میں آپ کو دے دوں گا۔ اور وہ لڑکا عالی ہمت رکھنے والوں میں سے تھا، تو اس نوجوان لڑکے نے کہا کہ میرا انہایتِ مُراد یہ ہے کہ میں آپ کی طرح صورت اور سیرت میں بن جاؤں۔ پس شیخ نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے، تو اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس اس نوجوان لڑکے نے کہا کہ اس کے سوا میں کسی اور چیز کی ارادت نہیں رکھتا ہوں۔ پس شیخ نے اُسے ہاتھ سے پکڑا اور اپنے ساتھ خلوت میں اُسے داخل فرمایا۔ اور اُس کی طرف کُلی توجہ کرنے لگے اور اپنی عالی ہمت سے اُن کے اوپر فیضان کرنے لگے۔ پس کچھ دیر بعد وہ لڑکا نکلا، تحقیق کے ساتھ وہ صورتاً وسیرتاً شیخ علی رامیتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مثل بن چکا تھا۔ کسی کو بھی یہ قدرت حاصل نہیں تھی کہ وہ اُن دونوں کے درمیان میں امتیاز کر سکے۔ چالیس دن وہ زندہ رہا اور کسی نے کہا کہ اس سے کم۔ پھر وہ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گیا۔ [1]

[1] (المواھب السرمدیة فی مناقب النقشبندیة، ص ۱۰۱، مطبع السعادة، مصر)

اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا توجہ کے ذریعے گناہوں کا زائل کرنا اور بیماریوں کا علاج

دلیل نمبر ۳:

اولیائے کرام سے ازالہ گناہ، القائے توبہ، حل مشکلات، سلب امراض اور احیائے اموات کیلئے بھی توجہ ڈالنا ثابت ہے اور یہ معاملہ ان کی کرامات کے زمرے میں آتا ہے۔[1]

---

[1] في طريق التصرف في باطن المريد ودفع المرض اعلم ان الدخول في حمل الحملة عن الناس له طريقان فالطريق الاول انه اذا وقع بالشخص مرض او ابتلى بمعصية فليتوضأ الشيخ ويصلي ركعتين ويتوجه بالتضرع والانكسار الى الله تعالى ويطلب منه ان يطهر المذكور عما عرض له ويزيله عنه والطريق الثاني ان يجعل صاحب المرض نفسه ويثبتها مقام صاحب المرض المذكور ويشغل خاطره في هذا المقام يتوجه همته الى دفع ذلک العارض عنه والاخذ في الضمان مكان ذا ايضا فاذا كان الشخص نافع الخلق واشرف على الموت وكان ذلک قبل نزول حضرة عزرائيل عليه السلام فانه بعد نزوله رجوعه خاليا محال ولا بد من بدل فعد ذلک يثبته مكان اعضائه ويتوجه بهمته۔ والمدد في المرض انواع الاول ان يتوجه بهمته الى رفع ذلک المرض ودفعه عنه الثاني ان يتحمل ذلک عنه في نفسه الثالث ان يتوجه في دفع الخواطر المتفرقة عنه من غير ان يتعرض لدفع المرض لما فيه من رفع الدرجات لان المرض موجب لتنقية وتصفية القوى الدماغية وان ذلک النور المطلق البسيط لا تحتمله الموجودات الذي هو مقصود جميع المكونات والخواطر مانعة لظهور هذا المعنى والتصرف في طالب الحقيقة هكذا ايضا بان يجلسه في مقابلته ويقول له فرغ نفسک من كل خاطر ثم يتوجه لرفع الحجاب الظلماني ثم يتوجه لرفع الحجاب النوراني واذا حصلت له الغيبة فلا يتوجه له الا اذا حصلت له عقدة فيزيلها والذي ينسب الى شخص من الاحوال الآتية انه اذا حضره اجنبي وحصل في الخاطر من مقتضيات انفاسه لائح من ايمان او صلاة او صوم او تحصيل علم ديني يقولون حصل منه نسبة الاسلام والديانة ونسبة العلم والحاصل انه ظهر بسبب هذا الوصال هذا المعنى وكان وجوده في الخاطر من مقتضيات انفاسه وان ظهر من وصوله لائح المحبة والعشق يقولون ظهر منه نسبة الجذبة وفي معرفة احوال الميت فانه يجلس محاذي القبر ويقرأ آية الكرسي وسورة الاخلاص اثنتي عشر مرة ويخلي نفسه من كل خاطر فكل ما لاح له بعد ذلک فهو منه واذا وقع من المريد سوء ادب فلا ينبغي للشيخ ان يسعى في سلب حاله ولكنه يتوجه بهمته على الطريق المعهود في دفع الظلمة والكدورة عنه او يامره بذكر النفي والأثبات فترتفع عنه تلک الظلمة بهذا الطريق بان يلاحظ في جانب النفى لجميع المحدثات بنظر الفناء وفي جانب الأثبات بنظر البقاء يتصور ذات المعبود الحق بالبقاء۔ (البهجة السنية في آداب الطريقة العلية الخالدية النقشبندية، ص ١٠٦، مكتبة الحقيقة)

طریق توجہ:

شیخ مرید کو سامنے بٹھا کر اپنے قلب کو اس کے قلب پر غالب کرے اور خطرۂ غیر کو اس کے قلب پر آنے سے روک کر جذبہ قلبی کے ساتھ مرید کے دل پر اپنی نسبت القا کرے اور اپنے آپ کو ہر قسم کے خیالات سے خالی کرکے اپنے نفس ناطقہ کی طرف اس نسبت میں متوجہ ہو جائے جس کو طالب کے دل میں ڈالنا منظور ہو اور اپنی پوری باطنی ہمت کے ساتھ یہ تصور کرے کہ میرے دل سے فیوض و انوار طالب یا مرید کے دل میں سرایت کر رہے ہیں ان شآء اللہ تعالےٰ طالب کی قابلیت اور استعداد کے مطابق اس کو فیوض وبرکات حاصل ہونگے اسی طرح مرید کے جس لطیفے میں ذکر جاری کرنا مقصود ہو اپنے اسی لطیفہ کو مرید کے لطیفہ کے مقابل سمجھ کر ہر قسم کے خیال کو دونوں طرف سے روک کر مرید کے دل کو اپنے دل کی طرف کھینچے اور اسم ذات کی ضرب لگائے تاکہ اس توجہ اور ضرب کے اثر سے مرید کے اس لطیفہ میں جنبش پیدا ہو کر ذکر جاری ہو جائے۔ اسی طرح دیر تک متوجہ رہے اور روزانہ اس عمل کا تکرار جاری رکھے تاکہ توجہ کی تاثیرات راسخ ہو جائیں اور مرید کے دل میں حرارت اور نفیٔ خاطر کی کیفیت پیدا ہو جائے اگر مرید غیر حاضر ہو تو اس کی صورت کا تصور کرکے غائبانہ توجہ بھی دی جاسکتی ہے جیسا کہ بعض مشائخ کا معمول منقول ہے۔ صرف ہمت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں جمعیت اور یکسوئی رہے اور ارادہ مضبوط رہے تاکہ دل میں اس مراد کے سوا کوئی دوسرا خیال نہ آسکے۔[1]

[1] (البینات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳ ص ۱۶۷ تا ۱۷۳)

شیخ کے لئے زبانی تربیت کے ساتھ توجۂ باطنی کی اہمیت

حضرت ابو العباس محی الدین سید شیخ احمد رفاعی الحسنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(الرجل من یربی بحالہ) : لا من یربی بمقالہ، و اذا جمع بین الحال و القال فھو الرجل الأکمل۔

ترجمہ: مرد وہ ہے جو اپنے حال سے (مریدوں کی) تربیّت کرے نہ وہ جو تنہا باتوں ہی سے تربیّت کرے اور جو شخص حال ومقال دونوں کا جامع ہو (کہ حال سے بھی تربیّت کرتا ہو اور زبان سے بھی، روک ٹوک کرنا، نصیحت کرنا، علوم ومعارف بیان کرتا رہتا ہو) وہ تو بڑا کامل مرد ہے۔ [1]

اگر تمام عبادات ایک قطرہ ہیں تو کسی کے دل میں سرور داخل کرنا سمندر ہے

سراج السالکین سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ادخال السرور فی قلب المؤمن کالبحر و سائر العبادات کالقطر۔

”مومن کے دل میں سرور (اس سے مراد توجۂ باطنی ہے جس کے ذریعے انسان کو سرور اور باطنی امراض سے نجات نصیب ہوتی ہے) داخل کرنا سمندر کی طرح ہے اور دیگر عبادات قطرے کی طرح ہیں۔“[2]

حضرت سیدنا شیخ المشائخ میر برہان شیخ الشیوخ امیر کلال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں، جب بزرگ والدین نقشبند سرتاج اولیاء بہاؤ الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ پر توجہ کی تو یہ حالت ہوگئی کہ ہر وقت جذب وسکر میں رہتے لوگوں سے قطع تعلق ہوگئے اور کسی کے پاس آرام وسکون نہ ملتا۔ [3]

---

[1](البرھان المؤید، آداب الذکر، ص، ۴۳، مکتبۃ المعارف، بیروت)
[2](مکتوباتِ اشرفی/پہلا ایڈیشن، ص: ۲۳۹)
[3](خزینۃ الاصفیاء ص، ۲، ۷)

وھم ایشان (حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ) فرمودند کہ: خواجہء بزرگ (بہاءالدین نقشبند رحمۃاللہ علیہ) را در خواب دیدم کہ در من تصرّف کردندو من بیخود بیفتادم، چون باخود آمدم، خواجہ از من گزشتہ بودند، خواستم کہ در عقب بروم، پیرھائے من درھم منی پیچپید، بہ محنت بسیار بہ خواجہ رسیدم، فرمودند کہ مبارکباد۔

ترجمہ: حضرت سیدنا شیخ کبیر خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ خواجہ بزرگوار (امام طریقہ بہاء الحق والدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ پر توجہ ُتصرف فرمائی جس سے میں بیخود ہو کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو خواجہ تشریف لے گئے تھے، میں نے چاہا کہ آپ کے پیچھے جاؤں۔ لیکن میرے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ بڑی محنت سے خواجہ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو مبارک ہو۔ [1]

وھمہء مریدان ابوالقصر چنان بودند کہ ایشان رانعرہ ھای عظیم بود، وھر دوازوی حکایت کردی۔

ترجمہ: حضرت سیدنا شیخ المشائخ خواجہ کاکا ابو الفقیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بستی کے حالات میں ابو قصر کے سب مرید ایسے تھے کہ نعرے بڑے مارا کرتے تھے۔ اور یہ دونوں اپنے پیر کی حکایات بیان کرتے تھے۔ [2]

---

[1] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص، ۴۱۶، مرکز پخش: انشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ، تہران، نفحات الانس ص ۴۴۲)

[2] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص، ۳۴۳، مرکز پخش: انشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ، تہران، نفحات الانس ص 369)

مشائخ کرام کا اپنے ہم عصر اولیاء کو توجہ لینے کی طرف راغب کرنا

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بہ غلام محمد خان صدور یافتہ در بیان استفسار حالات معہ امر بتوجہ گرفتن ازین جامع مکاتیب نالائق کار و دیگر نوازشات دربارۂ این ناہنجار: خان صاحب عالی مراتب غلام محمد خان سلمہ اللہ تعالیٰ از فقیر غلام علی عفی عنہ بعد سلام اشتیاق معلوم نمایند دیر است کہ ورود عنایت نامہ مسرت رسان نگردیدہ امید کہ بہ تحریر احوال خود شادکام فرمودہ باشند درین ولایت صاحب جامع کمالات حضرت رؤف احمد صاحب بعنایت الٰہی طریقہ از فقیر گرفتہ اجازت یافتہ اند مناسب آن نمود کہ ایشان دران ضلع الفت دارند و طریقہ را رواج بخشند و شما را اگر فرصت باشد از ایشان توجہ بگیرند بس مناسب است اللہ تعالیٰ بیمن قدم ایشان دران ضلع برکت وآبادی کرامت فرماید والسلام۔[1]

ترجمہ: ”غلام محمد خان (صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا، حالات کے استفسار، نیز اس جامع مکاتیب، نکمے (حضرت شاہ رؤف احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے توجہ لینے کا حکم فرمانے اور اس ناچیز پر دیگر نوازشوں کے بیان میں: (**بسم اللہ الرحمن الرحیم**) عالی مراتب خان صاحب غلام محمد خان سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر غلام علی عفی عنہ سے شوق بھرے سلام کے بعد معلوم فرمائیں کہ مدت سے آپ کا مسرت رساں عنایت نامہ نہیں آیا۔ امید ہے کہ اپنے احوال لکھ کر

[1] (مکاتب شریفہ، مکتوب بیست و ہفتم، صفحہ ۷۴)

خوش کریں گے۔ اس ملک میں کمالات کے جامع حضرت رؤف احمد صاحب نے عنایت الٰہی سے اس فقیر سے طریقت کی اجازت حاصل کی ہے۔ یہ مناسب معلوم ہوا کہ وہ اس ضلع میں الفت رکھتے ہیں، اور وہاں اس طریقے کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو اگر فرصت ہے تو ان سے توجہ حاصل کریں، بس مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قدم مبارک سے اس ضلع کو برکت اور آبادی کرامت فرمائے۔ والسلام"۔

پیرِ توجہ کی توجہ بھی دراصل شیخ کی ہی توجہ ہے

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بجناب شاہ عبد اللطیف در ترغیب افادہ نمودن ازین ہیچمدان کہ فی الحقیقۃ فیض حضرت ایشان است: بخدمت شریف شاہ صاحب والا مناقب حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب معروف بمیاں ننھے صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ بعد سلام نیاز گزارش مینماید عنایت نامہ بورود مسعود مسرت بخشید با این ہمہ الطاف سلامت باشند یاد آوری بزرگان خوردان را موجب سعادت ایشان است امید کہ بدعای خیر حسن خاتمہ ودوام عافیت وسلامت ایمان و مغفرت مدد فرما باشند حضرت میاں رؤف احمد پیرزادہ سلمہ اللہ تعالی ازین فقیر طریقہ گرفتہ بشغل و مراقبہ فیض حاصل کردہ اجازت یافتہ اندتاثیر در صحبت و توجہ ایشان اللہ تعالیٰ عنایت فرمودہ است فالحمد للہ علی ذلک ایشان راآنجب

فرستادہ شدہ تا ہر کہ خواہد از ایشان استفادہ نمایند اللہ تعالیٰ آنچہ گمان بندہ در حق ایشان است صادق فرماید آمین والسلام۔ [1]

ترجمہ: ”جناب شاہ عبد اللطیف (رحمۃ اللہ علیہ) کو تحریر فرمایا، اس نادان (حضرت شاہ رؤف احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے استفادہ کرنے کی ترغیب میں، جو دراصل حضرت اقدس ہی کا فیض ہے:

(بسم اللہ الرحمن الرحیم) بلند مناقب شاہ صاحب، حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب، معروف میاں ننھے صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت شریف میں سلام نیاز کے بعد التماس ہے کہ آپ کے عنایت نامہ کے ورود مسعود خط پہنچنے نے مسرت بخشی۔ ان تمام مہربانیوں کے ساتھ سلامت رہیں۔ بزرگوں کا چھوٹوں کو یاد فرمانا، ان کی سعادت کا ذریعہ ہے۔ امید ہے کہ خاتمہ بالخیر، ہمیشہ کی عافیت، ایمان کی سلامتی اور بخشش کی دعائے خیر کے ساتھ مدد فرماتے رہیں گے۔ پیر زادہ حضرت رؤف احمد سلمہم اللہ تعالیٰ نے اس فقیر سے طریقہ سیکھ کر شغل و مراقبہ حاصل کر کے اجازت (کی سعادت) پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت و توجہ میں تاثیر عنایت فرمائی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ انہیں اس جگہ بھیجا گیا ہے تا کہ جو بھی چاہے ان سے استفادہ کرے۔ بندہ کے بارے میں جو گمان ہے، اللہ تعالیٰ اسے ان کے حق میں سچ فرمائے۔ آمین۔“

توجہ کرنے والا دوامِ ذکر کے ساتھ انکساری و عاجزی کو لازم پکڑے

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بقاضی صدور یافتہ در تقیید ذکر و دوام توجہ وانکسار و تعمیر اوقات بمراقبات واذکار: قاضی صاحب شمشیر خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

---

[1] (مکاتب شریفہ، مکتوب سی ام، صفحہ ۴۸)

از فقیر غلام علی عفی عنہ بعد سلام نیاز واضح می نماید رقیمہ کریمہ رسید مسرت بخشید مندرجہ اش واضح گردید دریاد حضرت حق سبحانہ عمر وانفاس متبرکہ بگزرانند وذکر ودوام توجہ ونیاز وانکسار لازم گیرند وبمراقبہ وتلاوت اوقات خود را معمور دارند مردمان کہ برای توجہ پیش ایشان بیایند باید کہ باین فقیر متوجہ شدہ توجہ نمایند وخود را درمیان نہ بینند۔ مصرع:

ازماو شما بہانہ برساختہ اند

والسلام وبدوستان سلام رسانند وتأکید نمایند کہ بر نماز و ذکر واستغفار ودرود وتلاوت مواظبت بکنند۔ بیت:

بسیار دیدہ ام کہ یکی را دو کرد تیغ
شمشیر عشق بین کہ دو کس را یکی کند

آن شمشیر الٰہی بشمشیر محبت خودی را بریدہ اتحادی پیدا می نماید۔ [1]

ترجمہ: ”قاضی (شمشیر خان رحمۃ اللہ علیہ) کو تحریر فرمایا ذکر دوام توجہ اور انکسار کی پابندی اور مراقبات و اذکار سے اوقات کو آباد کرنے کے بیان میں: (بسم اللہ الرحمن الرحیم) قاضی صاحب شمشیر خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر غلام علی عفی عنہ کی طرف سے سلام نیاز کے بعد واضح فرمائیں کہ آپ کا عنایت نامہ ملا، خوشی ہوئی۔ اس کے مندرجات سے آگاہی ہوئی۔ حضرت حق سبحانہ کی یاد میں عمر اور مبارک سانسیں گزاریں، ذکر دوام توجہ اور نیاز وانکساری کو لازم پکڑیں۔

---

[1] (مکاتب شریفہ، مکتوب چہل و چہارم، صفحہ ۵۷)

اپنے اوقات کو مراقبہ اور تلاوت سے لبریز رکھیں۔ جو لوگ توجہ کے لئے آپ کے پاس آئیں چاہیئے کہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہو کر توجہ کریں اور خود کو درمیان میں نہ دیکھیں۔ مصرع: ہم اور تم کا بہانہ ختم کر دیا گیا ہے۔

والسلام! دوستوں کو سلام پہنچائیں اور تاکید کریں کہ نماز و ذکر، استغفار، درود اور تلاوت کے ہمیشہ پابند رہیں۔

شعر: میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تلوار نے ایک کے دو ٹکڑے کئے لیکن عشق کی تلوار کو دیکھ! جو دو آمیوں کو ایک بنا دیتی ہے۔ وہ شمشیر الٰہی محبت کی تلوار سے خودی کو کاٹ کر ایک اتحاد پیدا کر دیتی ہے۔

حضور وجمعیت، جذبات وواردات اور لطائف واعمال کی اصلاح میں توجہ کی اہمیت

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نیز باین جامع مکاتیب صدور یافتہ در تقیید توجہات نمودن بحال مولوی حبیب اللہ صاحب معہ نصائح دیگر: حضرت سلامت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مولوی حبیب اللہ بخدمت میرسند بحال ایشان توجہات فرمایند تا حضور وجمعیت وجذبات وواردات وتہذیب لطائف وتبدل رذائل بحماید وتفویض وتسلیم ورضا ومقامات عشرہ صوفیہ حاصل شود وازاحوال خود ومستفیدان نوشتہ باشند وازوردواہب العطیات سر نیازوالتجا حرکت نکندانت حسبی فلا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین موطاء امام محمد وسنن ابو داود وابن ماجہ وترجمہ حضرت عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ

وآنچہ از کتب تحصیلی میسر شود درکار است بتوجہ ودعا وہمت درین وقت پیری وضعف مدد فرما باشند جزاکم اللہ خیرا الجزاء۔ [1]

ترجمہ: ''نیز اس جامع مکتوب (حضرت شاہ رؤف احمد مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو تحریر فرمایا، مولوی حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حال پر توجہات کی قید لگانا، معہ دوسری نصیحتوں کے بارے میں: حضرت سلامت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مولوی حبیب اللہ خدمت میں پہنچ رہے ہیں، ان کے حال پر توجہات فرمائیں، تاکہ انہیں حضور و جمعیت، جذبات و واردات، لطائف کی اصلاح، برائیوں کی (نیکیوں میں) تبدیلی ہاتھ لگ جائے اور تسلیم ورضا اور صوفیہ کے مقامات عشرہ حاصل ہو جائیں۔ اپنے اور مستفید ہونے والوں کے حالات لکھ کر بھیجیں اور عطیات بخشنے والے (رب قدوس) کی درگاہ سے سر نیاز اور التجا کو (ادھر ادھر) حرکت نہ دیں (یعنی ہر وقت اس کے حضور سر جھکا کر التجا کرتے رہیں)۔

انت حسبی فلاتکلنی الی نفسی طرفۃ عین۔ [2]

یعنی: (اے اللہ!) میرے لئے (تو ہی) کافی ہے، پس تو مجھے پلک جھپکنے کی دیر تک بھی میرے نفس کے سپرد نہ فرما۔

آپ توجہ، دعا اور ہمت سے اس بڑھاپے اور ضعف کے وقت میں (میری) مدد فرماتے رہیں۔

جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

---

[1] (مکاتب شریفہ، مکتوب ہشتاد وسیوم، صفحہ ۱۰۷)

[2] (مظہر جمال مصطفائی ۳۱۴)

اجازتِ توجہ کے لئے عالمِ امر و عالمِ خلق کا طے کرنا ضروری امر ہے

اسی طرح حضرت العلامہ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بہ سید احمد بغدادی در جواب عریضہ ایشان معہ احوال خانقاہ عرش اشتباہ و طریقہ توجہ نمودن و بیان مقام اجازت طالبان: بخدمت شریف سیادت و منقبت مرتبت صاحبزادہ عالی نسب حضرت سید احمد بغدادی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون و دعای بر آمد مطالب ترقی درجات واضح می نماید الحمد للہ کہ فقیر بعنایت الٰہی سبحانہ بخیریت است و شب و روز بحلقہ و مراقبہ باتباع پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اوقات خوش دارد و طالبان گاہی صد و ہفتاد گاہی ازان کم بالفعل صد و چہل باشند می باشند درین کثرت توجہ کم میشود لیکن می گویند مارا فائدہ می شد اگر سی کس بنوبت بیایند توجہ جذب و حضور و واردات حاصل شود بسیار بارہا گفتہ است وآنجناب ہم فرمودہ بودند پٹھانان خودرائی کردہ اند و می کنند باکو دبد فرمایند در عمر ہمین بالقای نور و جمعیت و حضور شغل نمودہ ام اللہ تعالیٰ قبول فرماید و بفضل خود بواسطہ آنجناب و دیگر مردم کہ بعنایت الٰہی فیضہا یافتہ اند طریقہ مرا پایدار و باقی دارد و عنایت نامہ دیروز سید مسرتہا بخشید در آمدن خطوط بسیار خوش میشوم شدت انتظار مکدر داشتہ بود الحمد للہ کہ بعنایت الٰہی بواسطۂ تحریر آنجناب رفع شد از ترقیات باطن شریف و مستفیدان نوشتہ باشند ہمت و توجہ

بالتجا بجانب حضرت حق سبحانہ بواسطۂ مشائخ کرام رحمۃاللہ علیہم وخود
را در خیال این فقیر را متخیل نمودہ در ترقی طالبان سعی نمایند ہر گاہ حضور و
جمعیت و توجہ و جذبات وواردات لطائف علام أمر را در یابد توجہ بر
لطیفۂ نفس نمایند پس بلطائف عالم خلق ودیگر درجات باید نمود کسی
را حضور قلب و لطیفہ نفس حاصل شود قابِ اجازت است وآنچہ از
تقدیر ملائم وناملائم ظہور نماید شکر واستغفار لازم شناسند مطالعہ
وملاحظہ بکنند کہ این ناموافق چرا رسیدہ وازان احتراز واجب شناسند
حضرت مولوی بشارت اللہ صاحب سلمہم اللہ تعالی یکسال درین جابودہ
بوطن رفتند (خذ العفو و امر بالعرف واعرض عن الجاهلین، الاعراف: ۱۹۹) خلق کریم
خود نمایند ومرا در دعا یاد دارند چہ خوش بود کہ در بغداد شریف وآن دیار
بعافیت رسیدہ اشاعت طریقہ فرمایند از دوستان سلام وبدوستان
سلام رسانند۔

ترجمہ: سید احمد بغدادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو ان کے عریضہ کے جواب، معہ خانقاہ معلیٰ کے حالات، توجہ کرنے کا طریقہ اور طالبین کی اجازت کے مقام کے بیان میں تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیادت اور منقبت مرتبت صاحبزادہ عالی نسب حضرت سید احمد بغدادی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت شریف میں۔

مسنون سلام اور ترقی درجات کی دعاؤں کے پورا ہونے کے بعد واضح ہو کہ الحمد للہ! فقیر عنایتِ الٰہی سبحانہٗ سے بخیریت ہے اور پیرانِ کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی اتباع میں رات دن کے حلقہ ومراقبہ سے اوقات خوش رکھتا ہے۔ طالبان کبھی سو اور کبھی ستر، کبھی اس سے کم (جو) اس وقت ایک سو چالیس ہیں، ہوتے ہیں۔ اس کثرت میں توجہ کم ہو جاتی ہے، لیکن ان کا کہنا ہے کہ ہمیں فائدہ ہوتا ہے۔ اگر تیس آدمی باری سے آئیں تو توجہ جذب اور حضور وواردات حاصل ہوتی ہے۔ انہیں بہت کہا ہے اور آنجناب نے بھی فرمایا تھا کہ پٹھانوں نے نافرمانی کی ہے اور کرتے ہیں۔ اپنے ساتھ برائی فرمار ہے ہیں۔

زندگی میں یہی نور وجمعیت کا القاء اور شغل کا حضور (حاصل) کیا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اپنے فضل سے اور آنجناب اور دوسرے لوگوں جنہوں نے عنایتِ الٰہی سے فیوضات پائے ہیں اس کے وسیلہ سے میرا طریقہ پائیدار اور باقی رکھے۔

عنایت نامہ کل پہنچا۔ خوشیاں پہنچیں۔ خطوط کے آنے سے بہت خوش ہوتا ہوں، انتظار کی سختی پریشان رکھتی ہے۔ الحمد للہ کہ عنایتِ الٰہی سے آنجناب کی تحریر کے ذریعے (پریشانی) رفع ہو گئی۔ باطن شریف کی ترقیوں اور مستفید ہونے والوں کے بارے میں لکھیں۔ حضرت حق سبحانہٗ کی جناب میں التجا کی ہمت وتوجہ سے، مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے وسیلہ سے اور خود کو اس فقیر کے خیال میں متصور کرکے طالبین کی ترقی کے لئے سعی کریں۔ جب حضور وجمعیت، توجہ اور عالم امر کے لطائف کے جذبات وواردات ہاتھ لگیں تو لطیفۂ نفس پر توجہ کریں۔ پھر عالم خلق کے لطائف اور دوسرے درجات کو (طے) کرنا چاہیئے۔ جس آدمی کو حضور قلب اور لطیفۂ نفس حاصل ہو جائے، وہ قابلِ اجازت ہے۔

تقدیر سے مناسب، نامناسب جو کچھ بھی ظاہر ہو، شکر اور استغفار کو لازم سمجھیں۔ مطالعہ اور ملاحظہ کریں کہ یہ نامناسب کیوں پہنچا ہے؟ اور اس سے بچنا واجب سمجھیں۔

حضرت مولوی بشارت اللہ صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ ایک سال یہاں رہ کر وطن لوٹ گئے ہیں۔ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف ۱۹۹) (یعنی آپ در گزر کریں اور بھلائی کا حکم دیں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں) کے کریمانہ اخلاق کو اپنی خو بنائیں اور مجھے (اپنی) دعاؤں میں یاد رکھیں۔ کتنا اچھا ہو کہ بغداد شریف اور اس ملک میں عافیت کے ساتھ پہنچ کر طریقہ کی اشاعت فرمائیں۔ دوستوں کی جانب سے سلام (ہو) اور دوستوں کو سلام پہنچائیں۔ [1]

نبی کریم ﷺ کی توجہ عالیہ کے ذریعے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قوی حافظہ کے مالک اور کم و بیش ۷۵۰۰ احادیث کے راوی بنے

اسی طرح حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کہ آنحضرت ﷺ روزے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راامر کردند کہ چادر خود دراز کن ایشان چادر خود دراز کردند پس آنحضرت ﷺ بہر دو دست مبارک خود سہ نوبت نوری انداختند و فرمودند کہ بر سینۂ خود بمال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہمچنیں کردند حق تعالیٰ قوت حافظہ چناں ایشان را عطا فرمود کہ ہیچ شی از یاد نمیرفت چنانچہ ہفت ہزار و پانصد حدیث از آنحضرت ﷺ روایت کردند پس عرض نمودہ شد ازینجا معلوم شد کہ توجہ وہمت نمودن ہم مروی از پیغمبر ست۔

---

[1] (مکاتب شریفہ، مکتوب صد و چہارم، صفحہ ۱۰۷)

حضــرت العــلامۃ شاہ غــلام عــلی دہلوی رحمۃ اللّــہ علیــہ درجواب عــارض فرمودند کہ ازیں حــدیث القاء مفہوم میشود کہ آنحضــرت ﷺ بسینۂ ابوہریرہ رضی اللّــہ عنــہ کردند لیکن توجــہ وہمت آنحضــرت ﷺ از حــدیث دیگر ظــاہر وباہر ست کہ ابن کعــب رضی اللّــہ عنــہ را خطــرۂ جہــالت بدل آمد آنحضــرت ﷺ بہمت دست مبــارکـــ خود در اقلب ایشان زدند فی الحــال از قلــب ایشان آن خطــرہ مرتفع شــد واز سینــہ آن باطــل محو شــد وگفــت کانی انظــر الی اللّــہ فرقا۔

ترجمہ: حضرت العلامۃ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی چادر بچھاؤ۔ انہوں نے اپنی چادر بچھائی تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے تین دفعہ اس چادر میں نور ڈالا اور فرمایا کہ اس کو اپنے سینے کہ ساتھ لگاؤ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس چادر کو اپنے سینے سے لگایا تو اللہ جل شانہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی قوت حافظہ عطا فرمائی کہ کوئی چیز آپ سے نہ بھولتی تھی، جیسا کہ ۷۵۰۰ احادیث مبارکہ انہوں نے آپ ﷺ سے روایت کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ توجہ اور ہمت کرنا یہ سب آپ ﷺ سے مروی ہے۔ حضرت غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس خط کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے القائے توجہ مفہوم ہوتا ہے جو آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سینہ کی طرف فرمایا۔ لیکن آپ ﷺ مبارک سے توجہ اور ہمت دیگر احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ ابن کعب رضی اللہ عنہ کے دل میں جہالت والی بات دل میں آئی تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پہ مارا تو فی الحال ان کے قلب سے وہ خطرہ

اور وسوسہ ختم ہوا اور وہ فرمانے لگے کہ آپ ﷺ کے دست مبارک میرے سینے پہ مارنے سے میرا ایسا حال ہوا کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔[1]

باطنی حالات وکیفیات بغیر کامل توجہ کے حاصل نہیں ہوتے

مکتوب چہارم:

باین بندہ لاشی عفی عنہ صدوریافتہ درجواب عرضی کہ متضمن بعضی ازحالات قلبی بوددربیان حضوربی غیبت مبراازجہت فوق کہ نسبت نقشبندیہ عبارت ازان است واستہلاک توجہ ومایناسب ذلک۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ حضرت سلامت رقعہ شریفہ رسید بمضامین مندرجہ اش مسرور گردانیداللہ تعالیٰ شمارابمقامات وعلوم ومعارف آباء کرام رساند درسیر قلبی تلوینات بسیارپیش مے آیداین ہمہ از تلوینات مبارک است سعی فرمایندوبجناب الٰہی سبحانہ التجا نمایند کہ احوال باطن بہ تمکین رسدو حضوری کہ حضرت حق سبحانہ رابذات مبارک است پر توآن برباطن شریف ظہورنماید حضوربی غیبت مبرا ازجہت فوق کہ متوہم مے شودودوام پذیردوشامل جمیع جہات ستہ گردد تا نسبت نقشبندی حاصل شودوازکیفیات وحالات گذشتہ بغیر توجہ تام نقدوقت نباشدبلکہ آنہم مستہلک گردہ واین استہلاک علامت تمامی سیر لطیفہ قلبی است والسلام۔

---

[1](حجۃ السالکین فی ردالمنکرین، صفحہ ۲۴۷)

ترجمہ: اس بندۂ ناچیز (حضرت شاہ رؤف احمد رحمۃ اللہ علیہ) کو لکھا گیا، اس التماس کے جواب میں جو بعض قلبی حالات پر مشتمل تھی ۔بے غیبت حضوری ،جو جہت فوق سے پاک ہے جس سے مراد نسبت نقشبندیہ ہے اور توجہ کو نابود کرنے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ حضرت سلامت رہیں۔(آپ کا) رقعہ شریف ملا۔اس کے لکھے گئے مضامین نے خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے آبائے کرام اسلاف کے مقامات،علوم اور معارف تک پہنچائے،سیر قلبی میں بہت سے مقامات پیش آتے ہیں ،یہ سب مقامات (فقر)ہیں ۔کوشش فرمائیں ،اورجناب الٰہی سبحانہ میں التجا کریں کہ باطنی احوال (مقام) تمکین پر پہنچ جائیں اور حضرت حق سبحانہ کی ذات مبارک کی حضوری کا نور باطن شریف پر ظاہر ہو جائے ۔جہت فوق سے پاک حضور، جس کا وہم ہوتا ہے وہ دوام (ہمیشگی) پائے اور سب چھ جہتوں میں شامل ہو جائے، تاکہ نسبت نقشبندیہ حاصل ہو جائے ۔گزشتہ کیفیات وحالات کامل توجہ کے بغیر ہاتھ نہیں لگتے ،بلکہ وہ بھی نابود ہو جاتے ہیں اور یہ نابودی لطیفہ قلبی کی سیر کے مکمل ہونے کی علامت ہے۔والسلام [1]

مرید کے لطائف کو جاری کرنے کے لئے شیخِ کامل کی چند توجہات ہی کافی ہیں

صاحبزادہ حافظ شاہ ابو سعید دہلوی نقشبندی مجددی جو کہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں ، آپ لکھتے ہیں کہ:

ارباب قلوب کے سیر وسلوک کے بیان میں ولایت صغریٰ کے دائرہ میں واقع ہوتا ہے، حضرت پیر دستگیر اورآپ کے خلفاء کا معمول یہ ہے کہ شروع شروع میں طالب کے لطائف میں ذکر ڈالنے کیلئے توجہ فرماتے ہیں ،اور توجہ دینے کا ان کے ہاں طریقہ یہ ہے کہ شیخ اپنے قلب کو اسکے قلب

---

[1](مکتوب نمبر ۴ص ۱۸)

کے مقابل کرکے جناب الٰہی سے بتوسل مشائخ کرام یوں عرض کرے کہ خداوند! جو انوارذکر پیران کبار سے مجھ کو حاصل ہوئے ہیں اور میرا دل ان سے منور ہو چکا ہے، تو اس طالب کے دل میں ڈال دے اوران سے ان کے دل کو منور فرمادے۔ پھر اپنی توجہ وہمت بڑے زور سے طالب کے قلب کی طرف مصروف رکھے ،حق سبحانہٗ سے قوی امید ہے کہ چندہی بار کی توجہ سے اس کے قلب کے اندرذکر کی حرکت پیدا ہو جائے گی ،پھر اسی طرح اپنی روح کو اس کی روح کے مقابل رکھ کر توجہ کرے اور خیال میں لائے کہ پیران عظام کے ارواح شریفہ سے جو نورذکر میرے لطیفہ روح میں پہنچاہے، میں اس کو اس طالب کے روح میں القاء کرتا ہوں۔ اوراسی طرح اس کے دوسرے لطائف (سرو خفی واخفیٰ ولطیفہ نفس و قالب) پر متوجہ ہو کر ذکر القاء کرے۔ پھر طالب کے تمام لطائف میں ذکر جاری ہونے کے بعد نفی واثبات کا ذکر تلقین فرماکر جمعیت و حضور کی نسبت القاء کرے۔ دل کے بے خطرہ یاکم خطرہ ہونے کو جمعیت کہتے ہیں ،اور حضرت حق تعالیٰ کی طرف طالب کے دل میں توجہ پیدا ہونے کو حضور کہتے ہیں ۔اور جب طالب کے قلب میں حضوروجمعیت پیدا ہو جائے تو شیخ مرید کے قلب کو اپنی ہمت اور توجہ سے فوق (اوپر) کی طرف جذب فرمائے(کھینچ لے)۔ (مصنف رحمۃ اللہ علیہ) میں نے اکثر طلاب کو دیکھاہے کہ اول جذب کا ادراک کرتے ہیں ،اور جب لطیفہ قالب سے برآمد ہوتا ہے تب نسبت حضور دریافت کرتے ہیں ،شیخ کو لازم ہے کہ اسی طرح جس مقام کے فیض کے واسطے توجہ کرے پہلے اپنے تئیں اس مقام کے فیض کے رنگ سے رنگین کرکے اس مقام کا فیض طالب کے باطن میں القاء کرے۔ علاوہ برآں اس فیض کے مورد کو بھی ملحوظ رکھے۔ [1]

---

[1] (ھدایۃالطالبین ص ۳۱-۳۲)

فیض القاء کرنا:

ملفوظات غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المعروف درالمعارف میں ہے کہ حضرت شاہ گل محمد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے طریقہ توجہ کے بارے میں پوچھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو طریقہ ہم تک پہنچا ہے وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے ارواح طیبہ کیلئے فاتحہ خوانی کرے یعنی حضورامام الانبیاء سید الاصفیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پیران کبار اور صاحبان اسرار خصوصاً خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ ،خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ ،حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کیلئے فاتحہ خوانی کرے اس کے بعد بارگاہ خداوندی میں دست دعا دراز کرکے عاجزی پیش کرے اور اپنے مشائخ سے مدد طلب کرنے کے بعد قلب طالب کی طرف متوجہ ہو حضرت غلام علی شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قلب کو قلب طالب کے سامنے کرکے توجہ ڈالتا ہوں اور ذکر کا نور اپنے مشائخ عظام کے ذریعے عاجز کے دل میں آیا ہے اسے طالب کے دل میں القاء کرتا ہوں، یہاں تک کہ طالب کا قلب ذاکر ہو جاتا ہے، اس طریقے کے مطابق لطیفہ روح سری خفی اخفیٰ کے ذریعے ذکر القاء کرتا ہوں۔ [1]

---

[1] (درالمعارف فیض نقشبندملفوظات غلام علی شاہ دھلوی رحمۃاللہ علیہ مترجم مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہ جہاں پوری ص ٤٦)

اگر ایک مہلک حیوان کی نظر میں تاثیر کو مانتے ہو تو اولیاء اللہ کی توجہات وبرکات کے منکر کیوں ہو؟

تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن فرمایا کہ عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی سے منقول ہے:

إن الله سبحانه وتعالى كما جعل في بعض الأفاعي من الخاصية أنه إذا نظر إلى إنسان يهلكه بنظره، أن يجعل في نظر بعض خواص عباده أنه إذا نظر إلى طالب صادق يكسبه حالاً وحياة۔[1]

کہ ایک سانپ ہوتا ہے اس کی نظر میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ جس چیز پر اس کی نظر پڑتی ہے وہ اس وقت جل جاتی ہے جبکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے ایک حیوان کی نظر میں یہ تاثیر رکھی ہے تو ایک کامل کی نظر میں جو کہ اشرف موجودات ہے کیا کچھ تاثیر ہوگی۔ جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے وہ احمق ترین آدمی ہے بلکہ اللہ والوں کی نظر میں تو ایسی تاثیر ہوتی ہے جس پر پڑ جائے اسے کمال حاصل ہو جائے۔

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند — سگ را ولی کنند مگس را ہما کنند
آناں کہ چشم را بہ دو صد حیلہ را کنند — آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند[2]

---

[1] (عوارف المعارف، ص ۵۷، الباب السادس عشر فی ذکر اختلاف احوال مشائخھم فی السفر والمقام، مکتبۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

[2] (تذکرہ خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ، مترجم صاحبزادہ محمد حسین للہ شریف)

شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ سے منکرولایت پر احوال کا طاری ہونا

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

حضرت والد صاحب شاہ عبد الرحیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجمالاً اور ان کے بعض احباب سے تفصیلاً سننے میں آیاہے کہ سرہند کا ایک شخص طبعی طور پر منکرولایت تھاپہلے پہل ایک بزرگ سے بیعت کرکے اس سے فیضان حاصل کیااتفاقاً عید کے دن شیخ بزرگوار حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کیاتوانہوں نے فرمایا:میاں دیر سے آئے ہو کہاں تھے اس قسم کے جملے ازراہ تلطف فرمائے تو اس کا دل ان کی طرف پھر گیااورآناجاناشروع کردیا۔پہلے بزرگ کے ہاں آنے جانے میں کمی کردی۔جب اسے یہ قصہ معلوم ہوا۔(اس بزرگ کو) تووہ توجہ کے ذریعے شیخ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے ہلاک کرنے پر کمربستہ ہوگیا۔انہوں نے مدافعت کی یہاں تک کہ اس کا بھیجاہواا ثر اسی پر پلٹااوروہ ہلاک ہوگیا۔اس کے بعد وہ مرید اس طرف حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتارہا۔کافی مدت کے بعد ادھر سے بھی (حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ)سے اس کے دل میں شک واضطراب پیدا ہواالغرض اس طرح وہ درویشوں کے ہاں آتاجاتااور انکار کرتارہااس سبب سے کوئی نفع نہ حاصل کرسکاایک دن میرے پاس آیااور کہنے لگا کہ کوئی شخص بھی صاحب تصرف نہیں ہے یہ سن کر میں نے اس پر توجہ ڈالی تووہ بے خود ہوگیااوراسی بے خبری کے عالم میں دیکھا کہ گویااسے سبز خلعت دی گئی ہے جب اسے افاقہ ہواتواس کادیکھاواقعہ بھی میں نے اسے بیان کردیااس نے واقعہ سن کراعتراف کیامگر فطرتاً منکر ولایت ہونے کے سبب کوئی نفع حاصل نہ کرسکاکاتب (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کہتاہے کہ یہ واقعہ طویل ہے مگرمجھے سبز خلعت والے جملے تک ہی یادرہ سکا۔حضرت والد صاحب سے

اجمالاً اوران کے بعض دوستوں سے تفصیلاً یہ بھی سنا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ ایک بکری پر حالت غلبہ میں توجہ کی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری ہو گئی، کئی دن اسے گھاس اور پانی کا شعور تک نہ رہا اور بالآخر مر گئی۔[1]

مریدین اپنی استعداد کے مطابق توجہاتِ مشائخ سے استفادہ کرتے ہیں

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مجذوب نے سوال کیا کہ اگر اولیاء کرام اپنے تصرف اور توجہ سے لوگوں کی زندگی بدلتے ہیں تو سب کی زندگیاں کیوں نہیں بدلتے۔ کتنے خالی لوٹتے ہیں اور اگر یہ لوگ تصرف نہیں کرسکتے ہیں تو لوگ ان کے پاس کیا لینے آتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فرمایا کہ اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم مشائخ عظام طبیب قلبی ہوتے ہیں دوا تجویز کرتے ہیں نسخہ بناتے ہیں لیکن آنے والا دوائی کے اجزاء خود لاتا ہے، مثلاً ایک آدمی کے پاس ہرڑ اور نمک ہے تو طبیب ان دونوں چیزوں کی ترتیب ٹھیک کرکے جو نسخہ بن سکے گا وہی بنائے گا اور جو مریض آٹھ یا دس مختلف جڑی بوٹیاں لاتا ہے اسے ان کے مطابق نسخہ تیار کر دے گا اور ان کے پاس کوئی اجزاء نہ لے کر آئے تو اپنی طرف سے اسے کوئی چیز نہیں دے گا آپ نے یہ مثال دے کر واضح کیا کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق حاصل کرتا ہے اور کسی میں بالکل استعداد نہیں ہوتی وہ محروم رہتا ہے۔[2]

---

[1] (انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مترجم سید محمد فاروق قادری ایم اے ص ۱۲۹)

[2] (مکتوبات حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ)

سیدنا غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجہات سے محفل میں جذب ووجد کی کیفیات

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں :

کہ سیدنا غوث اعظم جیلانی محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ اپنی محفل میں پہلے وعظ فرماتے تھے پھر آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قیل و قال کا وقت اب ختم ہو گیا ہے اور حال کی طرف آتے ہیں تو مجمع میں آہ و بکاء شروع ہو جاتی کچھ لوگ تڑپتے کچھ کپڑے پھاڑ دیتے اور دوڑ کر جنگلوں میں چلے جاتے اور کچھ مر جاتے تھے۔ [1]

بعض سیرت نگاروں نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ شہادت کی انگلی کے اشارے سے لا الہ الا اللہ فرماتے اور مجمع میں مختلف کیفیات کا ورود ہو تا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ،،لمعات،، میں نقل فرماتے ہیں کہ سارے اولیائے امت اور اصحاب سلاسل میں جنکی روحانیت کا مقام سب سے بلند ہے اور جنکی قوت نسبت سب سے اتم و اکمل ہے وہ حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں بزرگوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی قبر مبارک میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔

سلطان احمد فاروقی سیالوی اپنی کتاب "چشت اہل بہشت" میں نقل کرتے ہیں کہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو آدمی ہاتھ ملاتا تھا اس پر رونے کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور اس کے باطن میں عجیب ذوق پیدا ہو تا تھا۔ [2]

---

[1] (اخبار الاخیار شیخ محدث عبد الحق دھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

[2] (چشت اھل بھشت، سلطان احمد فاروقی سیالوی)

خواجہ ابراہیم مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ سے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی بدل جانا

سیر العارفین میں درج ہے کہ جب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عمر پندرہ سال ہوئی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی وفات پاگئے وہ بہت امیر اور ایک لمبے چوڑے کے باغ کے مالک تھے والد صاحب کی یہ تمام جائیداد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں آئی۔ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ اس موروثی باغ میں بیٹھے تھے کہ خواجہ ابراہیم مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا گزر وہاں سے ہوا جو کامل ترین ولی اللہ تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کی تعظیم کے لئے اٹھے ،بڑی تواضع کے ساتھ انہیں بٹھایا اور اپنے باغ سے انگور کے کچھ خوشے چن کر ایک پلیٹ میں رکھ کر ان کی خدمت میں پیش کئے۔خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے انگور خوشی سے تناول فرمائے۔پھر انہوں نے اپنی بغل میں سے روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دیا اس ٹکڑے پر انہوں نے لعاب دہن بھی لگادیا مذکورہ ٹکڑا کھاتے ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ کا باطن روشن ہو گیا اور دنیاوی جائیداد سے دل اچاٹ ہو گیا۔چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ باغ غربا میں تقسیم کر دیا اور خود سفر پر روانہ ہو گئے۔روٹی کے ٹکڑے سے دل کی دنیا بدلنا تصرف کی کیفیت ہے۔(سیر العارفین)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی توجہ کا طریقہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہی لکھا ہے۔(کلیات امدادیہ)

مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا توجہ ٔلمس کے ذریعے برکات عنایت فرمانا

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نسمات القدس میں لکھتے ہیں کہ:

حضرت خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کبار مشائخ متقدمین میں سے کسی کی عظمت کے احوال سنا رہے تھے کہ دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ آپ کو بھی یہ بلند مرتبہ حاصل ہوتا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ اسی لحظہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا پاؤں حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے پیر کی پشت پر رکھ دیا اسی وقت حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کو وہ تمام برکات حاصل ہو گئیں جو ان بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کو اتنے زیادہ سالوں کی ریاضت کے بعد حاصل ہوئی تھیں۔ نیز حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معاملات عظیمہ کے حصول کی محبت کی زیادتی اور حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے رابطے کے بعد ایک دن حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: ”تو مارا دوست میداری، یا ماترا معروض داشتم کہ من ایشاں را دوست میدارم“ (تو مجھے دوست رکھتا ہے یا میں تجھ سے کہوں کہ میں انہیں دوست رکھتا ہوں) اور پھر حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لمحہ تصرف فرمایا کہ میں نے اپنے دل و جان کو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت سے خالی پایا یعنی حضرت خواجہ کی وہ محبت میرے دل سے اچانک غائب ہو گئی۔ ناچار میں حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں پر گر گیا اور معذرت کی یہاں تک آپ رحمۃ اللہ علیہ پھر وہ محبت دوبارہ عنایت فرما دی کہ ہمیشہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی محبتِ یقینی صمیمی قدیمی و جدیدی میں سرشار رہا۔ اگرچہ حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے اور ان کے چاند نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آفتاب سے کسب نور کیا تھا۔ آپ کا بھی عظیم درجہ تھا، فرماتے ہیں: ”بہ عنایت حق

سبحانہ وتعالیٰ ونظر عنایت بزرگ قدس سرہ اگر اختیار کنم ہمہ عالم مقصود حقیقی واصل شوند"(حق سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے اور حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کرم سے اگر چاہوں تو سارا عالم مقصود حقیقی پالے اور واصل ہو جائے۔)اور آپ نے ایک بیت بھی ارشاد فرمایا:

گر نشکستے دل دربان راز　　قفل جہاں راہمہ بکشودمے

(اگر دل دربان راز نہ فاش کر دیتا تو میں تمام دنیا کے قفل کھول ڈالتا۔)

حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے تصرف کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

حضرت خواجہ پارسا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس عنایت کی توجۂ خاص کی بناء پر فرمایا کہ "ہر چہ گوید ہمہ شود" (آپ جو کہتے وہ ہوتا) کہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ شریف سے دوسرے کو یہ مرتبہ حاصل ہو جاتا تو پھر خود آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ کیا ہو گا۔ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں مذکور ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے حاضر وغائب، موجود وغیر موجود مریدوں کی جزئیات وکلیات کو ان سے بہتر جانتے تھے چنانچہ ایک بار دور دراز کے سفر کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخلص جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:"احوالیکہ ریں مدت بر تو گزشتہ است تومیگوئی یاما میگوئم"۔ (جو حالات اس مدت میں تم پر گزرے ہیں میں بتاؤں یا تم بتاؤ گے۔) اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ خود بیان فرمانا شروع کر دیتے اور ارشاد فرماتے:"روئے زمین در نظر ماچوں روئے ناخن است"۔ (روئے زمین ہماری نظر میں روئے ناخن کی طرح ہے۔)پس باوجود باطنی احوال، ظاہری

متابعت، علومِ مرتبت، تصرفاتِ کونیہ و تصرفاتِ ارشادیہ وکشوفات عالیہ کے ظہور وانکسار ودیدِ کسور احوال آپ رحمۃ اللہ علیہ پر کچھ اس طرح درجہ غالب تھے کہ بیان سے باہر ہے۔

سید کائنات ﷺ ایسے مرتبہ پر فائز تھے کہ تمام عالم اور جمیع مخلوقات کووجود آپ ﷺ کے وجود کے طفیل ملا کہ آپ ﷺ باعثِ تخلیق کائنات ہیں۔ اور محبوبیت کے اعلیٰ درجے پر فائز۔

حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے غایتِ قوتِ مناسبت اور مرتبہ محبوبیت کی بناء پر فرماتے ہیں:

یالیت رب محمد لم یخلق محمدا۔ (اے کاش! محمد ﷺ کارب محمد کوپیدا نہ کرتا۔)

خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کانام نامی محمد تھا۔ اس عبارت میں خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ذات ہی مراد لی ہے، معاذاللہ یہ بات حضور اکرم ﷺ کیلئے نہیں کہہ رہے۔ اور غایت خضوع اور انکساری کی بناء پر اس حدیث کو بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے۔

انہ لیغان علی قلبی و انی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ۔[1]

ترجمہ: میرے ل پر کبھی بادل چھا جاتے ہیں اور میں ہر روز ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

اور ابتداء میں تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں اتنا خشوع اور اتنی خاکساری تھی کہ قوت بشری سے بھی بعید ہے۔ یہاں تک کہ زخمی خارش زدہ کتے کو بھی اگر آپ دیکھ لیتے تو جبکہ دوسرے لوگ تو اس کے پاس جانا بھی پسند نہ کرتے آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دست مبارک سے اسے دھوتے اور اس پر مرہم رکھتے۔ نیز خود کا انتہائی کم درجہ کی مخلوقات اور معمولی جانوروں سے موازنہ

---

[1](مسلم، کتاب الذکر، باب ۱۲ رقم الحدیث ۲۷۰۲)

کیاکرتے اورخود کو سب سے کمتر جاناکرتے تھے۔آخری عمرمیں انتہائی انکساری کی بناءپر آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایاکرتے :

"بایں مہ خرابی وافلاسی و بیحالی وعاجزی کہ من دارم لیاقت ندارم کہ کسے سلام مراجواب گوید وحق تعالیٰ مرادرمیان خلق رسواکردہ است ومردم رابمن مشغول گردانیدہ"۔

ترجمہ: میری اس تمام خرابی ،افلاس، تہی دامنی اور عاجزی و مسکینی کے باعث مجھ میں اتنی بھی لیاقت نہیں کہ کوئی میرے سلام کاجواب دے۔حق تعالیٰ نے مجھے مخلوق میں رسوا کیاہے کہ لوگوں کومیرے ساتھ مشغول کردیاہے کہ مخلوق کامیری طرف یہ رجوع ہے۔

اسی فروتنی وانکساری کے باعث جب ایک شخص نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کرامات کا مطالبہ کیاتو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

اکدام کراماتِ مابرابرآنست کہ بایں ہمہ
بارگناہ بر زمین می رویم فرو نمی شویم

"ہماری کونسی کرامت اس کے برابر ہے کہ گناہوں کے اس تمام بوجھ کے باوجود ہم زمین پر چل رہے ہیں اور دھنس نہیں جاتے"۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"نفی وجود نزدمااقرب طرق است وایں جزبترک کاروبارودید قصوراعمال میسر نہ شود"۔

(ہمارے نزدیک وجود کی نفی سب سے زیادہ قریب کا راستہ ہے اور یہ ترکِ کاروبار اور انکسار کے بغیر میسر نہیں)۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"درعبادت طلب وجود ست ودر عبودیت تلفِ وجود تاہستیٔ ما باماست ہیچ عمل نتیجہ نہ دہد"۔

عبادت میں وجود کی طلب ہے اور عبودیت میں وجود کا مٹنا اور ختم ہو جانا۔ جب تک ہماری ہستی ہمارے ساتھ ہے یعنی اس کا احساس ہم میں موجود ہے، اسوقت تک کوئی عمل فائدہ مند نہیں۔ اسکا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

ازراہ بردباری و تحمل اور استقامتِ احوال کیلئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

درویش در مقام بارکشی باید کہ چوں دہل باشد کہ ہر چند طبانچہ خورد صدائے مخالف ز ظاہر نشود۔

درویش کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو مقامِ بارکشی میں جانے۔ بوجھ کھینچنے والے چھکڑے کی طرح کہ جب ڈھول بجے یہ کتنے ہی طمانچے کھائے مگر کوئی مخالفانہ آواز اس سے ظاہر نہ ہو۔

آں سرور ﷺ کی کمالِ اتباع کے باعث باوصف اسکے کہ آخر زمانے کے تقاضے بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہری فقر بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی فقر کی طرح کامل تھا۔ وہ کہا گیا **اذاتم الفقر فھو اللہ**۔ (جب فقر مکمل ہو جائے تو وہ اللہ ہے یعنی ظاہر وباطن کا فقر سب اللہ کی رضا کیلئے) آپ رحمۃ اللہ علیہ پر پوری طرح صادق آتا تھا۔ چنانچہ سالہا سال آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بوسیدہ عمامہ اور پرانی پوستین میں گزارے ہیں۔ اور کئی شب وروز ایک

پرانا کپڑا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا لباس رہا۔ سخت سردی کے موسم میں بھی گھاس آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تکیہ کی جگہ ہوتی اور پرانا بوریا اور پانی کا لوٹا۔ اس تمام فقر کے باوجود خلق نبوی ﷺ کا شیوہ اپناتے ہوئے مہمانوں اور درویشوں پر خرچ کرنے میں بڑی سعی فرماتے تھے اور خود بنفس نفیس مہمان اور اس کی سواری کی خدمت کرتے۔ اپنی روزی کے حصول کیلئے قلیل زراعت کرتے اور خود زمین کاشت کرتے ۔مزاج کی اس تمام لطافت کے باوجود سورج چمک رہا ہوتا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ زراعت میں سعیٔ بلیغ فرما رہے ہوتے اور اپنے ظاہری و باطنی احوال کے چھپانے میں پوری کوشش فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک عالم کئی سال آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک گھر میں رہے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال اور کمال پر مطلع نہ ہو پائے۔

اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے منسلک ایک مخلص بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت خواجہ بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے گزشتہ ادوار میں بڑے بڑے بزرگ ہوئے مگر یہ شہرت جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو دو سو سال میں ملی کہ ماوراء النہر کے تمام تشنہ لب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی رحمت خاص کی نہر سے سیر اب، ترکستانیوں کے دل آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جذبۂ اخلاص سے ترکتاز، کاشغر و خطا والوں کی مشام جان آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نافۂ نسبتِ روح سے معطر، ختن والے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آفتاب ہدایت سے منور، ساکنانِ عراق کی عروق جان (رگیں) آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص کی حبل متین (مضبوط رسی) سے مضبوط و متیقن، شام والوں کے دل آپ رحمۃ اللہ علیہ کی چودھویں رات کی روشنی سے روشن ، مصر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی برکات کی مٹھاس سے شیریں کام، اہل روم الغ بحکم آیت کریمہ اذاغلبت الروم آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مغلوبِ محبت، سیستان زابلستان میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت و ناموری ایسی گویا نصف النہار کا سورج، کابل

وکشمیر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رخسار مبارک سے رشک کے باعث ارغوانی وزعفران زار، اہل مملکت ہندوستان، مانند طوطی شیریں مقال آپ رحمۃ اللہ علیہ جیسے تاج الرجال کی مدحت میں نغمہ سنج قدس اللہ سرہ الاقدس۔ تو اس سوال کے جواب میں مخلص بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ صاحب برکات نے اپنی تمام زندگی اپنے احوالِ فضل وکرامات کو مخلوق خدا سے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں پوری پوری کوشش فرمائی تو حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اس کی مکافات میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو چاند سورج کی ظاہر فرمایا اور دنیا والوں کے کانوں میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت ڈال دی۔

ایک دوسرے شخص نے اس فقیر راقم (حضرت ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ) سے پوچھا کہ اللہ پاک کی صفتِ کاملہ میں سے ایک صفت کلام بھی ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیشہ متکلم ہے اور خرس وسکوت اس کی صفت نہیں پس جو بزرگ اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہوں انہیں چاہیئے کہ سکوت کے مقابلہ میں کلام کرنے کو پسند کریں حالانکہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ سکوت وخاموشی ہے۔ اس عاجز نے حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ وامداد سے جواب دیا کہ وہ کلام الٰہی جسے تم نے کلام سمجھا ہے وہ حرف وآوازوالا کلام نہیں بلکہ اس سے وراء الوراء ہے اور کلام بشر سے مختلف۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین نے اس لئے ایسے کلام کو چھوڑا ہے جو کلام بشر کی طرح حرف وآوازوالا ہو اور ایسے کلام کو اختیار کیا ہے جو کلام بیچون الٰہی کی طرح ہے۔ اس طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ ایسے کلام کے تخلق کے باعث متخلق باخلق الٰہیہ ہیں تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ تو درحقیقت اصل کی طرف گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت وبزرگی تحریر وبیان سے باہر ہے۔ قیامت تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت

کی نشانیاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تصرفات ومعونت وامداد ان پر بھی جو دور ہیں اوران پر بھی جو قریب ہیں ظاہر وآشکار ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت کے تصرفات آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بھی ظاہر ہوئے ہیں جو مختلف رسائل میں بیان ہوئے ہیں ۔بعض بزرگوں نے وہ خود دیکھے اور بعض نے دوسرے صادق القول حضرات سے سنے۔اگر ہم انہیں بیان کرنا شروع کریں تودفتر کے دفتر مرتب ہو جائیں۔ میں صرف ایک قصہ اورایک کرامت کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

اس فقیر کے ایک مخلص بخاری بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ حرمین شریفین زادھااللہ شرفاوتکریماً(اللہ تعالیٰ ان دونوں کے شرف وعزت کوزیادہ کرے)سے واپس ہورہے تھے کہ ضرورت وقت کے پیش نظر انہوں نے ساتھیوں سے ایک خاص کشتی میں بیٹھنے کیلئے کہا۔ساتھیوں نے جو تعداد میں تقریباًپچاس تھے شروع میں انکار کیالیکن جب ان کا اصرار بڑھاتووہ سب ناچاراس کشتی میں بیٹھ گئے۔حالت سفر ہی میں تھے،دریائے شور میں پہنچا تھا کہ اچانک زبردست ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں بادل کی گرج اور پھر طوفانِ بادوباراں اور بجلی کی زبردست کڑک،شدید تاریکی،کشتی والوں کی جان پر بن گئی اورانہوں نے مجھے برابھلا کہنا شروع کردیا کہ مجبوراًمیرے کہنے سے وہ کشتی میں بیٹھے تھے۔میں بھی زندگی سے مایوس کہ اچانک مجھے خیال آیا کہ حضرت خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ توہندواور فرنگیوں کی پکارپر بھی ان کی مدد فرماتے ہیں مگر کیاہم ان سے بھی کمتر ہیں اوراس غوث الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہمارا اخلاص ان غیر مسلموں سے بھی کم ہے کہ وہ ہماری دستگیری نہ فرمائیں گے اوراسی طرح غرق ہونے دیں گے میں نے یہ کہااوراسی جوش میں میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزارفائز الانوار کا تصور کیا اور میں اسی تصور میں گم ہو گیا۔کیادیکھتاہوں کہ ایک بزرگ نورانی شکل پانی کی سطح پر نمودارایک کشتی میں بیٹھے عجلت کے ساتھ ہماری طرف تشریف لارہے ہیں۔

مجھے غیب سے القاءہوا کہ یہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور تمہاری مدد کو تشریف لائے ہیں جب آپ رحمۃ اللہ علیہ نزدیک ہوئے تو میری جانب تبسم فرمایا۔میں نے شکوہ کیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ تو دشمنوں کی بھی مشکل آسان فرماتے ہیں ۔میری اس مشکل میں مدد فرمائیں ۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پھر تبسم فرمایااور شفقت فرمائی کہ خاطر جمع رکھو ہم اسی مقصد سے آئے ہیں مجھ پر عجیب جوش اور سکر کی کیفیت طاری ہو گئی۔جب افاقہ ہوا تو دیکھتا ہوں کہ نہ وہ بارش،نہ وہ کڑک ،نہ بجلی،نہ وہ طوفان،نہ وہ تاریکی ۔میں چلایا۔ساتھیو خوشخبری ہو کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مدد کو آپہنچے ہیں اور ہم سب غرق وہلاکت سے بچ گئے ہیں۔ خوش ہو جاؤ، شکر بجا لاؤ اور جان ودل حضرت کی نذر کروو ہ سب بے اختیار رو پڑے۔شکر بجالائے اور غریبوں کو کھانا کھلانے کی جو منتیں مانی تھیں ساحل پر آکروہ پوری کیں۔ **الحمدللہ علی انعمائہ بتوسط اولیائہ۔** (خدا کی نعمتوں کا شکر اسکے اولیاء کے توسط سے)ایک اور بزرگ رحمۃ اللہ علیہ جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رابطۂ طریق رکھتے تھے اپنا ایک کشف اسطرح بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب نماز تہجد کے بعد میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے۔اولین وآخرین ایک میدان میں جمع ہیں۔دھوپ کی تیزی کا یہ عالم کہ بیان سے باہر اوردور ایک بارگاہ ہے عظیم اور عجیب ۔لوگ کہنے لگے کہ یہ بارگاہ شفاعت محمدی ﷺ ہے علی صاحبہاالصلوۃ والسلام ۔اسی دوران ایک عجیب ساز لزلہ اورزبردست شور اٹھا کہ لوگ حیرت میں پڑگئے کہ یہ کیاچیز ہے۔لوگ کہنے لگے یہ دوزخ ہے ۔اسے زنجیروں میں جکڑ کرلا یا گیاہے اور میدان حشر کے کناروں سے اسے گزاررہے ہیں ۔اسی دوران میں نے دیکھا حکم ہوا تمام کافروں کو دوزخ میں ڈال دواور حساب کتاب کیلئے ایک گروہ پر نظر رکھو چنانچہ انتہائی ذلت کے ساتھ کفار کو جہنم کی طرف گھسیٹا گیا۔اسی دوران ایک شخص کو گھسیٹ کرلے جارہے تھے اوروہ

گڑگڑا رہا تھا۔ ہر ایک نے اپنے نیک اعمال کا جائزہ لیا مگر ان سے کچھ فائدہ نہ ہوسکا کہ ناگاہ اس نے کہا۔ میں نے ایک بار پانچ فلس (پیسے) نذر خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کیے تھے کہ وہ خدا کے کامل دوستوں میں سے ہیں۔ چنانچہ فرمان صادر ہوا کہ اس پر نگاہ رکھو پھر مجھے معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا معاملہ گزرا۔ ہاں میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ اے کاش ہم دنیا میں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے سے منسلک ہوتے۔

شاعر نے خوب کہا:

بس کنم خود زیر کانرا ایں بس است　　　بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں خود کو ان کے زیر فرمان کردوں، اگر دس میں سے کوئی ایک ہے تو میں اسی کا نعرہ ماروں۔

اور فرمایا:

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

کاملین کے مرتبہ کو ناتجربہ کار وناپختہ کیا سمجھے۔ پس گفتگو مختصر کرکے والسلام کہنا ہی بہتر ہے۔ [1]

اللہ کے ولی کی توجہ سے پتھر دو ٹکڑے ہو گیا

علامہ نور الدین ابوالحسن محمد بن علی بن یوسف بن جریر، قدس سرہ، شطنوفی فرماتے ہیں:

اجتمع الشیخ علی بن وھب، والشیخ عدی ابن مسافر، والشیخ موسی الزولی رضی اللہ عنھم، عند صخرۃ عظیمۃ، بجبل السلو، ببلاد المشرق، فقالا للشیخ علی بن وھب: ما التوحید؟ فقال: ھکذاو اشار بیدہ الی تلک الصخرۃ، قال: اللہ فانفلقت نصفین، وھی الی الآن معروفۃ، یصلی الناس بین نصفیھا۔

---

[1] (نسمات القدس ص ۶۵)

ترجمہ: شیخ علی بن وہب ، شیخ عدی بن مسافر اور شیخ موسی زولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بڑے پتھر کے پاس جو کہ "السلو" بلاد مشرق میں تھا جمع ہوئے پھر ان دونوں نے شیخ علی بن وہب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ توحید کیا ہے؟ انہوں نے کہا اس طرح، اور اپنے ہاتھ سے اشارہ اس پتھر کی طرف کیا اور کہا اللہ: پھر وہ پتھر دو ٹکڑے ہو گیا اور وہ اب تک مشہور ہے لوگ ان دونوں کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔[1]

جس طرح اولیاء کرام رحمہم اللہ اجمعین اپنی توجہات کی برکات سے لوگوں کے دلوں کو منور فرماتے ہیں اسی طرح توجہ سلبی بھی فرماتے ہیں لیکن یہ توجہ یا تو منکرین کو زیر کرنے کیلئے یا کسی حکمت کی بناء پر یا کسی کو راہ راست پر لانے کیلئے توجہ فرماتے ہیں۔

امام ابو الحسن الشطنوفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

توجہ کے ذریعے شیخ رضی اللہ عنہ کا شیخ شہاب الدین سہروردی کے سینہ سے علم کلام کو دور کرنا:

خبر دی ہم کو ابو محمد حسن بن ابی عمران موسیٰ بن احمد قرشی خالدی اور ابو محمد سالم بن علی بن عبد اللہ دمیاطی نے قاہرہ میں ۶۷۱ھ میں ان دونوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو شیخ عالم ربانی شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد عبد اللہ سہروردی نے کہا کہ خبر دی ہم کو حسن نے حلب میں ۶۱۸ھ میں کہا خبر دی ہم کو سالم نے بغداد میں ۶۱۴ھ میں کہا کہ میں اس حالت میں کہ جوان تھا علم کلام میں مشغول ہوا اور اس میں میں نے بہت سی کتابیں حفظ کیں اس میں فقیہ بن گیا میرا چچا اس پر مجھے بہت جھڑکتا رہتا تھا لیکن میں باز نہ آتا تھا وہ ایک دن مجھے ساتھ لیکر حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ کی

[1] (بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار، ص، ۴۳۱، مؤسسۃ الشرف بلاھور، پاکستان، امام اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، ص: ۴۶۴)

زیارت کو آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اے عمر! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایماندارو! جب تم رسول ﷺ سے تخلیہ میں باتیں کرنے آؤ تو صدقہ دے لیا کرو۔ اور ہم ایک ایسے شخص کی خدمت میں چلے ہیں کہ اس کا دل خدا تعالیٰ کی طرف سے باتیں کرتا ہے تم سوچو کہ ہم ان کی خدمت میں کیسے جاتے ہیں کہ ان کی زیارت کی برکت حاصل کریں پھر جب ہم ان کی خدمت میں بیٹھے تو میرے چچا نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اے میرے آقا! یہ عمر میرا بھتیجا ہے علم کلام میں مشغول ہے میں اس کو منع کرتا ہوں لیکن یہ باز نہیں آتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر! تم نے کون کون سی کتاب علم کلام کی حفظ کی ہے میں نے کہا فلاں فلاں کتاب۔ تب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر پھیرا تو خدا کی قسم اس علم کو میرے سینہ سے ایسا نکالا کہ مجھ کو ایک لفظ بھی اس کا یاد نہ رہا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وہ تمام مسائل بھلا دیئے لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں اسی وقت علم لدنی بھر دیا پھر میں آپ کے پاس سے اٹھا تو حکمت کی باتیں کرتا تھا آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ اے عمر تم عراق میں سب سے آخر میں مشہور ہوں گے وہ کہتے ہیں کہ شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ سلطان حقیقت اور حقیقتِ وجود میں تصرف کرنے والے تھے۔ [1]

شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخی فردوسی قدس سرہ کے ملفوظ "گنج لایخفیٰ" میں منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ اور حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ ایک مجلس میں ہم جنب و ہم پہلو تشریف فرما تھے کہ اس اثنا میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور دونوں بزرگوار کے بیچ میں بیٹھ گئے اور حضرت شیخ الشیوخ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں جو حضرت کے ہم پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ شیخ الشیوخ نے فرمایا: "ایشان از خلفائے

---

[1] (بهجة الاسرار ص ٦٥)

بندگی خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی اند'' امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا بم عرفت اللہ کہ آپ نے خدا کو کس طرح اور کس دلیل سے پہچانا۔ حضرت نے جواب دیا کہ ''بالواردات الالھیۃ الغیبیۃ التی لاتحملھا الافھام الضعیفۃ'' یعنی ہم نے خدا کی معرفت ان واردات الہیہ غیبیہ کے ذریعہ سے حاصل کی جو افہام ضعیفہ کے ادراک و تحمل وطاقت سے باہر ہیں۔ امام رازی یہ جواب سن کر عالم حیرت میں آکر ساکت ہو رہے۔ اس واقعہ کو دیگر کتب میں تفصیل کے ساتھ یوں لکھا ہے کہ اس مجلس میں بڑے بڑے مشائخ و علماء حاضر تھے۔ امام رازی علیہ الرحمۃ نے مشائخ طریقت پر علمی تفوق اور عالمانہ شان کا اظہار چاہا اور علمی مباحث پر گفتگو فرمانے لگے۔ پہلے شیخ الشیوخ کو مخاطب فرما کر کوئی مسئلہ پوچھا شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ پیرایہ میں اسکا جواب شافی دیدیا۔ لیکن امام فخر الدین رازی نے اس پر اکتفانہ کی اور طول طویل تقریریں کرنے لگے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کی طرف متوجہ و مخاطب ہوئے، آپ کو یہ بحث مباحثہ ناگوار خاطر عاطر ہوا۔ ظاہراً سکوت اختیار فرمایا اور زبان مبارک سے کوئی جواب نہ دیا مگر ان کے باطن کی طرف ایک نگاہ کی اور انکے قلب کی طرف متوجہ ہوگئے تمام علم وفضل سب سلب ہوگیا امام رازی خود فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا عجب حال ہوگیا تمام علوم میرے دل سے مٹ گئے سارا علم غائب ایک حرف حروف تہجی کا یاد نہ آتا تھا۔

مناقب الاصفیاء میں ہے:

چنانچہ امام فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود در رسالہ آوردہ است کہ ہرچند اندیشہ مے کردیم کہ مرا حرفے از حروف تہجی یاد آید نمی آمد۔

غرض امام رازی سخت گھبر ائے اور توبہ و استغفار کیا اور بعد بر خاست مجلس شیخ نجم الدین کبریٰ کے حضور میں حاضر ہو کر با کمال ادب نہایت معذرت و عذر خواہی کی شیخ نے فرمایا اور تمام علوم وفنون اپنے سینے میں موجود پائے اس واقعہ کے بعد امام فخر الدین رازی آپ سے نہایت ہی عقیدت رکھنے لگے اور با کمال ادب آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں جیسے کہ امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طبقات ج٦ ص١١ میں لکھا ہے کہ اس حکایت وروایت سے حضرت نجم الدین کبریٰ کے زوروِلایت وکرامت وتصرف کے علاوہ حضرت ابو النجیب عبد القاہر کے ان دونوں خلیفوں یعنی شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اندازوروش کے تفاوت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اوردونوں بزرگوار کے روش کی علیحدگی صاف معلوم ہوتی ہے حضرت شیخ الشیوخ کا طریقہ ستر واستتار حال اور ظاہر شریعت کی پابندی اور تحمل وبردباری اور لسانی اتمام حجت اور ابلاغ و تبلیغ ورشدوارشاداوروعظ وپندوغیرہ کا تھا اور حضرت نجم الدین کبریٰ کے یہاں کثرت کرامات وخوارق عادات کا سلسلہ تھا اور زیادہ تر اپنی پاک روحانیت اور باطنی تصرفات اور قوی تاثیرات سے کام لیتے اوررشدوہدایت فرماتے تھے حقیقت میں دونوں بزرگوار اپنی روش اور انداز میں ٹھیک اور اپنی اپنی خدمتوں اورروشوں پر مامور من اللہ تھے۔[1]

اولیاءاللہ جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں اپنے توجہات کی برکت سے:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں :

این بزرگواران ہمچنان کہ قدرت کاملہ براعطاء نسبت دارند وحضور وآگاہی رادراندک وقت بہ طالب صادق، عطا مے فرمایند، درسلب آن نسبت

---

[1] (تذکرہ حضرت عبدالقاہر السہروردی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ ص ۱۳۹، ۱۴۱، مناقب الاصفیاء ص ۹۶، ۹۷)

نیز قدرت تامہ دارند وبیک بی التفاتی، صاحب نسبت را مفلس می سازند بلی آنھا کہ می دہند می ستانند ہم اعاذنا اللہ سبحانہ من غضبہ وغضب اولیاء الکرام۔

بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور وآگاہی بخش دیتے ہیں اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے غضب سے بچائے۔[1]

اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی کیفیت سلب کر لی جائے

حضرت علامہ بدرالدین مجددی سرہندی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

درویشے بخدمت آنحضرت رسید، دل او چنان ذاکر شدہ بود کہ ہمنشین او استماع می نمود، لاسیما چون بخواب رفتی تا دور مسموع گشتی واز بعضے مشائخ عصر خلافت داشت واز حضرت ایشان نیز توقع این معنی وے را بود۔ حضرت ایشان فرمودند کہ مرد صاحب استعداد است، ما استیلائے ذکر وخلافت مشائخ وے را در عجب وپندار داشتہ، راہ ترقی مسدود ساختہ است معالجۂ او سلب این حال ست۔ دو روز نگذشتہ بود کہ آن حال را از وے سلب کردند۔ حیران شد ومی نالید واشک حسرت از چشمش می بارید۔ چند روز بحال وے توجہ نہ کردند۔ تا عجب وپندار از سر وے بدر رفت۔ بعد ازان در

---

[1](مکتوبات امام ربانی ج ۱ مکتوب ۱۲۲ ص ۲۴۰)

خلوت طلبیدہ بمعاملات و مقامات وے را نواختند کہ آن ذکر نسبت بآن زینۂ اول ہم نمی تواند بودووے بنقص حالت سابق معترف گردید۔

ترجمہ: ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کا دل ایسا ذاکر تھا کہ اس کے قریب بیٹھنے والا بھی سن لیتا تھا اور بالخصوص جب وہ سو جاتا تھا تو دور سے سنائی دیتا تھا اور وہ کئی مشائخ سے خلافت حاصل کر چکا تھا اور آپ سے بھی اسے یہی توقع تھی آپ نے فرمایا کہ یہ شخص صاحب استعداد ہے لیکن ذکر کے غلبے اور مشائخ کی خلافت نے اسے غرور اور خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہے اور اسی وجہ سے اس کی ترقی کا راستہ بند ہو گیا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی کیفیت سلب کر لی جائے چنانچہ دو روز نہ گزرے ہوں گے کہ اس کی یہ کیفیت سلب کر دی گئی وہ حیران ہو گیا، روتا تھا اور اس کی آنکھوں سے حسرت ٹپکتی تھی، آپ نے چند دنوں تک اس کے حال پر توجہ نہ فرمائی اور اس طرح اس کا غرور اور خود پسندی دور ہو گئی اس کے بعد اس کے بعد اپ نے خلوت میں طلب فرما کر، معاملات اور مقامات سے نوازا کہ اس کا پہلا ذکر ان معاملات کے مقابلے میں پہلی سیڑھی کی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا پھر وہ اپنی پہلی حالت کے نقص کا معترف ہوا۔ [1]

حضرت نجم الدین کبریٰ کی توجہ کی برکت سے ہزاروں طالب علم منزل مقصود تک پہنچے:

آپ کی روحانی قوت اس قدر پرزور اور قوی تھی کہ آپ کی ادنیٰ ہمت سے ایک دم میں جذب وسلوک کے سارے مرحلے طے ہو جاتے تھے اور صرف ایک توجہ میں ایک عامی عارف کامل

[1] (حضرات القدس ج ۲)

ہو جاتا تھا۔ آپ مستی ووجدوخروش کی حالت میں جس پر ایک نگاہ ڈالتے وہ ولی ہو جاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کوولی تراش کالقب دیا گیا۔ [1]

ایک دن ایک سوداگر آپ کی خانقاہ میں (سبظر سیر) حاضر ہوا۔ شیخ پر اس وقت ایک خاص حالت وجد طاری تھی وہ شخص شیخ کی نظر مبارک کے سامنے آگیا آپ نے اس پر ایک پر فیض نگاہ ڈالی وہ اسی وقت مرتبۂ ولایت سے فائز المرام ہو گیا۔ آپ نے پوچھا ''تو کس ملک یا کس شہر کا باشندہ ہے'' اس نے شہر کا نام بتایا۔ آپ نے اسے ارشاد ہدایت کی اجازت و خلافت لکھ دی اور فرمایا'' جاؤ'' اپنے وطن میں خلق خدا کو ہدایت وارشاد کرو۔ [2]

شیخ اوحدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں حضرت شیخ کا توسل اس طور پر کرتے ہیں:

یارب بہ ولی تراش مطلق — آن نجم و نجوم ملت حق
یارب بہ ولی تراشیٔ او — خاصیت فیض پاشیٔ او

توجہ کے ذریعے سے مقامات طے کرانا:

خبر دی ہم کو ابو محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ اپنے باپ سے بیان کرتا ہے کہ میں نے بغداد میں شیخ بزرگ عارف ابو عبد اللہ محمد بن احمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک سال تک خدمت کی اوران سے ان کے ابتدائے حال کی بابت پوچھالیکن انہوں نے اس کو چھپایا پھر میں نے دوسرے سال ان کی خدمت کی تب کہا کیا تم ضرور سنو گے؟ میں نے کہا اگر آپ مناسب سمجھیں۔ انہوں نے کہا جب تک میں زندہ رہوں کسی کو یہ خبر نہ سنانا میں نے کہا ہاں (بہت

---

[1] (نفحات ومناقب الاصفیاء وتذکرۃ الاولیاء)
[2] (سفینۃ الاولیاء)

اچھا) جب ان کو میرے راز چھپانے کا یقین ہو گیا تو کہا کہ میں بلخ سے بغداد کی طرف جوانی کی حالت میں اس لئے آیا کہ شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زیارت کروں میں ان سے ایسے حال میں ملا کہ وہ اپنے مدرسے میں نماز پڑھ رہے تھے پہلے اس سے نہ میں نے ان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا نہ انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سلام پھیر چکے اور لوگ ان کی طرف سلام کیلئے دوڑے تو میں بھی آگے بڑھا اور میں نے مصافحہ کیا آپ نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور ہنس کر میری طرف دیکھا اور کہا کہ اے بلخی !اے محمد تم کو مرحبا ہو، اللہ تعالیٰ نے تیرا مرتبہ جان لیا، تیری نیت کو معلوم کر لیا۔ شیخ مذکور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کلام زخمی کی دوا، بیمار کی شفا تھا تب میری آنکھیں خوف الٰہی کے مارے بہہ نکلیں میرے شانہ کا گوشت ہیبت کے مارے پھڑکنے لگا میری آنتیں شوق و محبت کی وجہ سے کٹ گئیں میرا نفس لوگوں سے گھبرانے لگا میں نے اپنے دل میں ایسی بات پائی کہ جسے میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا پھر یہ حالت بڑھتی اور قوی ہوتی گئی اور میں اس سے مقابلہ کرتا رہا۔ میں اندھیری رات میں اپنے وظیفہ کیلئے کھڑا ہوا تب میرے دل سے دو شخص ظاہر ہوئے ایک کے ہاتھ میں محبت کی شراب کا پیالہ تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں خلعت تھا مجھ کو صاحب خلعت نے کہا کہ میں علی ابن ابی طالب ہوں اور یہ ایک فرشتہ مقرب فرشتوں میں سے ہے یہ محبت کی شراب کا پیالہ ہے اور یہ رضا کے حلول کی خلعت ہے۔ پھر جب مجھے یہ خلعت پہنا دی ان کے ساتھی نے پیالہ مجھے دیا جس کے نور سے مشرق و مغرب روشن ہو گیا جب میں نے وہ پیا تو مجھ پر غیبوں کے اسرار اور اولیاء اللہ کے مقامات وغیرہ عجائبات ظاہر ہو گئے۔ ان میں سے ایک مقام ایسا تھا کہ عقلوں کے قدم اس کے بھید میں پھسلتے ہیں اور فکروں کے فہم اس کے جلال میں گم ہو جاتے ہیں عقلوں کی گردنیں اس کی ہیبت کی وجہ سے جھکتی ہیں اس کی قدر و قیمت میں طبیعتوں کے

بھید بھول جاتے ہیں اس کے انوار کی شعاعوں کی وجہ سے دلوں کی آنکھیں مدہوش ہوتی ہیں ۔ ملائکہ کروبی وروحانی ومقربین اس مقام کا مقابلہ کرتے ہیں اپنی پیٹھوں کو رکوع کرنے والے کی طرح اس مقام کے قدر کی تعظیم کی وجہ سے جھکائے ہیں اور اللہ عزوجل کی تسبیح طرح طرح کی تقدیس و تنزیہ کے ساتھ کرتے ہیں اس مقام والوں پر سلام کرتے ہیں کہنے والے کہتے ہیں کہ اس سے اوپر سوائے عرش رحمٰن کے اور کچھ نہیں اس کی طرف دیکھنے والا تحقیق نظر سے دیکھتا ہے کہ واصل کا ہر مقام یامجذوب کا ہر حال یامحبوب کا سر یاعارف کا علم یامقرب کا مقام ہر ایک کا مبداء اور انجام اجمال وتفصیل کل بعض اول وآخر اس میں قرار یافتہ ہے، اسی سے پیدا ہوا ہے۔ اسی سے صادر ہوا ہے۔ اسی سے کامل ہوا ہے۔ پھر میں کچھ عرصہ وہاں پر ٹھہرا۔ اس کی طرف دیکھنے کی مجھے طاقت نہ تھی، پھر مجھ کو مقابلہ کی طاقت ہوئی اور ایک مدت ٹھہرا مجھے طاقت نہیں تھی کہ اس کے اندر والے شخص کو معلوم کروں پھر ایک مدت کے بعد میں نے اس شخص کو معلوم کیا جو اس میں ہے تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کے دائیں طرف حضرت آدم وابراہیم وجبرائیل علیہم السلام تھے اور بائیں جانب حضرت نوح وعیسٰی علیہم السلام تھے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے بڑے بڑے اصحاب واولیاء کرام خادموں کی طرح کھڑے تھے ۔ آنحضرت ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے کہ گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جن صحابہ کرام کو میں پہچانتا تھا ابو بکر، عمر، عثمان، علی، حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہم تھے اور جن اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو میں پہچانتا تھا وہ معروف کرخی، سری سقطی، جنید، سہل تستری، سرتاج العارفین ابوالوفا شیخ عبد القادر، شیخ ابوسعید، شیخ احمد رفاعی اور شیخ عدی رضی اللہ عنہم تھے۔ صحابہ میں سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے قریب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور اولیاء اللہ میں سے

زیادہ قریب حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ تھے۔تب میں نے کسی قائل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب مقرب فرشتے اور انبیاء و مرسلین اولیاء محبین محمد ﷺ کی زیارت کے مشتاق ہوتے ہیں تو آپ ﷺ اعلیٰ مقام سے جو آپ ﷺ کے اپنے رب کے نزدیک ہے اتر کر اس مقام پر اترتے ہیں تب ان کے انوار آپ کے دیدار سے دگنے ہو جاتے ہیں آپ ﷺ کے مشاہدہ سے ان کے حالات پاکیزہ بن جاتے ہیں ان کے مرتبے اور مقامات آپ ﷺ کی برکت سے بلند ہوتے ہیں پھر آپ ﷺ رفیق اعلیٰ کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔تب میں نے سب کو یہ کہتے ہوئے سنا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیکَ الْمَصِیرُ (البقرہ:۲۸۵) یعنی ہم نے سنا اور اطاعت کی ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اے رب ہمارے اور تیری طرف بازگشت ہے)پھر میرے لئے قدس اعظم کے نور سے ایک چمک ظاہر ہوئی جس نے مجھ کو ہر ایک حاضر چیز سے غائب کر دیا ہر ایک موجود سے مجھ کو اچک لیا تمام مختلف چیزوں میں تمیز کرنا مجھ سے چھین لیا اور اس حال پر میں تین سال تک رہا۔پھر مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں ایک دم باتیں کرنے لگا اور شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ میرے سینے کو تھامے ہوئے ہیں ایک پاؤں آپ کا میرے پاس اور ایک بغداد شریف میں ہے۔میری عقل لوٹ آئی اور میں اپنے امر کا مالک ہوا تب مجھ کو شیخ رضی اللہ عنہ نے کہا اے بلخی!بے شک مجھے حکم ہوا ہے کہ تم کو تمہارے وجود کی طرف لوٹا دوں اور تیرے حال کا تجھ کو مالک بنادوں تجھ سے وہ چیز چھین لوں جس نے تجھ کو مغلوب کرر کھا ہے۔پھر میرے تمام مشاہدات واحوال کی اول سے لے کر اب تک سب خبر دی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو میرے حال کی ذرہ ذرہ کی خبر ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تیرے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سات دفعہ سوال کیا یہاں تک کہ تجھ کو اس مقام کے دیکھنے کی طاقت ہوئی۔پھر سات دفعہ سوال کیا تو تب آپ کو مقابلہ کی طاقت ہوئی

اور سات دفعہ پوچھاتب تووہاں کے اندر کی باتوں پر مطلع ہوا اور سات دفعہ پوچھاتب تونے منادی کی آواز سنی اور بے شک اللہ تعالیٰ سے تیرے بارے میں سات اور سات اور سات دفعہ سوال کیا یہاں تک کہ تیرے لیے وہ روشنی اور چمک ظاہر ہوئی اور پہلے اس سے میں نے ستر دفعہ تیرے لیے سوال کیا یہاں تک اس نے تجھ کو اپنی محبت کا پیالہ پلایا اور اپنی رضامندی کا خلعت پہنایا اے میرے پیارے فرزند! اب تو تمام فوت شدہ فرائض کو قضا کر۔ [1]

شیخ کی توجہ سے شراب کا سرکہ بن جانا:

خبر دی ہم کو ابو الحسن علی بن ابو بکر ابہری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے کہا: میں نے قاضی القضاۃ ابو صالح نصر رحمۃ اللہ علیہ سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میرے والد یعنی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ ایک دن نماز جمعہ کیلئے نکلے میں اور میرے دو بھائی عبد الوہاب اور عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہما آپ کے ساتھ تھے۔راستہ میں ہم کو سلطان کے شراب کے تین مٹکے ملے جن کی بو بہت تیز تھی۔ان کے ساتھ کوتوال اور دیگر کچہری کے لوگ تھے ان سے شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔وہ نہ ٹھہرے اور جانوروں کے چلانے میں انہوں نے جلدی کی پھر آپ رضی اللہ عنہ نے جانوروں سے کہا کہ ٹھہر جاؤ،وہ اپنی جگہ پر ایسے ٹھہر گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں وہ بہتیر امارتے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے نہ چلتے تھے اور ان سب کو قولنج کا درد شروع ہو گیا اور زمین پر دائیں بائیں سخت درد کی وجہ سے لوٹنے لگے۔پھر تسبیح کے ساتھ چلانے لگے اور علانیہ توبہ استغفار کرنے لگے۔پھر ان سے درد فوراً جاتا رہا اور شراب کی بو سرکہ سے بدل گئی انہوں نے برتنوں کو کھولا تو وہ سرکہ تھا جانور بھی آدمیوں کی طرح چلانے لگے شیخ رضی اللہ عنہ

---

[1] (بهجة الاسرار ص ۷۵)

توجامع مسجد کو چلے گئے اور یہ خبر سلطان تک پہنچ گئی تب وہ ڈر کے مارے رونے لگابہت سے محرمات کے فعل سے ڈر گیا۔ شیخ کی زیارت کیلئے حاضر ہوااور حضرت رضی اللہ عنہ کی جناب میں نہایت عاجزانہ بیٹھا کرتا تھا۔[1]

ایک سوداگر کو مجلس میں حاجت براز ہونااور شیخ رضی اللہ عنہ کی توجہ سے اس کادور تک جانااور پھر اسی وقت لوٹ آنا:

خبر دی ہم کو فقیہ ابوالفتح نصر اللہ بن القاسم بن یوسف بن خلیل بن احمد ہاشمی بغدادی کرخی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے قاہرہ میں ۶۶۹ھ میں کہا کہ خبر دی ہم کو دوبڑے شیخوں قاضی القضاۃ ابوصالح نصر بن الحافظ ابو بکر عبدالرزاق بن امام محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہم اور شیخ ابوالحسن علی بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہم نانبائی نے بغداد میں ۶۳۱ھ میں کہاابوصالح رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہم کو ہمارے والد عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ اور میرے چچاعبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۹۱ھ میں کہاابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی ہم کو عمران کیماتی رحمۃ اللہ علیہ اور بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۹۰ھ میں اور خبر دی ہم کو ابوعبداللہ بن عبادہ عبدالمحسن بن منذر انصاری جیلی رحمۃ اللہ علیہم نے قاہرہ میں ۶۷۲ھ میں اور کہاخبر دی ہم کو دو شیخوں شیخ پیشواابو محمد عبداللہ بن عثمان یونینی رحمۃ اللہ علیہم نے دمشق میں ۶۱۶ھ میں اور شیخ عارف ابواسحٰق ابراہیم بن محمود بن جوہر بعلبکی رحمۃ اللہ علیہ پھر عقیبی نے وہاں پر ۶۲۳ھ میں ان دونوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ابو محمد عبداللہ بطائحی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں مدرسہ بغداد میں ۵۵۳ھ میں ابوالمعالی محمد بن احمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تاجر حاضر ہوئے پھر ان کو حاجت براز نے ایساتنگ کیا کہ

---

[1] (بهجةالاسرار ص ۸۲)

چلنے پھرنے سے روک دیا بڑی سخت تکلیف ہوئی اس نے شیخ رضی اللہ عنہ کی طرف فریادرس ہو کر دیکھا اور شیخ رضی اللہ عنہ اپنے منبر کی سیڑھی سے نیچے اتر آئے اور پہلی سیڑھی پر ایک سر آدمی کے سر کی طرح ظاہر ہوا پھر اور نیچے اتر آئے یہاں تک کہ کرسی پر ایک صورت شیخ رضی اللہ عنہ کی صورت کی طرح برابر ہو گئی۔لوگوں کے سامنے شیخ رضی اللہ عنہ کی آواز کی طرح بولتی تھی اور شیخ رضی اللہ عنہ کے کلام کی طرح کلام کرتی تھی اس بات کو سوا اس شخص کے اور جس کو خدا نے چاہا اور کوئی نہ دیکھتا تھا۔ آپ لوگوں کو چیرتے ہوئے آئے یہاں تک کہ اس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور اس کے سر کو اپنی آستین کو ڈھانک لیا عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اپنے رومال سے ڈھانک لیا۔وہ کہتا ہے کہ میں ایک دم ایک بڑے جنگل میں پہنچ گیا جس میں نہر ہے اس کے پاس ایک درخت ہے اس میں اس نے وہ کنجیاں جو اس کی جھولی میں تھیں لٹکا دیں اور خود قضاء حاجت سے فارغ ہوا اس نہر سے وضو کیا اور دو رکعت نفل پڑھے جب سلام پھیر لیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی آستین کو یا رومال کو اس پر سے اٹھالیا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ اسی مجلس میں ہے اور اس کے اعضاء پانی سے تر ہیں اور قضاء حاجت کی حالت جاتی رہی شیخ رضی اللہ عنہ اپنی کرسی پر ہیں گویا کہ وہ وہاں سے اترے ہی نہیں۔وہ چپ رہا کسی سے ذکر نہ کیا اپنی کنجیوں کو گم پایا اور اپنے پاس نہ دیکھیں۔ پھر وہ ایک مدت بعد بلاد عجم کی طرف قافلہ تیار کر کے چلا۔ بغداد سے چودہ دن تک چلے اور ایک منزل جنگل میں اترے جس میں نہر تھی تب وہ اس جنگل میں گیا کہ قضاء حاجت کرے۔ کہنے لگا یہ جنگل اس جنگل سے بہت مشابہ ہے اور یہ نہر اس نہر کے مثل ہے اور اس دن کے واقعہ کو یاد کیا تو اتفاقاً وہی نہر وہی زمین وہی درخت وہی قضاء حاجت کی جگہ نکلی۔ جو اس روز دیکھی تھی تب اس کو پہچان لیا اور کوئی بات نہ بھولی۔ اپنی کنجیوں کو اسی درخت میں معلق پایا۔ پھر جب بغداد کی طرف لوٹے تو وہ شیخ رضی اللہ عنہ

کی جناب میں آیا کہ آپ کو خبر دے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی خبر دینے سے پہلے کان پکڑ کر فرمایا کہ اے ابو المعالی! میری زندگی میں کسی سے یہ ذکر نہ کرنا وہ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت کرتا رہا حتٰی کہ آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

شیخ رضی اللہ عنہ کے تصرف سے علماء کا علم جاتا رہنا:

خبر دی ہم کو ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن علی قطفنی رحمۃ اللہ علیہم نے کہا خبر دی ہم کو شیخ علی بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہما نانبائی نے کہا کہ میں نے شیخ ابو الحسن جوسقی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں زاہران میں سیدی شیخ علی بن الہیتی رضی اللہ عنہ کی مجلس سماع میں حاضر ہوا تھا۔ اس میں مشائخ و صلحاء، فقہاء، قراء کی ایک جماعت موجود تھی جب مشائخ کو سماع کا مزہ آیا (یعنی وجد میں ہوئے) تو فقہاء و قرآ نے اپنے اپنے دلوں میں انکار کیا۔ تب شیخ علی بن الہیتی رضی اللہ عنہ نے ان فقہاء و قراء پر چکر لگایا۔ ان میں سے جب کسی پر کھڑے ہو کر دیکھتے تو وہ اپنے سینے سے تمام علم و قرآن کو مفقود پاتا۔ یہاں تک کہ ان کے اخیر تک پہنچے وہ سب چل دیئے اور ایک مہینہ ان کی یہ کیفیت رہی (یعنی محض بے علم بن گئے) پھر سب کے سب شیخ رضی اللہ عنہ کی طرف آئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں چومے آپ سے معافی مانگنے لگے تب شیخ رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے دستر خوان بچھوایا۔ انہوں نے کھانا کھایا شیخ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ کھایا اور ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک لقمہ کھلایا تب ان میں سے ہر ایک نے جو کچھ علم گم کیا تھا اس شیخ رضی اللہ عنہ کے لقمہ کی برکت سے سب پالیا پھر وہ خوشی خوشی گھروں کو لوٹ گئے۔[1]

---

[1] (بهجة الاسرار ص ۲۹۹)

تانبے کے برتن شیخ کی توجہ سے بعض چاندی اور بعض سونے کے بن گئے:

راوی کہتا ہے کہ ان کے پاس ایک مغربی شخص بھی آیا جس کا نام عبد الرحمان بن احمد اشبیلی تھا۔ اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک سونے کی ڈلی رکھ دی اور ان سے کہا اے میرے سردار! یہ میری ترکیب سے ہے۔ فقراء کیلئے پیش کرتا ہوں پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا کہ جس کے پاس تانبے کا برتن ہو وہ میرے پاس لے آئے۔ تب لوگ بہت سے تانبے کے برتن از قسم طشت طباق وغیرہ لائے۔ ان کو حکم دیا کہ حجرہ کے اندر رکھ دو۔ آپ رضی اللہ عنہ اٹھے اور ان کی طرف گئے پھر ان میں سے بعض سونے کے ہوگئے اور بعض چاندی کے بن گئے مگر صرف دو طشت باقی رہے۔ پھر شیخ رضی اللہ عنہ نے برتن والوں سے کہا کہ جس کا جو برتن ہو وہ لے لے پھر انہوں نے وہ برتن سونے چاندی کے لے لئے پھر عبد الرحمان سے کہا کہ اے فرزند عزیز! بے شک اللہ عزوجل نے ہم کو یہ سب کچھ دیا ہے لیکن ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ تمہارے ٹکڑۂ زر کی ہم کو حاجت نہیں پھر ہم نے ان سے برتنوں کے اختلاف کا سبب پوچھا تو کہا کہ جب میں نے کہا تھا کہ جس کے پاس کوئی برتن ہو تو وہ ہمارے پاس لے آئے۔ اب جو شخص میرے کلام پر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے دل میں کوئی شبہ پیدا نہ ہوا تو اس کا برتن سونے کا بن گیا اور جس کے دل میں شبہ پیدا ہوا۔ اس کا برتن چاندی بن گیا اور دو شخصوں کے دل میں مجھ سے بد ظنی پیدا ہوئی۔ تو ان کے برتن نہ بدلے۔[1]

باطنی امراض کا ازالہ بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہونا

حضرتِ امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی قدس سرہ فرماتے ہیں:

---

[1] (بهجة الاسرار ص ۴۴۶)

بہ (حکیم صدر) در بیان سلامتی قلب و نسیان اومر مادون حق را سبحانہ اهلُ اللّٰہ، اَطبّاءِ اَمراضِ قلبیہ اند۔ ازالۂ عللِ باطنیہ، منوط بہ توجہ این بزرگواران است۔ ((ہم کلام ایشان دواست و نظر ایشان شفا (هم قوم لا یشقی جلیسهم وهم جلساءُ اللّٰہ بهم یمطرون و بهم یرزقون)۔

رأس امراض باطنیہ و رئیس علل معنویہ، گرفتاری قلب است بہ مادون حق۔ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔ وتاازین گرفتاری بہ تمام آزادی میسر نشود۔ سلامتی محال است۔ چہ شرکت رادرآن حضرت جل سلطانہ اصلاً بار نیست أَلَا لِلّٰہِ الدِّینُ الْخَالِصُ (الزمر ۳)

حکیم صدر کی طرف صادر فرمایا۔ سلامتی قلب اور اس کے غیر حق سبحانہ کو بھلادینے کے بیان میں۔ اہل اللہ قلبی امراض کے طبیب ہیں۔ باطنی امراض کا ازالہ ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ ان کا کلام دوا اور ان کی نظر شفاء ہے۔

حدیث پاک میں وارد ہے: هم قوم لا یشقیٰ جلیسهم۔ یعنی یہ ایسی قوم ہے جن کا ہم نشین بدنصیب نہیں۔ (بخاری ومسلم)

وهم جلساء اللّٰہ، یعنی یہ لوگ اللہ کے ہمنشین ہیں۔ بهم یمطرون وبهم یرزقون۔ (بخاری شریف) انہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے رزق ملتا ہے۔ امراض باطنی اور علل معنوی میں سب سے بڑی بیماری دل کی غیر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری ہے۔ جب تک اس گرفتاری سے پورے طور پر نجات حاصل نہ ہو سلامتی قلب کا نصیب ہونا محال ہے۔ کیونکہ اس ذات اقدس جل سلطانہ کے لیے کسی اور کی شرکت کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔

أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر ۳)

ترجمہ: سن لو خالص دین صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ [1]

شرح:

زیر نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز اہل اللہ کے فیوض وبرکات وتوجہات اور ان کی صحبت و مجلس کی فوائد و ثمرات کا تذکرہ فرمارہے ہیں دراصل اہل اللہ امراض باطنیہ اور علل معنویہ کے طبیب ہوتے ہیں اس لئے سالک کو اپنے ذاتی مفادات نفسانی خواہشات اوردنیاوی اغراض کو پس پشت ڈال کر ہمیشہ ان کا نیاز مند رہنا چاہیئے تاکہ ان کی توجہات قدسیہ اورارشادات عالیہ کی بدولت اسی قلبی امراض اورماسواءاللہ کی محبت سے نجات حاصل ہو جائے۔

بقول شاعر:

ہم نشینی اولیاء چو کیمیا است　　　کیمیائے خود بایں خوبی کجا است

حضرت شیخ ابو بکر بن سعدان رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں :

من صحب الصوفيةفليصحبهم بلانفس و لاقلب و لاملک فمتى نظر الى شئ من اشيائه قطعه ذالک عن بلوغ مقصده۔

ترجمہ: یعنی جو شخص صوفیاء کی صحبت اختیار کرے تو اسے چاہیے کہ بے نفس وبے قلب اور بے ملکیت ہو کر ان کی صحبت اختیار کرے۔پس جب وہ اپنی اشیاء میں سے کسی شئے کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اسے مقصود تک رسائی سے روک دیتی ہے۔ [2]

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۱۰۹، ج ۱، ص ۲۷۸، مرکز پخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تھران)

[2] (مکتوبات معصومیه ج ۲ مکتوب ۱۱۰)

بلکہ بقول شاعر طالب صادق کی کیفیت یوں ہونی چاہیے :

بجپـہ مشغول کنم دیدہ و دل راکہ مدام　　　　دل ترا مے طلبد دیدہ ترا مے خواہد

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک مثال کے ذریعے اچھی اور بری صحبت کا تذکرہ فرمایا ہے

چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا مَثَلُ جَلِيسِ الصَّالِحِ, وَجَلِيسِ السَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْکِ, وَنَافِخِ الْكِيرِ, حَامِلُ الْمِسْکِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَکَ, وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ, وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً, وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يَحْرِقَ ثِيَابَکَ, وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ, وَمُسْلِمٌ فِي الصَّحِيحِ, عَنْ أَبِي كُرَيْبٍ, عَنْ أَبِي أُسَامَةَ ۔[1]

ترجمہ: یعنی اچھے اور برے مصاحب کی مثال کستوری اٹھانے اور بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے۔ کستوری اٹھانے والا یا تمہیں کستوری تحفے میں دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا تمہیں اس کی خوشبو آئے گی اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑے جلائے گا یا تم کو اس کی ناگوار بدبو آئے گی۔

عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

نیکاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان عطاراں
سودا بھانویں مول نہ لیے حلے آون ہزاراں
بریاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان لوہاراں
کپڑے بھانویں کنج کنج بہیئے چنگاں پین ہزاراں

جب کوئی مرید صادق کسی اہل اللہ کی صحبت میں عقیدت و نیاز مندی سے سرشار ہو کر چند لمحے گزارتا ہے تو باہمی اخلاص کی بدولت اس مقام کی فضا میں لطافت اور مٹی میں شرافت آجاتی

[1](شعب الایمان ج ۱۲ ص ۴۳، مشکوۃ شریف ج ۲ ص ۴۲۶)

ہے کیونکہ وہاں رحمتوں کا ورود اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: **تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلَائِكَةُ (فصلت ۳۰)** سے واضح ہے۔

بقول شاعر:

آسمان سجدہ کند پیش زمینے کہ درو
یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشینند

چونکہ اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے اور اس کے جلیس وہم نشین ہوتے ہیں اس لئے گناہگار بھی ان کی مجلس سے محروم نہیں لوٹتے۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ کو مغفرت کا مژدہ سنایا تو فرشتوں نے عرض کی:

رَبِّ فِيهِمۡ فُلَانٌ عَبۡدٌ خَطَّاءٌ، إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمۡ، قَالَ: فَيَقُولُ: وَلَهُ غَفَرۡتُ هُمُ الۡقَوۡمُ لَا يَشۡقَى بِهِمۡ جَلِيسُهُمۡ۔

یعنی اے رب تعالیٰ ان میں فلاں شخص بڑا گناہگار تھا وہ تو فقط گزر رہا تھا کہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے اسے بھی بخش دیا کیونکہ یہ وہ قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی بدبخت نہیں ہوتا۔[1]

ایک روایت میں یوں ہے کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے:

فِيهِمۡ فُلَانٌ لَيۡسَ مِنۡهُمۡ، إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ. قَالَ: هُمُ الۡجُلَسَاءُ لَا يَشۡقَى بِهِمۡ جَلِيسُهُمۡ۔

---

[1] (صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار الرقم ۲۶۸۹، باب فضل مجالس الذکر ج۴ ص ۲۰۶۹، احمدبن حنبل فی المسند، ج۲ ص ۲۵۲، الرقم: ۷۴۲۰، والمنذری فی الترغیب والترهیب، ج۲ ص ۲۵۹ الرقم ۲۳۱۶)

ان میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو ان میں سے نہیں بلکہ وہ تو کسی کام کیلئے آیا تھا۔ ارشاد فرمایا یہ وہ ارباب مجلس ہیں کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والا شخص کبھی بدبخت نہیں ہوتا۔ [1]

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُم۔

یعنی ضعیفوں کی بدولت تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تم کو رزق دیا جاتا ہے۔ [2]

نیز حضور اکرم ﷺ نے یوں بھی ارشاد فرمایا:

يُسْقَى بِهِمُ الْغَيْثُ، وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ۔

یعنی ان اہل اللہ کی برکت سے بارشیں برستیں اور دشمنوں پر فتح و نصرت عطا ہوتی ہے۔ [3]

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضاء لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

---

[1](صحیح البخاری، باب فضل ذکر اللہ ج۸ ص ۸۶، مشکوٰۃ ص ۱۹۷)
[2](مشکوٰۃ ۴۴۶، صحیح البخاری ج۴ ص ۳۶، شرح السنۃ للبغوی باب فضل الفقراء، ج۱۴ ص ۲۶۴)
[3](مشکوٰۃ ۵۸۳، فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۹۰۶، مسند احمد الرسالہ ج۲ ص ۲۳۱)

بزرگوں کی زبردست توجہ طالبوں کو دونوں جہاں کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے

اسی طرح حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ اپنے مکتوبات میں مکتوب نمبر ۱۶۸ البینات جلد چہارم میں فرماتے ہیں:

متن: نسبت ایشاں فوق ہمہ نسبتہاآمدہ کلام ایشاں دواء امراض قلبیہ است ونظرشان شفاء علل معنویہ وتوجہ وجیہہ ایشاں طالبان رااز گرفتاری کونین نجات می بخشدوہمت رفیع شان مریداں رااز خضیض امکاں بذروۂ وجوب می برد... لیکن دریں اوان کہ آن نسبت شریفہ عنقاء معنرب گشتہ است۔

ترجمہ: ان کی نسبت تمام نسبتوں پر غالب آگئی ہے۔ان کا کلام قلبی امراض کیلئے دوااوران کی نظرروحانی بیماریوں کیلئے شفاہےاوران کی زبردست توجہ طالبوں کو دونوں جہاں کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے۔ان کی بلندہمت، مریدوں کو امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی پر لے جاتی ہے... لیکن اس زمانے میں یہ نسبت شریفہ عنقائے مغرب ہوگئی ہے۔

شرح: یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز طریقت نقشبندیہ کی فوقیت اور مشائخ نقشبندیہ کی توجہات قدسیہ کی برکات کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔دراصل خواجگان نقشبندیہ رضی اللہ عنہم کی نسبت وتوجہ وکلام اس قدر قوی اورپر تاثیر ہوتی ہیں جن کی بدولت انکے مریدین کے باطن کا تصفیہ اور نفوس کا تزکیہ ہوجاتاہے اوروہ ہرماسویٰ سے چھٹکارہ حاصل کرکے توحید عیانی، وصل عریانی اور تجلی ذاتی دائمی سے شادکام اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہ العزیز نے خوب کہا:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراند　　　　که برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

مرورِ زمانہ، لوگوں کی کم ظرفی اور دوں ہمتی کی وجہ سے نسبت نقشبندیہ کبریت احمر کی مانند کمیاب، پوشیدہ اور عنقاء ہوگئی ہے۔ چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے نسبت نقشبندیہ کو "عنقائے مغرب" سے تشبیہ دی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عنقائے مغرب کے متعلق قدرے وضاحت کر دی جائے تا کہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وباللہ التوفیق۔

عنقاء مغرب ایک عجیب الخلقت اور مقطوع النسل دراز گردن پرندہ ہے جسے فارسی میں سیمرغ کہتے ہیں۔

چنانچہ روایت ہے:

اللہ تعالیٰ نے دور اول میں ایک پرندہ تخلیق فرمایا جسے عنقاء کہا جاتا تھا۔ بلاد حجاز میں اس کی نسل کثرت سے پائی جاتی تھی۔ وہ بچوں کو اچک کر لے جاتا تو لوگوں نے قبیلہ بنی عبس کے سردار خالد بن سنان سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے اس کی انقطاع نسل کیلئے دعائے ضرر فرمائی، اس لئے وہ نابود ہوگیا۔ اب بزم گیتی میں محض اس کا نام باقی ہے۔ [1]

دلیل: قطب الارشاد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ الغفار نسبت نقشبندیہ کی جامعیت وعظمت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

نسبت خواجگان قدس اللہ ارواحہم آں نسبت شریف کہ جامع جمیع نسبتہاست وخلاصہ ومنتہائے مجموع طریقہاست۔

---

[1] (کنز العمال ج ۱۲ ص ۳۳۷)

یعنی نسبت خواجگان قدس اللہ ارواحھم وہ نسبت شریفہ ہے جو جمیع نسبتوں کی جامع ہے اور تمام طریقوں کا خلاصہ ومنتہا ہے۔ [1]

ایک اور مقام پریوں ارشاد فرماتے ہیں کہ خواجگان ایں سلسلہ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم بہر زراقی ور قاصی نسبت ندارد کار خانہ ٔ ایشاں بلند است اس سلسلہ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کسی مکاراور رقاص کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کارخانہ بلند ہے۔ [2]

شیخ مبارک کی توجہات کی برکت سے حقیقتِ بندگی کا نصیب ہونا

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں کہ:

بہ برکت توجہ حضرت ایشاں بحقیقت بندگی رساند وعروج برفوق محدد بسیار واقع شد بعد از طی مسافت چوں پرفوق محدد رسید دار الخلد از آنجا بماتحت مشہود گشت وفوق محدد آں مقدار عروج واقع شد کہ از مرکز خاک تا محدد یا اند کہ کمترازین۔

ترجمہ: اپنے شیخ مبارک کی توجہات کی برکت سے حقیقت بندگی نصیب ہوئی اور میرا عروج محدد سے اوپر واقع ہوا یعنی جب پہلی مرتبہ عروج واقع ہوا اور میں عرش پر پہنچا اور جنت عرش کے نیچے مشاہدے میں آئی اور پھر محدد سے اتنا عروج واقع ہوا کہ زمین کے مرکز سے لے کر محدد تک یا اس سے کم۔ [3]

---

[1](فقرات ص ۳۸)

[2](مکتوب نمبر ۱۶۸ البینات جلد چھارم)

[3](مکتوب نمبر ۱ ج ا ص ۴)

شرح: حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ جب مجھے پہلی بار فوق العرش عروج روحانی نصیب ہوا تو میں نے جنت کو عرش کے نیچے دیکھا۔ آپ کا یہ کشف وشہود فرمان نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے عین مطابق ہے۔

حدیث میں ارشاد ہے:

سقفھا عرش الرحمٰن۔

یعنی عرش جنت کی چھت ہے۔[1]

اسی طرح حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

الجنۃ فوق السموات تحت العرش۔

یعنی جنت آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ہے۔[2]

اور اسی پر اکثریت کا اتفاق منقول ہے۔ واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز کے مکشوفات اور مشاہدات علوم شرعیہ کے عین مطابق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نسبت مجددیہ میں اتباع شریعت اور التزام سنت کا لحاظ غالب ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم امر کے پانچوں لطائف کا وطن اصلی عرش کے اوپر ہے لہذا حکمائے یونان کا یہ قول کہ "عرش سے اوپر کچھ نہیں" محض باطل ہے۔

توجہ بھی کرامت کی مانند ہے

حضرت محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

خارق اول آنکہ یکی از فضلای دہلی کہ بکری بعقدور آوردہ بود سالہا رفتہ اور افتحی روی ندادہ از او عیہ وادویہ اثر ندیدہ چون وصف ایشان شنیدہ روزے کہ ایشان

---

[1] (تفسیر خازن ج ا ص ۲۸۳)

[2] (تفسیر خازن ج ا ص ۲۸۳)

بجای سوارہ میر فتہ اندو رعنان درآمدہ بہ نیاز تمام قصّہ را معروض داشتہ التماس زوال عنیت نمودہ حضرت خواجہ رادل بر شفقت کشودہ از مرکب فرود آمدہ اورادر کنار شریف کشیدہ مُعانقہ سخت نمودہ اندو فرمودہ اند کہ رفتہ متوجہ شوید کہ فتح ست دی ہمان لحظہ درخود قوت غریب دیدہ رفتہ و بسہولت تمام ہمان لحظہ فتح نمودہ۔

ترجمہ: ایک کرامت یہ ہے کہ دہلی کے ایک فاضل نے ایک لڑکی سے شادی کی لیکن کئی سال تک دوری جیسی رہی۔ دوا اور دعا بھی مفید نہ ہوسکی آپ کی تعریف سن کر آپ کے پاس آیا۔ آپ سواری پر کہیں جارہے تھے۔ اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر آپ سے اپنا حال بیان کیا اور مقصد میں کامیابی چاہی۔ آپ سواری سے اتر پڑے اور زور سے تین دفعہ اس سے معانقہ کیا اور فرمایا کہ جاؤ اس شخص میں بھرپور قوت آگئی اور وہ کامیاب ہوا۔ [1]

مشائخ کی توجہ طالبین کو دونوں جہاں کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

نسبت ایشاں فوق ہمہ نسبتہاآمدہ کلام ایشاں دواءامراض قلبیہ است ونظر شان شفاء علل معنویہ وتوجہ وجیہہ ایشاں طالبان رااز گرفتاری کونین نجات می بخشدوہمت رفیع شان مریداں رااز خضیض امکاں بذروۂ وجوب می برد.... لیکن دریں اوان کہ آن نسبت شریفہ عنقاء معرب گشتہ است۔

[1] (برکات احمدیہ، نام دگر زبدۃ المقامات، ص، ۲۱)

ترجمہ: ان کی نسبت تمام نسبتوں پر غالب آگئی ہے۔ان کا کلام قلبی امراض کیلئے دوا اور ان کی نظر روحانی بیماریوں کیلئے شفا ہے اور ان کی زبردست توجہ طالبوں کو دونوں جہاں کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے۔ان کی بلند ہمت، مریدوں کو امکان کی پستی سے وجوب کی بلندی تک لے جاتی ہے.... لیکن اس زمانے میں یہ نسبت شریفہ عنقائے مُغرب ہو گئی ہے۔

شرح: یہاں حضرت امام ربانی قدس العزیز طریقت نقشبندیہ کی فوقیت اور مشائخ نقشبندیہ کی توجہات قدسیہ کی برکات کا تذکرہ فرمارہے ہیں ۔دراصل خواجگان نشبندیہ رضی اللہ عنہم کی نسبت وتوجہ وکلام اس قدر قوی اور پر تاثیر ہوتے ہیں جن کی بدولت ان کے مریدین کے بطون کا تصفیہ اور نفوس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور وہ ہر ماسویٰ سے چھٹکارہ حاصل کرکے توحید عیانی ،وصل عریانی اور تجلی ذاتی دائمی سے شادکام اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ العزیز کیا خوب فرماتے ہیں:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراند   کہ برند از رہ پنہاں بُحرم قافلہ را

مرورزمانہ ،لوگوں کی کم ظرفی اوردوں ہمتی کی وجہ سے نسبت نقشبندیہ کبریت احمر کی مانند کمیاب، پوشیدہ اور عنقاء ہوگئی ہے۔چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز نے نسبت نقشبندیہ کو عنقائے مُغرِب سے تشبیہہ دی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عنقائے مُغرِب کے متعلق قدرے وضاحت کردی جائے تاکہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔وباللہ التوفیق۔

عنقاء مُغرِب ایک عجیب الخلقت اور مقطوع النسل دراز گردن پرندہ ہے جسے فارسی میں سیمرغ کہتے ہیں۔

چنانچہ روایت ہے:

اللہ تعالیٰ نے دور اول میں ایک پرندہ تخلیق فرمایا جسے عنقاء کہا جاتا تھا۔ بلاد حجاز میں اس کی نسل کثرت سے پائی جاتی تھی۔ وہ بچوں کو اچک کرلے جاتا تو لوگوں نے قبیلہ بنی عبس کے سردار خالد بن سنان سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے اس کی انقطاع نسل کیلئے دعائے ضرر فرمائی، اس لئے وہ نابود ہو گیا۔ اب بزم گیتی میں محض اس کا نام باقی ہے۔[1]

صاحب استعداد مرید کو صاحب تصرف شیخ توجہات قدسیہ اور تصرفات باطنیہ کے ذریعے مراتب عالیہ پر پہنچا سکتا ہے:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

شخصے را کہ استعدادش تا مرتبۂ قلب یا روح است پیر صاحب تصرف تواند اورا بمراتب فوق رسانید اما ایں جا دقیقہ ایست کہ بحضور تعلق دارد بتحریر بیان آن متعسر است۔

ترجمہ: جس شخص کی استعداد مرتبہ قلب یا روح تک ہے صاحب تصرف پیر اسے اعلیٰ مراتب تک پہنچا سکتا ہے لیکن یہاں ایک باریک نکتہ ہے جو روبرو ہونے سے تعلق رکھتا ہے اسے تحریر میں لانا دشوار ہے۔

شرح: یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سوال دوم کا جواب مرحمت فرما رہے ہیں، چونکہ تخلیق استعداد حق تعالیٰ سبحانہ کا کام ہے اس لئے شیخ کسی مرید میں روحانی استعداد تو پیدا نہیں کر سکتا البتہ کسی صاحب استعداد مرید کو صاحب تصرف شیخ توجہات قدسیہ اور تصرفات باطنیہ

---

[1] (کنز العمال ج دوازدھم ص ۳۳۷، البینات شرح مکتوبات ص ۲۰۸ ج ۴)

کے ذریعہ مراتب عالیہ پر بھی پہنچاسکتاہے اور کسی دوسرے مشرب سے نکال کر محمدی المشرب بھی بناسکتاہے مگر صاحب تصرف شیخ خال خال ہوتے ہیں ۔حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیزنے اپنے صاحبزادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادقدس سرہ العزیز کوبذریعہ تصرف موسوی المشرب سے محمدی المشرب بنادیا تھا۔[1]

باطنی استعداد حق تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

متن: پرسیدہ بودند کہ پیر صاحب تصرف مرید مستعدرابتصرف خودبمراتبی کہ فوق ازاستعداد اوست تواند رسید یانہ بلے تواندرسانید امّا بآن مراتبِ فوق کہ مناسب استعداداوست نہ بمراتبی کہ مبائن استعداداوباشد۔

ترجمہ: دریافت کیا گیا تھا کہ صاحب تصرف پیر اپنے تصرف سے صاحب استعداد مرید کو اس کی استعداد سے بالاتر مرتبوں میں پہنچاسکتاہے یانہیں ہاں پہنچاسکتاہے لیکن انہیں بالامرمرتبوں تک پہنچاسکتاہے جو اس کی استعداد کے مناسب نہ ہوں، نہ کہ ان مرتبوں تک جو اس کی استعداد کے مخالف ہوں۔

شرح: اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز ایک استفسار کا جواب مرحمت فرما رہے ہیں کہ صاحب استعداد سالک کو صاحب تصرف شیخ اعلیٰ مراتب اور بالا مدارج تک پہنچاسکتاہے، یہ محض ممکن الوقوع ہی نہیں بلکہ امرواقع ہے۔بشرطیکہ سالک صاحب استعداد ہو کیونکہ باطنی استعداد حق تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے۔ورنہ استعداد سے عاری سالک پر توجہاد چنداں

[1](البینات شرح مکتوبات ص ۸ ۹ ۳ ج ۴)

اثر انداز نہیں ہوتیں جیسا کہ شور زمین، بارانِ رحمت کے باوجود گلزار نہیں بنتی۔ رہا ایک مشرب سے اعلیٰ مشرب تک پہنچانا، آپ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے تجربے و تصرف میں تاہنوز نہیں آیا لیکن بعد ازاں وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلیٰ (الضحیٰ ۴) سے حظِ وافر پاتے ہوئے جب آپ اعلیٰ مراتب پر فائز المرام ہوئے تو آپ بذریعہ تصرف صاحبان استعداد و سالکین کو ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات تک پہنچادیتے۔ جیسا کہ آپ نے صاحبزادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ العزیز کو ولایت موسوی سے نکال کر ولایت محمدی تک پہنچادیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے قبل شاید کسی کو یہ تصرف حاصل نہیں تھا۔ [1]

باطنی امراض کا بزرگان دین کی توجہ سے ازالہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

بہ (حکیم صدر) در بیان سلامتی قلب و نسیان ماسوای حق را سبحانہ اَہلُ اللّٰہ، اطباء امراض قلبیہ اند۔ ازالۂ علل باطنیہ، منوط بہ توجہ این بزرگواران است۔ (ہم کلام ایشان دواست و نظر ایشان شفا ((بہم [است] قوم لا یشقی جلیسہم وہم جلساء اللہ) یمطرون وبہم یرزقون))۔ رأس امراض باطنیہ و رئیس علل معنویہ، گرفتاری قلب است بہ ماسوای حق سبحانہ وتعالیٰ، وتا از این گرفتاری بہ تمام آزادی میسر نشود۔ سلامتی محال است۔ چہ شرکت را درآن حضرت جل سلطانہ اصلا بار نیست أَلَا لِلّٰہِ الدِّینُ الْخَالِصُ (الزمر ۳)

---

[1] (البینات شرح مکتوبات، جلد ۴ ص ۷ ۹ ۵ تا ۸ ۹ ۵، مطبوعہ تنظیم الاسلام پبلیکیشنز)

حکیم صدر کی طرف صادر فرمایا، سلامتی قلب اور اس کے غیر حق سبحانہ کو بھلا دینے کے بیان میں۔ اہل اللہ قلبی امراض کے طبیب ہیں، باطنی امراض کا ازالہ ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ ان کا کلام دوا اور ان کی نظر شفاء ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے۔**هم قوم لا یشقی جلیسیم** یعنی یہ ایسی قوم ہے جن کا ہم نشین بد نصیب نہیں(**بخاری، مسلم**)۔**وهم جلساء لا یشقی جلیسلم**۔ یعنی یہ لوگ اللہ کے ہمنشین ہیں۔**بهم یمطرون وبهم یرزقون**۔ یعنی انہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے رزق ملتا ہے۔ امراض باطنی اور علل معنوی میں سب سے بڑی بیماری دل کی غیر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری ہے، جب تک اس گرفتاری سے پورے طور پر نجات حاصل نہ ہو سلامتی قلب کا نصیب ہونا محال ہے۔ کیونکہ اس ذات اقدس جل سلطانہ کے لئے کسی اور کی شرکت کا قطعاً کئی دخل نہیں۔ **أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر ٣)** (سن لو خالص دین صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔)۔ [1]

پچاس ہزار سالہ راہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

متن: عرضداشت کم ترین بدگان احمد معروض می گرداند آہ ہزار آہ از بے نہایتی این راہ سیر باین سرعت وواردات وعنایات باین کثرت ازین جاست کہ مشائخ عظام فرمودہ اند سیر الی اللہ پنجاہ ہزار سالہ راہ ست تعرج الملائکة والروح الیه فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة مگر ایمائے باین معنی داشتہ اند۔

---

[1] (مکتوبات امام ربانی ج ۱ مکتوب ۱۰۹، ص ۲۷۸)

ترجمہ: حضور والا کا کم ترین خادم احمد عرض کرتا ہے افسوس ہزار افسوس کہ اس راستے کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے اس راستہ کی سیر نہایت تیزی کے ساتھ اور واردات و عنایات نہایت کثرت سے واقع ہو رہے ہیں۔ اسی لئے مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ سیر الی اللہ پچاس ہزار سالہ راستہ ہے۔ ''فرشتے اور روح اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں یعنی عروج کرتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار (طول) پچاس ہزار سال ہے۔'' اس آیت مبارکہ میں شاید اسی معنیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

شرح: اس مکتوب میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ راہ سلوک کی کوئی انتہا نہیں اور علومِ حقیقت، علومِ شریعت کے عین مطابق ہیں۔

آہ ہزار آہ! حضرت امام ربانی قدس سرہ اس جملے میں سیر سلوک کی بے پناہ طوالت کا اظہار فرمارہے ہیں اور اپنے پیر و مرشد کے حضور عرض گزار ہیں کہ میں خدا تک وصول کے بے حد و لا انتہا راستے کی درازی اور بے کیفی کے سبب نا امیدی کے مرتبے تک پہنچ چکا تھا کہ آیتِ قرآنی وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا و ینشر ورحمتہ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو لوگوں کی مایوسی کے بعد بارش نازل فرماتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے۔ میرے حال کی مددگار ہوئی اس آیت کا مطہوم مجھ پر القاء کیا گیا جس سے مجھے باطنی طور پر تسلی نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے میرا باطنی معاملہ سیدھا ہو گیا اور مقصودِ حقیقی و مطلوب ازلی کے قرب و وصال کی لا محدود راہوں پر ہمت مردانہ کے ساتھ جادہ پیمائی کی سعادت مل رہی ہے لیکن اس راستے کی کوئی انتہا معلوم و مشہود نہیں ہوتی۔ آخر میں آپ مرشدِ برحق کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کہیں یہ راہِ شوق کا مسافر منزلِ مقصود گم نہ کردے گویا آپ یہ حقیقت واضح فرمارہے ہیں کہ شیخِ کامل کی توجہ اور نگاہ سے ہی یہ منزلیں طے ہو سکتی ہیں۔

مانا کہ عشق کی منزل میں ہر گام پہ سو سو خطرے ہیں
لیکن یہ سفر آسان بھی ہے گر ساتھ تمہارا ہو جائے

پچاس ہزار سالہ راہ

آپ نے مشائخِ طریقت کا قول نقل فرمایا ہے کہ:

"سیر الی اللہ پنجاہ ہزار سالہ راہ راست" یعنی خدا کے قرب و وصال تک پہنچنے کا راستہ پچاس ہزار سال میں طے ہو سکتا ہے۔ اور آیتِ قرآنیہ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۴)(ملائکہ اور روح اس دن اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں کہ جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے) میں اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اسی قال کا یہ مطلب معلوم ہوا کہ اگر کوئی ناقص بر طریق عبادت و ریاضت مرتبہ ولایتِ صغریٰ تک پہنچنا چاہے تو اس کو پچاس ہزار سال تک عبادات و ریاضاتِ شاقہ اور قیامِ لیل و صیام نہار کی محنت اور صعوبتیں بجالانے کے بعد بمشکل یہ مرتبہ ہاتھ آئے گا۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور مرشدِ کامل کی صحبت و توجہ شاملِ حال ہو جائے تو ہزاروں سال کا سفر ایک آہ میں طے ہو سکتا ہے کیونکہ جب یہ دنیا کی تمام عمر اس قدر ہونا ممکن ہے تو ثابت ہوا کہ ولایت صرف مجاہدہ اور ریاضت سے ہی نہیں ملتی بلکہ اجتباء و رحمتِ خدا اور جذبہ و صحبتِ اولیاء بھی اس راستے میں منزلِ مقصود کی ضمانت ہیں۔

سیرِ زاہد ہر شبے یک روزہ راہ
سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

جلوہ گر آں یار بسے دور است لیکن
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے [1]

فنامیں اولیاء کرام کا تصرف

نقل کردند خدمت خواجہ علاء الحق والدین عطر اللہ تربتہ کہ روزی قدم مبارک حضرت خواجہ ما رامی مالیدم واتفاقا شریف زادہ در آن صحبت حاضر بود و خواجہ سخن در مقام فنا می گفتند۔ در آن اثنا فرمودند کہ اولیا را در فنا تصرف می دھند۔ آن شریف زادہ از حضرت خواجہ سوال کرد کہ اولیا در فنا چگونہ تصرف می کنند؟ خواجہ قدم مبارک خود را بہ سینہ من رسانیدند۔ در من کیفیتی پیدا شد واز خود رفتم۔ آن عنایت پیش از وقت نماز دیگر بود، تا وقت نماز بامداد داشت۔ چون بہ جای اصلی باز آمدم وبہ حضرت خواجہ مشرف گشتم، فرمودند ما این معاملت با توبجھت آن کردیم کہ آن شریف زادہ را یقینی بحالی درویشان بحاصل آید۔

یعنی ''حضرت خواجہ علاء الحق والدین عطر اللہ تربتہ نے نقل فرمایا کہ ایک روز میں حضرت خواجہ ما قدس اللہ روحہ کی خدمت اقدس میں آپ کے قدم مبارک مل رہا تھا۔ اتفاق سے ایک شریف زادہ آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مقام فنا کے بارے میں گفتگو فرمارہے تھے۔ اسی وقت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اولیاء کرام فنامیں تصرف کرتے ہیں۔ اس شریف زادہ نے حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا اولیاء فنا میں کیسے

---

[1] (البینات شرح مکتوبات مکتوب نمبر ۱۳ ج ۱ ص ۴۳۱ تا ۴۳۳)

تصرف کرتے ہیں؟ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا قدم مبارک میرے سینے پہ رکھا تو مجھ میں ایک کیفیت پیدا ہو گئی اور میں از خود رفتہ ہو گیا۔ مجھ پہ یہ عنایت نمازِ عصر سے لے کر نماز صبح تک رہی۔ جب میں اصلی حال میں لوٹ آیا تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مشرف ہوا آپ نے فرمایا ہم نے تیرے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا ہے کہ اس شریف زادہ کو درویشوں کے حال پر یقین ہو جائے۔[1]

اولیاء کرام کی توجہ کی برکت سے جذب وسکر میں رہنا:

حضرت زبدہ المؤرخین عمدۃ المحققین علامہ مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

شیخ بہاؤالدین والدین نقشبند تفویض فرمود چوں شاہ متوجہ حال وہ شد حالتے روداد کہ مدام درجذبہ قوی وسکر بودی و قطع علائق نمود وہر گزبا کسی انس وآرام نمی گرفت۔

یعنی حضرت سیدنا شیخ المشائخ میر برہان بن سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں جب بزرگ والدین نقشبند سر تاج الاولیاء بہاء الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توجہ کی تو یہ حالت ہو گئی کہ ہر وقت جذب وسکر میں رہتے تھے۔ لوگوں سے قطع تعلق ہو گیا اور کسی کے پاس آرام نہیں ملتا تھا۔[2]

---

[1] (انیس الطالبین عدۃ السالکین، ص ۹۹)

[2] (خزینۃ الاصفیاء، جلد ۱ ص ۵۲۵)

اولیاء کرام کا خواب میں توجہ پر تصرف:

حضرت فخر صوفیاء علامہ نور الدین محمد عبد الرحمن جامی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

وہم ایشان (حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ) فرمودند کہ خواجہ بزرگ (بہاءالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) را در خواب دیدم کہ در من تصرف کردند و من بیخود بیفتادم۔ چون باخود آمدم، خواجہ از من گذشتہ بودند، خواستم کہ در عقب بروم۔ پایمالے من درھم می پیچید۔ بہ محنت بسیار بہ خواجہ رسیدم۔ فرمودند کہ مبارک باد۔

یعنی حضرت سیدنا شیخ کبیر خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ خواجہ بزرگوار (امام طریقہ بہاء الحق عرف والدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) کو میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ کو توجہ کرتے تھے۔ میں بے خود پڑ گیا تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو خواجہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے، میں نے چاہا کہ آپ کے پیچھے جاؤں لیکن میرے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ بڑی محنت سے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو مبارک باد ہو۔ [1]

الشیخ محمد امین الکردی الاربلی الشافعی مذھباً النقشبندی مشرباً الشیخ عبید اللہ الاحرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

و قال قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ رأیت فی البدایۃ سیدنا شاہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیلۃ قد جاء و تصرف فی باطنی ثم ذھب فتبعتہ فلما ادرکتہ التفت و قال بارک اللہ بک۔

[1] (نفحات الانس من حضرات القدس، صفحہ ۴۱۶)

ترجمہ: شیخ عبید اللہ الاحرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سلوک کی ابتداء میں ایک رات میں نے حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف لے کر آئے اور آپ نے میرے باطن میں تصرف فرمایا(یعنی توجہ فرمائی) پھر آپ تشریف لے گئے۔پس میں آپ کے پیچھے آیا، پس جب میں نے آپ کو پایا، آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا فرمادے۔[1]

اولیاء کرام کا بعد الوفات توجہ اور تصرف اور مقامات طے کروانا:

قدوۃ الاولیاء حضرت خواجہ حاجی محمد فضل اللہ مجددی لکھتے ہیں:

خدمت ایشان بعد وصال والد صاحب کمال پنجاہ و شش سال بر مسند ارشاد و اکمال اتکا داشتند و ازان جملہ شش سال بکسب زوائد فوائد چنانچہ ایما بر آن رفتہ بخدمت حضرت عروۃ الوثقیٰ رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ سلوک نمودند از نسبت ہائ مخصوص ایشان بھرہ ور شدہ فقیر از زبان مبارک حضرت شاہ عطاء اللہ قدس سرہ کہ والد والدہ فقیر اند شنیدہ ام و خدمت ایشان از اکابر مسموع داشتند کہ روزی جناب حضرت عروۃ الوثقی رحمۃاللہ علیہ بحضرت وحدت قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمودند کہ وعدہ بتومی نمایم کہ چھل توجہ بتو عنایت نمایم و بھر توجہ آن قدر ترقی در حال تو خواھد شد کہ در مدت مدید حصول آن بدشواری باشد ازان جملہ سی و چھار توجہ عنایت شدہ بود کہ مقدمہ انتقال حضرت عروۃ الوثقی رضی اللہ

---

[1] (المواهب السرمدية فی مناقب النقشبندية، ص ۱۵۷ ،مطبع السعادة ،مصر)

تعالٰی عنہ بعام رخ نمود پس از این واقعہ جان کاہ روزی حضرت وحدت قدس اللہ تعالٰی سرہ بر قبر متبرکہ ایشان رفتہ معروض داشتند کہ از جملہ توجہ ہائے موعود شش عدد توجہ باقی است امید از الطاف حضرت آنکہ بوفا انجامد بایشان چنان ایما شد کہ بر قبر متوجہ شدہ بنشین تا آنچہ معدود و موعود جود ایفا رود خدمت حضرت وحدت عرض نمودند کہ وعدہ در حالت حیات بود الحال نیز بہ ہیئت حیات شدہ توجہ عنایت شود معلوم ایشان شد کہ در خلوت آمدہ باش یعنی وقتیکہ دیگرے بر قبر حاضر نہ باشد ایشان وقت را مراعت نمودہ بر قبر مبارک می رفتند و حضرت عروۃ الوثقی بہ ہیئت حیات شدہ از قبر مبارک خروج می فرمودند و توجہ می دادند روز ششم کہ اتمام موعود بود حضرت وحدت قدس سرہ سیاہی و قلم ہمراہ داشتند بعد از فراغ توجہ عرض نمودند کہ بد ستخط مبارک نوشتہ عنایت شود کہ آنچہ بعبد الاحد وعدہ رفتہ بود کہ چھل توجہ خواہم داد از آنھا سی و چہار توجہ در حالت حیات دادہ شدہ بود شش توجہ باقی را بہیئت حیات شدہ ایفائ موعود ا داشد خدمت حضرت عروۃ الوثقی قدس سرہ العزیز را بد ستخط مبارک خود عبارتے کہ قرین این مدعا بودہ باشد نوشتہ دادند حضرت وحدت قدس سرہ آن نوشتہ را بالسائر بنی اعمام خود نمودند ہمہ مخدوم زادہ گان دستخط والد شریف خود را شناختہ و حضرت حجۃ

اللہ رضی اللہ عنہ برپشت آن کہ کاغذ نوشتند۔ھذاھو الحق الیقین بلی الا ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار۔

ترجمہ: آپ اپنے والد محترم کے وصال کے بعد ۵۵ سال تک مسند ارشاد پر تشریف فرما رہے۔ اور ان میں سے چھ سال کے لئے آپ کے حکم پر مزید فوائد کے حصول کے لئے روانہ ہوئے۔ اور حضرت خواجہ عروہ وثقیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور مخصوص نسبت سے بہرہ ور ہوئے۔ فقیر نے آپ کے متعلق اپنے نانا حضرت شاہ عطاء اللہ رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے سنا ہے انہوں نے یہ اپنے اکابر سے سنا تھا کہ حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ رحمہ اللہ نے حضرت وحدت قدس اللہ سرہ سے وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے اوپر چالیس توجہات کروں گا کہ جس سے تمہارے احوال میں اتنی ترقی ہوگی کہ ایک لمبی مدت میں اتنی ترقی حاصل کرنا محال ہے اس وعدہ کے مطابق ابھی ۳۴ توجہات کی تھیں کہ حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰ قدس سرہ کا وصال مبارک ہو گیا۔ اس واقعہ جانکہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ وحدت قدس سرہ آپ کی قبر مبارک پر گئے وہاں جاکر عرض کیا کہ حضور آپ نے مجھ سے چالیس توجہ کا وعدہ کیا تھا ابھی ان میں سے ۳۴ مکمل ہوئی تھیں اور چھ رہتی تھیں کہ آپ دنیا سے رخصت ہوگئے اور وعدہ مکمل نہ ہوا۔ امید ہے کہ آپ اپنے وعدہ کو مکمل فرمائیں گے۔ آپ کو اشارہ ہوا کہ اس فقیر کی قبر کی طرف توجہ کرکے بیٹھو تاکہ وعدہ مکمل ہو جائے۔ آپ نے عرض کیا کہ یہ وعدہ حالت حیات کا تھا لہذا اب بھی حالت حیات میں یہ وعدہ مکمل ہونا چاہئیے۔ تو آپ کو پھر بتایا گیا کہ ہمارے پاس اس وقت آنا جب کوئی اور نہ ہو۔ تو حضرت نے اس وقت پر نظر رکھی اور جانا شروع کیا، وہاں جاکر دیکھا کہ آپ اپنی قبر مبارک سے باہر تشریف لاتے ہیں اور توجہ فرماتے ہیں، چھ دن وعدہ کے مطابق ایسا ہی ہوتا رہا اور وعدہ مکمل ہو گیا۔

آخری دن آپ قلم سیاہی ساتھ لے گئے تھے فراغت کے بعد گزارش کی کہ آپ اپنے ہاتھ سے یہ تحریر فرمائیں کہ عبد الاحد کے پاس چالیس توجہ کرنے کا وعدہ کیا تھا جن میں سے ۳۴ حالت زندگی میں اور باقی چھ وصال کے بعد حالت زندگی میں آکر مکمل چالیس کی ہیں۔ اور وعدہ مکمل کیا ہے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ قدس اللہ سرہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے مطابق عبارت لکھ کر دستخط بھی کئے حضرت وحدت قدس سرہ نے اپنے تمام چچازادوں کو یہ لکھا ہوا دکھایا، سب اپنے والد محترم کے خط کو جانتے تھے۔ حضرت حجۃ اللہ رحمہ اللہ نے اس کاغذ کی پشت پر یہ لکھا: یہ حق الیقین ہے کیوں نہیں اولیاء اللہ فوت نہیں ہوتے بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ [1]

مشائخ عظام وصال کے بعد بھی ذوق وشوق کے ساتھ اتصال رکھنے والے مریدین کی طرف توجہ فرماتے ہیں

الشیخ محمد امین الکرسی الاربلی الشافعی مذھباً النقشبندی مشرباً سیدنا شیخ ابو الحسن الخرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

ذکر نا سیدنا جلال الدین الرومی نضر اللہ وجھه فی مثنویه أن الشیخ أبا یزید خرج یوما مع اصحابه الی الصحراء ففي أثناء سیره حصل له حال عظیم بلغ منه ما بلغ و اندهش منه أصحابه فلما رجع الی نفسه سألوه عن سبب ذلک فقال جاءنی نفس عجیب من خرقان کالنفس الذي جاء للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و آله و اصحابه و سلم من قبل الیمن یبشرنی بظهور رجل فیها من کبار الاولیاء فسألوه عن اسمه فقال اسمه أبو الحسن و نعته لهم بحلیته و مقاماته و طریقته و أنه یکون أعلی منه مقاما ثم بعد وفاته رضی اللہ تعالیٰ عنه بسنین جاء رجل من خرقان الی زاویة أبی یزید فسأله أصحابه عن اسمه فأخبرهم ان اسمه أبو الحسن

[1] (تفسیر روح البیان، عمدۃ المقامات، ص ۳۶۰)

الخرقانی فنظروا الی حلیته فوجدوہ کماقال أبو یزید فعند ذلک ذکروا له ان الشیخ بشر به وانه یکون من مریدیه ویأخذالطریق من مرقده الشریف فقال لهم انی رأیت أبا یزید فی المنام وأخبرنی بمثل ذلک ثم ذهب ابو الحسن الی تربة أبی یزید وأخذالطریق من روحانیته وصار یتردد کل صباح الی مقامه ویمرغ وجهه بمبارک ترابه ویبقی واقفا مع الحضور الی وقت الضحی ویتلقی منه العلوم والمعارف الالهیة (قلت) وذلک بأن تتصل روح الحي الذي هو في دار الدنيا بروح من هو في البرزخ اتصالا لا کیفیا ویقع التخاطب الروحانی ببین المفید والمستفید ویخلق الله عزوجل للروح المستفیدة علما ضروریا بما تلقیه الروح المفید فهذا ان کان المستفید تام الصفاء والا نزلت روح المفید الی صورة مثالیة وتقع حینئذ الافادة والاستفادة بتخاطب جسمانی وجاء مرة للزیارة علی العادة فرأی الثلج قد غمر المقام فغم لذلک وعزم علی الانصراف فسمع صوتا من قبل الشیخ ان أقبل الینا فجعل یخرق الثلج مندهشا وحصل له في هذه المرة ترق عجیب ولم یزل کذلک حق صار واحد زمانه, انتهیٰ۔

امام جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی شریف میں ذکر فرمایا ہے: ''تحقیق کے ساتھ کہ شیخ ابایزید ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سمیت صحراء کی طرف نکلے، اس سیر میں ان پر ایک عجیب حال طاری ہوا پس پہنچے جہاں تک وہ پہنچے اور ان کے اصحاب ان کے اس حال کو دیکھ کر ڈر گئے۔ جب یہ حال اُن سے رفع ہوا اور وہ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے تو اُن کے اصحاب نے اُن سے اس کے سبب کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ ایک عجیب روحانی شکل خرقان کی طرف سے آئی جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف یمن کی جانب سے آئی تھی اور مجھے بشارت دی کہ خرقان سے ایک شخص کبار اولیاء کرام میں سے ظہور فرمائے گا، تو ان کے اصحاب نے اُن (ظہور فرمانے والے شخص) کے نام کے بارے میں دریافت کیا تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا نام ابو الحسن ہو گا، اور اُن کا طریقہ اور ان کا مقام اور اُن کا حلیہ مبارک بیان فرمایا۔

اور آپ نے فرمایا کہ اُن کا مقام مجھ سے اعلیٰ ہو گا۔ پھر آپ کی وفات کے چند سال بعد ایک شخص خرقان سے آپ (ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے آستانہ کی جانب آیا، تو ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مریدوں نے اُس کے نام کے بارے میں دریافت فرمایا۔ تو آپ نے اُن کو خبر دی کہ ''میرا نام ابو الحسن خرقانی ہے''۔ تو انہوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حُلیہ مبارک کو دیکھا تو سب نے اُن کو حضرت ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کردہ حلیہ کے مطابق پایا۔ پس اس درمیان انہوں نے کہا کہ شیخ ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کے بارے میں بشارت دی تھی کہ آپ ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدین میں سے ہوں گے۔ اور آپ یہ طریقۂ مبارکہ شیخ ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبرِ اطہر سے اخذ فرمائیں گے۔ تو ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواب میں دیکھا اور انہوں نے مجھے بھی یہ خبر اور بشارت دی۔ پھر ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر شریف کی طرف تشریف لے کر آئے اور پھر یہ طریقۂ مبارکہ اُن کی روحانیت مبارکہ سے حاصل فرمایا۔ اور آپ مبارک ہر روز صبح کے وقت قبرِ اطہر کے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور اپنے چہرۂ مبارکہ کو ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر کی مٹی کے ساتھ ملتے تھے اور حضور دائمی کے ساتھ وہاں پر ضحیٰ کے وقت تک کھڑے ہوتے اور علوم و معارف الٰہیہ اُن کی روحانیت مبارکہ سے حاصل کیا کرتے تھے۔ میں (الشیخ محمد امین الکردی الربلی) کہتا ہوں اور یہ علوم و معارفِ الٰہیہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے اولیاء کرام کی قبورِ اطہر سے حاصل کرنا کہ جب دارِ دُنیا میں زندہ رہنے والے آدمی کی روح صاحبِ مزار کی روح سے بغیر کسی کیفیت کے متصل ہو جائے اور یہ تخاطب مُرید اور مُرشد کے درمیان روحانی طور پر واقع ہو تا ہے۔ اور اللہ عز وجلّ مُرشد کی روح سے علمِ ضروری پیدا فرماتا ہے جو کہ مُرید کی روح کو تلقین کرتا ہے۔ اور یہ اُس

وقت ممکن ہے جب مُرید کا باطن (رذائل اخلاق وباطنیہ سے) بالکل صاف ہو، وگرنہ مُرشد کی روح صورتِ مثالیہ میں ظاہر ہوتی ہے اور اس وقت افادہ اور استفادہ جسمانی طور پر واقع ہو جاتا ہے۔ اور ایک مرتبہ عادت کے مطابق میں آپ (حضرت شیخ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی قبرِ اطہر کی طرف آیا، پس میں وہاں پر برف پائی جس نے قبرِ اطہر کو ڈھانپا ہوا تھا۔ پس اس حالت کو دیکھ کر میں بہت غمگین ہوا، اور میں نے واپس جانے کا پختہ ارادہ کیا۔ پس میں نے آپ کی قبرِ اطہر سے ایک آواز سنی: میری طرف آؤ، پس میں نے ڈر ڈر کر اس برف کو ہٹانا شروع کیا۔ اُس وقت میں نے عجیب ترقیات پائیں۔ اور یہ اُس وقت تک رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زمانہ کے اولیاء اللہ میں شامل فرمادیا۔"[1]

خشک لکڑی پر توجہ کا اثر:

حضرت علامہ امام یوسف اسماعیل نبہانی لکھتے ہیں:

قال قدس اللہ سرہ رأیت الکعبۃ المطھرۃ تطوف بی تشریفاً منہ تعالیٰ وتکریما لی، وقال ان اللہ اعطانی قوۃ عظیمۃ من امر الھدایۃ بحیث لو توجھت الی خشبۃ یابسۃ لاخضرت۔

یعنی حضرت امام مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے کعبہ مطہرہ کو دیکھا کہ اللہ کریم کی عطا فرمودہ میری عظمت کو دیکھ کر وہ میرا طواف کر رہا ہے اللہ کریم نے مجھے ہدایت کے معاملہ میں عظیم قوت عطا فرمار کھی ہے اگر میں خشک لکڑی پر توجہ ڈالوں تو وہ سبز ہو جائے۔[2]

---

[1] (المواھب السرمدیۃ فی مناقب النقشبندیۃ، ص ٢٦، ٢٧، مکتبہ مطبع السعادۃ، مصر)

[2] (جامع کرامات اولیاء ج ١ ص ٢٩٤)

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اپنی توجہ کی زبردست قوت کا اظہار بزبانِ خود

شیخ محمد امین الکردی الاربلی الشافعی مذھبًا النقشبندی مشربًا امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی السرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

(وقال) إن اللہ تعالیٰ أعطاني قوة عظيمة في أمر الهداية بحيث لو توجهت الي خشبة يابسة لإخضرت۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے معاملہ میں ایسی عظیم قوت عطا فرمائی ہے، اگر میں ایک سوکھی لکڑی کو توجہ کر دوں تو وہ بھی ہری ہو جائے۔[1]

اللہ تعالیٰ کی عنایت اور شیخ کی توجہات کے باعث خاص استعداد و قوت حاصل ہونا

الشیخ محمد امین الکرسی الاربلی الشافعی مذھباً النقشبندی مشرباً سیدنا شیخ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

قال ورأيت بخط الشيخ محمد پارساء انه سمع الشيخ علاؤ الدين قدس اللہ سرهما في مرض موته يقول: ان لی بعون اللہ تعالیٰ وبركة سيدنا شاه نقشبند قوة لو توجهت الي جميع الخلائق لجعلتهم من الواصلين۔

اور فرمایا کہ میں نے محمد پارساء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خط مبارک کو دیکھا جو شیخ محمد پارساء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ علاؤالدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اُن کے مرض الموت کے وقت سُنا۔ شیخ علاؤ الدین فرمارہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور حضرت سیدنا شاہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی برکت سے مجھے ایک ایسی قوت حاصل ہے، اگر

---

[1] (المواهب السرمدية فی مناقب النقشبندية، ص ۱۸۵)

میں تمام خلائق کی طرف توجہ کر لوں، تو میں اپنی توجہ سے سب کے سب کو واصلین میں سے بنا دوں۔[1]

توجہ میں اثر ہے یا نہیں؟

حضرت علامہ شیخ بدر الدین نقشبندی مجددی سرہندی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

وقتے کہ حضرت ایشان قدس سرہ وے را خلافت دادہ رخصت بوطن مالوف کردند، گویند کہ در اثنائے راہ بخاطرش رسید کہ حضرت ایشان مرا اجازت تعلیم طریقہ فرمودند، در طالبان تصرف باید کرد۔ بارے بیازمایم کہ مرا قوت و قدرت تصرف ہست یانہ و توجہ من اثرے دار دیانے، ناگاہ ڈولی دختر کافرے کہ وے کہ خدا کردہ می بردند بنظر افتاد، تصرف رابروے سر دادم، بالفور آن عروسہ قطع نظر از حیائے کہ دختران رامی باشد کردہ وبے اختیار شدہ از ڈولی خود را انداختہ بجانب شیخ بشتافت وخود را بر قدم وے انداخت۔ شیخ، نظر باثارت فتنہ کردہ مطلب کہ تجربۂ توجہ بود حاصل نمودہ تصرف خود را از وے باز داشت، ہمان ساعت وے حیا عود نمود باز گشتہ و در ڈولی نشست۔

حضرت امام مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جب آپ (شیخ بدیع الدین سہارنپوری رحمہ اللہ) کو خلافت دے کر آپ کے وطن مالوف کی طرف رخصت کیا تو کہا جاتا ہے کہ آپ کو خیال آیا کہ جب حضرت نے مجھے تعلیم طریقہ کی اجازت دی ہے تو طالبوں میں تصرف کرنا چاہیئے میں آزما کر دیکھوں

---

[1] (المواهب السرمدية فی مناقب النقشبندية، ص ۱۴۵ ، مکتبة مطبع السعادة، مصر)

کہ مجھے تصرف کی قوت اور ادرت ہے بھی یا نہیں اور میری توجہ میں اثر ہے یا نہیں ہے، اتفاق سے ایک کافر لڑکی کی ڈولی پر کہ جس کی ابھی شادی ہوئی تھی نظر پڑی میں نے اس پر تصرف کیا تو اس دلہن نے حیاء شرم جو لڑکیوں کو ہوتی ہے ترک کرکے فوراً بے اختیار ہو کر ڈولی میں سے چھلانگ لگائی اور شیخ کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور ان کے قدموں پر گر پڑی، شیخ نے فتنے کو فرو کرنے کے لئے اور اپنا مطلوب جو توجہ کے تجربے کے لئے تھا، حاصل کرکے اس کی طرف سے اپنا تصرف واپس کر لیا تو اسی وقت اس کی حیاء واپس آگئی اور وہ پلٹ کر ڈولی میں بیٹھ گئی۔ [1]

توجہ سے جذبہ، شوق اور رونے کی حالت ہو جانا:

حضرت خواجہ محمد عبد الکریم نقشبندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بعض اوقات آپ کی توجہ کی یہ حالت ہوتی کہ تلقین کرنے کے بعد اسی وقت آدمی بے ہوش ہو جاتا تھا۔ اور جو بے ہوش نہیں ہوتے تھے، تو ان کے دل میں ذکر کا جوش اور عجیب حالت اور شہودِ حق کا ظہور ہوتا تھا۔ اکثر اوقات، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ توجہ میں مولانا غلام نبی اور سید جماعت علی شاہ صاحب بیٹھتے تھے، اور شاہ صاحب کی یہ حالت تھی کہ جس کی طرف توجہ کرتے تو اس کو اسی وقت جذبہ و شوق و گریہ ہو جاتا تھا۔ حافظ جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر آپ کی نظرِ مہربانی بہت تھی۔ جس روز آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو تلقین فرمایا اور باطنی توجہ سے معمور فرمایا تو حافظ صاحب کی یہ حالت تھی کہ مثل ماہی بے آب زمین پر تڑپتی تھے۔ ایک برس تک ان کی یہی حالت رہی، اور تلقین کے بعد اسی وقت آپ نے تاج مبارک ان کے سر پر رکھا اور موزون کیا جس وقت مولانا و مرشدنا راولپنڈی تشریف لائے تو میں نے عرض کی یاسیدی رحمۃ اللہ

---

[1] (حضرات القدس ج ۲ ص ۳۴۰)

تعالیٰ علیہ آپ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت جلدی موزون کیا ہے، تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا میں حکم کا بندہ ہوں اور نیز شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی محبت اور علم و حلم مجھے کو پسند آیا۔[1]

باتوں کے مفید و نفع بخش ہونے کے لئے توجہ کا مفید و نفع بخش ہونا لازمی ہے

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و قد قال العارفون رضی اللہ عنهم: من لا ینفع لحظه لا ینفع قوله۔

یعنی ''جس کی توجہ نافع نہیں، اس کی باتیں بھی نفع نہیں دے سکتیں۔''

فالعارف من یسلک الناس وهم فی حرفهم

یعنی ''پس عارف وہ ہے جو لوگوں کو ان کے کاروبار کی مشغولی ہی میں سلوک طے کرا دے۔''[2]

مردہ دلوں کو توجہ سے زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

کہ پیر دل مردہ را زندہ گردانیدہ است و بہ مشاہدہ و مکاشفہ رسانیدہ (است) نزد عوام، احیای جسدی، عظیم الشان است و نزد خواص، احیای قلبی و روحی، برهان رفیع الشان است (خواجہ محمد پارسا)۔ قدس سرہ در رسالہ (قدسیہ) می فرماید کہ احیای جسدی پیش اکثر مردم چون اعتبار داشت، اہل اللہ از آن احیا اعراض نمودہ بہ احیای روحی پرداختہ اند و متوجہ احیای دل مردۂ

[1] (هداية الانسان الى سبيل العرفان، ص ۱۱۲)

[2] (الانوار القدسیه فی بیان آداب العبودیه، ص ۹۹)

طالب گشته اند والحق کہ احیای جدی نسبت بہ احیای قلبی، کالمطروح فی الطریق است ونظر بہ این، داخل عبث چہ، این احیا سبب حیات چند روزہ است وآن احیا، وسیلۂ حیات دائمی است، بلکہ گوییم کہ فی الحقیقت وجود اہل اللہ کرامتی است از کرامات ودعوت ایشان مر خلق را بہ حق۔ جل سلطانہ۔ رحمتی است از رحمت ھای حق۔ جل سلطانہ۔ واحیای قلوب اموات، اینی است از آیت ہای عظمیٰ۔ ایشان امان ارض اند وغنیمت روزگارند (بھم یمطرون وبھم یرزقون) درشأن شان است کلام شان دواست ونظر شان شفا۔ ھم جلساء اللہ وھم قوم لا یشقیٰ جلیسھم ولا یخیب انیسھم۔

یعنی "پیر نے اس کے مردہ دل کو زندہ کرنا عظیم ہے۔ اور خواص کے نزدیک روحانی اور قلبی طور پر زندہ کرنا بڑی بلند مرتبہ دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ اپنے رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں کہ جسم کا زندہ کرنا چوں کہ اکثر آدمیوں کے نزدیک معتبر ہے۔ اللہ والوں نے اس طرح زندہ کرنے سے منہ موڑا ہے، اور روحانی طور پر زندہ کرنے میں مشغول ہوئے اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ اور صحیح بات تو یہ ہے کہ جسم کو زندہ کرنا دل کو زندہ کرنے کی نسبت بالکل بے کار چیز ہے۔ اور اس پر نگاہ ڈالنا بھی عبث ہے۔ کیونکہ جسم چند روزہ زندگی کا سبب ہے۔ اور قلبی زندگی حیات دائمی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فی الحقیقت اللہ والوں کا وجود بذات خود کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ اور ان کا لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دینا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔ یہ لوگ زمین والوں کے لئے امان ہیں اور زمانے کے لئے غنیمت ہیں۔(بھم

یمطرون وبھم یرزقون) ''ان ہی کے سبب بارشیں ہوتی ہیں اورانہی کے ذریعے لوگوں کورزق ملتا ہے'' ان ہی کی شان میں ہے۔ ان کی گفتگو دوا ہے اور ان کی نظر شفاہے۔یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم جلیس ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا، اور نہ ان سے دوستی رکھنے والا نامراد ہوتا ہے۔''[1]

اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کا آسان طریقہ

الشیخ محمد امین الکردی الاربلی الشافعی مذھباً النقشبندی مشرباً الشیخ علی الرامیتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وقال قدس سرہٗ ینبغی للسالک ان یکثر من المجاھدات والریاضات لیحصل الاحوال والمقامات وھنالک طریق آخراوھو أن یسعی فی تحصیل المحبۃ قلوب الاولیاء لہ، فان قلوب ھذہ الطائفۃ العلیۃ موارد الحکم الالٰھیۃ فیدرک ذلک نصیبا منھاوتظھر احوالھم علیہ۔

الشیخ علی الرامیتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ سالک کے لئے مناسب ہے کہ اعلیٰ مقامات کو حاصل کرنے لئے کثرت سے مجاہدات وریاضات کرے۔ لیکن اس کے لئے ایک دوسرا آسان طریقہ بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اولیاء کرام کے قلوب کی محبت کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کریں۔ پس ان طائفہ ٔعالیہ کے جو قلوب ہیں حِکَمِ الٰہیہ کے موارد ہیں (یعنی اللہ جل وعلاشانہٗ کے فیضان، انوار وتجلیات ان کے قلوب پر وارد ہوتی ہیں)۔ پس یہ سالک اُس محبت کی وجہ سے اپنا حصہ پالے گا اور ان طائفہ ٔعالیہ کے احوال اس پر ظاہر ہو جائیں گے۔[2]

---

[1](مکتوبات امام ربانی، ج ۲ مکتوب ۹۲، ص ۲۸۲)
[2](المواھب السرمدیۃ فی مناقب النقشبندیۃ، ص ۹۹، مکتبۃ مطبعۃ السعادۃ مصر)

اللہ والے کے وضو کے پانی کی چھینٹوں سے بے خودی طاری ہوئی

شیخ روزبہان کبیر مصری رحمہ اللہ گازرونی الاصل ہیں مگر مصر میں سکونت اختیار فرمائی اور یہیں آپ سے رشد و ارشاد کا سلسلہ جاری ہوا۔ آپ اکابر صوفیاء اور اعاظم اولیاء اللہ سے ہیں۔ حضرت ابو النجیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختص لوگوں میں سے ہیں۔

حضرت جامی فرماتے ہیں:

"از مریدان شیخ ابوالنجیب سہروردی است"۔ [1]

اور حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"و شیخ روزبہان نسبت بحضرت ابو النجیب سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دارد"۔ [2]

آپ اکثر عالم استغراق میں رہتے تھے۔

"در اکثر اوقات در مقام استغراق می بودہ"۔

مگر باوجود اس کے شریعت کی اتباع و پابندی سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے تھے۔

مصر میں آپ کی خانقاہ شریف فقراء و درویشوں کے لئے مرکز تھی۔ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ بھی آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور ایک مدت تک آپ کی تربیت حسب تعلیم و تلقین آپ کے ریاضات کرتے رہے۔ شیخ روزبہان کبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کئی مرتبہ آپ کو خلوت میں بٹھایا اور آپ سے متعدد چلے اور اربعین کرائے۔ [3]

---

[1] (نفحات ص ۴۸۰)

[2] (لطائف اشرفی ص ۳۷۶)

[3] (نفحات الانس ص ۱۲)

اور لطائف اشرفی صفحہ ۳۷۵ پر ہے:

"تکمیل و تحصیل سلوک الٰہی و عبور بر مقامات نامتناہی بحضرت شیخ روزبہان کبیر میسر شد۔"

حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت میں مصر پہنچا اور شیخ روزبہان کی خانقاہ میں داخل ہوا تو شیخ کے تمام مریدان و اصحاب کو مشغول و مراقب پایا۔ میری طرف کسی نے کوئی توجہ نہ کی اور صرف اپنے کام میں مصروف رہے۔ میں نے کسی دوسرے شخص سے دریافت کیا کہ شیخ کون اور کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ شیخ خانقاہ سے باہر وضو فرمارہے ہیں۔ میں اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ شیخ تھوڑے سے پانی میں وضو کررہے ہیں۔ میرے دل میں یہ خطرہ آیا کہ شیخ کو یہ مسئلہ شاید معلوم نہیں کہ اتنے قلیل مقدار پانی میں وضو جائز نہیں ہے۔ پھر ایسا شخص جسے ایسا مسئلہ بھی نہ معلوم ہو، شیخ کیونکر ہوسکتا ہے۔ ادھر شیخ کو انکشاف ہوگیا۔ آپ نے وضو کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو میرے منہ پر لاکر چند چھینٹیں دیں، پانی کی چھینٹیں میرے چہرے پر پڑنا تھیں کہ مجھ پہ بے خودی طاری ہوگئی۔ شیخ اپنی خانقاہ میں آئے اور دورکعات شکرانہ وضو ادا فرمانے لگے۔ میں کنارہ پہ کھڑا رہا کہ نماز سے فارغ ہوں تو میں سلام کروں اور قدم بوس ہوں اسی درمیان میں مجھ پر بے خودی طاری ہوگئی اور میں اس عالم سے گزر گیا۔ اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت قائم ہے اور دوزخ کی آگ بھڑک رہی ہے۔ لوگ گرفتار ہوکر اس میں ڈالے جارہے ہیں۔ اور جہنم کے اوپر ایک پشتہ ہے جس پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اس بزرگ سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ بالکل رہا کردیا جاتا ہے۔ اور دوسروں کو اس آگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔ ناگاہ مجھے بھی فرشتے گرفتار کرکے دوزخ کی طرف لے چلے۔ میں کہنے لگا کہ مجھے اس بزرگ سے تعلق ہے۔

میری زبان سے یہ کلمہ سن کر مجھے چھوڑ دیا گیا۔ میں اس پشتہ کے اوپر پہنچا، دیکھا شیخ روزبہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہیں اور وہ بزرگ آپ ہی ہیں جن کے دامن پاک کے تعلق کی وجہ سے لوگ جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر قدموں پر سر رکھ دیا۔ شیخ روزبہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے میری پشت پر ایک دھول ماری جس کی وجہ سے میں منہ کے بل زمین پر گر گیا۔ شیخ نے دھول لگاتے ہوئے فرمایا: "پیش ازین اہل حق راانکار کن؟" یعنی بے سمجھے پہلے ہی سے اہل حق پر انکار کیا؟ زمین پر گرنے کے ساتھ ہی میں اس عالم سے عالم ہوش وحواس میں آیا اور اپنے آپ کو زمین پر پڑا پایا۔ اور شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تحیۃ الوضوسے فارغ ہو چکے تھے۔ میں دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ شیخ نے عالم شہادت میں بھی اسی طرح ایک دھول مجھ پر رسید کی اور وہی جملہ فرمایا کہ "پیش ازین اہل حق راانکار مکن" اس وقت میرے قلب سے تمام خیالات ووساوس اور ساری کدورتیں دور ہو گئیں۔ [1]

حضرت شیخ روزبہان کبیر مصری قدس اللہ سرہ نے حضرت شیخ ابو النجاب نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اپنی صاحبزادی سے شادی بھی کروادی تھی جن کے بطن مبارک سے حضرت نجم الدین کبریٰ کی متعدد اولاد ہوئی۔ [2]

---

[1] (نفحات الانس ۴۸۴تا ۴۸۸)

[2] (نفحات ص ۴۸۰، بحوالہ تذکرۃ حضرت ابو النجیب عبدالقاہر السہروردی رحمہ اللہ، صفحہ ۱۴۶)

توجہ قسری:

خواجہ ابوالفیض کمال الدین محمد احسان مجددی، قدس سرہ، فرماتے ہیں:

درین سال حضرت ایشاں توجہ قسری بفرزند چہارم حضرت خواجہ محمد اشرف دادند توجہ قسری آنرا گوئیند کہ دریک توجہ سالک را شیخ کامل ازابتدا تاانتہا برساند حضرت خواجہ محمد اشرف دربیاض بدستخط خودرقم نمودہ اند کہ حضرت ایشاں درکوشک نشستہ بودند مرافرمودند سال درزندگانی من باقی ماندہ است باتوجہ بر تو بکنم کہ تاحال ہیچ کس برہیچ مریدے نکردہ باشد وبعدازین نیز نکند ومرالقاء نسبت کردند و توجہ کامل دادند می فرمودند دریک توجہ مارا بمنتہائے کمالات الہیٰ مافوق آن متصور نباشد رسانیدن و تمامی این مقامات ولایت صغریٰ و کبریٰ وعلیا وکمالات نبوت وکمالات رسالت وحقیقت کعبہ وحقیقت قرآن وحقیقت صلوٰت وملاحت وصباحت وغیرہ باستقلال تمام درہمہ نوقت مراحاصل شد وجمیع این مقامات درفہمیدم الحمدللہ علی ذلک۔

اس سال حضرت قیوم ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے چوتھے فرزند خواجہ محمد اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر توجہ قسری کی۔ توجہ قسری کا مطلب یہ ہے کہ ایک توجہ میں شیخ کامل سالک کو ابتداء سے لے کر انتہا تک پہنچادیتا ہے حضرت خواجہ محمد اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بیاض میں خود اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں کہ حضرت قیوم ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ محل میں بیٹھے تھے۔ مجھے فرمایا کہ اب میری زندگی

کا صرف ایک سال اور ہے آؤ! میں تم پر ایسی توجہ کروں کہ اب تک کسی نے اپنے مرید پر نہ کی ہو۔ اور نہ آئندہ کوئی کرے۔ پھر مجھے القائے نسبت کیا اور کامل توجہ دے کر فرمایا کہ ہم نے تمہیں کمالات الٰہی کے انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ جس کے آگے وہم و خیال میں نہیں آسکتا۔

آنحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ولایتِ صغریٰ، کبریٰ، علیا اور کمالاتِ نبوت و کمالات رسالت، حقیقتِ کعبہ، حقیقت قرآن اور حقیقتِ صلوٰۃ اور صباحت و ملاحت وغیرہ سب کچھ ایک ہی وقت میں مجھے حاصل کروا دیئے۔ چنانچہ ان تمام مقامات کا احساس میں اپنے آپ میں کرنے لگا۔ الحمد للہ علی ذٰلک۔[1]

حضرت علامہ شیخ بدرالدین، نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، فرماتے ہیں:

قدسیہ: حضرت حق سبحانہ از عنایت بے غایت خویش این درویش را آنقدر بخشیدہ است کہ اگر باین چوب خشک ہمت گمارم جہانے ازوے منور گردد، اما این آخر زمان مرضی دادار جہان دراظہار آن نمی یابم۔

قدسیہ: آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا عنایت سے اس فقیر کو اتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ اگر ایک خشک لکڑی پو توجہ دوں تو یہ عالم اس سے منور ہو جائے گا لیکن اس آخر زمانے میں اس طرح کی توجہ کے اظہار کیلئے اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے۔[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ توجہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وللنقشبندیة تصرفات عجیبة من جمیع الهمة علی مرادفیکون علی وفق الهمة والتاثیر فی الطالب ودفع المرض عن المریض وافاضة التوبة علی العاصی والتصرف فی

---

[1] (روضۃالقیومیہ، ج، ۲، ص، ۲۴۱)

[2] (حضرات القدس، ص، ۱۶۳، ناشرمحکمہ اوقاف پنجاب لاہور، حضرات القدس، ج ۲، ص، ۱۸۰)

قلوب الناس حتی یحبوا ویعظموا وفی مدارکھم حتیٰ تتمثل فیھا واقعات عظیمۃ والاطلاع علی نسبۃ اھل اللہ من الاحیاء واھل القبور والاشراف علی خواطر الناس ومایختلج فی الصدور وکشف الوقائع المستقبلۃ ودفع البلیۃ النازلۃ وغیرھا ونحن ننبھک علی نموذج منھا۔

ترجمہ: نقشبندیوں کے عجیب تصرفات ہیں ہمت باندھنا کسی مراد پر وہ مراد ہمت کے موافق اور طالب میں تاثیر کرنا اور بیماری کو مریض سے دفع کرنا اور عاصی پر توبہ کا افاضہ کرنا اور لوگوں کے دلوں میں تصرف کرنا تاکہ وہ محبوب اور معظم ہو جاویں یا ان کے خیالات میں تصرف کرنا تاکہ ان میں واقعات عظیمہ متمثل ہوں اور آگاہ ہو جانا اہل اللہ کی نسبت پر خواہ زندہ ہوں یا اہل قبور اور لوگوں کے خطرات قلبی پر اور جو ان کے سینوں میں خلجان کر رہا ہے اس پر مطلع ہونا اور وقائع آئندہ کا مکشوف ہونا اور بلائے نازل کو دفع کر دینا اور سوائے ان کے اور بھی تصرفات ہیں اور ہم تجھ کو اسے کتاب کے دیکھنے والے ان میں سے بعض تصرفات پر آگاہ کرتے ہیں بطریق نمونے کے۔

طریقہ تاثیر طالب یعنی توجہ دادن: سالک کو توجہ کرنے کا طریقہ

اماھذہ التصرفات عندکبرآئھم اصحاب الفنآءفی اللہ والبقآء بہ فلھا شأن عظیم واماعندسائرھم فالتاثیر فی الطالب ان یتوجہ الشیخ الی نفسہ الناطقۃ ویصادمھا بالھمۃ التامۃ القویۃ ثم یستغرق فی نسبتہ بالجمعیۃ وھذابعد ان تکون نفس الشیخ حاملۃ لنسبۃ من نسب القوم وکانت ملکۃ راسخۃ فیھا فتنتقل نسبتہ الی الطالب علی حسب استعدادہ ومنہ من یشوب بھذا التوجہ الذکر والضرب علی قلب الطالب واذا غاب الطالب فانھم یتخیلون صورتہ ویتوجھون الیھا۔

ترجمہ: اور اس قسم کے تصرفات کاملین نقشبندیوں کے نزدیک جو فنافی اللہ اور بقاباللہ کے لوگ ہیں توانکی تو اور شان عظیم ہے اور اکابر کے سوا باقی متوسطین کے نزدیک طالب میں تاثیر کرنے کا یہ

طریقہ ہے کہ مرشد طالب کے نفس ناطقہ کی طرف متوجہ ہوکر اپنی پوری قوی ہمت سے ٹکرائیں پھر ڈوب جائیں اپنی نسبت میں جمعیت خاطر سے اور یہ تصرف اس کے بعد ہوگا کہ نفس مرشد کسی نسبت کا حامل ہو ان بزرگوں کی نسبتوں میں سے اور اس نسبت کا اس کو ملکہ راسخہ ہو کہ ہر دم اس کے قابو میں ہو پھر مرشد کی نسبت طالب کی طرف منتقل ہوگی اسکی لیاقت اور استعداد کے موافق اور بعضے نقشبندی اس توجہ کی ساتھ ذکر کو اور طالب کی دل پر ضرب لگانے کو بھی ملادیتے ہیں اور جب کہ طالب غائب ہو تو اس کی صورت کو خیال کرتے ہیں اور اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی غائب کو توجہ دیتے ہیں اس کی صورت کو تصور کر کے۔

حقیقت ہمت:

واما الھمة عن اجتماع الخاطر وتأکد العزیمة بصورة التمنی والطلب بحیث لا یخطر فی القلب خاطر سویٰ ھذا المراد کطلب المآء للعطشان واخبرنی من اثق بہ ان من الشیوخ من یشتغل با لنفی والاثبات ویعنی بہ لا راد بھذہ الآفة او لا رازق او ما یناسب ھذا الا اللہ فانہ الفاعل بھذ الفعل۔

ترجمہ: اور ہمت تو عبارت ہی اجتماع خاطر اور قصد کے مضبوط ہو جانے سے بصورت آرزو اور طلب کے اس طرح پر کہ دل میں کوئی خطرہ نہ سماوے سوا اس مراد کے جیسے پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے اور مجھ کو خبر دی اس نے جس پر مجھ کو اعتماد ہے کہ بعضے شیوخ نفی اور اثبات میں مشغول ہوتے ہیں اور لا الہ اللہ سے یہ ارادہ کرتے ہیں کہ آفت کا ٹالنے والا نہیں اور کوئی روزی دینے والا نہیں یا اس کے مناسب جو مدعا ہو سوائے اللہ کے۔

توجہ کے ذریعے سبب مرض:

واما رفع المرض فعبارة عن ان یتخیل نفسه المریض و ان به هذا المرض ویجمع الهمة بحیث لا یخطر فی قلبه خطرة دون هذا فان المرض ینتقل الیه وهذا من عجائب صنع الله فی خلقه۔

ترجمہ: اور بیماری کا دور کرنا اس سے عبارت ہے کہ مرد صاحب نسبت اپنی ذات کو بیمار خیال کرے اور یہ جانے کہ یہ بیماری مجھ میں ہے اور اس پر ہمت کو جمع کرے اس طرح پر کہ اس کے دل میں کوئی خطرہ نہ آوے سوائے اس تصور کے تو مریض کی بیماری اس شخص کی طرف منتقل ہو جاوے گی اور یہ امر عجائبات قدرت اور صنعت ایزدی سے ہے اس کی خلق میں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ کی برکت سے ایک صاحب دل کے عجب کا علاج:

جیسے ظاہری مرض کی طرف اگر شیخ متوجہ ہو جائے اور اس بندے سے ظاہری بیماری دفعہ ہو جاتی ہے اسی طرح باطنی بیماریاں جو کہ تقریباً ننانوے ہیں وہ بھی شیخ کامل کی توجہ کی برکت سے ختم ہو جاتی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں ایک صاحب دل سید صاحب حاضر ہوئے، ان کا دل ایسا ذاکر تھا کہ پاس بیٹھنے والے بھی ذکر کی آواز سنتے تھے، خصوصاً جب وہ سوتے تھے تو دور دور تک ذکر کی آواز سنائی دیتی تھی اور ان کو بعض مشائخ سے خلافت بھی حاصل تھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی اسی توقع سے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ صاحب استعداد ہیں مگر غلبۂ ذکر اور خلافت مشائخ نے ان کو عجب و غرور اور خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہے اور ان کی راہ ترقی مسدود ہو گئی ہے، لہٰذا ان کا علاج ان کے حالات سلب کر لینے سے ہو گا۔ چنانچہ دو

روز بھی نہ گزرے تھے کہ حضرت نے ان کے حالات سلب کر لئے۔ سید صاحب نے جب اپنے کو بے حال پایا تو بہت پریشان ہوئے، گریہ وزاری شروع کی اور اشک حسرت آنکھوں سے جاری ہوگئے، لیکن حضرت نے ان کے حال پر ذرا التفات نہ کی۔ جب چند روز کے بعد ان کے دماغ سے عجب وپندار نکل گیا اور روتے روتے بری حالت ہوگئی تو حضرت نے ان کو خلوت میں طلب فرما کر ایسے مقامات عالیہ پر پہنچا دیا کہ اس کا پہلا ذکر ان کے مقابلے میں زینۂ اول حیثیت بھی نہ رکھتا تھا، وہ سید صاحب خود بھی اپنی پہلی حالت کے نقص کے معترف ہوگئے۔[1]

طریقہ توبہ بخشی:

و اما افاضة التوبة فصورته ان یتخیل نفسه ذلک العاصی بعد ان اثر فیه نوع تاثیر کان نفسه افاضت الی نفسه و وقع بین النفسین اتصال ماثم یستانف فیندم و یستغفر اللہ فان ذلک العاصی یتوب عن قریب۔

ترجمہ: اور افاضہ توبہ کی صورت یہ ہے کہ صاحب نسبت اس عاصی شخص کے نفس کا تصور کرے بعد اس کے کہ کچھ اس میں تاثیر کرے اس طرح پر کہ گویا اس کی ذات اس کی ذات سے مل گئی اور دونوں میں اتصال پیدا ہو گیا پھر ندامت کا اظہار کرکے حق تعالیٰ سے استغفار کرے تو اس سے وہ عاصی بھی جلد توبہ کرے گا۔

طریقہ تصرف قلوب:

و التصرف فی قلوب الناس حتی یحبوا او مدارکھم حتی یتمثل فیھا الواقعات صورته یصادم نفس الطالب بقوة الھمة و یجعلھا متصلة بنفسه ثم یتخیل صورة المحبة او الواقعة و یتوجه الیھا بجامع قلبه فان المتوجه الیه یتاثر و یظھر فیه الحب و تتمثل له الواقعة۔

---

[1] (زبدۃ المقامات ص ۲۷۸، حضرات القدس دفتر دوم ص ۱۴۶)

ترجمہ: اور تصرف کرنالوگوں کے دل میں تاکہ ان میں محبت آجاوے یاان کی محل ادراک میں تصرف کرناتاکہ ان میں واقعات متمثل ہوجاویں اس کاطریقہ یہ ہے کہ بقوت ہمت طالب کے نفس سے لڑے اوراس کو اپنے نفس سے متصل کرلے پھر محبت یاواقعے کی صورت کو خیال کرے اوران کیطرف متوجہ ہواپنے دل کی جمعیت سے تواس میں اثر ہوگا جس کی طرف ہواوراس میں محبت ظاہر ہوجاوے گی اورواقعہ اسکے ذہن میں صورت پکڑ جاوے گا۔

طریقہ اطلاع نسبت اہل اللہ :

و اما الاطلاع علی نسبة اهل الله فطریقه ان یجلس بین یدیه ان کان حیا او عند قبره ان کان میتا و یفرغ نفسه عن کل نسبة و یفضی بروحه الی روح هذا الشخص زمانا حتی یتصل بها و یختلط ثم یرجع الی نفسه فکل ما وجد من الکیفیة فهو نسبة هذا الشخص لا محالة۔

ترجمہ: اوراہل اللہ کی نسبت سے مطلع ہونے کایہ طریقہ ہے کہ اس کے سامنے اگروہ زندہ ہویااس کی قبر کے پاس بیٹھے اگروہ مردہ ہواوراپنی ذات کو ہر نسبت سے خالی کرڈالے اوراپنی روح کو اسکی روح پہنچاوے چند ساعت یہاں تک کہ اس روح سے متصل ہواور مل جاوے پھر اپنی ذات کی طرف رجوع کرے پھر جو کیفیت کہ اپنے نفس میں پاوے توالبتہ وہی اس شخص کی نسبت ہے۔

طریقہ اشرافِ خواطر:

و اما الاشرف علی الخواطر فطریقه ان یفرغَ نفسه ان کل حدیث و خاطر و یفضی بنفسه الیٰ نفس هذا الشخص فان اختلج فی نفسه حدیث من قبیل الانعکاس فهو خاطره۔

ترجمہ: اور اشراف خواطر یعنی دل کی باتوں کے دریافت کرنے کایہ طریقہ ہے کہ اپنی ذات کوہر بات اور ہر خطرے سے خالی کرے اور اپنے نفس تک پہنچادے پھر اگر اس کے دل میں کچھ کھٹکے اور کوئی بات معلوم ہو بطریق پر توپڑنے کے تووہی بات اس کے دل کی ہے۔

طریقہ کشفِ وقائع آئندہ: آئندہ کے حالات کا کشف حاصل کرنا:

واما کشف الوقائع المستقبلة فطریقه ان یفرغ نفسه عن کل شیئ الا انتظار معرفة هذه الواقعة فاذا انقطع عنه کل حدیث وکان الانتظار کطلب الماء للعطشان جعل یربوا بنفسه زمانا بعد زمان الی الملاء الاعلی او السافل بقدر استعداده ویتجرد الیهم فانه عن قریب ینکشف علیه الامر بهتف هاتف او رؤیة واقعة فی الیقظة او رؤیا فی المنام۔

ترجمہ: اور آئندہ آنے والے واقعات کے کشف کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو خالی کرے ہر چیز سے سوائے اس واقعے کے دریافت کے انتظار کے پھر جب اسکے دل سے ہر خطرہ منقطع ہو جاوے اور انتظار اس مرتبہ پر ہو جیسے پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے اپنی روح کو ساعت بساعت ملاءِ اعلیٰ یا اسفل کی طرف بلند کرنا شروع کرے بقدر اپنی استعداد کے اور ان ہی کی طرف یک سو ہو جاوے تو جلد اس پر حال کھل جاوے خواہ ہاتف کی آواز سے یا جاگتے میں اس واقعہ کو دیکھ کر یا خواب میں۔

طریقہ دفع بلا:

واما دفع البلیة النازله فطریقه ان یتخیل تلک البلیة بصورتها االمثالیة ویتخیل مصادمتها ودفعها بقوة ثم یجمع همته علیٰ ذالک ویربوا بنفسه زمانا بعد زمان الیٰ حیز الملاءالاعلیٰ او السافل ویتجرد الیهم فانها عن قریب تندفع۔ والله اعلم۔

وشرط هذه التصرفات وما یجری مجراها اتصال نفس الموثر فیه والالمام بها والافضاء الیها والاصحاب التجرید من غواشی البدن یعرفون هذا الاتصال ویقدرون علیٰ تحصیله والله اعلم وهذا الذی ذکرنا من الاشغال هو الذی کان یختار سیّدی الوالد قدّس سره۔

ترجمہ: اور آنے والی مصیبتوں کے دفع کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اس بلاو مصیبت کو اس کی صورتِ مثالی کے ساتھ خیال کرے اور اس کی مصادمت اور دفع کرنے کو بقوتِ تمام خیال کرے پھر

اپنی ہمت کو اس پر مجتمع کرے اور اپنی روح کو ساعت بساعت ملاءِ اعلیٰ یا ملاء سافل کے مکان کی طرف بلند کرے اور ان ہی کی طرف یکسو ہو جاوے تو عنقریب وہ دفع ہو جاوے گی۔ و اللہ اعلم۔

اور ان تصرفات کی شرط اور جو ان کے قائم مقام ہیں متصل کرنا ہے اثر دینے والے کے نفس کو اس کے نفس سے جس میں تاثیر کرنا منظور ہے اور ملا دینا اس کے ساتھ اور اس تک پہنچا دینا اور جو لوگ کہ بدن کے حجابوں سے پاک ہوگئے ہیں وہ اس اتصال کو جانتے ہیں اور یہ وہ اشغال ہیں کہ وہ اسکے حصول پر قادر ہیں واللہ اعلم اور یہ جو اشغال ہم نے ذکر کیے ہیں جن کو ہمارے والد مرشد پسند کرتے تھے۔[1]

ایک مرید کے دل سے غیر عورت کی محبت کا دور کرنا اپنی توجہ کی برکت سے:

خواجہ حسام الدین احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے خواجہ جمال الدین حسین اپنے والد بزرگوار کے حکم سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی خدمت میں سرہند شریف حاضر ہوئے۔ فرماتے تھے کہ جب میں خدمت عالی میں حاضر ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ کو ذکر کی تعلیم دے کر توجہ فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد ارشاد فرمایا: میں تمہارے دل میں کسی عورت کی محبت کا نقش ایسا جما ہوا پاتا ہوں جس طرح کہ پتھر مٹی میں، سچ کہو کیا بات ہے جب تک کہ اس کی محبت کا نقش تمہارے دل سے نہ نکل جائے گا خدا کی محبت سے تم مستفیض نہیں ہو سکتے۔ میں نے کہا کہ پھوپھی کی کنیز سے میرا تعلق ہے اور میں اس کا شیفتہ ہوں۔ اس کے بعد آپ نے توجہ فرمائی اور اس

---

[1] (شفاء العلیل القول الجمیل ص؛ ۱۱۱ تا ۱۱۹)

کے تعلق سے میرے دل کو پاک کر دیا۔ اس کی محبت میرے دل سے اس طرح جاتی رہی گویا کبھی اس سے الفت ہی نہ تھی۔ [1]

آپ کی توجہ کا اثر:

حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ابھی حضرت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا تھا، میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کر کے یہ راز دریافت کیا "کہ کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی صحبت میں غیر صحابی کامل اولیاء سے افضل ہوئے کیا اسی ایک صحبت میں ان پر کوئی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ جس کے باعث وہ تمام اولیاء سے افضل ہو گئے۔" آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا "اس سوال کا حل صحبت و خدمت سے تعلق رکھتا ہے" اس درویش کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی صحبت بابرکت سے مشرف ہوا، اول ہی صحبت میں مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ اس کی شرح بیان میں نہیں آسکتی۔ آخر اسی روز حضرت نے مجھے بلا کر فرمایا "آج ہی تمہاری صورت حال کچھ اور ہو گئی ہے اسی سے اپنے سوال کا حل سمجھ سکتے ہو۔" [2]

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

عرض داشت کمترین بندگان احمد آنکہ مرشدِ علی الاطلاق جلّ شانہ بہ برکتِ توجہِ عالی بہر دو طریق جذبہ و سلوک تربیت فرمودہ

---

[1] (زبدۃ المقامات ص ۱۴۷-۱۴۸)

[2] (زبدۃ المقامات ص ۲۷۸)

بہـر دوصفـت جمـال وجـلال مربی ست حـالا جمـال عـینِ جـلال ست وجـلال عـین جمـال۔

ترجمہ: حضور کا کمترین خادم احمد عرض کرتا ہے کہ مطلق طور پر ہدایت کرنیوالے یعنی اللہ تعالیٰ جلّ شانہ نے آنجناب کی توجہ عالی کی برکت سے جذبہ اور سلوک کے دونوں طریقوں اور جمال و جلال کی دونوں صفتوں سے تربیت فرمائی ہے۔اب جمال عین جلال ہے اور جلال عین جمال ہے۔

شرح: ابتداء مکتوب میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ذات حق سبحانہ وتعالی کے لئے ''رشد علیٰ الاطلاق'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔کیونکہ رشدوہدایت در اصل اللہ تعالی کے فضل وکرم پر موقوف ہے اور وہی حقیقی طور پر مرشد و ہادی ہے بندگانِ خدا پر لفظ مرشد وہادی کا اطلاق مجازاً ہے۔

بعد ازاں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اپنے متعلق جذبہ وسلوک کے دونوں طریقوں اور جمال وجلال کی دونوں صفتوں سے تربیتِ باطنی کی نعمت حاصل ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔اس مضمون کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔وباللہ التوفیق

جذبہ وسلوک کیا ہے۔۔۔؟

جذبہ: جذبہ، سیر انفسی کا نام ہے اللہ تعالی کے فضل اور مرشدِ کامل کی توجہات سے سیر انفسی میں عالمِ امر کے لطائف کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور لطائف اپنی اصل میں فنا ہو جاتے ہیں یہ کیفیتِ جذب ہے اور اس تربیت کے حاصل کرنے والے کو مجذوب کہتے ہیں۔

سلوک: سلوک سیر آفاقی کانام ہے۔ مرشدِ کامل کی ھدایت کے مطابق اتباعِ سنت و شریعت اور ریاضت و مجاھدہ کے ذریعے طہارتِ نفس و عناصر حاصل کرنا سیر آفاقی ہے۔ اس کو سلوک کہتے ہیں اور اس قسم کی تربیت حاصل کرنے والے کو سالک کہا جاتا ہے۔

جذبہ سلوک سے مقدم ہو تو ایسے مرید کو مجذوب سالک کہتے ہیں۔ اگر سلوک جذبے پر مقدم ہو تو ایسے مرید کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔ حضراتِ نقشبندیہ جذبے کو سلوک پر مقدم رکھتے ہیں اسی لئے اکثر نقشبندی صوفیاء مجذوب سالک ہوتے ہیں دیگر سلاسل کے بزرگ سلوک کو جذبے پر مقدم کرتے ہیں اسی لئے ان کے اکثر صوفیاء سالک مجذوب کہلاتے ہیں۔

یہاں مجذوب کا عوام میں متعارف معنٰی مراد نہیں بلکہ مجذوب کا لفظ توجہِ شیخ سے فیضیاب ہونے والے پابند شریعت صوفی پر استعمال فرمایا ہے۔

اقسامِ جذبہ

جذبہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جذبہ بدایت (۲) جذبہ نہایت

جذبہ بدایت کو جذبہ صوری اور جذبہ نہایت کو جذبہ حقیقی کہتے ہیں۔ جذبہ بدایت سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے جو حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت کا خصوصی فیضان ہے۔ اندراج النہایت فی البدایت کا بھی یہی مفہوم ہے۔ جذبہ نہایت تمام سلاسل، طریقت میں مشترک ہے۔

تعبیراتِ جمال و جلال

صوفیاء کرام کے نزدیک جمال و جلال کے متعدد مفہوم ہیں، مثلاً:

(۱) جمال سے مراد اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام ہے جو بصورتِ راحت ورحمت اور صحت و شفاء ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) جلال سے مراد اللہ تعالیٰ کا قہر وغضب ہے۔ جو بصورتِ رنج والم وتکلیف و مصیبت ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) جمال سے مراد تجلّی لطف و رحمت ہے۔ تمام افعال و آثار خیرات و طاعات اور اعمالِ عبادات وحسنات کا مصدر اسی تجلی جمال سے وابستہ ہے۔

(۴) جلال سے مراد تجلی قہاری ہے۔ تمام افعال و آثار ضلالت وشرارت اور اعمالِ کثافت کا صدور اسی تجلیِ جلال سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) جمال سے مرتبہء وحدت اور جلال سے مرتبہء احدیت بھی مراد لیا گیا ہے۔

(۶) جمال سے التفاتِ محبوب اور جلال سے استغناءِ محبوب مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

سالک جب تزکیہ نفس کے بعد مقامِ معرفت پر فائز ہوتا ہے اور جذبہ و سلوک کی دونوں جہتوں سے حصہ پاتا ہے اور جمالی و جلالی صفتوں کے ساتھ تربیت پاتا ہے تو اس کو ذات حق سبحانہ وتعالی کے ساتھ محبت ذاتی کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اس مرتبے میں اسے جمال اور جلال دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔ کیونکہ جمال اور جلال دونوں اللہ تعالیٰ کے فعل ہیں۔ محبوب کے فعل بھی محبوب ہوتے

ہیں۔ اسی لئے جمال و جلال کی خصوصیات اس کی نظر سے اوجھل رہتی ہیں اور اس کی ساری توجہ صرف محبوب کی طرف رہتی ہے۔[1]

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

چون حدوثِ این قضیۂ نزول پُر زود بود و حقیر را بواسطۂ تناول جلاب ضعفے طاری شدہ بود بانجام کار این نزول نپر داخت ان شآء اللہ تعالیٰ ظاہر خواہد شد۔

ترجمہ: چونکہ نزول کے اس معاملہ کا واقع ہونا قوی اور زوردار تھا اور اس حقیر کو اسہال (جلاب آور دوا) لینے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہوگئی تھی، اس لئے نزول کے نتیجہ میں مشغول نہیں ہوا، ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ظاہر ہو جائے گا۔

شرح: آپ کے اس فرمان سے دو امر ثابت ہوئے پہلا یہ کہ راہِ طریقت میں سالک کے لئے مجاہدہ وریاضت کے ساتھ ساتھ شیخ کی باطنی توجہات بھی ضروری ہیں اور اس کے لئے سالک کو کمالِ اہتمام اور اخلاص کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سالک کو جس طرح عروجی مراتب میں مرشد کی توجہ درکار ہے اسی طرح نزول کے مرتبوں میں بھی خصوصی توجہ کی ضرورت باقی رہتی ہے اور سالک (مرید) کسی وقت بھی اپنے شیخ کی توجہات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

دوسرا یہ کہ باطنی امور کے کشف و ظہور میں صرف ہمت اور وظائف طریقت کی ادائیگی کے معاملات کے لئے سالک کی ظاہری جسمانی صحت و تندرستی بھی لازمی ہے کیونکہ جسمانی صحت روحانی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت اور طب نبوی ﷺ میں حفظانِ صحت کے

---

[1] (مکتوب ۲، البینات جلد ۱ صفحہ ۲۵۷ تا ۲۶۰)

اصول و قواعد بتائے گئے اور معاملاتِ زندگی میں اعتدال وتوازن کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ وظائفِ عبودیت بجالانے اور آدابِ طریقت ادا کرنے کے لئے جسمانی صحت و علاج معالجہ کے اصولوں پر بھی مکمل طور پر کاربند رہے۔ حدیث نبوی ﷺ فان لجسدک علیک حقا (تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے)اسی امر پر دال ہے۔

ہمارے مشائخ کے نزدیک عبادات و معاملات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ رزق، صحت اور دوا جیسی نعمتوں کا بھی مناسب اہتمام و استعمال ہونا چاہیئے، غیر شرعی جسمانی مشقتوں اور غیر مسنون چلوں وریاضتوں کے ذریعے روحانی ترقی حاصل کرنے کی بجائے سنت وشریعت پر عمل کرکے روحانی ارتقاء حاصل کرنا چاہیئے چنانچہ عزیمت پر عمل کرنا خصوصیتِ نقشبندیہ میں سے ہے۔ [1]

حضرت پیر حافظ عبد الکریم نقشبندی عید گاہ شریف والے کی جب کسی طالب پر نظر پڑتی تھی اس کا حال متغیر ہو جاتا تھا اور بے خودی اور جذب ومحویت کے آثار ظاہر ہو جاتے تھے۔

(کنز القدیم فی آثار الکریم، ص، ۱۹)

ایک ہی توجہ کی نگاہ سے موت آپڑی:

حضرت شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری لکھتے ہیں :

نقل است کہ بوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ مریدی داشت عظیم گرم وصاحب وجد ہر دو بیامدند ببسطام کہ چشم مرید بوتراب بر بایزید افتاد بلرزید، ودر حال خشک شدوبمرد، شیخ گفت درھاداین جوان کاری

[1] (مکتوب ۱۷، البینات جلد ۱ صفحہ ۵۱۳ تا ۵۱۴)

بود ہنوز وقت کشف آن نبود در مشاہدہ بایزید آن کار بہ یکبار بر او افتاد طاقت نداشت فرو شد۔

شیخ ابو تراب کا ایک مرید بڑا گرم اور صاحب وجد تھا ایک دن شیخ ابو تراب اس کو سلطان العارفین حضرت ابویزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔جب سلطان العارفین حضرت ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر اس مرید پر پڑی تو مرید زمین پر گر پڑا اور تڑپ کر واصل بحق ہو گیا۔ سلطان العارفین حضرت شیخ تراب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ حضرت ایک ہی نگاہ اور موت تو آپ نے فرمایا ابوتراب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس نوجوان کے بدن میں ایک نور تھا جس کا افشاں ہونے کا ابھی تک وقت نہیں آرہا تھا حضرت سلطان العارفین حضرت ابویزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نگاہ توجہ سے وہ فوراً افشاں ہو گیا اسے اس جلال کی قوت برداشت نہ تھی اس نے دم توڑ دیا۔ [1]

حدیث فعلی میں توجہ اور تصرف کی مثال:

حضور اکرم ﷺ جب غارِ حرا میں تھے۔تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور تین بار فرمایا اقرأ دو دفعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جواب دیا ما انا بقاری ۔ مگر تیسری بار حضرت جبریل علیہ السلام نے سینہ سے لگا کر چھوڑا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے پڑھنا شروع کر دیا۔

---

[1] (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۵۳)

بخاری کی اس حدیث کی شرح میں عارف کامل محدث اجل عبد اللہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فاخذنی فغطنی۔ الخ فیہ دلیل علی ان اتصال جرم الغاط بالمغط وضمہ الیہ تحدث بہ فی الباطن قوۃ نوریۃ متشعشعۃ تکون عونا علی حمل مایلقی الیہ لان جبریل علیہ السلام لما اتصل جرمہ بذات محمد السنیۃ حدث لہ بذلک ماذکرناہ وھو حملہ ماالقی الیہ ووقوفہ لسمع خطاب الملک ولم یکن قیل لہ ذلک وقد وجد ذلک اھل المیراث من اھل الصوفۃ المتبعین المحققین۔[1]

ترجمہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جسے بھینچا گیا۔ جو ایک طریقہ حصول فیض کا ہے۔ تو اس جسم کے اتصال سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس قوت سے دوسرا شخص اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب جبریل علیہ السلام کا جسم مبارک رسولِ اکرم ا کی ذاتِ اقدس سے متصل ہوا تو اس میں وہ کیفیت نورانیہ پیدا کر دی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ مزید یہ کہ فرشتہ کی آواز سنی جو اس سے پہلے نہ سنی تھی۔ اور متبعینِ سنت اور محققین صوفیاء جو اصل وارث ہیں نے یہی طریقہ حاصل کیا ہے۔

شاہ عبد العزیز اور توجہ کی اقسام اربعہ

اس حدیث مبارکہ کے تحت لامع الدراری علی جامع البخاری میں لکھتے ہیں:

واجاد شیخ مشائخنا الشاہ عبد العزیز فی تفسیرہ فی حکمۃ ھذہ الضغطۃ فقال مامعربہ ان ھذہ الضغطۃ کانت الانشاء اثر روحانیۃ جبرئیل علیہ السلام فی روحہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وذالک ان تاثیر المشائخ الکاملین فی نفس الاخر الذی یعبرونہ فی اصطلاحھم بالتوجہ علی اربعۃ انحاء الاول تاثیر انعکاسی مثالہ رجل لطخ علی جسدہ طیبا کثیرا او معطرات غالیۃ یفوح

[1] (بھجۃ النفوس، ص ۱٦ ج ۱)

منهاالرياح الطيبة الكثيرة فجلس فى مجلس و حوله عصابة تمتعوا بهذه الرياح وتدخل هذه الرياح الطيبة فى مشامهم فيتاثرون بهاوهذااضعف التاثيرات لان اثره يبقى مادامو افى مجلس هذاالشيخ والثانى تاثير القائ بمنزلة رجل اخذسكرجة والقى فيهامن الزيت والفتيلة وذهب عندالشيخ فاخذمنه لهبانور مصباحه كان الشيخ القى فيه انواره وهذااقوىٰ من الاول اذيبقى اثره بعدصدوره من مجلس الشيخ ومع ذالک لوعارض مصباحه شيئ من الريح الشديدوغيره اطفیٰ نوره وايضالايكون فى هذاالنوع مزيد اصلاح لنفس المريد لانه لم يوثرفيه الشيخ الابالقاء نوره فمداراصباحه على نظافة زيته وجودة فتيلته ان كانتااجودكان الضياء ايضاجيداوالافلا۔الثالث تاثيراصلاحى بمنزلة رجل حفرنهراًواصلح صنعته واوصله الى البحرليجرى منه الماء فى نهره وجعله فى نزول عندالبحر حتىٰ يجرى منه السيل فى نهره بالسرعة والشدة وهذاالتاثير اقوىٰ من الاولين فان فيه يزول العوارض المانعة من جريان الماء كالتراب والاوراق وغيرذالک فانهاتسيل مع الماء الاان يقع عارض فى النهرمن الخرق والنقب وغيرذالک۔الرابع تاثير اتحادى بان يجعل روحه الحامل للكمالات العلية متحدابروح المسترشدبالقوة والشدة والضغطة ومعلوم ان هذاالتاثيراقوىٰ التاثيرات السابقة وذكرفى ذالک قصة معروفة لشيخ مشائخنا النقشبندية الخواجه باقى بالله شيخ حضرت المجددالف ثانى رحمة اللہ تعالیٰ عليه التى وقعت مع الطباخ الذى هيأضيافة اضياف شيخ المشائخ رحمة اللہ تعالیٰ عليه قال الشيخ فغطة جبرئيل عليه السلام كان من هذاالقبيل حتى تاثرروحه الشريف بروحانية جبرئيل عليه السلام الملكية واصطبغ به اصطباغاتاماًقلت وهذاتوجيه لطيف لاينكره الامن جهل هذاالطريق۔

ترجمہ: شیخ المشائخ الشاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر میں اس حدیث کی حکمت میں اپنی کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کچھ دبانا اس لیئے تھا کہ جبرائیل علیہ السلام کی روحانیت حضور علیہ السلام کی

روح میں شامل ہو جائے اس لیئے کہ کاملوں کی تاثیر جو دوسرے کے اندر اثر پیدا کرتی ہے جس کو اہل طریقت کے عرف میں توجہ کہتے ہیں چار طرح سے ہوتی ہے۔

اول: تاثیر انعکاسی وہ ایسی ہے جیسے کوئی شخص خوب عطر لگا کر مجلس میں آوے اور اس عطر کی خوشبو سب ہمنشینوں کے دماغ کو معطر کر دے پس یہ قسم سب قسموں میں توجہ کی ضعیف ہے کیونکہ اس کا اثر تب تک ہی ہے جب تک اس کی صحبت ہے بعد اس کے کچھ باقی نہیں رہتا۔

دوسری: تاثیر القائی : وہ اس قسم کی ہے جیسے کوئی شخص بتی اور تیل دیے میں ڈال کر لایا اور دوسرے شخص کے پاس آگ تھی اس نے اس کو روشن کر دیا پس چراغ تیار ہو گیا اس قسم کی تاثیر البتہ کچھ قوت رکھتی ہے کہ سیکھنے سکھانے کی صحبت کے بعد بھی اس کو اثر باقی رہتا ہے لیکن جب کوئی صدمہ پہنچا جیسے آندھی یا مینہ یا کوئی اور آفت تو اسکا اثر جاتا رہتا ہے کیونکہ یہ تاثیر نفس اور لطیفوں کو درست نہیں کر سکتی ہے جیسے خام تیل اور بتی اور دیے کو فقط شعلہ سنوار نہیں سکتا۔

تیسری : تاثیر اصلاحی: اس کی مثال گویا کہ ایک شخص کی ہے کہ جو ایک نہر کھود کر اس کو درست کرتا ہے پھر دریا تک پہنچاتا ہے تاکہ دریا سے اس نہر میں پانی آجائے اور اس نہر کو دریا سے نیچے کر دیتا ہے تاکہ دریا سے اس میں پانی شدت اور تیزی سے آجائے کیونکہ اس میں پانی کو روکنے والی اشیاء مثلاً مٹی، پتے اور خس و خاشاک پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ جاتی ہیں ہاں اگر نہر میں کوئی پھٹن یا سوراخ ہو تو پھر پانی کا نقصان ہو گا۔ اس قسم کی تاثیر پہلی دو تاثیروں سے بہت قوی ہے اسی طرح نفس کی اصلاح اور ستھرائی لطیفوں کی بھی اس میں ہوتی ہے لیکن خزانے (دل) کی استعداد راہ کی مسافت کے موافق فیضان ہوتا ہے نہ کنوئیں اور دریا کے برابر اور ان سب باتوں کے ساتھ بھی اگر خزانے (دل) میں کچھ آفت یا فتور واقع ہو جائے تو البتہ نقصان پڑ جاتا ہے چوتھی۔

تاثیر اتحادی: کہ شیخ اپنی روح باکمال کو طالب کی روح کے ساتھ خوب زور سے ملاوے کہ شیخ کی روح کا کمال طالب میں اثر کر جاوے اور یہ مرتبہ سب قسم کی تاثیروں سے زیادہ تر قوت رکھتا ہے کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہو جانے سے دونوں کے جو کچھ کہ شیخ کی روح میں ہے طالب کی روح میں سما جاتا ہے اور بار بار حاجت فائدہ لینے کی نہیں رہتی ہے سو اولیاء اللہ میں اس قسم کی تاثیر بہت کم پائی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک روز آپ کے مکان پر کئی مہمان آگئے اور اس روز آپ کے ہاں کچھ کھانے کی قسم سے موجود نہ تھا اس واسطے ان کو کمال تشویش ہوئی اور ان کے کھانے کی تلاش کرنے لگے اتفاقاً ایک نان بائی کی دکان آپ کے مکان کے متصل تھی اس نے اس بات کی خبر پاکر ایک خوان روٹیوں کا بھرا ہوا روٹیوں کا خوب مکلف مرغن نہاری کے ساتھ آپ کے سامنے لاکر حاضر کیا آپ اس کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے اس نے عرض کی کہ مجھ کو اپنے جیسا کر دیجئے فرمایا کہ تو اس حالت کا تحمل نہ کر سکے گا کچھ اور مانگو مگر وہ اسی بات کا سوال کئے جاتا تھا اور خواجہ انکار کرتے تھے جب وہ بہت سی عاجزی کرنے لگا تو ناچار ہو کر اس کو اپنے ساتھ حجرے میں لے گئے اور توجہ اتحادی اس پر کی جب حجرے سے باہر نکلے تو خواجہ میں اور اس نان بائی کی صورت شکل میں کچھ فرق باقی نہ رہا تھا لوگوں کو پہچاننا مشکل پڑا تھا لیکن اس قدر تھا کہ خواجہ ہوش میں تھے اور وہ نان بائی بے ہوش اور سرشار القصہ اس نان بائی نے تین روز کے بعد اسی سکر اور بے ہوشی میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔ حاصل کلام کا یہ ہے کہ تاثیر جبرئیل علیہ السلام کی اس بھینچنے میں تاثیر اتحادی تھی کہ اپنی روح لطیف کو بدن کے مساموں کی راہ سے آنحضرت ﷺ کے بدن میں داخل کر کے آپکی روح مبارک سے ملادی اور شیر و شکر کے

مانند گھل مل گئیں تو ایک عجیب حالت ملکیت اور بشریت کے درمیان میں پیدا ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ اور جو توجیہ بیان کی گئی حدیث مبارکہ کی بہت ہی لطیف ہے اور اس کا انکار نہیں کرتا مگر وہ جو اس طریق سے بے خبر ہو۔[1]

توجہ شیخ اور فقہاء:

تصوف و سلوک کی خصوصیت میں سے منازل سلوک اور مقامات سلوک طے کرنا ہے

جیسا کہ شامی میں ہے:

الطریقۃ ھی السیرۃ المختصۃ بالسالکین الی اللہ تعالیٰ من قطع المنازل و الترقی فی المقامات۔

ترجمہ: اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ شیخ کامل کی توجہ ہے اور یہ ذریعہ محض ایجاد بندہ نہیں بلکہ اس کی اصل حدیث میں موجود ہے۔[2]

چنانچہ فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

وقال ھذاالقدرمن الحدیث اصل عظیم من اصول الدین وقاعدۃ مھمۃ من قواعد المسلمین وھو عمدۃ الصدیقین وبغیۃ السالکین و کنز العارفین و اداب الصالحین و قدندب اھل التحقیق الی مجالسۃ الصالحین لیکون ذالک مانعامن التلبس بشئ من النقائص احترامالھم واستحیأمنھم۔

ترجمہ: فرمایا یہ حدیث (جبرئیل یا حدیث حسان رضی اللہ عنہ) اصول دین میں سے عظیم اصل ہے۔ اور قواعد مسلمین میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔ اور یہ حدیث صدیقین کی معتمد علیہ اور سالکین

---

[1](لامع الدراری علی جامع البخاری جلد ۱ ص ۵، تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۲۴۵ سورۃ علق، فتاوٰی عزیزی ص ۱۰۰ ایچ ایم سعید کمپنی)

[2](شامی ج۴ ص ۲۳۹)

کی مطلوبہ چیز ہے۔اور عارفوں کاخزانہ اور صلحاء کے آداب میں سے ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء محققین نے صلحاء کی مجالس کی ترغیب دلائی ہے تاکہ ان اولیاء اللہ وصلحاء کی مجلس ،عیوب ونقائص پیدا ہونے میں رکاوٹ بن جائے جس کی وجہ ان صلحاء کا احترام یاان سے حیا کرنا ہو گا۔ [1]

اور تحفۃ الباری میں توجہ صوفیاء کاواضح ثبوت بیان ہوا ہے:

فاخذنی وغطنی ای ضمنی وعصرنی قال علماء الشریعة کان ھذاالغط ضربامن التنبیه لاحضار القلب لیقبل بکلیة الی مایلقی الیه وعلیه وقال علماء الطریقة کان ھذاالغط توجھاباطنیالایصال الفیض الروحانی وتغلیب الملکیة عن البشریة۔

ترجمہ: پس جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑا اور سینہ سے لگایا اور بھینچا۔ علماء ظواہر کہتے ہیں کہ یہ بھینچنادل کو متوجہ کرنے کیلئے ایک قسم کی تنبیہ تھی کہ جو چیز قلب پر القاء ہووہ اسے قبول کرلے اور علماء طریقت کہتے ہیں کہ یہ سینے سے لگانا حصول فیض کیلئے باطنی توجہ تھی اور بشریت پر ملکیت کو غالب کرنامقصود تھا۔

قیل الغط الاول فیتخلی عن الدنیاو الثانیةیستفرغ لمایوحیٰ الیه الثالثةللموانسةومثل ھذاالتصرف الباطنی ثابت بالکتاب والسنةوعلیه السادة الصوفیة قال اللّٰہ عزوجل اذیوحی ربک الی الملائکةانی معکم فثبتواالذین امنوای بالقاءالخضیةوالتوجھات الباطنیة۔

پہلی مرتبہ بھینچنے سے مقصد دل کو دنیا سے خالی کرنا تھا،دوسری مرتبہ وحی کیلئے دل کو فارغ کرنا تھااور تیسری مرتبہ انس پیدا کرنے کیلئے تھا۔اسی طرح تصرف باطنی قرآن وسنت سے ثابت ہے اوراسی پر صوفیائے کرام کا عمل ہے ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تیرے رب نے فرشتوں کی

[1] (فتح الباری شرح بخاری ج ا ص ۸۹)

طرف وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو یعنی القاء اور توجہ باطنی سے ثابت قدم رکھو۔ [1]

فائدہ: ہمارے سلسلہ میں اس فعلی حدیث کی روشنی میں سالک پر ابتداء میں تین بار توجہ کی جاتی ہے اور یہی طریقہ ہمارے ہاں متوارث چلا آرہا ہے۔

مشکوٰۃ میں حدیثِ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ان کی زبانی مذکور ہے:

فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرَبَ فِي صَدْرِي فَفِضْتُ عَرَقًا وكأنما أنظر إِلَى الله عز وَجل۔

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام کی تکذیب زمانۂ جاہلیت سے بھی زیادہ میرے دل میں واقع ہوگئی۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مجھ پر چھاتی ہوئی کیفیت دیکھی تو میرے سینے پر دست اقدس مارا تو میں پسینہ پسینہ ہوگیا۔ حالت یہ ہوگئی کہ گویا میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں۔ [2]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا نَالَهُ بَرَكَةُ يَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَالَ عِنْهُ الْغَفْلَةَ وَالْإِنْكَارَ وَصَارَ فِي مَقَامِ الْحُضُورِ وَالْمُشَاهَدَةِ اه۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت سے صحابی کی غفلت زائل ہوگئی اور فوراً ہی مقام حضور و مشاہدہ حاصل ہوگیا۔ [3]

---

[1] (تحفۃ الباری جلد ۱ ص ۲۱)

[2] (صحیح امسلم، رقم: مشکوۃ المصابیح، رقم: ۲۲۱۳)

[3] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن، باب اختلاف القراءت، ج ۵، ص ۹۳، المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ)

وعن ابی بن کعب قال: قال رسول اللہ ﷺ یا ابا المنذر! اتدری أی آیۃ من کتاب اللہ تعالیٰ معک اعظم؟ قلت: اللہ ورسولہ اعلم، قال: یا ابا المنذر! أتدری أیّ آیۃ من کتاب اللہ تعالیٰ معک أعظم؟ قلت: اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (بقرہ ۲۵۵) قال: فضرب فی صدری وقال لیھنک العلم یاأبا المنذر"۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو منذر کیا تمہیں معلوم ہے کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے عظیم ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: اے ابو منذر! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے پاس کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ میں نے کہا: اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پہ مارا اور فرمایا اے ابو المنذر، خدا کرے تمہارا علم خوش گوار ہو۔

اس حدیث شریف کے تحت العلامہ المحدث عبد الحق الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفی الحقیقۃ کان درکہ ایضاً من تصرفہ ﷺ وتعلیمہ فی الباطن۔

یعنی حقیقت میں ان کے سینے میں علوم کا آنا، یہ آپ ﷺ کے تصرفات میں سے تھا اور علم باطن کی تعلیم تھی۔[1]

[1] (لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح، جلد ۴ ص ۵۴۶)

نبی کریم ﷺ کا اپنے جانی دشمن کو توجہ بلمس کے ذریعے اپنی محبت عنایت فرمانا

علامہ ابوزہرا اویس بن عبداللہ المجتبی الحسینی لکھتے ہیں :

التوجه: بعدفتح مكة همّ فضالة بن عمير أن يقتل رسول الله ﷺ وهويطوف بالبيت،فلمادنامنه قال له رسول الله ﷺ :اى فضالة،قال:نعم يارسول الله ﷺ فقال :ماذاكنت تحدث به نفسک؟قال:لاشئ،كنت اذكر الله،فضحک النبى ﷺ ثم قال :(استغفر الله)،ثم وضع يده على صدره فسكن قلبه وكان فضالة،يقول:والله مارفع يده عن صدرى حتى ماخلق الله شيئاًاحب منه۔وتأثيره ﷺ بمجردتوجيه نظره اِلى شخص فى السنة كثير،وهذه الافاضة ممايتوارثه الأولياءعن سيدالمرسلين ﷺ فيستطيعون باذن الله أن يزكوامريدهم المستعدين لذلک بافاضة الأنوارعلى قلوبهم حتى تخلص وتزكوانفوسهم۔

ترجمہ:توجہ : فتح مکہ کے بعد فضالہ بن عمیر نے قصد اورارادہ کیا کہ آپ ﷺ مبارک کو قتل کردے اورآپ ﷺ مبارک طواف فرمارہے تھے جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچاتو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے فضالہ ؟تو اس نے جواب دیا،جی یارسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے دل میں کیاسوچ رہے ہو؟تو فضالہ نے کہا کہ کچھ نہیں میں تو اللہ کاذکر کررہاہوں۔تو آپ ﷺ مبارک مسکرانے لگے پھر فرمایااللہ سے توبہ کر۔پھر آپ ﷺ مبارک نے اپنادست مبارک اس کے سینے پرر کھاپس اس کے دل کو سکون اور قرار ملا۔فضالہ کہتے ہیں کہ خداکی قسم!آپ ﷺ نے اپنادست مبارک میرے سینے سے اٹھایاہی نہیں تھاحتی کہ اللہ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب مجھے آپ ﷺ کی ذات ہوگئی۔آپ ﷺ کی تاثیر خالص کسی کی طرف دیکھنے کے ساتھ احادیث مبارکہ میں کثرت کے ساتھ مروی ہے۔اوریہ افاضہ (یعنی توجہ)وراثت میں اولیاءکرام کوملی ہے آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے۔تویہ طاقت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کہ یہ

مریدین مستعدین کا تزکیہ کریں انوار کے فیضان سے ان کے دلوں پر۔ یہاں تک کہ مخلصین اور ان کا تزکیہ نفوس ہو جائے۔[1]

فائدہ:

۱۔ توجہ کرنے کی غرض وغایت: سالکین کے دلوں سے غفلت کو دور کرنا اور نور ایمان کو تیز کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ توجہ سے انکشاف ہو جاتا ہے۔

۳۔ مجاہدات اور ریاضت کے ذریعے سالہا سال اتنا فائدہ نہیں ہوتا جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔

۴۔ شیخ کی توجہ کے بغیر محض مجاہدات سے منازل سلوک طے نہیں ہو سکتے کیونکہ سلوک اور تصوف، القائی اور انعکاسی عمل ہے۔

۵۔ توجہ کے لئے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے۔

[1](الاشارات السنیۃ لسالکی الطریقۃ النقشبندیۃ ص ۶ ۱۴ انظر القصۃ فی البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ج ۴ ص ۳۰۸)

مکتوب نمبر ۱۴۲

[مُلّا عبد الغفور سمرقندی کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ ان بزرگوں کی اگر تھوڑی سی نسبت بھی ہاتھ آجائے تو تھوڑی نہیں۔

آپ کا مکتوب مبارک جو التفات و توجہ سے آپ نے ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ فقراؑ سے محبت اور اس گروہ کی طرف توجہ و نیاز خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف سے اس پر استقامت کی درخواست اور اُمید ہے۔

وہ نیاز جو آپ نے درویشوں کے لئے روانہ کی تھی موصول ہوگئی۔ اس پر فاتحہ سلامتی پڑھی گئی ہے۔ جو طریقہ آپ نے اخذ کیا تھا اور جو نسبت آپ کو وصال سے نصیب ہوئی تھی۔ اس کے متعلق آپ نے کچھ تحریر نہیں فرمایا۔ معاذ اللہ کہ اس میں سُستی اور فتور واقع ہو جائے۔

بیت:

یک چشم زدن خیالِ او پیشِ نظر
بہتر ز وصالِ خوبرویانِ ہمہ عمر

ترجمہ: ایک لمحہ کے لئے محبوبِ حقیقی کا خیال سامنے لانا ساری عمر حسینوں کے وصال سے لطف اندوز ہونے سے بہتر ہے۔

ان بزرگوں کی نسبت اگر تھوڑی بھی نصیب ہو جائے تو اس کو تھوڑی خیال نہ کرو۔ کیونکہ دوسروں کی نہایت ان بزرگوں کی ابتدأ میں درج ہے۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

ترجمہ: میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔

لیکن اس نسبت میں فتور اور خلل سے غم نہیں کرنا چاہیئے۔ جبکہ ان بزرگوں کے ساتھ محبت کا رشتہ قوی اور مضبوط ہے۔]

تشریح

فقراءِ عظام کی صحبت ایسی عظیم البرکت چیز ہے کہ اس کا مکمل احاطہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جابجا اہل اللہ کی مجالس اختیار کرنے اور ان کے ساتھ دوستی و محبت رکھنے کی تعلیم دی ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایسے فقرأ کے ساتھ نشست وبرخاست رکھی جائے جو باشرع ہوں۔ شریعت وطریقت کی تعلیمات کے خلاف چلنے والے اوّل تو فقرأ کہلانے کے حقدار ہی نہیں اور اگر فقرأ کالبادہ اوڑھ بھی لیں تو اس سے وہ فقرأ نہیں بن جاتے کیونکہ:

سچائی چھُپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّ لِكُلِّ أَحَدٍ حِرْفَةً، وَحِرْفَتِي اثْنَتَانِ: الْفَقْرُ وَالْجِهَادُ، فَمَنْ أَحَبَّهُمَا فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي۔

ترجمہ: ہر کسی کا کوئی نہ کوئی پیشہ ہوتا ہے اور میرے دو پیشے ہیں ایک فقر اور دوسرا جہاد۔ جو ان کو پسند کرتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو ان دونوں کو بُرا جانتا ہے وہ مجھ سے بُغض رکھتا ہے۔[1]

---

[1](تنبيه الغافلين بأحاديث سيد الأنبياء والمرسلين للسمرقندي، ج ١، ص ٢٣٠، الناشر: دار ابن كثير، دمشق -بيروت)

علاوہ ازیں متعدد احادیث مبارکہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فقرأ کے فضائل و مناقب کو بیان فرمایا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔

ترجمہ: یہ (فقرأ) ایسی قوم ہے کہ ان کا ہم نشین بدبخت و بدنصیب نہیں رہتا۔[1]

بهم تمطرون وبهم ترزقون۔

ترجمہ: ان ہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی برکت سے (لوگوں کو) رزق ملتا ہے۔[2]

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

ترجمہ: اولیاء اللہ کی محفل و مجلس میں تھوڑی دیر کا بیٹھنا، سو برس کی بے ریا عبادت واطاعت سے (استفادہ کے لحاظ سے) افضل ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ:

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

ترجمہ: انسان (قیامت کے دِن) اسی کے ساتھ ہوگا، جس کے ساتھ (دُنیا میں) محبت رکھتا تھا۔[3]

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱۳، ص ۲۹۶، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (مرعاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۳۱۷، الناشر: إدارۃ البحوث العلمیۃ والدعوۃ والإفتاء - الجامعۃ السلفیۃ - بنارس الهند)

[3] (صحیح البخاری، ج ۱۹، ص ۱۴۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اس لئے ضروری ہوا کہ انسان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں (اولیاء اللہ اور فقرأ عظام) کے ساتھ محبت واُلفت رکھے، تاکہ قیامت کی ہولناکیوں میں ان ہی قدسی صفات لوگوں کی صف میں جگہ مل سکے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے چونکہ ہمارے سلسلے میں لطائف کے اسباق اور توجہاتِ باطنی کے فیوض وبرکات جاری وساری ہیں اس لئے سوائے معدودے چندے دیگر تمام محبین وسالکین اپنے ذوق ووِجدان کے مطابق ان کا ادراک رکھتے ہیں۔ لیکن کچھ احباب ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں چند وجوہات کی بناء پر توجہات کا اثر محسوس نہیں ہوتا۔ ایسے سالکوں کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایاہے کہ اگر آپ کو فقرأ کے ساتھ محبت واُلفت اور قلبی لگاؤ کی دولت میسر ہے تو احساسات نہ ہونے پر رنجیدہ نہیں ہوناچاہیئے۔ اصل کام تو شریعتِ مطہرہ پر عمل اور قُربِ الٰہی کی دولت کا حصول ہے، جو بغیر احساسات کے بھی حاصل ہو سکتا ہے بلکہ کئی ایک احباب کو بحمد اللہ حاصل ہے۔ اگر مدارجِ سلوک کاکام ابھی نامکمل لگ رہاہو تو فقرأ کے ساتھ حاصل ہونے والی نسبت کی برکت سے سالوں کاکام چند لمحوں میں نصیب ہو جایا کرتا ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نیاز کے متعلق بیان فرمارہے ہیں۔ دراصل نیاز وہ ہدیہ اور عطیہ ہوتا ہے جو اصحابِ حیثیت اور اربابِ ثروت مشائخِ عظام اور علمائے اعلام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جن سے اہل اللہ کے آستانوں اور مدارس میں مقیم علماء، صوفیاء، درویشوں اور مہمانوں کی خاطر تواضع ہوتی ہے۔ جو کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس کاکام کرتے اور راہِ سلوک طے کرتے ہیں اور اپنے مشائخ کی تعلیمات وفرمودات کی ترویج واشاعت کے لئے شب وروز کوشش کرتے ہیں۔

اس قسم کے سفید پوش اور پرہیز گار لوگوں کے طعام و قیام اور دیگر اخراجات کا خیال رکھنا چاہیئے تاکہ وہ دل جمعی کے ساتھ شریعت و طریقت کا کام سرانجام دے سکیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (البقرۃ ۲۷۳) اور ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: لاَ يَأْكُلُ طَعَامَکَ إلاّ تَقِیٌّ۔ [1] اور اَطْعِمُوْا طَعَامَکُمُ الاَتْقِيَاءَ۔ [2] سے واضح ہے۔ بنابریں اپنے شیخ کے لنگر خانے کی خدمت کرنا فرائضِ طریقت میں سے ہے جو نذرانہ پیش کرنے والوں کے لئے باعثِ طہارت و تزکیہ اور مؤجبِ صلوٰۃ و سکینہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَکَ سَكَنٌ لَهُمْ (التوبۃ ۱۰۳)

یعنی اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل (وصول) کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔

نذر کی اقسام

شارح بخاری حضرت علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نذر کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں، جو بتغییر یسیر قدرے اضافہ کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۴، ص ۴۰۷، الناشر: دار الکتاب العربي-بیروت)

[2] (کیمیائے سعادت)

نذرِ عبادت

جیسے نماز اس قسم کی نذر کا پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ آیہ کریمہ: وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (الحج ۲۹) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ۔[1] سے عیاں ہے۔

نذرِ معصیت

جیسے زنا، اس قسم کی نذر ماننا ممنوع ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ۔[2] سے واضح ہے۔

نذرِ مکروہ

جیسے نوافل ترک کرنے کی نذر اس قسم کی نذر ماننا بھی ناجائز ہے۔

نذرِ مباح

جیسے مباح کھانے، پینے، لباس پہننے کی نذر۔ اس قسم کی نذر کو پورا کرنا بھی لازم نہیں۔

علمائے کرام نے نذر کے دو معنی بیان فرمائے ہیں:

نذرِ شرعی اور نذرِ عُرفی

نذرِ شرعی ایک عبادت مقصودہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص اور عبادات واجبہ کے قبیل سے ہے۔ جیسے کوئی شخص نماز، روزہ، حج وغیرہا کی نذر مانے۔ جبکہ نذرِ عرفی، عرف عام میں عبادت کے معنی میں استعمال نہیں ہوتی۔ بلکہ نیاز کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج۳، ص ۲۲۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (صحیح مسلم، ج۸، ص ۴۲۶، المکتبۃ الفاروقیۃ)

چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

لیکن حقیقت ایں نذر آنست کہ ابداء ثواب بعام وانفاق وبذل مال بروح میت کہ امریست مسنون وازروئی احادیث صحیحہ ثابت است مثل ماوردفی الصحیحین من حال اُمّ سعد وغیرہ ایں نذر مستلزم می شود پس حال ایں نذر آنست کہ ابداء ثواب ہذا القدر الی روح فلاں وذکرولی برائی تعین عمل منذور است نہ برائی مصرف ومصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی می باشند از اقارب وخدم وہم طریقان وامثال ذالک وہمیں است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ وَحُكْمُهُ اَنَّهُ صَحِيْحٌ يَجِبُ الْوَفَاءُ بِه لِاَنَّهُ قُرْبَةٌ مُعْتَبَرَةٌ فِي الشَّرْعِ۔

یعنی اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ طعام کا ثواب اور مال کا انفاق میت کی روح کو ہدیہ کیا جاتا ہے، جو امرِ مسنون ہے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، جیسے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کے کنویں کا ذکر صحیحین میں موجود ہے۔ اس نذر کا پورا کرنا لازم ہوتا ہے۔ پس اس نذر کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ماحضر کا ثواب فلاں ولی کی روح کو پہنچے۔ ولی کا ذکر عمل منذور کے متعین کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ وہ ولی اس نذر کا مصرف ہوتا ہے۔ بلکہ اس نذر کا مصرف تو ان کے نزدیک اس ولی کے متوسلین ہوتے ہیں جو قریبی رشتہ دار، خدامِ درگاہ اور ہم مشرب وغیرہا لوگ ہوتے ہیں۔ بلاشبہ نذر ماننے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر درست ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ ایسی قربت وطاعت ہے جو شرع میں معتبر ہے۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۵۸۱ تا ۵۸۴)

[1] (فتاوی عزیزی، جلد اول)

[وہ قبا جو کئی دفعہ پہنی گئی ہے۔ آپ کو ارسال کر دی گئی ہے، اسے کبھی کبھی پہنا کریں اور اَدب سے محفوظ رکھیں، اس سے بے شمار فوائد کی توقع ہے۔ جب بھی اس قبا کو پہنیں باوضو پہنیں، اور اپنے سبق کا تکرار جاری رکھیں۔ اُمید ہے کہ جمعیتِ تمام نصیب ہو گی۔

جب بھی کوئی بات میری طرف تحریر کریں پہلے اپنے باطنی کوائف و حالات تحریر کیا کریں۔ ظاہری حالات باطنی احوال کے بغیر کچھ اعتبار نہیں رکھتے۔

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوش تراست

ترجمہ: دوست کی بات جس طرف سے بھی کام میں پڑے بہت ہی اچھی لگتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں نظر کی کجی سے پاک حضرت سیّد بشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام ظاہر اور باطن کی متابعت ودوام عطا فرمائے۔

کار اینست وغیر این ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے، باقی سب بے فائدہ باتیں ہیں۔]

تشریح

دسری اہم بات ہے ذواتِ فاضلہ یعنی تبرکات کا بیان تبرکات میں انبیائے عظام اور صوفیاء کرام کی زیرِ استعمال رہنے والی مختلف چیزیں آتی ہیں جن سے فوائد کا حصول نہ صرف ممکن ہے بلکہ عین ثابت ہے۔ دلائل کے طور پر چند واقعات پر غور فرمائیں۔

قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (البقرۃ ۲۴۸)

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر ایمان رکھتے ہو۔

قرآن عظیم الشان میں دوسری جگہ آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ:

اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا (یوسف ۹۳)

ترجمہ: میرا یہ کرتا لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو اُن کی آنکھیں کُھل جائیں گی۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے حکم دیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا کُرتہ بھیج دیجیے۔

مندرجہ بالا دونوں آیات کریمہ میں مقربینِ الٰہی کے تبرکات کا ذکر ہے اور ان کے فوائد بھی خود قرآن عظیم الشان نے ہی بیان فرمادیئے ہیں کہ جہاں کفار کے مقابلے میں فتح ونصرت درکار ہوتی تھی تو اُس صندوقِ سکینہ کو ساتھ لے جاتے تھے، جس کی برکت سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انہیں فتح ونصرت عنایت فرمادیتا تھا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کرنے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے پیروکاروں میں سے نیک لوگوں کے آثار دیکھنے سے دِلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے اور شیطانی وسوسے جاتے رہتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

ایک دفعہ بارش ہو رہی تھی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی چادر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عنایت فرمائی تا کہ وہ اپنے سر پر ڈال لیں۔ جب وہ چادر اپنے سر پر ڈال کر باہر گئیں تو چادر کی برکت سے نہ وہ بارش میں خود بھیگیں نہ ہی چادر بھیگی۔ [1]

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اُن کے شیخ نے ایک جُبہ عنایت فرمایا تھا۔ جب سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہندوستان پر بار بار حملوں کے باوجود بھی کامیاب نہیں ہوئے تو بالآخر انہوں نے ایک دفعہ رو رو کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس جُبہ کے وسیلے سے دعا مانگی اور پھر ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس جُبہ کا وسیلہ قبول کرتے ہوئے افواجِ اسلامی کو فتح کی دولت سے ہمکنار فرما دیا۔ بعد ازاں سلطان محمود غزنوی نے اپنے شیخ کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے سُلطان سے فرمایا کہ اگر تم اس جُبہ کے وسیلے سے ساری دُنیا کی فتح مانگتے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمہیں وہ بھی عنایت فرما دیتے صرف ہندوستان کی فتح تو تھوڑی چیز ہے۔ [2]

نیز مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنا جُبہ مبارک حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دے کر وصیت فرمائی تھی کہ یہ جُبہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچا دینا اور پھر حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ امانت حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وصال کے بعد پہنچا کر حقِ امانت ادا کر دیا۔ آج چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی وہ جُبہ مبارک صحیح سلامت اپنی اصل حالت میں افغانستان کے صوبہ قندھار میں موجود ہے اور اس میں کسی

---

[1] (مثنوی مولوی معنوی فارسی قدیم حاشیہ، دفتر اول، ج ۱، ص ۶۸)

[2] (تاریخِ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں آیا کیونکہ اس جُبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالات کا انعکاس ہوا ہے ورنہ یہ بوسیدہ ہو جاتا، اور اس پر چودہ صدیاں نہ گزر پاتیں۔

حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ:

هَذِهِ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضَى يُسْتَشْفَى بِهَا۔

ترجمہ: یہ جُبہ مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات تک ان کے پاس موجود تھا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا تو جُبہ مبارک میں لے آئی تب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ جُبہ پہنا کرتے تھے اور اب ہم اس جُبہ مبارک کو دھو کر (اس کا پانی) شفاء کے لئے بیماروں کو پلاتے ہیں۔[1]

پس اگر تبرکات سے فیوض وبرکات کے حصول کا عقیدہ رکھنا غلط ہو تو لازمی طور پر کہنا پڑے گا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عقائد غلط تھے اور یہ بات تصریحًا ناممکن ہے لہٰذا اس ساری بحث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ذواتِ فاضلہ یعنی تبرکات سے فیض وبرکت لینا نہ صرف جائز و مستحسن ہے بلکہ کبار ہستیوں کا معمول رہا ہے اور اس حقیقت سے کسی بھی طور پر انکار ممکن نہیں ہے۔

(دارالمعـــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز بزرگانِ دین کے تبرکات کے فیوض وبرکات کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ در حقیقت اہل اللہ پر ان کے صفائے باطن کی بدولت انوار و تجلیات اور فیوضات وبرکات کا

---

[1](صحیح مسلم، ج۱۰، ص۱۱۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ہمہ وقت ورود ہو تا رہتا ہے۔ بنابریں ان کے مساکن وملبوسات متبرک ہوتے ہیں، جو فیض رسانی اور شفا بخشی کا باعث ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا (یوسف ۹۳) سے واضح ہے۔

قندھار میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا خرقۂ مبارک کہ تاہنوز محفوظ ہے۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے کمالات وبرکات وفیوضات منعکس ہونے کی وجہ سے وہ ابھی تک بوسیدہ نہیں ہوا۔

اسی بناء پر اقبال مرحوم نے کہا تھا:

قندہار آں کشورِ مینو سواد

اہلِ دل را خاکِ او خاکِ مراد

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ حق تعالیٰ نے جس طرح مختلف دواؤں میں حیرت انگیز تاثیرات رکھ دی ہیں ایسے ہی اس قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے اپنے بندوں کی عزت افزائی کے لئے ان کے ملبوسات و تبرکات میں برکات وکمالات رکھ دیئے ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اہل اللہ کے تبرکات معتقدین کے لئے ہی فائدہ بخش اور باعثِ برکت ہوتے ہیں۔ اعتقاد سے محروم لوگوں کو کسی قسم کا کوئی فائدہ وبرکت میسر نہیں ہوتی۔ بلکہ فیوض وبرکات سلب کر لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

نے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے لئے اپنی قمیص مبارک عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: قَمِیصِي لَا یُغْنِي عَنْهُ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا۔ [1] سے واضح ہے۔

و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۵۸۴، ۵۸۵)

جامع المعقول والمنقول شیخ القرآن والحدیث مفتی سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی لکھتے ہیں:

جاننا چاہیئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام واولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے آثار و تبرّکات کی تعظیم و تکریم کرنا دینی اور دنیاوی حاجتوں میں ان کا وسیلہ پیش کرنا، ان کی زیارت کو مرادوں کے حاصل ہونے اور بلاؤں کے دور ہونے کا ذریعہ سمجھنا، پانی وغیرہ جو چیزیں ان سے متعلق ہیں، ان میں برکت و شفاء کا اعتقاد رکھنا، تبرّکاتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زیارت کے وقت درود شریف پڑھنا، ان کی کسی قسم کی بے ادبی سے مصیبت کا نازل ہونا، یہ تمام چیزیں قرآن وحدیث آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وسیرت سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے بخوبی ثابت ہے خواہ یہ تبرکات اصلی ہوں یا مثالی ہوں اور تبرکات اصلیہ بھی عام ہیں چاہے وہ سند سے ثابت ہوں یا فقط مشہور و منسوب اور محتمل فیہ ہوں۔

اسی طرح تبرکات مثالیہ بھی عام ہیں، خواہ وہ مصنوعی ہوں جیسے وہ چیزیں جن کو صلحاء و اتقیاء علماء کرام و مشائخ عظام نے نیک نیتی کے ساتھ استخراج فرمایا ہو اور اسے مستحسن جانا ہو اور امورِ خیر اس پر مرتّب ہوتے ہوں۔ نہ کہ وہ چیزیں جن کو فاسقوں اور اہل بدعت و ضلال نے ایجاد کیا ہو اور اس پر شر اور برائیاں مرتب ہوتی ہوں۔ خواہ وہ تبرکات مثالیہ غیر مصنوعی ہو یعنی وہ چیزیں جو بزرگوں اور ان کے تبرکات شریفہ سے صورتاً صفتاً لفظاً یا کسی بھی قسم کی مشابہت یا مشارکت رکھتے

---

[1] (تفسیر کبیر، ج ۱۶، ص ۱۱۵، الناشر: دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

ہوں اور تعظیم و تکریم کے افعال بھی عام ہیں خواہ وہ تعظیم کی کیفیت مخصوص طور پر شارع علیہ السلام سے ثابت ہو یا سلفِ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ اولیائے کاملین رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہو۔ بشرطیہ کہ وہ تعظیم ممنوعات شرعیہ اور اہل فسق کا مخصوص شعار نہ ہو۔

تبرکات اصلیہ کے بیان میں اللہ تعالیٰ حضرت طالوت کا واقعہ بیان فرماتا ہے:

"طالوت کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس میں تمہارے ربّ کی جانب سے سکینہ ہو گا اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہوں گی جن کو اولاد موسیٰ و اولادِ ھارون علیہم السلام نے چھوڑا۔ اس صندوق کو فرشتے اٹھالائیں گے۔"

معتبر تفسیروں میں لکھا ہے کہ اس تابوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے نعلین مبارک تھے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور کچھ من تھا جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا۔ وہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس تھا اور وہ جنگوں میں اس کے باعث فتح و کامیابی پاتے تھے۔ جب بنی اسرائیل نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط فرمادیا۔ اور وہ یہ تابوت بنی اسرائیل سے چھین کر لے گئے۔ اور جس وقت عمالقہ نے اس کی بے ادبی کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر مصیبتوں اور بلاؤں کو مسلط فرمادیا۔ بنی اسرائیل کی ایک عورت ان میں تھی، اس نے ان سے کہا یہ بلائیں تابوت کی بے ادبی کرنے کے سبب آئی ہیں، تم اس کو بنی اسرائیل کے پاس پہنچا دو۔ انہوں نے اس تابوت کو بیل گاڑی پر سوار کر کے روانہ کر دیا۔ فرشتوں نے اس کو حضرت طالوت کے پاس پہنچادیا۔

علامہ بغوی معالم التنزیل میں فرماتے ہیں:

''تابوت کا قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر ایک تابوت نازل فرمایا جس میں انبیاء کرام علیہ السلام کی تصویریں تھیں وہ شمشاد کی لکڑی کا تھا۔ اس کی لمبائی تین گز اور چوڑائی تین گز تھی۔ وہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات تک آپ علیہ السلام کے پاس رہا، پھر وہ شیث علیہ السلام کے پاس پہنچا، پھر اولاد آدم میں وراثتاً منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تابوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا پھر وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس رہا کیونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس۔ یہاں تک کہ وہ تابوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس میں تورات اور اپنا کچھ سامان رکھتے تھے۔ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک ان کے پاس رہا، پھر بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام اسے ایک دوسرے سے پاتے رہے۔ [1]

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ مماترک ال موسیٰ وال ھارون کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس تابوت میں توریت کی دو تختیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور آپ علیہ السلام کے نعلین مبارک تھے۔ حضرت ھارون علیہ السلام کا عمامہ اور عصاء اور ایک قفیز من تھا جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔ اور وہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس رہا۔ جب بنی اسرائیل کے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو ان کے نبی علیہ السلام اس کے ذریعہ فیصلہ فرماتے۔ اور جب بنی اسرائیل جنگ میں جاتے تو اس تابوت کو اپنے ساتھ رکھتے اور اس کے وسیلہ سے اپنے دشمن پر فتح طلب کرتے تھے اور جب بنی اسرائیل میں نافرمانی اور فساد شروع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط فرمادیا۔ یہ قوم

---

[1] (معالم التنزیل امام بغوی ج ا ص ۲۲۹، دار المعرفت بیروت، بحوالہ مجموعہ رسائل فضل رسول ص ۲۹۹)

ان سے تابوت پر غالب آگئی (یعنی تابوت اپنے ساتھ لے گئی)۔ عمالقہ نے اس تابوت کو بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب انہوں نے دوسرے دن صبح کی تو تابوت بت کے اوپر تھا اور بت اس کے نیچے۔ پھر انہوں نے تابوت کو لے کر بت کے اوپر کسی جگہ رکھ دیا تو بت کے دونوں ہاتھ پیر کٹ گئے اور تمام بت سرنگو ہوگئے۔ عمالقہ نے اس تابوت کو بت کدہ سے نکال کر اپنے شہر کے کسی گوشہ میں رکھ دیا تو وہاں کے لوگوں کی گردنوں میں بیماری پیدا ہوئی اور ان کی بہت سے لوگ ہلاک ہوگئے۔ تب انہوں نے اس تابوت کو شہر سے نکال کر جنگل میں دفن کردیا۔ اب جو شخص وہاں بول و براز کے لئے جاتا تو اسے فالج یا بواسیر کی بیماری ہو جاتی۔ تو یہ لوگ بڑے حیران ہوئے۔ تو ایک عورت نے جو بنی اسرائیل سے تھی، ان سے کہا کہ جب تک یہ تابوت تمہارے درمیان رہے گا، تم ناپسندیدہ چیزیں دیکھتے رہو گے۔ اس تابوت کو اپنے پاس سے دور کردو تو اس عورت کے مشورہ سے ایک گاڑی لائے، اور اس پر تابوت رکھا پھر اس گاڑی کو دو بیلوں پر باندھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بیلوں پر چار فرشتوں کو مقرر فرمادیا۔ فرشتے ان دونوں بیلوں کو چلانے لگے اور بیل چلنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ بیل بنی اسرائیل کی زمین پر ٹھہر گئے اور انہوں نے اس تابوت کو اس زمین پر رکھ دیا جہاں بنی اسرائیل کے کھیت تھے۔"[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اتَّخِذُوا مِنۡ مَّقَامِ إِبۡرَاهِيمَ مُصَلًّى (البقرة ۱۲۵)

ترجمہ: "مقام ابراہیم (علیہ السلام) کو مصلیٰ بناؤ۔"

[1] (معالم التنزیل امام بغوی ج ۱ ص ۲۳۰ دار المعرفة بیروت)

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز گاہ بناؤ۔ (حضرت ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ)وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا تھا۔ تو آپ کے دونوں قدم مبارک کا نشان اس پر نقش ہو گیا۔ خانہ کعبہ کے طواف کے بعد دو رکعات تحیۃ الطواف اس پتھر کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر حج کی نداء دی تھی۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد اس پتھر کے نزدیک کھڑا ہونا اور خدا کی عبادت بجالانا گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے حاضر ہونا اور ان کے حضور میں خدا کی عبادت بجالانا ہے۔[1]

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (البقرۃ ۱۵۸)

ترجمہ: ''بے شک صفا اور مروۃ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی درج بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''صرف حضرت ہاجرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی برکت کے باعث صفا اور مروہ کو شعائر اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس لئے کہ ان دونوں پر شکوہ پہاڑیوں کے درمیان حق سبحانہ و تعالیٰ کی معیت خاصہ ان ہی کی حق میں جلوہ گر ہوئی اور اللہ نے ان ہی دو پہاڑیوں کے درمیان ان کی مشکل حل فرمائی۔ پھر ان دونوں پہاڑیوں کا شعائر اللہ ہونا جو ہر ذاتی کے مرتبہ میں ہو گیا۔''

---

[1] (تفسیر فتح العزیز سورۃ بقرۃ زیر آیت مذکور)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل سے ارشاد فرمایا:

قُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ (البقرۃ ۵۸)

ترجمہ: ''تم کہو: ہمیں معاف کردے، ہم تمہاری مغفرت کردیں گے۔''

اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''بعض متبرک مقامات پر نعمت پروردگار اور رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ یا بعض اہل صلاح کے قدیم خاندانوں میں یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے دست حق پرست پر توبہ کرنا اور ان کی طاعت بجالانا جلدی قبولیت اور اچھے نتائج کا سبب ہوتی ہے۔ اس کے باعث ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حکایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ رات کے وقت کسی غزوہ یا سفر میں جارہے تھے۔ جب ہمارا گزر اس پہاڑی کے پیچھے سے ہوا جس کو لوگ دارالحنظل کہتے ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا یہ پہاڑی اس دروازہ کی طرح ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ دروازہ میں سر جھکائے ہوئے داخل ہو۔ اور یہ کہو ''بخش دے'' ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔''

شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سورہ قدر کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس سورۃ کے مضمون سے معلوم ہوا کہ عبادات وطاعات کو نیک اوقات، مبارک مقامات اور صالحین کی موجودگی کی وجہ سے ثواب وبرکات وانوار کے سلسلہ میں ایک خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔''

شفاء شریف میں قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حضرت کابس بن ربیعہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ادب کے ساتھ ان سے پیش آتے اور ان کو اپنے تخت پر بٹھاتے۔ کیونکہ آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے صورتاً مشابہت رکھتے تھے۔[1]

عموماً کلام میں مستعمل الفاظ، برکت، برکات، تبرک، مبارک وغیرہ سب ایک ہی مادہ ''برک'' سے بنے ہیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ برکت کا معنی ہے ''کسی چیز میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خیر کا ثابت ہونا۔''

سب سے بابرکت ذات قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

تَبَارَکَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْکُ (الملک ۱)

برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں حکومت ہے۔

قرآن وبرکت:

هَذَا ذِكْرٌ مُبَارَکٌ أَنْزَلْنَاهُ (الأنبياء ۵۰)

یہ برکت والا ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام بھی مبارک ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے:

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ (مريم ۳۱)

---

[1] (شفاء شریف جلد ۲ ص ۵۷، الباب الثالث فی تعظیم امرہ: فصل ومن اعظامہ)

یعنی میں جہاں کہیں بھی ہوں اللہ نے مجھے بابرکت بنایا ہے۔

وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَى إِسْحَاقَ (الصافات ۱۱۳)

یعنی ہم نے اس (ابراہیم) اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں۔

بعض مقامات بھی مبارک ہیں

بَارَكْنَا فِيهَا (الأنبياء ۸۱)

یعنی اور علاقہ شام میں ہم نے برکت رکھی ہے۔

آثار و تبرکات کی شرعی حیثیت

تبرکات کی اہمیت پر قرآن و حدیث اور اقوال انبیاء کے ناقابل تردید ثبوت۔

آثار انبیاء کے اثبات پر قرآنی شواہد:

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (۹۶) فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ (آل عمران ۹۷)

”بے شک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہاں کو راہ دکھاتا، اس میں کھلی نشانیاں ہیں۔ ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے کعبہ بنایا، ان کے قدم پاک کا نشان اس پتھر پر نقش ہو گیا۔“

ابراھیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان:

تفسیر کبیر میں ہے:

کعبہ معظمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہیم ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کا قدم مبارک اس میں نقش ہو گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ و معجزہ انبیاء ہے۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے قدم اٹھایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سختی پیدا کر دی کہ وہ نشان قدم محفوظ ہو جائے۔ پھر اسے حق سبحانہ نے مدتہا مدت باقی رکھا۔ تو یہ اقسام کے عجیب و غریب معجزے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے۔

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

اسی ایک پتھر کو اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں بیان فرمایا۔ اس لئے کہ اس میں ابراہیم علیہ السلام کا نشان قدم ہو جانا، ایک۔ اور ان کے قدموں کا گٹوں تک اس میں پیر جانا، دو۔ اور پتھر کا ایک ٹکڑا نرم ہو جانا باقی کا اپنے حال پر رہنا، تین۔ اور معجزات انبیاء سابقین علیہم السلام میں اس معجزہ کا باقی رکھنا، چار۔ اور باوجود کثرت اعداء ہزاروں برس اس کا محفوظ رہنا، پانچ۔ یہ ہر ایک بجائے خود ایک آیت معجزہ ہے۔

مولیٰ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (البقرۃ ۲۴۸)

بنی اسرائیل کے نبی شمویل علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے، اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں۔ فرشتے اسے اٹھا کر لائیں بے شک اس میں تمہارے لئے عظیم نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

نبی علیہ السلام کے آثار و تبرکات شریفہ کی تعظیم مسلمان کا فرض عظیم ہے۔ تابوت سکینہ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے، جس کی برکت سے بنی اسرائیل ہمیشہ کافروں پر فتح پاتے رہے۔ اس میں کیا تھا بَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ (البقرة ۲۴۸) موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات سے کچھ بقیہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ وغیرہ۔

متروکات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سیرت پاک کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں متروکات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سب سے زیادہ مستند فہرست حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''سید المرسلین'' کے صفحہ ۸۰ میں لکھی ہے۔ ذیل میں ہم اس کی نقل پیش کرتے ہیں۔

وصال کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ چیزیں چھوڑیں:

۱) دو یمنی چادریں، ایک یمانی ازار بند، دو عدد صحاری کپڑے، ایک صحاری اور ایک صحولی قمیص، ایک یمنی جبّہ، ایک منقش چادر، تین یا چار عدد چھوٹی دیوار والی ٹوپیاں، ایک رنگ دار لحاف۔

۲) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس چمڑے کا ایک تھیلا بھی تھا جس میں آئینہ، کنگھی، سرمہ دان اور مسواک رکھا کرتے تھے۔

۳) سرور عالم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم کا بچھونا چمڑے کا تھا، اس میں روئی کی جگہ کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے۔

۴) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس ایک پیالہ تھا، جس پر مضبوطی کے لئے تین جگہ چاندی کے پترے لگے ہوئے تھے، کانچ کا ایک برتن حناوغیرہ کے استعمال کے لئے تھا، جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے سر مبارک میں حرارت محسوس کرتے تو حنا استعمال فرماتے تھے۔

۵) آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم کے پاس بلور کا ایک پیالہ، ایک ڈول غسل کے لئے، ایک اور بڑا پیالہ اور ایک پتھر کا برتن بھی تھا۔

٦) صدقہ فطرناپنے کے لئے ایک پیمانہ بھی تھا۔اس پیمانہ کاوزن ۵۸.۵ تولہ تھا۔

۷) چاندی کی انگشتری بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس تھی۔اس میں نگینہ بھی چاندی کا تھا اور اس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ایک روایت ہے کہ یہ انگشتری لوہے کی تھی اور نگینے کو چاندی کے ٹانکے سے جوڑا گیا تھا۔

۸) شاہ نجاشی نے دو جوڑے موزے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت پاک میں ہدیۃً بھیجے اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم نے انہیں استعمال فرمایا۔

۹) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمبل اور عمامہ (جس کو سحاب کہا جاتا ہے)کا رنگ سیاہ تھا۔

۱۰) عام استعمال کے کپڑوں کے علاوہ کپڑے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس ایسے بھی تھے جنہیں خاص طور پر جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے۔

۱۱) ایک رومال بھی تھا جس کو وضو کے بعد استعمال فرماتے تھے۔

دوسری کتابوں کی بعض روایات کے مطابق آپ کے کچھ ہتھیار مثلاً زرہ، کمانیں، تیر اور ڈھال وغیرہ جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تھیں وہ بھی ترکے میں شامل تھیں۔ ایک چارپائی اور بستر کا بھی ذکر ملتا ہے، یہ ترکہ اس شاہ عرب و عجم کا تھا، جس کی ایک جنبش نگاہ پر لوگ اپنی جان قربان کرنے کو دنیاجہاں کی سب سے بڑی دولت سمجھتے تھے اور جس کی فیاضی وسخاوت کی نظیر آج تک کوئی پیش نہ کر سکا۔

ان متروکات کا (Disposal) کیا ہوا اس کے متعلق زیادہ تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ اور یوں بھی نبی کا ترکہ عوام الناس کی ملکیت ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں چند چیزوں کے مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں کسی جگہ دفن کردینے کی روایت ملتی ہے اور یہ دفن بھی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے وصال کے بہت بعد کی بات ہے۔

ایک نہایت قوی روایت کے مطابق آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ایک تلوار، ایک نیزہ، ایک زرہ، ایک خود، ایک سفید رنگ کا خچر، ایک گھوڑا جس کا نام دلدل تھا اور ایک سانڈنی جس کا نام عضبا تھا، اپنے متروکات میں چھوڑا ہے۔ جبکہ لونڈی غلام آپ نے اپنے وصال سے پہلے آزاد کردیئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حیات مبارکہ سے خلفائے راشدین تک کے تبرکات

۵۷۶ھ میں سلطان ناصر الدین نے مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صحن میں ایک گنبد بنانے کا حکم دیا تاکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے متروکات کو

محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ متروکات نبوی میں سے جو میسر ہوئی اس میں رکھی گئیں، ان میں سے ایک اونی چادر اور ایک سوتی چادر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس محفوظ تھیں۔

یہ چادریں وہ ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ایک طیالسی جبہ تھا جس کی کفوں پر ریشم لگا ہوا تھا۔ آپ اسے وقتاً فوقتاً پہنا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے اپنے پاس محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس کا ایک حصہ پانی میں بھگو کر یہ پانی مریض کو پلایا جاتا تھا اور وہ صحت مند ہو جاتا تھا۔ اور محفوظات بھی اس میں رکھی گئیں جیسے خانہ کعبہ کی چادر اور جانماز اور جھنڈے اور صحابہ کرام اور اہل بیعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محفوظات وغیرہ ان میں سے کچھ آستانہ (ترکی) کے عجائب گھر میں بھیج دی گئیں۔

آثار صحابہ سے ثابت ہے کہ جس چیز کو کسی طرح آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہوتا، صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہمیشہ اس کی تعظیم و حرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے۔ اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی کہ اس کے لئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں۔ بلکہ جو چیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نام پاک سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین میں سے ہے۔

شفا شریف، مواہب لدنیہ اور مدارج شریف وغیرہ میں ہے:

من اعظامه صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَسلَّم اعظام جمیع اسبابه و مالمسه او عرف به۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعظیم میں سے ہے ان تمام اشیاء کی تعظیم جن کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے کچھ علاقہ ہو اور جسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے چھوا ہو یا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نام پاک سے مشہور ہو۔

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعظیم کا ایک جزء یہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے کچھ علاقہ ہو، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف منسوب ہو، حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اسے چھوا ہو یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو، ان سب کی تعظیم کی جائے۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک تھے۔ کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لئے ایسا شدید حملہ فرمایا جس پر اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تعجب کیا اس لئے کہ اس شدید وسخت حملہ میں بہت مسلمان کام آئے۔ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا کہ مبادا اس کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگیں۔

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ منبر اطہر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں جو جگہ جلوس اقدس کی تھی اسے ہاتھ سے مس کر کے وہ ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیتے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذات اقدس اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے آثار سے تبرک کا حصول

میرے بھائیو! اس بات میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذات بڑی بابرکت ہے۔ ربّ تعالیٰ نے ان میں ایسی برکت رکھی ہے جو ان ہی کے ساتھ خاص ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس بات کو بخوبی جانتے تھے۔

جیسا کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ:

''نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے آخری مرض الوفات میں اپنے آپ پر معوذات سے دم فرمایا کرتے تھے۔ لیکن جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی طبیعت زیادہ بوجھل ہوگئی تو میں وہ معوذات پڑھتی اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے ہاتھ پکڑ کر ان کے جسم پر پھیرتی بسبب ان کی برکت کے۔''

تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہاتھ کی برکت سے باخبر تھیں اور ان کے اپنے ہاتھ سے ہی ان کے جسم مبارک پر مسح کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بھی اس عمل کی توثیق فرمائی۔ یہ نہیں فرمایا کہ تیرے اور میرے ہاتھ میں کوئی فرق نہیں۔

اور یہ برکت عظیمہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ہی خاصہ تھی۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے اذن و امر سے ہی حاجت مند کو فیض یاب کرتی تھی۔

آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے تبرکات کی اہمیت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظر میں

صحیح بخاری شریف ''کتاب اللباس'' میں عیسیٰ بن طہمان سے روایت ہے:

قال اخرج الینا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعلین لھما قبالان فقال ثابت البنانی ھذا نعل النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ و اصحابہ وَسلَّم۔

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے کہ ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے۔ ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نعل مقدس ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آثار مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ان کو وہ جگہ دکھائیں جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بوسہ دیا تھا۔ انہوں نے ناف کے بارے میں بتایا تو اس جگہ کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آثار وذریت مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے برکت حاصل کرنے کے لئے بوسہ دیا۔

ریشم سے زیادہ نازک ہاتھ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے کبھی کوئی ریشم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم نہیں چھوا۔ اور نہ کوئی خوشبو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بدن مبارک سے زیادہ خوشبودار سونگھی۔"

اسی طرح بیان کرتے کرتے فرط محبت سے اتنے بے قرار ہوئے کہ گریہ طاری ہو گیا اور زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے منسوب مشکیزہ:

کبشہ صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ سے منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ میں کھڑی ہوئی اور بعد میں اس دہانہ مشک کو کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا۔

مبارک کھجوریں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ چند کھجوریں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان کو دم کر کے دی تھیں، جنہیں انہوں نے ایک توشہ دان میں رکھ لیا تھا اور ان میں ایسی برکت ہوئی کہ ہمیشہ ان میں سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ شہادت میں وہ ان کے پاس سے کہیں گم ہو گیا۔ جس کا انہیں بہت صدمہ ہوا۔

وہ اکثر کہتے تھے کہ لوگوں کو ایک غم ہی ہے (حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا) اور مجھے آج دو غم ہیں توشہ دان کے کھوئے جانے کا غم اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہونے کا غم۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس برکت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فوت ہو جانے کا غم تھا جو اُن کھجوروں میں تھی۔

عشاق کی یہی حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی ذرا ذرا سی چیز پر جان دیتے ہیں۔

عشاق کو اس حب منزل محبوب کی بنا پر جنت کی بھی تمنا اسی طمع و اشتیاق میں ہو گی کہ وہاں جنت میں حضور صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ جنت میں گو راحت انشاء اللہ ملے گی مگر عشاق کو جنت کی اصل تمنا اور آرزو زیادہ اسی لئے ہوتی ہے کہ وہاں

حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی زیارت ہو گی۔ تو گو یا جنت میں بھی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ذات بابرکت ہی مقصود ہو گی۔

حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بال مبارک:

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ایک سو اونٹ کی قربانی ادا فرمائی۔ ٦٣ اونٹ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے خود اپنے دست اطہر سے ذبح کئے اور ٣٧ کی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قربانی کی۔ قربانی سے فارغ ہو کر سر مبارک معمر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منڈوایا۔ فرط محبت سے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے کچھ مبارک بال عنایت فرمائے اور باقی ماندہ بال حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا پیالہ مبارک:

حضرت خداش بن ابی خداش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا استعمالی پیالہ شریف تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کبھی حضرت خداش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ پیالہ منگواتے اور اس میں آب زمزم رکھ کر پیتے، پھر اپنے چہرے پر اس پانی کے چھینٹے مارتے۔

حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے نعلین مبارک:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود آپ کے پاس سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نعلین مقدس اور پیالہ شریف کی گراں بہا دولتیں موجود تھیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا جبہ مبارک:

سراج العاشقین حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنے ایک جبہ مبارک کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان تک ضرور پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جبہ مبارک ان تک پہنچایا۔ اس روایت پر تقریباً سب علماء اور صوفیاء کا اتفاق ہے۔

شاہ جہان بادشاہ کے پوتے اور شہزادہ دارا شکوہ کے بیٹے مرزا محمد اختر دہلوی نے "تذکرۃ الاولیاء" میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور جبہ مبارک کو چھت کے ساتھ معلق پایا تو اپنا سر اس کے نیچے جھکا دیا اور کافی دیر تک اسی حالت میں رہے کیونکہ فیوض وبرکات اور انوار وتجلیات کا فیضان بہت زیادہ تھا۔

حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے ناخن مبارک:

خادم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی یہ مشاہداتی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ناخن مبارک ترشوا کر غلاموں کو عطا فرمائے۔

لحاف نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم:

سیدنا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ لحاف اور تہبند سنبھال کر رکھا تھا جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا وصال شریف ہوا۔

چادر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم:

سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہاں آئیں، وہ ایک خوبصورت نقش دار چادر لائی تھیں۔ وہ کہنے لگیں کیا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اسے پہننا پسند فرمائیں گے؟ تو وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے لے لی اور آپ کے قبول کرنے کے انداز سے محسوس ہوتا تھا گویا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اس کی ضرورت تھی اور پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اسے اوڑھ بھی لیا۔ ایک صحابی نے دیکھا اور کہنے لگے حضرت یہ تو بہت خوبصورت ہے! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم یہ مجھے عنایت فرمادیں۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: تم لے لو۔

جب حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مجلس سے تشریف لے گئے تو ساتھیوں نے اس صحابی کو ملامت کی اور کہنے لگے کہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ جبکہ تم نے دیکھا بھی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے انداز سے لگ رہا تھا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اس کی ضرورت ہے اور پھر بھی تو نے وہ مانگ لی۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ جب بھی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے کوئی شے مانگی جائے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم انکار نہیں فرماتے۔ وہ کہنے لگا دراصل جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اسے پہن لیا تو اس کے بابرکت ہونے کے خیال سے میں نے مانگ لیا شاید یہ میرا کفن بن سکے۔(صحیح بخاری)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا پسینہ مبارک:

مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کے ہاں آرام فرماتے۔ اور بعض اوقات وہ اپنے گھر پر بھی نہ ہوتیں۔ ایک موقعہ پر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ان کے گھر تشریف لے گئے اور بستر پر سوگئے۔ انہیں خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ کے گھر میں بستر پر آرام فرمارہے ہیں۔ وہ آئیں اور دیکھا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو پسینہ آرہاہے اور چمڑے کے بستر کے ایک حصہ پر پسینے کے قطرے جمع ہوگئے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک ڈبہ سالے آئیں اور اس میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پسینے کے قطرات جمع کرنے لگیں۔ اس کیفیت میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اٹھے اور پوچھا ام سلیم کیا کررہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ جناب ان مبارک قطرات میں ہم اپنے بچوں کے لئے برکت کے امیدوار ہیں ، اس پر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا درست ہے۔

اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم وہاں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو نیند آجاتی تو وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا پسینہ مبارک اور گرے ہوئے بال جمع کرکے شیشی میں ڈال لیتیں اور پھر دوسری خوشبوؤں میں ملالیتی تھیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں اپنی خوشبو میں ملالیتی ہوں۔

وضو کا بچا ہوا مبارک پانی:

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کے وضو کا پانی لے کر نکلے تو کوئی اس پانی کو لے رہا ہے کوئی دوسرے سے تری حاصل کرکے مل رہا ہے۔

شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرمایا:

”فیه التبرک بأثار الصالحین واستعمال فضل طهورهم وطعامهم وشرابهم ولباسهم۔“

یعنی اس میں آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے اور ان کے وضو وغسل سے بچے ہوئے پانی اور ان کے کھانے، پینے اور لباس کے بقیہ کے استعمال کے سلسلہ میں دلیل ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ جناب سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ مجھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں لے گئیں اور کہا حضور! میرا یہ بھانجا بیمار ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے وضو فرمایا اور میں نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے وضو والے پانی سے تھوڑا سا پیا۔ پھر میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی کمر کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور آپ کی پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت بھی دیکھی جو کجاوے بٹن یا گرہ کی مانند تھی۔

اسی سلسلہ میں صلح حدیبیہ کے واقعہ میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہ روایت لائے ہیں کہ قریش مکہ کا نمائندہ عروہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو نہایت غور سے دیکھتا رہا۔ وہ کہتا ہے کہ جونہی آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم تھوکتے تو وہ تھوک بجائے زمین کے

کسی صحابی کے ہاتھوں پر پہنچتی اور وہ اسے اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتا اگر وہ کوئی حکم دیتے تو سب فوراً بڑھ چڑھ کر اس کی تعمیل کرتے۔ اور جب آپ صَلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم وضو فرماتے تو اس پانی پر ان کی خوب کھینچا تانی ہوتی اور جب آپ صَلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بولتے تو آپ کے سامنے وہ آوازیں پست کر لیتے اور عظمت و تکریم کے باعث آپ صَلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے نظریں نہ ملاتے تھے۔

سرخ رنگ کے بال مبارک:

ایک اور روایت میں مالک بن اسماعیل رحمہ اللّٰہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہمیں عثمان بن عبد اللّٰہ بن موھب نے بیان کیا کہ میرے گھر والوں نے مجھے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا کے ہاں پانی کا پیالہ دے کر بھیجا۔

اسماعیل نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے اپنی تین انگلیاں بند کر لیں یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ پیالہ چھوٹا سا تھا۔ یا اس میں پانی تھوڑا سا تھا اس میں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ایک بال رکھا ہوا تھا تو جسے نظر لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا کے ہاں اپنا پانی کا برتن بھیج دیتا۔ اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے اس ڈبیہ میں دیکھا تو سرخ رنگ کے چند بال دکھائی دیئے۔ (صحیح بخاری)

آپ صَلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے کس طرف سے کھانا کھایا؟

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

اکل منہ و بعث بفضلہ الیّ۔

یعنی ایک موقع پر آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے کھانا کھایا اور بقیہ میری جانب بھیج دیا۔

مسلم شریف میں حدیث ہے:

سأل عن موضع اصابعه فتتبع موضع اصابعه۔

یعنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے یہ دریافت فرماتے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کہاں انگلیاں رکھ کر تناول فرمایا پھر خاص اسی جگہ سے اٹھاتے۔

شرح حدیث:

اس حدیث کے تحت شرح مسلم میں ہے:

فيه التبرک بأثار الخير فی الطعام۔

یعنی اس میں کھانے وغیرہ میں بزرگ ہستی سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔

شرح مسلم شریف میں عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

انی احب تاتینی وتصلی فی منزلی فاتخذه مصلیٰ۔

یعنی میری خواہش ہے کہ آپ میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اسے جائے نماز بنالوں۔

امام ابو زکریا نووی (ولادت ٦٣١ھ وفات ٦٧٧ھ) اس حدیث کے تحت اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

فی هذا الحديث انواع من العلم۔ ففيه التبرک بأثار الصالحين وفيه زيارة العلماء والفضلاء والكبرا اتباعهم وتبريكهم اياهم۔

یعنی اس حدیث سے چند چیزوں کا علم ہوا۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ صالحین کے آثار سے برکت حاصل کی جائے۔ اسی طرح اس سے اہل علم و فضل اور بزرگان کا اپنے معتقدین کی ملاقات کے لئے جانا اور انہیں اپنی برکتوں سے نوازنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

اسی حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

فی حدیث عتبان ھذا فوائد کثیرہ, منھا التبرک بالصالحین و آثارھم و الصلوٰۃ فی المواضع التبرک صلوا بھاو طلب التبرک منھم۔

یعنی حضرت عتبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بہت فوائد ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: صالحین سے برکت حاصل کرنا، ان کے آثار سے برکت لینا، جن مقامات پر انہوں نے نماز ادا کی ہو وہیں نماز ادا کرنا، ان سے یہ خود درخواست کرنا کہ ہمیں اپنی برکتوں سے نوازیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے:

ان النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم دعا بالحلاق و ناول الحالق شقۃ الایمن فحلقہ ثم دعا ابا طلحۃ الانصاری فاعطاہ ایاہ ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ ابا طلحۃ فقال اقسمہ بین الناس۔

یعنی حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے حجام کو بلا کر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال منڈوانے کا حکم فرمایا۔ پھر ابو طلحہ انصاری صکو بلا کر وہ سب بال انہیں عطا فرما دیئے۔ پھر بائیں جانب کے بالوں کو منڈوانے کا حکم فرمایا اور وہ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیئے کہ انہیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔"

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے موئے مبارک

عمرہ جعرانہ میں سر اقدس کے حلق کے بعد موئے مبارک تقسیم ہوئے، حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس کے شاہد اور اس دولت عظمٰی سے شرف یاب ہیں۔ ایک دوسرے موقع پر حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داہنی جانب کے سارے موئے مبارک عطا فرما کر بائیں جانب کے موئے مبارک تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔(رواہ الشیخین)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے نامور سپہ سالار تھے۔ فتح ونصرت نے جن کے قدم ہمیشہ چومے انہوں نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے چند موئے مبارک اپنی ٹوپی کے اندر سی لئے تھے اور انہیں اس بات کا پختہ یقین تھا کہ ان موئے مبارک کی برکت سے انہیں اللہ پاک ہمیشہ فتح سے نوازے گا۔ اس لئے بے دھڑک لاکھوں کے لشکر سے ٹکرا جایا کرتے تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ انہیں کبھی کسی جنگ میں شکست نہیں ہوئی۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''شفا'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ رومیوں کے خلاف ایک جنگ میں انکے سر سے ٹوپی گر پڑی جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موئے مبارک موجود تھے۔ تو اس کے لئے انہوں نے غنیم پر ایسا سخت حملہ کیا جو ان کے ساتھیوں کو غیر معمولی معلوم ہوا۔ کیونکہ اس حملہ میں بہت سے آدمی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

جنگ کے بعد ساتھیوں نے جب یہ دریافت کیا کہ اس سے پیشتر آپ نے کبھی اس قدر سخت حملہ نہ کیا تھا پھر آج کیا وجہ ہوئی کہ آپ نے غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے حملہ ٹوپی کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے

موئے مبارک تھے ان کی وجہ سے کیا تھا۔ مبادا ان کی برکت سے محروم رہ جاؤں اور یہ مبارک بال کفار کے ہاتھ تک پہنچ جائیں۔

فائدہ: ان تفصیلات سے اندازہ کیجئے کہ عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں آثار کریمہ کے ساتھ صحابہ کرام اور عام مسلمانوں کو کس قدر والہانہ وابستگی تھی، کس قدر انس تھا، شغف تھا، احترام تھا؟ جب سرکار سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا یہ احترام آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے وصال کے بعد تھا تو خود حیات طیبہ میں کس قدر شیفتگی رہی ہو گی؟ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب آپ وضو فرماتے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے غسالہ وضو کے حاصل کرنے میں بے پناہ سبقت کی جاتی۔

نتیجہ احادیث تبرکات:

امام ابو زکریا نووی، علامہ عینی، امام ابن حجر عسقلانی، امام احمد بن محمد قسطلانی، ملا علی قاری اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بلند پایہ مستند ائمہ حدیث ان روایات سے یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

و فیہ التبرک باٰثار الصالحین و استعمال فضل طھورھم وطعامھم و شرابھم و لباسھم۔

یعنی اس میں آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے اور ان کے وضوو غسل سے بچے ہوئے پانی اور ان کے کھانے پینے اور لباس کے بقیہ کے استعمال کے سلسلہ میں دلیل ہے۔

موئے مبارک سے شفا:

اور یہ نتیجہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طرز عمل سے ماخوذ ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مریضوں کو اور نظر لگے ہوئے انسان کو موئے مبارک جس شیشی میں رکھا

ہوا تھا، اس شیشی کو پانی سے بھر کر وہ موئے مبارک میں ڈبو کر دے دیتیں جس سے اسے شفا ہو جاتی۔(بخاری کتاب الباس)

فائدہ: الغرض یہ صحیح احادیث اور دیگر روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذات اور جو چیز آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے جسمِ اقدس سے الگ ہوئی ہو از قسم بال، پسینہ لباس، یا آپ کے مستعملہ برتن وغیرہ ان میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے برکت ڈالی ہے جس سے شفاء حاصل کی جاتی تھی اور ان سے دینی واخروی فائدہ کی توقع کی جاتی تھی اور اس خیر وبرکت کا دینے والا "رب السمٰوٰت والارض" ہی ہے۔

آثار تبرکات سے برکت کا حصول:

حضرت عبد اللہ بن عمر وانس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے کہ وہ اثار مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے تبرک حاصل کرتے تھے اور حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی نماز کی جگہوں کا قصد کیا کرتے تھے اور ان راستوں کو ڈھونڈتے جن راستوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبارک قدم لگے ہوئے تھے اور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیالے میں بطور تبرک پانی پیتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا پیالہ تھا۔

حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا لباس مبارک:

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا لباس تھا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بھی ہیں، کے پاس نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے موئے مبارک تھے حتیٰ کہ انہوں نے وصیت کی کہ یہ بال مبارک ان کے ساتھ ان کی قبر میں تبرکاً دفن کردیئے جائیں اوروہ ان بالوں کے ساتھ تبرک اور توسل حاصل کرتے تھے۔

وضوسے بچے ہوئے پانی کو جسم پر ملنا:

حضرت عبد الرحمن بن ابی قراد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے وضو فرمایا اور صحابہ کرام آپ کے وضو والے پانی کو اپنے جسم پر ملنے لگے۔ آپ انے دریافت فرمایا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ وہ بولے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی محبت میں ہے۔ تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا جسے یہ بات پسند ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے محبت کرے یا یہ کہ اللہ اور رسول اس سے محبت کریں تو اس پر لازم ہے کہ جب بات کرے تو سچ بولے، امانت دی جائے تو ادا کردے اور اپنے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کرے۔

فائدہ: شیخ صاحب اس حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہے، اس کی کئی سندیں اور شواہد ہیں جو معجم طبرانی وغیرہ میں وارد ہیں۔ امام منذری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الترغیب والترہیب ج۳ ص۲۶ میں اس پر حسن کا حکم لگایا ہے۔ اور یہ کہ میں نے اسے ''الصحیحہ'' میں (۲۹۹۸) درج کیا ہے۔ (التوسل و انواعہ و احکامہ)

ایسے ہی یہ روایات جناب محمد رشید رضا کے خیال کی بھی تردید کرتی ہیں۔ انہوں نے کتاب الاعتصام کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ صحابہ کرام کی یہ کیفیت کہ انہوں نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ

وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے وضو اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے تھوک سے تبرک لیا، حدیبیہ کے موقع کے علاوہ کہیں اور ثابت نہیں۔

واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے تبرک حاصل کرنا کسی غزوہ سے مخصوص نہیں رہا جیسا کہ گزر چکا اور کسی سے انکار بھی وارد نہیں ہے۔

زینب بنت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور تہبندِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے غسل وکفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنا تہبند ہمارے پاس بھیج دیا کہ اس کو زینب بنت رسول کے کفن کے نیچے پہنادو۔

حضرت شیخ عبد الحق رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ صالحین اور بزرگوں کے آثار وملبوسات سے برکت لینے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ موت کے بعد ان کو کفن میں رکھ دیا جائے مگر قرآن مجید اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا احترام جاتا رہتا ہے اور بدن گل کر نجس ہو جاتا ہے تو یہ نجاست ان کو بھی لگے گی جو ان کتابوں کی سخت توہین اور بے ادبی ہے۔

منبر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم:

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ منبرِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر نشست گاہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

واصحابہ وسلم سے مس کرکے اپنی پیشانی کو ملتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ملبوس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مس کی گئی ہو،اس میں برکت ہوتی ہے۔

یہاں تک تو عہدِ صحابہ کی گفتگو تھی اب عہد تابعین کا بھی جائزہ لیتے چلیں کہ حضرات تابعین کیسی وابستگی رکھتے تھے،آثار کریمہ کے ساتھ۔

مجدد اوّل خلیفہ راشد سید التابعین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذباتِ عقیدت بارے میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے متروکات و تبرکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس تھیں جنہیں انہوں نے ایک کمرہ میں احترام کے ساتھ محفوظ کر رکھا تھا اور ہر روز ایک بار ان تبرکات کی زیارت کیا کرتے تھے۔سادات واشراف میں سے جب کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو اسے بھی آپ ان کی زیارت کراتے اور عرض کرتے کہ یہی تبرکات تو میرا سرمایہ ہیں اور فرماتے یہ اس ذات کی میراث ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت و تکریم سے نوازا ہے۔

کمرہ کے اندر رکھے ہوئے تبرکات یہ تھے:

چارپائی،چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی،ایک جوڑا موزہ،چکی اور ترکش جس میں چند تیر تھے۔ تکیہ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سر مبارک کی چکنائی کا اثر تھا،ایک شخص کو سخت بیماری لاحق ہوئی جس سے اسے شفا نہیں مل رہی تھی،حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بارے میں ذکر کیا گیا اور پھر آپ کی اجازت سے اس کی چکنائی میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکایا گیا جس سے وہ تندرست ہو گیا۔ [1]

اس سے یہ بات روشن ہو گئی کہ آثار کریمہ کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عقیدت، طرز سلف کا آئینہ دار ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس کے دل میں بھی عشق و وفا اور وابستگی بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شمع ہو گی وہ یقیناً ان نقوش محبت کو آنکھوں سے لگائے گا۔ سر پہ رکھے گا اور دل میں جگہ دینا اپنی سعادت تصور کرے گا۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاک اور طاہر قلوب اور شفاف ذہن و دماغ انہی تصوراتِ عشق اور ایسے ہی جذبات عقیدت سے لبریز رہا کرتے تھے۔ انہیں تو بس نسبتوں کی تلاش ہوتی تھی سند اور دلیل کی نہیں۔

جستجو جائے نماز نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم:

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی نماز، قیام اور گزر میں اس جگہ کی تلاش و جستجو فرماتے جہاں نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے نماز ادا فرمائی ہو یا تشریف رکھی ہو۔ ایک بار سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھا جہاں حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم تشریف فرما تھے، پھر وہ ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۴ھ فیوض الحرمین، ص ۲۰ میں لکھتے ہیں:

من اراد ان یحصل ما للملاء السافل من الملائکۃ فلا سبیل الیٰ ذالک الا الاعتصام بالطہارات و الحلول بالمساجد القدیمیہ التی صلی فیہا جماعات من الاولیاء۔

---

[1] (مدارج النبوۃ)

یعنی جو یہ ارادا کرے کہ اسے فرشتوں کے طبقہ زیریں کی برکت حاصل ہو تو اس کا راستہ یہ ہے کہ طہارتوں کی خوب پابندی کرے اور ان پرانی مساجد میں داخل ہو تا رہے جن میں اولیاء کی کچھ جماعتیں نماز ادا کر چکی ہوں۔

حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے دندان مبارک:

دارمی و ترمذی رحمہا اللہ تعالیٰ نے شمائل میں اور بیہقی و طبرانی رحمہا اللہ تعالیٰ نے اوسط میں اور ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے سامنے کے دونوں دانت کشادہ تھے۔ دوران کلام ان کے درمیان سے نور نکلتا محسوس ہوتا۔

طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابی قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کی انہوں نے بیان کیا کہ میں نے اور میری ماں اور خالہ نے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے بیعت کی۔ جب ہم لوٹ رہے تھے تو میری ماں اور خالہ نے کہا: ''اے بیٹے! ہم نے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے بہتر کسی شخص کو نہیں دیکھا، آپ نظافت جسم، لطافتِ لباس سے آراستہ اور شیریں گفتار ہیں۔ باتیں کرتے وقت دہن مبارک سے گویا نور نکلتا ہے۔''

چادر نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم:

امام بخاری سہل بن سعد رحمہا اللہ تعالیٰ سے روای ہیں، ایک دفعہ ایک عورت نے خدمت اقدس میں چادر بطور ہدیہ پیش کی۔ ایک صحابی جو اس وقت موجود تھے کہنے لگے کیا اچھی چادر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی چادر انہیں عطا کر دی۔ لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ

سرکار صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے، تم نے سوال کیوں کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا:

رجوت ببرکتها حين يلبسها النبى صَلى اللہ تعالىٰ عليه وَ اٰله و اصحابه وَ سلّم لى الكفن۔

''میں نے چادر اس لئے لی کہ اس میں کفنایا جاؤں اور برکت سے بخشا جاؤں۔''

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حضور صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے ملبوسات اور استعمال شدہ اشیاء کو متبرک جانتے تھے اور ان سے شفا اور برکت کی امید رکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی استعمال شدہ اشیاء کو متبرک سمجھنا، ان سے برکت کی امید رکھنا جائز ہے۔ بدعت یا شرک نہیں ہے بلکہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب حضور صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو بعد از غسل آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنا تہبند مبارک دیا اور فرمایا: اشعرنہا ایاہا یعنی ان کے کفن کے ساتھ میرا تہبند بھی ملادو۔

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالٰی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنا تہبند مبارک کیوں عطا فرمایا:

''والحكمة فى اشعارها به تبريكها۔''

یعنی اشعار میں حکمت یہ تھی کہ ان کے کفن میں برکت ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی اپنی استعمال شدہ اشیاء کو برکت ورحمت تصور فرماتے تھے۔

چادر مبارک کی عجیب برکت:

حضرت مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ مثنوی میں اس حدیث کو نقل فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ آج بہت تیز بارش آئی۔ آپ قبرستان میں تشریف فرما تھے، مگر آپ کے کپڑے نہیں بھیگے۔ فرمایا: عائشہ تم نے کیا اوڑھا ہوا ہے۔ عرض کی آپ کی تہبند شریف۔ فرمایا:

تفت بہـــر آں نمو داے پاکـــ حبیبـــ

نیستـــ ایں باران ایں ابر شمـــار

چشم پاکـــ راخدا باران غیبـــ

ہستـــ باران دیگر و دیگر شمـــار

یعنی اے عائشہ! میرے تہبند شریف کی برکت سے تمہیں یہ نظر آگیا، یہ پانی نہ تھا، یہ تو انوار و برکات الٰہیہ کی بارش تھی، جو مجھ پر برس رہی تھی۔ اے عائشہ اس بارش کا بادل اور آسمان ہی دوسرا ہے۔

یعنی یہ بارش تمہیں اس لئے نظر آگئی کہ تمہارے سر پر میرا تہبند مبارک ہے۔ اسی کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے حجاب اٹھ گئے، اور تم نے انوار الٰہی کا مشاہدہ کر لیا۔ ورنہ یہ ہر کسی کو نظر نہیں آتے۔ سبحان اللہ الغرض وہ پیراہن یوسف علیہ السلام ہے اور یہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ملبوسات اور آپ کے استعمال شدہ اشیاء کے برکات و حسنات ہیں۔ بغور پڑھئے، ایمان تازہ کیجئے اور سوچئے کہ اللہ کے برگزیدہ بندے کیسی کیسی نعمتوں کے مالک ہیں۔

آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا پرچم مبارک:

حضرت عبداللہ بن بریدہ صاپنے والد گرامی حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا پرچم (عَلَم) سیاہ رنگ کا تھا اور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا لواء یعنی چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔

حضرت یونس بن عبید مولیٰ محمد بن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ مجھے محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھیجا تاکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علم مبارک کے متعلق ان سے دریافت کروں کہ وہ کیسا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ سیاہ رنگ کا تھا اور سیاہ کمبل سے تیار کیا گیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عَلَم مبارک سیاہ تھا اور آپ کا پرچم سفید رنگت والا تھا جس پر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عَلَم مبارک عقاب کہلاتا تھا اور اسے اس لقب سے پکارا جاتا تھا۔

حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی کنگھی، سرمہ اور آئینہ مبارک:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سفر و حضر میں ان پانچ چیزوں کو نظر انداز نہیں فرمایا کرتے تھے: آئینہ، سرمہ دانی، کنگھی، تیل اور مسواک۔

حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ جب حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سفر کا ارادہ فرمایا کرتے تھے تو میں یہ چیزیں تیار کر کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سامان میں رکھواتی: خوشبودار تیل، کنگھی، آئینہ، قینچی، سرمہ دانی اور مسواک۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب رات کے وقت بستر پر استراحت فرماتے تو اس سے پہلے مسواک کرتے، وضو فرماتے، اور بالوں میں کنگھی کرتے۔ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی کنگھی ہاتھی دانت کی تھی جس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بالوں کو درست کیا کرتے تھے۔

حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی کنگھی مبارک:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے حجرے میں جھانک کر دیکھا، حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے دست مبارک میں کنگھی تھی جس سے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اپنے سر مبارک کو کھجلا رہے تھے۔ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اگر مجھے پتہ چلتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو میں اس کنگھی سے تیری آنکھوں کو ضرب لگاتا، تم نہیں جانتے کہ شریعت میں کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اذن طلب کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ تم اہل خانہ کو اپنی آمد سے خبر دار کرنے سے پہلے نہ دیکھو۔

حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا سرمہ مبارک:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس کالا سرمہ تھا۔ آپ اپنے بستر پر آرام فرماتے تو دونوں آنکھوں میں تین تین بار سلائیاں ڈالتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن مبارک:

موجودہ مصحف کی نسبت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سوائے مطری کے کسی نے نہیں کی اور مطری کے بعد جنہوں نے مسجد کے درمیانی گنبد کا آتشزدگی کے موقعہ پر محفوظ رہنا ذکر نہیں کیا ہے، انہوں نے بھی اس مصحف کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مقام النبی کے سامنے ایک بڑا صندوق ہے، اور مقام النبی اور حجرہ کے درمیان ایک بڑی رحل ہے جس پر ایک بڑا مصحف ایک غلاف میں بند ہے اور اس پر قفل لگا ہوا ہے۔ یہ ان چاروں مصاحف میں سے ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف شہروں کی طرف بھیجے تھے۔

یہ مصحف جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے اس مصحف کے مطابق ہے جو ابن نجار نے ذکر کیا ہے جو مصر سے بھیجا گیا تھا اور ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نہیں کی۔ حالانکہ ابن نجار رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ ان مصاحف میں سے ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر ممالک میں ارسال کئے تھے۔ ہاں یہ نہیں کہا کہ یہ وہی مصحف ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر ان کی گود میں تھا۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ مصحف جو شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقعہ پر ان کی گود میں تھا وہ ان کے بیٹے خالد کے پاس تھا۔ پھر اس کی اولاد کے پاس رہا، پھر نسلاً بعد نسل انکی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ ملک شام کے بعض مشائخ نے مجھے بتایا کہ اب وہ طوس کے علاقہ میں ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

’’امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مصحف پہلی کتابت کے مطابق لکھنا چاہیئے جو لوگوں نے نئی کتابت ایجاد کی ہے اس کے مطابق نہیں لکھنا چاہیئے، نیز انہوں نے کہا ہے کہ مصحف عثمان تو غائب ہے اس کی کسی کو خبر نہیں۔‘‘

حضرت ابو عبیدہ قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قرآن کے متعلق لکھا ہے کہ:

’’میں نے ایک مصحف دیکھا ہے جسے امام مصحف عثمان کہتے ہیں، یہ بعض امراء کے خزانے سے بر آمد ہوا تھا۔ یہ وہی مصحف ہے جو شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقہ پر ان کی گود میں تھا۔ اور میں نے ان کے خون کے آثار اس میں کئی جگہوں پر دیکھے۔ لیکن ابو جعفر نحاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو رد کیا ہے اور حوالہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو اوپر بیان ہو چکا ہے، ذکر کیا ہے۔‘‘

امام شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ منصف مزاج لوگوں نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات کو ٹھکرا دیا ہے، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں غائب ہونے کا لفظ ہے جو اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ مصحف کلیۃً معدوم ہے اور اس کا پایا جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ غائب چیز کے متعلق یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ کسی وقت ظاہر ہو گی۔

ختم بخاری شریف کی برکت:

اور میں نے مغرب میں حافظ الصالح ابی عبد اللہ محمد بن صعد التلسمانی الانصاری کی تصنیف ’’رو من النسرین فی مناقب الاربعۃ المتاخرین‘‘ دیکھی۔ حافظ العرب ابو القاسم العبدوسی الفاسی تیونس تشریف لائے اور یہاں تشریف لانے کے بعد استسقاء کے دن انہوں نے پوری بخاری شریف پڑھ

دی۔ صبح سے شروع کی اور ظہر یا عصر کے بعد ختم کر دی۔ اور فارس کے لوگوں کی یہ عادت بن چکی ہے کہ تکالیف و مہمات کے وقت وہ بخاری شریف کا ختم کرواتے ہیں اور یہ دفع شر و مصائب کے لئے مجرب ہے۔

مسجد اقصیٰ میں موجود تبرکات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم:

بقول مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسجد اقصیٰ کے حرم شریف کے وسط میں چبوترہ اٹھا ہوا ہے جس کے چاروں طرف کافی چوڑی سیڑھیاں ہیں۔ چبوترے پر چار گنبد بنے ہوئے ہیں ان میں قبۃ السلسلہ، قبۃ المعراج اور قبۃ النبی کچھ زیادہ بڑے نہیں ہیں، جو سنگ مرمر کے ستونوں پر بغیر دیواروں کے قائم ہیں۔ بقول ابن فقیہ قبۃ الصخرہ کے مشرقی جانب قبۃ السلسلہ بیس ستونوں پر کھڑا ہے۔ اس کے سامنے مشرق ہی کی طرف حضرت خضر علیہ السلام کا مقام عبادت ہے۔ اس کے سامنے مشرق ہی کی طرف حضرت خضر علیہ السلام کا مقام عبادت ہے۔ اس کے شمالی رخ پر قبۃ النبی اور مقام جبرائیل علیہ السلام ہیں اور چٹان کے برابر قبۃ المعراج ہے۔

یہ قبہ زیادہ پائیدار اور مستحکم نہ تھا اس لئے بار بار زلزلوں سے متاثر ہوتا رہا اور تعمیر ہوتا رہا۔ اس چبوترے کے دوسرے قبوں یعنی قبۃ النبی، المعراج اور قبہ جبرائیل کے بارے میں امام ابن عبد ربہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: یہ وہ مقام ہے جہاں سے حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم آسمان پر تشریف لے گئے۔ اس مقام کے اوپر وہ جگہ ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انبیائے سابقین کی امامت فرمائی۔

بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ کے پیچھے جنوبی سمت گیارہ سیڑھیاں اتر کر ایک غار میں داخل ہوتے ہیں جسے مغارۃ الارواح کہتے ہیں۔ اس غار میں مختلف انبیاء کی جائے عبادت کو محاربوں سے

مخصوص کیا گیا ہے (یہاں محراب بمعنی چبوترہ ہے) اس کے شمالی حصے میں مقام خضر علیہ السلام اور جنوبی کونے میں مقام داؤد علیہ السلام ہے۔ یہاں ایک مقام کے بارے میں جسے مقام النبی کہا جاتا ہے، روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہاں نوافل ادا کئے تھے۔ اسی غار میں موئے مبارک اور نقش پائے مبارک بھی جو اس غار کے جنوبی مغربی کونے میں ایک الماری میں محفوظ ہیں۔ اس الماری کے سامنے ایک صندوق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عَلم مبارک بھی محفوظ کر لئے گئے ہیں، اس غار میں پچاس ساٹھ آدمی سما سکتے ہیں۔ [1]

نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کے نعلین مبارک:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم مجلس میں تشریف فرما ہو جاتے تو حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دونوں مبارک قدموں سے نعلین شریفین کو اتار لیتے اور انہیں اپنی قمیص کی آستین میں رکھ لیتے۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اٹھ کر جانے لگتے تو حضرت عبد اللہ خود حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کو یہ پہناتے اور عصا لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے آگے آگے چلتے یہاں تک کہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے حجرہ شریف میں نزولِ اجلال فرماتے۔ [2]

---

[1] (بشکریہ اسلامی انسائکلوپیڈیا)

[2] (بحوالہ "تبرکاتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہ و سلم کا تصویری البم"، مصنفہ مولوی ارسلان بن اختر میمن)

بزرگوں کا نذرانہ پر دعا پڑھنا اور تبرکاً باقی طعام میں ملانا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے، فرمایا آپ نے کہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس کھجوریں لایا۔ پھر میں نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ سے دعا فرمائیں کہ ان میں برکت کرے، تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان تمام کو جمع کیا، پھر ان میں برکت کے لئے دعا فرمائی، تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے مجھے فرمایا ان کو اٹھالے اور ان کو اپنے اس توشہ دان میں ڈال دے۔ جب تو اس سے کچھ لینے کا ارادہ کرے تو اپنے ہاتھ کو اس میں ڈال پھر اس کو لے لے، اور اس توشہ دان کو بکھیرنا نہیں، تو میں نے اس کھجور سے فی سبیل اللہ کئی اونٹ کے لدے لے لئے اور ہم اس سے کھاتے بھی اور کھلاتے بھی تھے اور میرا اصل ذخیرہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن ختم ہوا۔[1]

اس حدیث مبارک سے تین امور کا سمجھنا ضروری ہے:

(۱) بزرگوں کے دربار میں نذرانہ لے جانا۔

(۲) جب اس میں کچھ پڑھ دیتے ہیں تو تبرک بن جاتا ہے۔

(۳) اس کو تبرکاً باقی اشیا میں ملایا جائے تو برکت ہوتی ہے، بدعت نہیں، شرک نہیں، حرام نہیں۔

---

[1] (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۴)

کیوں جناب وہابی صاحب ہم اگر ختم پڑھے ہوئے تھوڑے کھانے کو تبرکاً باقی تمام کھانے میں ملائیں تو تم مسخ یا ہو جاتے ہو۔ اب بتاؤ، تو اب تو ایسے کرنا مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت ثابت ہو گیا۔ امید ہے کہ اب تم بھی اسے سنت سمجھ کر عمل کروگے۔ [1]

مولود کے ساتھ نذرانہ پیش کرنا

ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر بچہ پیدا ہوا، فرماتی ہیں: تو مجھے ابو طلحہ نے کہا اسے اٹھالے حتیٰ کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس لے آئے اور بچے کے ساتھ اس نے کھجوریں بھیجیں تو بچے کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے لے لیا پھر فرمایا اس کے ساتھ کوئی شئ ہے انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں کھجوریں ہیں، تو ان کھجوروں کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے لے لیا۔ پھر آگے مذکور ہے کہ ان کھجوروں سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ذراسی کھجور چبا کر بچے کے منہ میں ڈالی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ بچہ عبداللہ بن ابی طلحہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دعاء سے ہی پیدا ہوا تھا۔ (اللھمّ بارک لھما فولدت) آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم نے دعا فرمائی تو بچہ پیدا ہوا۔ [2]

اس حدیث مبارک سے سات مسائل ثابت ہوئے:

(۱) پیر و پیغمبر (علیہم السلام) اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی دعاء سے اللہ تعالیٰ کا اولاد عطا کرنا۔

(۲) جو بچہ بزرگوں رحمہم اللہ تعالیٰ کی دعاء سے پیدا ہوا اس کو ان کے پاس بھیجنا۔

(۳) بچے کے ساتھ میوہ جات کا نذرانہ بھیجنا۔

---

[1] (مقیاس حنفیت ص ۴۹۴)

[2] (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۰۹)

(۴) بچے کو بابرکت بنانے کے واسطے اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بچے کو گود میں اٹھانا۔

(۵) بچے کو اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا خود گھٹی دینا۔

(۶) اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا خوشی سے نذرانہ طلب کرنا اور قبول فرمانا۔

(۷) اہل اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بچے کے لئے نام تجویز فرمانا

تبرکات کی تعظیم:

تبرکات کی تعظیم ہم پر لازم ہے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام رحمہم اللہ کے اجسام اطہار سے تعلق رکھنے والی چیز واجب الاحترام و متبرک ہو جاتی ہے۔ اور بنیادی طور پر اسلام نے ان بزرگان کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے آثار و تبرکات کی اہمیت اسی لئے تسلیم کی ہے۔ اور پھر مسلمانوں کو ان کی تعظیم و تکریم اس لئے کرنے کا حکم دیا ہے کہ یہ تمام چیزیں بالآخر خدا کی یاد اور اس کے قرب کے ذرائع ہیں۔ اور یہ تبرکات اسلام میں ایک اہم مقام بھی رکھتے ہیں۔ اور ان تبرکات کی تعظیم کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ تو عین توحید ہے۔ اور خالق کائنات کی عظمتِ شان کی معرفت کا زینہ ہے۔ اور حضور انور علیہ الصلوۃ والسلام کے اور آپ کے امت میں جو بزرگان دین ہیں ان کے تبرکات بھی ابھی تک موجود ہیں اور اس سے انکار کرنا اس طرح ہے۔ جس طرح بعض لوگ احادیث نبویہ کا انکار کرتے ہیں۔

ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں روایت کر کے لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر انور سرور اطہر کے موضوع جلوس اقدس کو مس کر کے اپنے چہرے سے لگایا۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاشریف میں فرمایا ہے:

''نافع نے کہا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے روضہ اطہر کو سلام کرتے ہوئے سو مرتبہ یا اس سے بھی زائد دیکھا ہے۔ آپ قبر پر تشریف لاتے اور کہتے نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام ہو، پھر واپس چلے جاتے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ منبر پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ کو مس کر کے اپنے چہرے پر لگاتے تھے۔

اور ابن قسیط اور عتبی سے مروی ہے کہ جب مسجد خالی ہو جاتی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کنگرے کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوتے جو قبر انور پر ہے۔ پھر قبلہ رو ہو کر دعا مانگتے ہیں۔

اسی شفاشریف میں یہ بھی ہے:

''آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی تعظیم وتکریم کے طریقوں میں سے آپ کے تمام متعلقات ومقامات، مکہ و مدینہ اور ہر چیز کی تعظیم ہے جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے چھوا ہو یا اس کا تعلق آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے معروف ہو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو معظم شرعی سے شرف حاصل ہو اس کا وہ شرف بعد انتہائے مماست بھی باقی رہتا ہے۔ اس کی توہین اس معظم کی توہین مانی جاتی ہے۔ مثلاً تاج سلطان کو زمین پر ڈالنا صرف اس وقت اہانت سلطان نہ ہو گا جب کہ وہ اس کے سر پر رکھا ہو بلکہ جدا ہونے کی حالت میں بھی ہر عاقل کے نزدیک یہی حکم ہے اور بے شک تعظیم منسوب بلحاظ نسبت تعظیم نسبت منسوب الیہ ہے۔

خالق کائنات نے فرمایا کہ:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲)

اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا، تو یہ دلوں کی پرہیز گاری کے باعث ہے۔

بلکہ نظر ایمانی سے مس و لمس کی بھی تخصیص نہیں جس شے کو معظم شرعی سے کسی طرح نسبت ہے، وہ واجب التعظیم و مورث محبت ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (البقرة ۲۴۸)

ترجمہ: بنی اسرائیل کے نبی (شمویل علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں فرشتے اسے اٹھا کر لائیں، بے شک یہ تمہارے لئے عظیم نشانی ہے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

مفسرین نے اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے کہ وہ تبرکات حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے نعلین مبارک اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ مقدسہ وغیرہ ان کی تبرکات تھیں۔ بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے اور جس مراد میں اس سے توسل کرتے اجابت دیکھتے۔

مسلم شریف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک ادنی جبہ کسروانی ساخت کا نکالا جس کی پلیٹ ریشمی تھی، اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا۔ اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا جبہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کے پاس تھا ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اسے پہنا کرتے تھے۔ **فنحن نغسلها للمرضی نستشفی بها۔ (مسلم)**

توہم اسے دھوکر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت عثمان بن عبد اللہ بن مواہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

قال دخلت علی امّ سلمة فاخرجت الینا شعراً من شعر النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مخضوباً۔

''میں ام المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موئے مبارک کی ہمیں زیارت کرائی، اس پر خضاب کا اثر تھا۔'' **(بخاری)**

امام اجل ابوزکریا نووی شرح مسلم میں زیر حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ **انی احب ان تاتینی وتصلی فی منزلی فاتخذہ مصلی** فرماتے ہیں:

فی هذا الحدیث انواع من العلم وفیه التبرک بآثار الصالحین وفیه زیارة العلماء والصلحاء والکبراء واتباعهم وتبریکهم۔

یعنی اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں۔ اس سے صالحین کے اثار سے تبرک حاصل کرنا علماء و صلحاء کی زیارت کرنا، ان کی اتباع کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہے۔[1]

پھر آگے لکھتے ہیں:

فی حدیث عتبان هذا فوائد کثیرة منها التبرک بالصالحین واثارهم والصلاة فی المواضع التی صلوا بها وطلب التبریک منهم۔

---

[1] (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷)

عتبان کی اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں منجملہ صالحین اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ان مقامات میں نماز پڑھنا جن میں انہوں نے پڑھی ہو اور ان سے طلب تبرک کرنا۔[1]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لکھتے ہیں:

فخرج بلال بوضوئه فمن نائل و ناضح تبر کا باثاره صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَسلّم و قد جاء مبینا فی الحدیث الآخر فرئیت الناس یاخذون من فضل وضوئه ففیه التبرک بآثار الصالحین و استعمال فضل طهورهم و طعامهم و شرابهم و لباسهم۔

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وضو کا پانی لے کر نکلے تو کوئی اسے لیتا تھا اور کوئی ملتا تھا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آثار سے تبرک کے واسطے، دوسری حدیث میں واضح یہ بات آئی ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ وضو کا زائد پانی لے لیتے تو اس میں صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا اور ان کے بچے ہوئے پانی کھانے پینے کی چیزوں اور لباس سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہے۔[2]

امام احمد بن محمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

فجعل الناس یتمسحون بوضوئه استنبط منه التبرک لما مس اجساد الصالحین۔

یعنی لوگ آپ کے وضو کا پانی ملنے لگے، اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ جو چیز بھی نیکوں کے اجسام سے مس ہو جائے اس سے تبرک حاصل کرنا چاہیئے۔[3]

---

[1] (نووی ج ا ص ۲۳۳)

[2] (نووی ج ا ص ۱۹۶)

[3] (ارشادالساری شرح صحیح بخاری، ج ا ص ۳۸۱)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

دراین حدیث استحباب تبرک است بہ بقیہ آب وضوو پس ماند آن حضرت ونقل آن ببلادومواضع بعیدہ مانند آب زمزم وآنحضرت چوں در مدینہ می بود آب زمزم را از حاکم مکہ می طلبیہ وتبرک می ساخت وفضلہ وارثان او کہ علماء وصلحااندو تبرک باثار وانتوار ایشان ہم برین قیاس است۔

یعنی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی خوردہ سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے اور اس کو دور دراز ممالک میں منتقل آب زمزم کی طرح کرنا جائز ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جب مدینے میں تھے تو مکہ کے حاکم سے آب زمزم منگایا اور اس سے تبرک حاصل کیا۔ آپ کے وارثین علماء وصلحاء کے آثار و تبرکات کا اس پر قیاس کرنا چاہیئے۔ [1]

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے:

اما تقبل الاماکن الشریفۃ علی قصد التبرک فھو حسنٌ محمودٌ۔

”جو شریف آستانے ہیں ان کو چومنا تبرک کی وجہ سے اچھا ہے۔“

پیر کرم شاہ فاضل جامعہ ازہر تفسیر ضیاء القرآن میں لکھتے ہیں:

”وہ اشیا جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ناخن، بال مبارک، تبرک کے طور پر پاس رکھتے تھے۔“ [2]

---

[1] (اشعۃاللمعات، ج ا ص ا ۷ ا)

[2] (ضیاءالقرآن ج ا ص ۲ ۷ ا)

چونکہ بزرگان کرام کی قبور سے لوگ تبرک حاصل کرتے ہیں اور اس تبرک کو حاصل کرنے کے لئے جب بزرگان کرام کی قبر پر جاتے ہیں تو کبھی کبھی بارش بھی ہوتی ہے اور گرمیوں میں دھوپ بھی ہوتی ہے، اس لئے زائرین کی سہولت کے لئے کہ وہ وہاں پر تلاوت کریں، دعامانگیں اور تبرک حاصل کریں اور ان کو وسیلہ بنائیں تو اس لئے بزرگان کرام کی قبروں پر گنبد بنائے جاتے ہیں۔ اب گنبدوں کے ساتھ بغض و عناد رکھنا انبیاء و اولیاء کے ساتھ بغض و عناد رکھنا ہے۔ اللہ ربّ العزت ہمیں اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغض وعناد سے بچائے۔ آمین۔

اسی طرح احادیث مبارکہ کی کتب میں بہت سارے ایسے دلائل موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مبارک نے امت کو تبرک کی تعلیم دی ہے ۔ بلکہ محدثین نے ان کے لئے الگ الگ باب رکھ دیئے ہیں جیسے کہ **بابِ استحبابِ تحنیکِ المولودِ عندولادتہٖ وحملہ الی صالحٍ یحنکہ مسلم شریف، ج ۲ ص ۲۰۸۔**

تحنیک کسے کہتے ہیں؟ تحنیک کی تعریف:

جب بچے کی پیدائش ہو جائے تو اس بچے کو اللہ جلّ وعلیٰ شانہ کے کسی نیک بندے کے پاس لے جانا، پھر وہ اللہ کے ولی اس بچے کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈالتے ہیں، اس سے یہ امید ہوتی ہے کہ اس کی برکت سے ان شاء اللہ وہ نیک بن جائے گا۔

حدیث: حدثنا عبد الاعلٰے بن حماد قال نا حماد بن سَلمَة عن ثابت البُنَانی عن انس بن مالک قال ذھبت بعبداللہ بن ابی طلحة الانصاری الی رسو لااللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلّم حین ولدو رسو لااللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلّم فی عَبَاءۃ یَھْنِأُ بعیر الہ فقال ھل معک تَمرٌ فقلت نعَم فناو لتہ تمرات فالقاھن فی فیہ فلا کھن ثم فغر فا الصبیے

فمَجّه فی فیه فجعل الصبیُ یتلمظه قال رسو لا لله صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم حُبُّ الانصار التَّمَر و سَمّاہ عبداللّٰہ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبد اللہ پیدا ہوئے تو میں ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے اور اپنے اونٹ کو روغن مل رہے تھے، آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کھجوریں ہیں؟ میں نے کہا ہاں! پھر میں نے کچھ کھجوریں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہٖ واصحابہٖ وَ سلَّم کو پیش کیں، آپ نے وہ کھجوریں اپنے منہ میں ڈال کر چبائیں، پھر آپ نے بچہ کا منہ کھول کر اسے بچہ کے منہ میں ڈال دیا، اور بچہ اس کو چوسنے لگا، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا انصار کو کھجوروں سے محبت ہے، اور اس بچہ کا نام عبد اللہ رکھا۔ [1]

اس کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اتفق العلماء علے استحباب تحنیک المولود عندو لادته بتمر فان تعذر فما فی معناه او قریب منه من الحلو فیمضغ المحنک التمرة حتی تصیر مائعة بحیث تبتلع ثم یفتح فم المولود ویضعها فیه لیدخل شیء منها جوفه ویستحب ان یکون المحنک من الصالحین وممن یتبرک به رجلا کان او امراة فان لم یکن حاضرا عند المولود حمل الیه۔

تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس کے منہ میں میٹھی چیز ڈالنا، کھجور ڈالنا، مستحب فعل ہے۔ اگر کھجور نہ ہو تو کوئی میٹھی چیز دے دی جائے اس طریقہ سے کہ اس کو منہ میں چبایا جائے تا کہ نرم ہو جائے پھر اس کے بعد بچہ کے منہ میں ڈال دیا جائے۔ اور مستحب یہ

---

[1] (مسلم شریف، ج ۲ ص ۲۰۸ رقم ۵۶۴۹۷)

ہے کہ محنک صالحین میں سے ہو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ اگر نیک صالحین قریب نہ ہوں تو ان کے پاس لے جانا بھی سنت ہے۔

اس حدیث کے فوائد یہ ہیں کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے منہ میں گھٹی دی جائے، اور یہ فعل بالاجماع سنت ہے، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ صالح مرد یا عورت سے گھٹی دلوانی چاہیئے، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ آثارِ صالحین سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ کھجور کی گھٹی دینا مستحب ہے اور کھجور کے علاوہ کسی اور چیز کی گھٹی دینا بھی جائز ہے، پانچواں فائدہ یہ ہے کہ چادر پہننا جائز ہے، چھٹا فائدہ تواضع ہے، اور بڑے آدمی کا اپنے کام میں مشغول رہنا مروّت کے منافی نہیں ہے، ساتواں فائدہ یہ ہے کہ عبد اللہ نام رکھنا مستحب ہے، آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ بچہ کا نام رکھنے کا معاملہ کسی عالم یا صالح شخص کے سپرد کر دینا چاہیئے، اور نواں فائدہ یہ ہے کہ بچہ کی ولادت کے دن ہی اس کا نام رکھنا چاہیئے۔

اسی طرح تحنیک المولود کے بارے میں لگاتار ۹ (نو) احادیث مبارکہ نقل کی گئی ہیں۔

اس میں سے ایک حدیث مبارکہ ہم مختصراً نقل کرتے ہیں:

حدّثنا الحکم بن موسیٰ ابو صالح حدّثنا شعیب (یعنی ابن اسحٰق) اخبرنی ھشام بن عروۃ حدّثنی عروۃ بن الزّبیر و فاطمۃ بنت المنذر بن الزّبیر انّھما قالا خرجت اسمآء بنت ابی بکرٍ حین ھاجرت و ھی حبلی بعبداللّٰہ بن الزّبیر فقدمت قبآءً فنفست بعبداللّٰہ بقبآء ثم خرجت حین نفست الی رسو لا للہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلّم لیحنّکہ فاخذہ رسو لا للہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلّم منھا فوضعہ فی حجرہٖ ثم دعا بتمرۃ قال قالت عآئشۃ فمکثنا ساعۃ نلتمسھا قبل ان نجدھا فبضغھا ثم بصقھا فی فیہ فان اوّل شیء دخل بطنہ لریق رسو لا للہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلّم ثم قالت اسمآء ثمّ مسحہ و صلّی علیہ و سمّاہ عبداللّٰہ ثم جآء وھو ابن سبع سنین او ثمانٍ لیبایع رسو لا للہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ

واصحابه وَسلَّم و امره بذٰلک الزّبیر فتبسّم رسو لاللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ و اصحابہ وَسلَّم حین رأہ مقبلاً الیہ ثمّ بایعہ۔

ترجمہ: عروہ اور فاطمہ بنت منذر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہجرت کی تو وہ حاملہ تھیں اور حضرت عبد اللہ بن زبیر ان کے پیٹ میں تھے، جس وقت قبا پہنچیں تو حضرت عبد اللہ پیدا ہوگئے، وہ اس بچہ کو گھٹی دینے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور اس بچہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی گود میں دے دیا، پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے کھجوریں منگائیں، حضرت عائشہ نے فرمایا کھجوریں ملنے سے پہلے ہم لوگ کچھ دیر کھجوریں تلاش کرتے رہے، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان کھجوروں کو چبایا اور پھر بچہ کے منہ میں لعاب دہن ڈال دیا، اور جو چیز سب سے پہلے اس بچہ کے پیٹ میں پہنچی وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا لعاب دہن تھا، حضرت اسماء کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس بچہ پر ہاتھ پھیرا، اس کے حق میں دعا کی اور اس کا نام عبد اللہ رکھا، پھر جب وہ سات یا آٹھ سال کے ہوگئے، تو حضرت زبیر کے حکم سے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بیعت کرنے کے لئے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس آئے، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان کو اپنی طرف آتے دیکھا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے تبسم فرمایا اور پھر ان کو بیعت کر لیا۔ [1]

اس کی تشریح میں امام نووی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

ومنھا التبرک باثار الصالحین وریقھم وکل شیئٍ منھم۔

---

[1] (مسلم ج ۲ ص ۵۰۳، ۵۰۲ رقم ۵۵۰۱)

یعنی صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، چاہے وہ لعاب ہو یا کوئی اور چیز ہو، یہ مستحب ہے۔

اسی حدیث مبارکہ میں یہ الفاظ مبارکہ (مسحه و صلّٰی علیه و سمّاه عبدالله) معنی صلی علیه ای دعا له ومسحه تبریکا ففیه استحباب الدعاء للمولود عند تحنیکه و مسحه للتبریک۔

یعنی حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے انکے لئے دعا فرمائی اور تبرکاً مسح فرمایا، تو اس سے معلوم ہوا کہ جب بچہ کی تحنیک کی جائے تو اسے دعا دینا اور تبرکاً مسح کرنا جائز ہے۔ اور عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ جنہوں نے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا دم (خون) مبارک تبرکا پیا تھا۔

اور اسی طرح مسلم شریف ج ۲ صفحہ ۲۵٦ باب قربه صَلی الله تعالیٰ علیه وَاٰله و اصحابه وَسلَّم من الناس وتبرکهم به وتواضعه لهم میں حدیث مبارکہ کی شرح میں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم امام نووی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں :

و فیه التبرک بآثار الصالحین و بیان ما کانت الصحابة علیه من التبرک بآثاره صَلی الله تعالیٰ علیه وَاٰله و اصحابه وَسلَّم وتبرکهم بادخال یده الکریمة وتبرکهم بشعره الکریم و اکرامهم ایاه۔

یعنی اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے، اور اس کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے آثار سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے، جیسے کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مبارک برتنوں میں اپنے دستِ مبارک رکھ لیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پانی کو تبرکاً پی لیتے۔

(حدثنا محمد بن عرعرة) قال حدثنی عمر بن ابی زائدة عنِ عوف بن ابی جحیفة عن ابیه قال رأیت رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَ سلّم فی قبة حمرآء من ادمٍ و رائیت بلالاً اخذ وضوء رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَ سلّم و رأیت الناس یبتدرون ذلک الوضوء فمن اصاب منه شیئًا تمسّح به و من لم یصب منه شیئا اخذ من بلل ید صاحبه ثم رأیت بلالاً اخذ عنزة له فرکزها و خرج النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَ سلَّم فی حلّةٍ حمرآء مشمّراً صلی الی العنزة بالناس رکعتین و رأیت الناس و الدواب یمزون من بین یدی العنزة۔

ترجمہ: اس حدیث مبارکہ میں حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لیا، اور میں نے دیکھا کہ لوگ اس بچے ہوئے پانی کو لینے میں جلدی کر رہے تھے۔ جسے وہ پانی مل جاتا وہ اسے اپنے جسم پر مسح کر لیتا اور جسے وہ پانی نہ ملتا، تو وہ اپنے دوست کے ہاتھ پر ہاتھ لگا کر اپنے جسم پر مسح کر لیتا۔[1]

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے آثار سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے۔

اور اسی طرح سنان ابن سنہ بن المحبق الخذلی کے بارے میں روایت ہے کہ جب یہ پیدا ہوئے:

فذهب بی ابی الی رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَ سلَّم فحنکنی و تفل فیّ، و دعالی و سمانی سناناً۔

---

[1] (بخاری شریف، جلداول صفحہ ۵۴ باب فی ثوب الاحمر)

کہ جب میں پیدا ہوا تو میرے والد مجھے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس لے گئے، حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے تحنیک بھی فرمائی اور میرے منہ میں لعاب مبارک بھی ڈالا، برکت کی دعا بھی کی اور میرا نام سنان رکھا۔[1]

(مزید حوالہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۰۳۵۱، ج ۲ ص ۲۵۶، بخاری شریف ج ۱ ص ۴۱۳، مسلم شریف ج ۲ ص ۴۷، بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۰، ج ۲ ص ۳۲۱، ج ۲ ص ۲۵۶)

اسی طرح فتح خیبر کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ مبارک کو آنکھوں میں تکلیف تھی، جب حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو خبر ہوئی، تو مبارک انہیں بلوا کر اپنا لعاب مبارکہ ان کی آنکھوں پر لگایا۔ اللہ جل وعلی شانہ نے اس لعاب مبارکہ کی برکت سے انہیں شفاء کاملہ عطا فرمائی۔ اسے تبرک کہتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام والتسلیمات بھی تبرک کا عقیدہ رکھتے تھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی۔ اور بعض بدبخت اسے شرک اور بدعت کہتے ہیں۔[2]

لفظ ''مبارک'' کا اطلاق غیر اللہ کو جائز ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ بعض بدعقیدہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''مبارک'' کی نسبت غیر اللہ کو ناجائز ہے۔

جواب: لفظ ''مبارک'' کا غیر اللہ کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔

---

[1] (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لابی محمدیوسف بن عبداللہ بن محمدبن عبدالبرّ القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ جلدثانی ص ۲۱۸، باب حرف السین)

[2] (بخاری ج ۱ ص ۵۴، ج ۲ ص ۸۷۱، نسیم الریاض شرح شفاء عیاض ج ۲ ص ۱۱۴، ۱۲۴، اسی طرح بخاری شریف ص ۲۶۹، باب الاشرباء، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۹، شرح زادالمسلم ج ۱ ص ۲۰۶، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۹، شرح زادالمسلم ج ۱ ص ۲۰۶، مسلم شریف ج ۲ ص ۱۶۹، شفاء قاضی عیاض ج ۱ ص ۱۱۸، مسلم شریف ج ۱ ص ۲۳۲، عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۶۶، بخاری شریف ج ۲ ص ۸۹۲، باب حسن الفلق، الاکمال فی اسماء الرجال ص ۶۲۱، الشفاء قاضی عیاض ص ۲۲۰، نسیم الریاض شرح الشفاء قاضی عیاض ج ۲ ص ۱۴۶)

اول دلیل ثبوت لفظ مبارک لغیر اللہ قرآن عظیم الشان سے:

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (النور ۳۵)

آیت کے آخر میں ہے: ''شَجَرَةٍ مُبَرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ'' اس آیت شریفہ میں ''مبارک'' کی نسبت مخلوق کی طرف کی گئی ہے، نہ کہ خالق کی طرف۔ اور حال یہ ہے کہ بدعقیدہ بدمذہب لوگ یہ کہتے ہیں کہ تبرک اور مبارک کی نسبت غیر اللہ کو بدعت اور ناجائز ہے۔

دوسری دلیل:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا (ق ۹)

یہاں پر بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

تیسری دلیل:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ (الدخان ۳)

یہاں پر بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

چوتھی دلیل :

وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ (المؤمنون ۲۹)

یہاں پر بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

پانچویں دلیل:

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَامُوسَى (القصص ۳۰)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

چھٹی دلیل:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (آل عمران ۹۶)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

ساتویں دلیل:

وَهَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ (الأنبياء ۵۰)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

آٹھویں دلیل:

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي (الأنعام ۹۲)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

نویں دلیل:

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ (مریم ۳۱)

یہاں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک، اور احناف کے نزدیک جائز ہے۔ مخالفت صرف وہابی، پنج پیری، غیر مقلدین کرتے ہیں جو

کہ صراحتاً ان آیات مبارکہ سے انکار ہے۔ ایک طرف یہ لفظ مبارک کے استعمال کو ناجائز کہتے ہیں اور جب ان کے ہاں کوئی شادی بیاہ یا پیدائش یا ختم قرآن کی تقریب ہوتی ہے تو اس میں یہ شادی مبارک، اولاد مبارک اور ختم مبارک کے الفاظ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

البداية والنهاية ج۳ ص ۱۹۱، ۹۱، ج۲ ص ۴۰، بخاری شریف ج۲ ص ۶۹، فیض الباری ج۲ ص ۹۱۔

اسی طرح تبرک کے بارے میں مذاہب اربعہ کے صاحبان بھی قائل ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ تبرک آثار الصالحین سے حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔

حوالہ جات کے لئے ملاحظہ کیجئے:

تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۰، الشفاء قاضی عیاض ج۲ ص ۵۷، معرفة الرجال ج۲ ص ۴۹۲، عمدة القاری ج۲ ص ۶۵۷، مرقاة شرح مشکوة ج ۱ ص ۲۱، ۱۲۱، بخاری شریف ج ۱ ص ۲۹۔

فقہاء کرام کی طرف سے جو برکت کے بارے میں اقوال ہیں، وہ ان کتب میں ملاحظہ کیجئے:

البادیہ والنہایۃ ج۴ ص ۳۰۰، وفاء الوفاء ج۲ ص ۴۴۳، عمدة القاری ج۴ ص ۱۷۴، تحفة الاحوذی ج۵ ص ۲۱۰، سیر اعلام النبلاء ج ۲۰، ص ۳۰۹، تاریخ ابن هشام ج۲ ص ۱۳۲، ۳۵۵، ۳۳۵، تفسیر قرطبی ج ۱۰ ص ۳۲، اعانة الطالبین ج۳ ص ۱۳۲، بحر الرائق ج۳ ص ۴۸، تفسیر جصاص ج۵ ص ۲۴۷، بحر الرائق ج۸ ص ۲۲۶، مبسوط سرخسی ج ۱ ص ۲۰۳، ج۳ ص ۶۹۔

دوسری بات یہ ہے کہ محبت میں مبالغہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ حوالہ جات کے لئے ملاحظہ کیجئے:

وفاء الوفاء ج۳ ص ۸۳۹، تاریخ ابن هشام ج۳ ص ۸۸، ج۳ ص ۳۲۳، فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۲، ج ۱ ص ۳۳۹، فتوح الشام ج ۲ ص ۱۴۰، ج ۲ ص ۱۴۷، ج ۲ ص ۲۰۴، ج ۱ ص ۱۸، لسان العرب ج ۱۴، ص ۱۹، ج ۱ ص ۶۸۶، شامی ردالمختار ج ۶ ص ۳۶۳، تمهید لابن البره ج ۳ ص ۶۷، حاشیه بغوی، ج ۲ ص ۴۶، فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۷، ج ۱ ص ۵۲۵۔

ان تمام دلائل سے جو کہ قرآن عظیم الشان اور احادیث مبارک اور اقوال صحابہ اور اقوال مذاہب اربعہ جو ہم نے پیش کئے ان تمام سے یہ ثابت ہوا کہ تبرک یا برکت اور نسبت لفظ مبارک غیر اللہ کی طرف اگر کی جائے تو یہ شرک اور بدعت نہیں۔

اب اگر کوئی اسے شرک اور بدعت کہتا ہے تو تبرک انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہے بلکہ انہوں نے امت کو تعلیم دی ہے، لہٰذا شرک اور بدعت کی نسبت کس تک جائے گی؟ اللہ تعالیٰ ایسے بے دینوں سے ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

بعض بد عقیدہ لوگ لفظ مبارک کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنے کو ناجائز کہتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیات پیش کرتے ہیں:

پہلی دلیل:

فَتَبَارَکَ اللّٰہُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (المؤمنون ۱۴)

اس آیت مبارک میں لفظ مبارک کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف کی گئی ہے۔

دوسری دلیل:

تَبَارَکَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا (الفرقان ۶۱)

تیسری دلیل:

تَبَارَکَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الملک ۱)

مذکورہ تین آیات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ لفظ مبارک کی نسبت صرف اللہ کی طرف کی جائے گی، کسی اور کی طرف کرنا شرک اور بدعت ہے۔

مخالفین کے دلائل کا جواب

ان بدمذہب، بدعقیدہ لوگوں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جن کے بارے میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ (البقرة ۸۵)

کہ قرآن کی بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر ایمان نہیں لاتے۔

یا ان لوگوں کی مثال ان کی طرح ہے جن کے بارے میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہیں، کہ جو آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

ان کی کم علمی کا حال یہ ہے کہ ان آیات مبارکہ میں لفظ(تبرک)اس کا ترجمہ اس طریقہ سے کرتے ہیں کہ "مبارک ہے وہ ذات"۔ اور یہ ترجمہ صراحتاً غلط ہے، لغت اور تفاسیر کی کتابوں کی مخالفت ہے، قانون اور قاعدہ کے مخالف ہے۔اگر لفظ تبرک کو مجردات کے باب سے لیا جائے تو نما اور زیادت کے معنی پر آئے گا۔حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو:لسان العرب ج۱۰ص۶۔

اگر تفاسیر دیکھی جائیں تو مفسرین کرام نے "تبرک" کا معنی تقدس و تنزہ لیا ہے۔

دوسرا جواب:

تَبَارَکَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْکُ (الملک ۱) اس کی ترکیب اس طریقہ سے ہے:

(تَبَارَکَ فعل)، (الَّذِي موصول)، (بِيَدِهِ الْمُلْکُ، صلہ)۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر پورا جملہ فاعل ہوا، تَبَارَکَ فعل کا۔ ترکیبی لحاظ سے لفظ تَبَارَکَ کا ترجمہ معاندین نے جو کیا ہے (فتح کے ساتھ)، وہ بالکل غلط ہے۔ تَبَارَکَ کا ترجمہ ترکیبی لحاظ سے کسرہ کے ساتھ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ لفظ تَبَارَکَ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ توقیفی ہیں، اور اللہ جل شانہ کے اسماء مبارک میں سے یہ نام نہیں ہے۔ اور اگر تَبَارَکَ کا ترجمہ مبارک کیا جائے، یعنی ر کو فتح کے ساتھ، جو کہ معاندین نے کیا ہے، تو معنی بالکل غلط ہو جائے گا۔ مبارک کا معنی ہے برکت دادہ شدہ، یعنی جس میں برکت ڈالی گئی ہو۔ اللہ جل و علی شانہ برکت ڈالنے والا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ تبٰرک کا معنی تقدس و تنزہ کرنا چاہیئے یا مبارک مصدر میمی ہے، بمعنی ذوبرکات۔

مذکورہ دعویٰ کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ کیا جائے:

فتح القدیر ج۵ ص ۱۴۳، مسلم شریف ج ۱ ص ۹۹، کتب ابن تیمیہ ج۲۷ ص ۹۵، ۳۱۰، ۱۶، فتاویٰ عالمگیری، ج ۱ ص ۱۶۶، التذکیر فی احوال الموتی و امور الآخرہ، ص ۱۰۶۔

ان تمام دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنا بالکل جائز ہے، غیر مقلدین بد عقیدہ بد مذہب لوگ جہالت اور عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے کیونکہ اس میں قرآن عظیم الشان اور احادیث مبارکہ سے انکار ہے۔ اللہ

جل و علی شانہ ہم سب کو حضرت رسول اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے طفیل اور برکت سے ان بد مذہب بد عقیدہ لوگوں کے فتنہ اور شر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا بول مبارک اور خون مبارک تبرکا پیا تھا۔ اور بعض بد مذہب بد عقیدہ لوگ اس سے انکار کرتے ہیں، کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ صحیح اور حسن روایات سے ثابت ہے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''سفینہ''(جو حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے غلام ہیں) اور مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں) نے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پیا ہے اور برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باندی تھیں) اور ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی رضاعی والدہ ہیں) نے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیشاب مبارک کو پیا ہے۔ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے انکار نہیں فرمایا (تو یہ مسئلہ حدیثِ تقریری سے ثابت ہوا) بلکہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا (جب انہوں نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پیا تھا) کہ آپ کو لوگوں سے تعجب ہے اور لوگوں کو آپ سے تعجب ہے۔ (یعنی یہ کام تعجب خیز ہے کیونکہ کسی انسان کا خون نہیں پیا جاتا اسلئے کہ وہ نجس ہوتا ہے جبکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خون مبارک پیا گیا تبرکاً اس لئے کہ وہ پاک ہے)۔ اور حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اپنے غلام سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر مسکرائے تھے جب انہوں نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پیا تھا۔ اور جب مالک بن سنان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان سے فرمایا تھا کہ اس نے میرے خون کو اپنے خون سے ملادیا ہے اب اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔ اور جب برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا بول (پیشاب) مبارک پیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا یقیناً تو آگ سے محفوظ ہو گئی ہے۔ اور حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ام اَیمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا جب انہوں نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا بول مبارک پیا کہ اب تمہارے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہو گا۔

اب ہم ان روایات کو اسناد اور حوالہ جات سے ذکر کرتے ہیں تاکہ لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ روایات صحیح اور حسن اسناد سے ثابت شدہ ہیں۔

پہلی حدیث: عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پیا

ھنید بن قاسم نے عامر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے پچھنے لگوائے تو اس کا خون مجھے عنایت فرمایا اور فرمایا جاؤ اسے چھپا دو میں گیا اور اسے پی لیا پھر میں حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے مجھے فرمایا اس خون کا کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اسے چھپا دیا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا شاید کہ تو نے اسے پی لیا؟ میں نے کہا میں نے اسے پی لیا۔[1]

---

[1] (مسند بزار ج ٦ ص ١٦٩ رقم ٢٢١٠، مسند عبد اللہ بن زبیر و ایضاً ج ۴ ص ٦٥)

امام بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**فی اتحاف الخیرۃ المحصرۃ بزوائد المسانید العشرہ**" میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

ھنید بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنا کہ ان کے والد نے کہا کہ وہ حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ پچھنے لگوا رہے تھے جب آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ جاؤ اس خون کو بہا دو تا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ جب وہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے دور ہوئے تو اس خون کو پی لیا، آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اسے سب سے زیادہ پوشیدہ جگہ میں ڈال دیا ہے تا کہ وہ لوگوں سے چھپ جائے۔ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا شاید کہ تم نے اسے پی لیا ہے! انہوں نے کہا جی ہاں! آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تم نے خون کیوں پیا؟ لوگ تم پر تعجب کریں گے اور تم لوگوں پر اس معاملے میں تعجب کرو گے۔"[1]

اور یہی واقعہ مولوی محمد زکریا نے فضائل اعمال میں درج کیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد لکھا ہے:

ف: "حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے فضلات یا پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں۔"[2]

اسی باب میں مولوی زکریا نے لکھا ہے:

"احد کی لڑائی میں جب نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے چہرہ انور یا سر مبارک میں خود کے دو حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے ہوئے آگے

---

1 (الآحاد و المثانی الابن أبی عاصم ج ۲ ص ۱۲۱)

2 (حکایاتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم باب ۱۲)

بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کئے۔ ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ٹوٹ گیا۔ اس کی پرواہ نہ کی، دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ بھی کھینچ ہی لیا۔ ان حلقوں کے نکلنے سے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔(قرۃ العیون)''

ھنید بن قاسم بن عبد الرحمن بن ماعز نے روایت کی ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ ان کے والد نے انہیں بتایا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پچھنے لگوا رہے تھے۔ جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ اسے لے جاؤ اور بہا دو کہ کوئی تمہیں دیکھ نہ سکے۔ جب میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دور ہوا تو میں نے ارادہ کر کے وہ خون پی لیا، جب میں واپس آیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا جہاں وہ لوگوں سے چھپ گیا ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا شاید کہ تم نے پیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تجھے کس نے پینے کا حکم دیا تھا؟ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔[1]

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم مع تعلیقات الھبی فی التلخیص ج۳ ص ۶۳۸)

ھنید بن قاسم بن عبد الرحمن بن ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنا کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ وہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پچھنے لگوا رہے تھے۔ جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ اس خون کو لے جاؤ اور بہادو کہ اسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ جب میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے دور ہوا تو میں نے ارادۃً خون کو پی لیا جب میں واپس آیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا ہے جہاں میرا خیال ہے وہ لوگوں پر چھپا رہے گا۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا شاید کہ تم نے پی لیا ہے، میں نے کہا جی ہاں! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تجھے کس نے خون پینے کا حکم دیا؟ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔ [1]

ابو نعیم نے حلیۃ الأولیاء میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور ابن غطریف نے اپنی جزء میں یہ زیادہ کیا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔ تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر یمین کے کفارہ کے گناہ میں۔ کہسان (عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام) کا بیان ہے کہ مجھے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو عبد اللہ بن

---

[1] (معرفة الصحابة لأبی نعیم أصبهانی ج ١ ص ٤٦٨)

زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک طشت تھا جس میں سے انہوں نے پی لیا تو حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے میرے بھتیجے تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے پسند ہے کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے، تجھے آگ نہ چھوئے گی مگر یمین کے کفارے کے گناہ میں۔[1]

کیسان مولیٰ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ سلمان فارسی صنبی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس گئے (تو دیکھا کہ) عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک طشت تھا جس میں سے انہوں نے پی لیا۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس آئے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تم فارغ ہو گئے، انہوں نے کہا جی ہاں! سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ کیا ہے؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا میں نے اسے پچھنے والا خون دیا تھا کہ گرادے، سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ کی قسم وہ تو انہوں نے پی لیا تھا، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کیا تم نے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کیوں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے پسند تھا کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک میرے پیٹ میں جائے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے، تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر یمین کے کفارے کے گناہ میں۔[2]

---

[1] (جزء ابن الغطریف ج ا ص ٦٦)

[2] (حلیۃ الاولیاء ج ا ص ٣٣٠)

کیسان مولٰی ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ وہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تمہارا کیا حال ہے اے بھتیجے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے پسند تھا کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک میرے پیٹ میں ہو، تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔ تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر یمین کے کفارے کے گناہ میں۔ [1]

دارِ قطنی نے یہ زیادہ کیا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اس کی خبر دی تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوچھا تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک میں پھینک دوں تو حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تجھے آگ نہیں چھوئے گی۔ [2]

رباح النوبی ابو محمد مولی آل زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حجاج سے کہتے ہوئے سنا کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے پچھنے لگوائے پھر اپنا خون میرے بیٹے کو دیا تو اس نے پی لیا، جبریل امین علیہ السلام نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اس کی خبر دی، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان سے پوچھا تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پھینک دوں تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ

---

[1] (تاریخ دمشق، ابن عساکر، ج۲۸، ص ۱۶۲)

[2] (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۲۲۸)

پھیرتے ہوئے فرمایا کہ تجھے آگ نہیں چھوئے گی اور مزید فرمایا کہ تو لوگوں پر تعجب کرے گا اور لوگ تجھ پر تعجب کریں گے۔

ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں یہ زیادہ کیا ہے کہ ابو سلمہ نے کہا میں نے ابو عاصم سے یہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر قوت اسی خون کی وجہ سے تھی۔

ھنید بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنا کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ وہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو وہ پچھنے لگوا رہے تھے جب فارغ ہوئے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے عبد اللہ یہ خون لے جاؤ اور اسے بہا دو، کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے! جب وہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے تھوڑا دور ہوئے تو ارادۃً وہ خون مبارک پی لیا۔ جب واپس آئے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اسے ایسی جگہ ڈال دیا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ لوگوں سے چھپا رہے گا! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا شاید کہ تم نے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کیوں پی لیا تم نے؟ تم لوگوں پر تعجب کرو گے اور لوگ تم پر تعجب کریں گے! ابو سلمہ نے کہا کہ یہ بات میں نے ابو عاصم سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر ؓمیں قوت اسی خون مبارک (پینے) کی وجہ سے تھی۔ اور بزار نے کہا کہ ہم سے محمد بن مثنیٰ اور ان سے موسیٰ بن اسماعیل نے بھی یہ بیان کیا ہے۔ [1]

---

[1] (المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ج ۱ ص ۸۵)

ھنید بن قاسم کا بیان ہے کہ میں نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنا کہ انہوں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس آئے۔ جب کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پچھنے لگوا رہے تھے جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ! اس خون کو لے جاؤ اور بہادو کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے، جب وہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے تھوڑا دور ہوئے تو ارادۃً وہ خون مبارک پی لیا جب واپس آئے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تم نے خون کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے کہا جو میں سب سے زیادہ خفیہ جگہ جانتا تھا اس میں ڈال دیا! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا شاید کہ تم نے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تم نے خون کیوں پی لیا؟لوگ تم پر تعجب کریں گے اور تم لوگوں پر تعجب کروگے، موسیٰ تبوزکی نے کہا کہ میں نے یہ بات ابو عاصم سے کہی تو انہوں نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قوت اسی خون کی وجہ سے۔ ابویعلیٰ نے اسے اپنی (مسند) میں روایت کیا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ ھنید پر کسی نے جرح کی ہو۔ [1]

بیہقی نے ''دلائل'' میں ھنید بن قاسم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے سنا عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ وہ پچھنے لگوا رہے تھے جب فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبد اللہ یہ خون لے جاؤ اور اسے بہادو کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے، جب وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے تھوڑا دور ہوئے تو انہوں نے ارادۃً اس خون کو پی لیا، جب واپس آئے تو آپ صَلی

[1] (سیر أعلام النبلاء ج۳ص ۳۶۶)

اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے عبد اللہ تم نے کیا کیا خون کے ساتھ؟ انہوں نے کہا میں نے اسے ایسے خفیہ مکان میں ڈال دیا جو لوگوں سے چھپا ہوا ہے! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا شاید کہ تم نے اسے پی لیا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کیوں پیا؟ لوگ تم پر تعجب کریں گے اور تم لوگوں پر تعجب کروگے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ وہ لوگ یہ رائے رکھتے تھے کہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت اسی خون کی وجہ سے ہے۔ جز الغطریف کے آخر میں یہ زیادہ ہے کہ "تجھے آگ نہیں چھوئے گی مگر قسم کھا کر پورا نہ کرنے میں۔"[1]

اس حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے مثلاً:

الماوردی فی أعلام النبوۃ۔ (ج ۱/ ص ۱۲۱)، القرطبی فی تفسیرہ۔ (ج ۲/ ص ۹۳)، السیوطی فی جامع الأحادیث۔ (ج۳۵/ص ۳۵۴ رقم ۳۸۳۲۵)، البوصیری فی اتحاف الخیرۃ المھرۃ المسانید العشرۃ۔ (ج۷/ص ۳۶ رقم ۶۴۵۳)، التقی الھندی فی کنزل العمال ۔ (ج۱۳/ ص ۴۷۲ رقم ۳۷۲۳۴)، المناوی فی فیض القدیر۔ (ج۵/ص ۲۵۲ رقم ۶۹۵۳)، الشامی فی سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔ (ج۱۰ / ص ۴۰)، السیوطی فی الخصائص الکبری۔ (ج ۱ / ص ۱۱۸)، وکذا فی الشمائل الشریفۃ۔ (ج ۱/ص ۲۷۱)، الصفدی فی الوافی بالوفیات۔ (ج۵/ص ۳۸۹)، ابن المنظور فی مختصر تاریخ دمشق۔ (ج ۱/ص ۱۶۸۴)، السیوطی فی تاریخ الخلفاء۔ (ج ۱/ص ۸۷)، الذھبی فی تاریخ الاسلام للذھبی۔ (ج ۲/ص ۱۵۷)، الکتبی فی فوات الوفیات۔ (ج ۲/۱۷۲)، قاضی عیاض مختصرا فی الشفاء۔ (ج ۱/ص ۲۴۹)

---

[1] (الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم ج ۲ ص ۱۲۷)

دوسری حدیث: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے غلام سفینہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ نے آپ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کاخون مبارک پیا

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے پچھنے لگوائے پھر فرمایا یہ خون لے جاکر دفن کردو تاکہ پرندوں، جانوروں اور لوگوں سے چھپ جائے تو میں نے اسے پی لیا پھر میں نے یہ بات حضور اکرم صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے عرض کی تو آپ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرادیئے۔ یہ احمد بن صالح کے الفاظ ہیں۔ [1]

ابی فدیک نے کہا ہم سے بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا کہ اس خون کو لے جاؤ اور جانوروں وپرندوں سے بچاکر دفنادو، تو سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے اسے چھپادیا(اس طرح کہ) میں نے اسے پی لیا، پھر مجھ سے آپ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے پوچھا تو میں نے بتایا کہ میں نے اسے پی لیا ہے، تو آپ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرادیئے۔ [2]

ابن ابی فدیک کا بیان ہے کہ یزید بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا یہ خون لے لو اور اسے جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹاکر دفن کردو تو میں اسے

---

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی ج۷ص ۸۱)

[2] (سنن البیھقی الکبری ج۸ص ۶۷، رقم ۱۳۱۸۶)

لے کر ایک طرف ہٹ گیا اور اس خونِ اقدس کو پی لیا پھر آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتادیا تو آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم مسکرادیئے۔[1]

بریہ بن عمر بن سفینہ صاپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا یہ خون لے لو اور جانوروں، پرندوں اور لوگوں سے ہٹاکر دفنادو۔(ابن ابی فدیک کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس لفظ سے ابتدا کی تھی)سفینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا پھر میں نے اسے چھپاکر پی لیا، پھر آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کو اس کی خبر دی تو آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم مسکرادیئے۔[2]

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے دادا سے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے کہا اس خون کو لے لو پھر اس کو پرندوں، جانوروں اور لوگوں سے ہٹاکر دفن کر دو، تو میں نے چھپ کر اسے پی لیا، پھر مجھ سے آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے پوچھا تو میں نے خبر دی کہ میں نے اسے پی لیا ہے تو آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم مسکرادیئے۔[3]

ابن ابی فدیک کا بیان ہے کہ مجھ سے بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے پچھنے لگوائے پھر مجھ سے فرمایا کہ اس خون کو لے لو اور جانوروں اور لوگوں سے ہٹاکر دفنادو۔سفینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ میں چلا گیا اور اسے چھپادیا پھر واپس آیا تو آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے

---

[1] (شعب الایمان للبیہقی ج ۱۴، ص ۳رقم ۶۲۱۲)

[2] (امالی المحاملی ج ۲ص ۳۰رقم ۹۰۵)

[3] (اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج ۸ص ۶۳رقم ۴۵۴۶)

مجھ سے فرمایا کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اسے پی لیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرا دیئے۔ [1]

بریہ بن عمر بن سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم انے پچھنے لگوائے پھر ان سے فرمایا یہ خون لے لو اور جانوروں ، پرندوں اورلوگوں سے ہٹا کر دفنا دو، سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا پھر میں نے اسے چھپا کر پی لیا پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے مجھ سے پوچھا، تو میں نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو خبر دی، تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرا دیئے۔ [2]

سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے پچھنے لگوائے پھر فرمایا کہ یہ خون لے لو اور جانوروں ، پرندوں اورلوگوں سے ہٹا کر دفنا دو، تو میں نے چھپ کر پی لیا، پھر اس کا ذکر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے کیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرا دیئے۔ [3]

تیسری حدیث: سنان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک چوسا

ربیع بن عبد الرحمن بن اَبی سعید اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے چہرے سے غزوہ احد میں خون نکلا، اسے پی لیا (چوس لیا) تو ان سے کہا گیا کیا تم خون پیتے ہو؟ انہوں نے کہاہاں میں حضور

---

[1] (المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ج ۱ ا ص ۸۶ رقم ۳۹۲۰)

[2] (تلحیض الحبیر، ج ا ص ۳۰)

[3] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج۸ص ۲۱۹، رقم ۱۴۰۱۱)

اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کاخون مبارک پیتاہوں تو حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے فرمایا اس نے میرا خون اپنے خون کے ساتھ ملا لیا(اب) اسے آگ نہیں چھوئے گی۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد سنان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کے چہرے سے غزوہ احد کے دن خون نکلا، اسے پی لیا(چوس لیا) اور اسے نگل لیا تو ان سے کہا گیا کیا تم خون پیتے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہاں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خونِ اقدس پیتا ہوں۔ حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے فرمایا اس نے میرے خون کے ساتھ اپنے خون کو ملا لیا(اب) اسے آگ نہیں چھوئے گی۔ [1]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ قریش کے ایک غلام نے آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کو پچھنے لگائے جب وہ فارغ ہوا تو وہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کا خون مبارک لے کر دیوار کے پیچھے چلا گیا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا مگر کسی کو نہ پایا تو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کا خون مبارک پی لیا۔ وہ غلام کہتا ہے پھر میں آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کے سامنے آیا تو حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے میرے چہرے کی طرف دیکھا تو فرمایا: تو برباد ہو!(بد دعا مراد نہیں ہے)خون کا تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا میں نے اسے دیوار کے پیچھے چھپا دیا۔ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم نے فرمایا کہاں چھپا دیا؟ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم کے خون

---

[1] (مجمع الزوائدومنبع الفوائد،ج۸ص ۲۱۹ رقم ۱۴۰۱۲)

کو قیمتی اور پاکیزہ سمجھتا ہوں اس سے کہ میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خونِ اقدس زمین پر بہادوں، پس وہ میرے پیٹ میں ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جاؤ تم نے اپنے آپ کو آگ سے بچالیا۔[1]

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ قریش کے ایک غلام نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو پچھنے لگائے جب وہ فارغ ہوا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے خون اقدس کو لے کر چلا گیا پھر واپس آیا تو نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس کے چہرے کو دیکھ کر فرمایا تیرے لئے بربادی ہو!(بددعا مراد نہیں ہے)تونے خون کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا یارسول اللہا میں آپ کے خون کو قیمتی اور پاکیزہ سمجھتا ہوں اس سے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون اقدس زمین پر بہادوں پس وہ میرے پیٹ میں ہے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جاتونے اپنے نفس کو آگ سے بچالیا۔[2]

چوتھی حدیث: برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا (خادمہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا بول (پیشاب) مبارک پیا

حکیمہ بنت امیمۃ اپنی والدہ امیمہ سے بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا لکڑی سے بنا ہوا ایک برتن تھا جس میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بول (پیشاب) فرمایا کرتے تھے۔ اور اسے اپنی چارپائی کے نیچے رکھتے تھے، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نیند سے بیدار ہوئے تو اسے طلب فرمایا مگر نہ پایا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ

---

1 (العلل المتناهيةلأبن جوزی ج ۱ /ص ۱۸۶ رقم ۲۸۶)

2 (الخصائص الکبری، ج ۲ ص ۳۷۶)

وَسلَّم نے پوچھا کہ برتن کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ اسے برکہ (جو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حبشی خادمہ تھی) نے پی لیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک روکنے والی چیز سے آگ سے بچالیا۔

ابن جریج کا بیان ہے کہ مجھے حکیمہ بنت اُمیمہ نے اپنی والدہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بول (پیشاب) فرماتے، پھر اس کو چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا۔ تو ایک خاتون جس کا نام برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا، نے اسے پی لیا، اسے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے طلب فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ اسے برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پی لیا ہے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس سے پوچھا اس نے کہا میں نے پی لیا۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: تو نے اپنے آپ کو آگ سے محفوظ کر لیا۔[1]

ابن جریج نے کہا کہ مجھے حکیمہ بنت امیمہ نے اپنی والدہ امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس لکڑی کا پیالہ تھا جس میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بول (پیشاب) فرمایا کرتے تھے اور اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیتے، ایک خاتون، جسے برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے، نے اسے پی لیا، جب حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس برتن کو طلب فرمایا تو اس کو نہ پایا، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ

---

[1] (الآحاد والمثانی لابن أبی عاصم، ج ۹ ص ۲۳۲، رقم ۲۹۵۱)

واصحابہ وَسلَّم سے عرض کیا گیا کہ اسے برکت نے پی لیا ہے، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا یقیناً اس نے اپنے آپ کو آگ سے ایک رکاوٹ یاڈھال کے ذریعے بچالیا۔ [1]

حکیمہ بنت امیمہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا جس میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے بول (پیشاب) فرمایا اور اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیا پھر اٹھنے کے بعد اسے طلب فرمایا مگر اسے نہ پایا تو پوچھا برتن کہاں ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا اسے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حبشی خادمہ برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پی لیا ہے تو حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا یقیناً اس نے اپنے آپ کو ایک مضبوط ڈھال کے ذریعے آگ سے بچا لیا ہے۔ [2]

ابن جریج کا بیان ہے کہ مجھے حکیمہ بنت امیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی والدہ امیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس ایک لکڑی کا برتن تھا جس میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بول (پیشاب) فرماتے، پھر اسے چارپائی کے نیچے رکھ دیتے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی کیا اور برتن چارپائی کے نیچے رکھ دیا۔ پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم برتن لینے تشریف لائے جب اسے اٹھانے کا ارادہ کیا تو اس میں پیشاب نہیں تھا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے برکت رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا اس برتن میں سے پیشاب کہاں گیا؟ اس نے کہا کہ میں نے پی لیا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

---

[1] (معجم ابن المقری، ج ا ص ۱۳۰، رقم ۱۲۹)

[2] (مجمع الزوائدومنبع الفوائد ج۸ ص ۲۲۰، رقم ۱۴۰۱۴)

(سنن البیھقی، ج۲ ص ۱۲۲) الاستیعاب فی معرفة الأصحاب۔ (ج۲ /ص ۷۹)، الاصابة فی معرفة الصحابة۔ (ج۳/ص ۴۴۹)،تاریخ دمشق۔ (ج۶۹ /ص ۵۱)،تھذیب الکمال للمزی۔ (ج۳۵/ص ۱۵۶)، سیر أعلام النبلاء۔ (ج۹/ ص ۴۵۰)، أسد الغابة (ج۱/ص۱۳۱۷)

پانچویں حدیث:ام أیمن رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا بول (پیشاب) مبارک پیا

ام أیمن رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم رات کو بیدار ہوئے اور گھر کے کنارے پر ایک برتن کے پاس گئے اور اس میں بول (پیشاب) فرمایا، میں رات کو اٹھی تو مجھے پیاس لگی میں نے اس برتن سے پی لیا حالانکہ مجھے معلوم نہ تھا۔ جب میں حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس پہنچی تو آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے ام أیمن رضی اللہ تعالٰی عنہا جو کچھ اس برتن میں ہے اسے بہادو۔ میں نے کہا قسم اللہ کی! میں نے اس کو پی لیا! ام أیمن رضی اللہ تعالٰی عنہا نے کہا کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرادیئے حتی کہ آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی داڑھیں مبارک نظر آنے لگیں پھر فرمایا یقیناً اب تمہارا پیٹ کبھی درد نہ کرے گا۔[1]

ام ایمن رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بیان ہے کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ایک رات بیدار ہوئے اور گھر کے ایک کنارے کے پاس برتن میں جا کر بول (پیشاب) فرمایا، میں رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی۔ میں نے اس برتن سے پی لیا حالانکہ مجھے یہ معلوم نہ تھا، جب حضور اکرم

[1] (المعجم الکبیر ج۲۵ ص۸۹، رقم ۲۳۰)

صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم صبح بیدار ہوئے تو فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جاؤ اس برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو، میں نے کہا قسم اللہ کی! اسے میں نے پی لیا، راوی نے کہا کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرادیئے حتی کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی داڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا یقیناً اس کے بعد تمہارا پیٹ درد نہیں کرے گا۔[1]

ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم رات کو بیدار ہوئے تو گھر کے ایک کنارے رکھے برتن میں بول (پیشاب) فرمایا پھر میں رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی میں نے اس برتن میں سے پی لیا حالانکہ مجھے معلوم نہ تھا، جب صبح ہوئی تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جاؤ اس برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو، میں نے کہا قسم اللہ کی میں نے اسے پی لیا ہے، ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرادیئے، حتی کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر فرمایا یقیناً اب کبھی تمہارے پیٹ میں درد نہ ہو گا۔[2]

ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے رات گھر میں گزاری تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم رات کو بیدار ہوئے اور ایک برتن میں بول (پیشاب) فرمایا، جب میں بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ برتن میں کیا ہے، میں نے اسے پی لیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے مجھ سے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو تو میں نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس

---

1 (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج ٦ ا ص ٢٠٢ رقم ٧٠١٣)

2 (دلائل النبوۃ لابی نعیم اصبھانی ج ا ص ٧٢٤ رقم ٣٥٥)

نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اس میں جو تھاوہ میں نے پی لیا۔ تو حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرادیئے حتی کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا یقیناً اب آپ کے پیٹ میں کبھی درد نہیں ہو گا۔ [1]

ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم رات کو بیدار ہوئے تو گھر کے کنارے رکھے برتن میں بول (پیشاب) مبارک فرمایا۔ میں جب رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی تھی میں نے اس برتن سے پی لیا حالانکہ مجھے معلوم نہ تھا جب صبح ہوئی تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جاؤ اس برتن میں جو کچھ ہو اسے بہادو، میں نے کہا قسم اللہ کی! میں نے اس میں سے پی لیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسکرادیئے حتیٰ کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، پھر فرمایا یقیناً تم ہمیشہ پیٹ کے درد سے محفوظ رہو گی۔ [2]

جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا اے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا برتن میں جو کچھ ہے اسے بہادو۔ تو میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں رات کو بیدار ہوئی تو مجھے پیاس لگی تھی تو میں نے اس کو پی لیا، پس نبی کریم نے فرمایا یقیناً اس دن کے بعد تیرا پیٹ کبھی شکایت نہیں کرے گا۔ [3]

---

[1] (حلیۃ الاولیا لابی نعیم الاصبھانی ج ۲ ص ۶۷)
[2] (مجمع الزوائدومنبع الفوائد ج۸ ص ۲۲۰، رقم ۱۴۰۱۵)
[3] (المطالب العالیہ للحافظ ابن حجر عسقلانی ج ۱۱ ص ۸۷ رقم ۳۹۲۱)

اس باب میں مفسرین، محدیث اور فقہاء کرام کے اقوال

"حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی آواز پر آواز بلند کرنا حرام ہے۔ اور قرطبی نے کہا کہ بعض علماء نے قبرِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس بھی آواز بلند کرنے کو مکروہ لکھا ہے اور جو حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو سلام عرض کرے اس کی نماز باطل نہیں ہوتی، اور حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بلانے پر جواب دیناواجب ہے اگرچہ عملی طور پر ہو اور اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، اور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو حجرہ مبارکہ کے باہر سے آواز دینا حرام ہے، اور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اسمِ مبارک سے ندا کرنا حرام ہے) جیسے کہ (یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) لیکن کنیت سے پکارنا حرام نہیں ہے جیسے یا ابا القاسم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) اور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی کنیت پر کنیت رکھنا حرام (ممنوع) ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے زمانے مبارک تک خاص تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کا نام محمد ہو اس کے لئے یہ کنیت رکھنا مکروہ ہے۔ اور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بول (پیشاب) مبارک، خون مبارک، اور فضلاتِ طاہرہ سے برکت اور شفاء طلب کی جاتی تھی۔"[1]

"یہ باب حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بول (پیشاب) مبارک سے شفا حاصل کرنے کے بارے میں ہے" پھر روایاتِ مذکورہ کو ذکر کیا۔[2]

---

[1] (تفسیر سراج المنیر ج ۱ ص ۳۴۰۵)

[2] (اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج۷ ص ۳۶)

"اور حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بول (پیشاب) اور خون مبارک سے شفاء اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔ یہ بات وضاحت کے ساتھ طہارت کے باب میں گزری ہے۔ امام رافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے ام ایمن رضی اللہ تعالٰی عنہا کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ فقہ میں سے یہ بھی ہے کہ آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا بول (پیشاب) مبارک اور خون مبارک دوسرے لوگوں کے خون اور پیشاب کی تحریم کے خلاف ہے کیونکہ اس پر انکار نہیں کیا گیا۔"[1]

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ انہوں نے آدمی کے بالوں سے نفع اٹھانے کو جائز کہا ہے، اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے: حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے جب اپنا سرِ مبارک منڈوایا تو اپنے بال مبارک اپنے صحابہ کے درمیان تقسیم فرمادیئے تو وہ ان بالوں سے برکت حاصل کرتے تھے۔" اور اگر وہ ناپاک (نجس) ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ایسا نہ کرتے کیونکہ نجس (ناپاک) چیز سے برکت حاصل نہیں کی جاتی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ابوطیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تبرک کی نیت سے حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پیا۔[2]

"اور نبی کریم صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بول (پیشاب) مبارک اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔"[3]

"آپ صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بول (پیشاب) اور خون مبارک سے شفاء اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔ دار قطنی نے روایت کی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ تعالٰی عنہا نے آپ صَلَّی

---

1 (التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرفعی الکبیر ج ۴ ص ۲۴۷)

2 (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱۰ ص ۴۶۳)

3 (روضۃ الطالبین وعمدۃ المتین للنووی ج ۲ ص ۴۵۳، نہایۃ الحتاج الی شرح المنہاج ج ۲۰ ص ۱۵۳)

اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا بول (پیشاب) مبارک پیاتو آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: ''تو(اب)تمہارے پیٹ میں آگ داخل نہ ہوگی۔''[1]

''حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی آواز مبارک سے آواز بلند کرنا حرام ہے اور آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو حجروں کے باہر سے آواز دینا بھی حرام ہے اور آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے اسم مبارک اور کنیت مبارکہ پر نام اور کنیت رکھنا حرام ہے۔ اور نماز کی حالت میں بھی آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بلانے پر جواب دیناواجب ہے اور اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اگرچہ عمل کثیر سے ہی ہو، جیسا کہ اسنوی نے بحث کی ہے اور اس کو ان دونوں کا کلام شامل ہے، اور آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بول مبارک اور خون مبارک سے شفااور برکت حاصل کی جاتی ہے۔''[2]

''اور جو چیز ہمارے جسم میں سے نجس ہے وہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اور تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ میں سے طاہر ہے۔ اور اس کا جواز کہ آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیشاب مبارک اور خون مبارک سے شفاء حاصل کرنا اس حدیث کی بناء پر جسے دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ ام ایمن رضی اللہ تعالٰی عنہا نے آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیشاب مبارک کو پیا تو آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا ''تو پھر تیرے پیٹ میں آگ نہیں جائے گی۔''[3]

---

1 (اسنی المطالب: ج۱۴، ص۲۴۷)

2 (حاشیۃالجمل ج۱۶، ص۲۳۲)

3 (کشاف القناع عن متن الاقناع ج۱۶ ص۴۹۶، فتح العزیز شرح الوجیز، ج۱ ص۲۸، مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتھی ج۱۴ ص۴۱۶)

"باب نبی کریم علیہ السلام کے بول (پیشاب) مبارک سے شفاء حاصل کرنا۔"[1]

اور ہمارے اصحاب میں سے قاضی حسین نے تصحیح کی ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بول (پیشاب) اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی۔ اسی طرح روضہ میں نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ہے۔

اور رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت اس طرح ہے:

"اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بول (پیشاب) مبارک اور خون مبارک سے شفا اور برکت حاصل کی جاتی تھی"۔

سہیلی نے کہا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے خون اور بول (پیشاب) مبارک پینے میں فقہ یہ ہے کہ یہ دونوں (خون اور پیشاب) دوسروں کے خون وپیشاب سے حرمت میں مختلف ہیں اور اس پر انکار بھی نہیں کیا گیا۔[2]

"یہ باب انکار نہ کرنے اس شخص پر جس نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون اور پیشاب مبارک پیا۔"[3]

"باب: جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خون مبارک پینے میں بیان آیا ہے۔"[4]

"اور کیا ہم حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے فضلات پر نجس (ناپاک) ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں؟ تو اس میں دو صورتیں ہیں: ابو جعفر ترمذی نے کہا کہ نہیں کیوں کہ ابوطیبہ (حاجم)

---

[1] (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۱)

[2] (غایۃ السول فی خصائص الرسول صَلی اللہ تعالی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ج ۱ ص ۷۰)

[3] (سنن البیھقی، ج ۲ ص ۱۲۱)

[4] (اتحاف الخیۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ج ۷ ص ۳۶)

نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون پیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا بول (پیشاب) مبارک پیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تو پھر تمہارے پیٹ میں آگ داخل نہ ہو گی۔ اور اس پر انکار نہیں فرمایا اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پینا بھی مروی ہے۔"[1]

"اور طہارت کے قائلین ان دو مشہور اور معروف حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، کہ ابو طیبہ حاجم نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پچھنے لگائے اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پی لیا مگر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے انکار نہیں فرمایا اور ایک عورت نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا پیشاب مبارک پی لیا تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے انکار نہیں فرمایا۔ ابو طیبہ والی حدیث ضعیف ہے جبکہ عورت کے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیشاب مبارک پینے والی حدیث صحیح ہے جسے دار قطنی نے روایت کر کے کہا ہے کہ یہ صحیح ہے۔ اور یہ حجت کے لئے کافی ہے تمام فضلاتِ مبارکہ کی طہارت پر اور دلالت کی جگہ یہ ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس پر انکار نہیں فرمایا اور نہ ہی منہ دھونے کا حکم فرمایا اور نہ ہی اسے واپس (الٹی کی صورت میں) نکالنے کا فرمایا۔"[2]

"وہ (نبی کریم) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تمام مخلوقات سے افضل ہیں اور اسی افضلیت میں سے ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے خون اور پیشاب مبارک سے شفا حاصل کی جاتی ہے۔ دار قطنی نے روایت کی ہے کہ ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صَلی اللہ

---

[1] (شرح ابو حبیز ج ۱ ص ۱۷۸)

[2] (المجموع ج ۱ ص ۲۳۴)

تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا پیشاب مبارک پیا تو آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا تو پھر تمہارے پیٹ میں آگ داخل نہ ہو گی۔"[1]

"اور آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے فضلاتِ مبارکہ پاک ہیں جیسا کہ بغوی وغیرہ نے جزم فرمایا ہے اور قاضی نے اس کی تصحیح کی ہے اور میرے شیخ نے اس پر فتویٰ دیا ہے یہ اس کے خلاف ہے جو شرح صغیر میں نجاست کی تحقیق میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ برکت حبشیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا پیشاب مبارک پیا تو آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ تیرے پیٹ میں آگ ہر گز نہیں داخل ہو گی۔ دار قطنی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور ابو جعفر ترمذی نے کہا کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون پاک ہے کیونکہ ابوطیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پیا۔ اور اسی طرح ابن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بھی کیا جب کہ وہ لڑکے تھے کہ آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے انہیں اپنی حجامت کا خون مبارک دیا کہ اسے دفن کر دے تو انہوں نے اسے پی لیا تو آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان سے فرمایا کہ جس نے اپنے خون سے میرے خون کو ملا دیا تو اسے آگ نہیں چھوئے گی۔[2]

"اور حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنے اصحاب کرام کو اپنے آثار (منسوب شدہ اشیاء) سے برکت حاصل کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس میں بعض روایات یہ ہیں: اصحاب السیر صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام کا حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے

---

1 (شرح البهجة الوردية، ج ۴ ا ص ۱۴۸)

2 (مغنی المحتاج الی معرفة الفاظ المنهاج، ج ا ص ۳۷۴، حاشية البجيرمی علی الخطيب ج ۳ ص ۱۱۲، الاقناع فی حل الالفاظ ابی شجاع ج ا ص ۱۳۰، تنقيح الفتاوی الحامديه، ج ۷ ص ۴۲۳)

ارد گرد جمع ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قسم بخدا! حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے تھوک مبارک نہ پھینکا مگر یہ کہ وہ کسی صحابی کے ہاتھ پر ہوتا تھا تو وہ اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا اور جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کسی چیز کا حکم فرماتے تو وہ تیزی سے اس کی تعمیل کرتے اور جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم وضو فرماتے تو ایسا لگتا کہ وہ آپس میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے وضو کے پانی کے حصول کے لئے لڑ پڑیں گے۔

بہت سی روایات آئی ہیں کہ بعض صحابہ کرام نے حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی حجامت کا خون مبارک پیا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا بول (پیشاب) مبارک پیا۔

المواہب اللدنیہ للعسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ج۱ ص۲۸۵ پر ہے کہ یہ احادیث مبارکہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیشاب مبارک اور خون مبارک کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح المہذب میں فرمایا ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے خون اور پیشاب مبارک کی طہارت کے قائلین نے ان دو معروف حدیثوں سے استدلال کیا ہے کہ ابو طیبہ حجام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پچھنے لگائے اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پی لیا مگر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ اور ایک صحابیہ عورت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا پیشاب مبارک پی لیا مگر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے انکار نہیں فرمایا۔ ابو طیبہ والی حدیث ضعیف ہے جبکہ پیشاب پینے والی حدیث صحیح ہے جسے دار قطنی نے صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم (جب مکہ کی وادی بطحا میں تھے) کے دستِ انور کو پکڑتے پھر اپنے ہاتھوں کو (تبرکاً) اپنے چہروں پر مل لیتے تھے۔راوی ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا دستِ انور پکڑ کر اپنے چہرے پر لگایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔[1]

"اور پوچھا گیا کہ جو شخص پانی پی کر اسے کسی شخص کا یہ کہنا کہ صحت یا اسی طرح کے دعائیہ کلمات کے بارے میں کہ اس کی کوئی اصل ہے یا یہ بدعت ہے؟ تو اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا ممکن (درست) ہے کہ کہا جائے کہ اس کی اصل ہے اور دلیل حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے اس فرمان سے لی جائے گی جو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا جب انہوں نے آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا پیشاب مبارک پی لیا تھا، صحۃ "اے ام ایمان تیرے پیٹ میں آگ ہرگز نہیں داخل ہوگی۔" اور قیاس کی وجہ یہ ہے کہ کثیر آئمہ کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے فضلاتِ مبارک پاک ہیں۔ اور بے شک آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پیشاب میں ہر قسم کی شفا ہے۔ پس جب اس کے پینے والے کو یہ (یعنی صحۃ) کہہ سکتے ہیں تو پھر پانی پینے والے کو یہ کہنا بدعت پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔"[2]

"اس کا ارادہ حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے بچے ہوئے پانی سے تبرک حاصل کرنا تھا گویا کہ غافل ہوگئی اپنے روزے تبرک کے ارادے میں زیادتی کی وجہ سے جیسا کہ ابو

---

[1] (فتاوی الأزھر۔ج ۱ ص ۳۴۴)

[2] (الفتاوی الفقھیہ الکبری ج۸ ص ۴۰۹، فتاوی ابن حجر الھیتمی، ج۸ ص ۳۴۱)

طیبہ نے جب حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پچھنے لگائے تو آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا خون مبارک پی لیا۔ تو حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ تیرے جسم کو اللہ تعالٰی نے آگ پر حرام کر دیا۔ اور خون کا پینا اس کو واجب نہیں کرتا مگر محبت کی زیادتی کو جس سے حرمت سے غافل ہو گیا تو حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس کی تکریم فرمائی جیسا کہ ذکر ہوا۔ [1]

ام عبد الرحمن بنت اَبی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ (غزوہ احد کے دن) حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو چہرے پر زخم لگا تو مالک بن سنان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے سامنے آکر چہرہ مبارک سے خون چوس لیا اور اسے نگل لیا، حضور اکرم صَلی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جو اس شخص کو دیکھنا چاہے جس نے اپنے خون میں میرا خون ملا لیا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ مالک بن سنان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھ لے۔ [2]

عرقِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو تبرّکاً کفن میں لگانے کی وصیت

حضرت ثمامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس ایک شیشی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبارک پسینہ اور چند موئے

---

[1] (المبسوط،ج۴ص ۳۹)

[2] (الاصابہفی تمییز الصحابہ۔ج۵ص ۵۳۸رقم ۷۶۵۱)

مبارک محفوظ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کفن میں اس عرقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو بطورِ خوشبو لگانے کی وصیت کی۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے:

فلما حضر انس بن مالک الالوفاة اوصی الی ان یجعل فی حنوطه من ذلک السک، قال: فجعل فی حنوطه۔

”جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ ان کے حنوط میں اس خوشبو کو ملایا جائے۔ حضرت ثمامہ صبیان کرتے ہیں کہ ان کے حنوط میں وہ خوشبو ملائی گئی۔“[1]

حنوط: وہ خوشبو جو کافور اور صندل ملا کر میت اور کفن کے لئے تیار کی جاتی ہے۔

حضرت حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے:

توفی أنس بن مالک فجعل فی حنوطه سکة أو سک ومسکة فیها من عرق رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آله واصحابه وَسلَّم۔

”جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی تو ان کے حنوط میں ایسی خوشبو ملائی گئی جس میں حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پسینے کی خوشبو تھی۔“[2]

---

[1] (بخاری، کتاب الاستذان، باب من زار قوماً فقال عندهم، ٥:٢٣١٦، رقم ٥٩٢٥)

[2] (طبرانی المعجم الکبیر، ١:٢٤٩، قم ٧١٥، بیهقی، السنن الکبری ٣:٤٠٦، رقم ٦٥٠٠، هیثمی، مجمع الزوائد ٣:٢١، امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں)

قربِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہِ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم میں تبرکاً دفن ہونے کی خواہش

امام بیضاوی کہتے ہیں کہ کسی شخص کا صالحین کے قبروں کے ساتھ تبرک کی خاطر اپنی قبر بنانا جائز ہے۔

علامہ شوکانی نے اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے قول کو اپنی کتاب نیل الأوطال میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

واستنبط البیضاوی من علة التعظیم جواز اتّخاذ القبور فی جوار الصلحاء لقصد التبرک دون التعظیم ورد بأن قصد التبرک تعظیم۔

یعنی " امام بیضاوی نے علت تعظیم سے استنباط کرتے ہوئے صلحاء کے قرب میں تبرکاً قبر بنانا جائز قرار دیا ہے نہ کہ تعظیماً۔ اور انہوں نے اس بات کو رد کیا ہے کہ تبرک بھی تعظیم (عبادت) ہے۔"[1]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے حضرات شیخین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ انہیں قربِ مصطفی صَلی اللہ تعالیٰ علیہِ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم میں دفن ہونا نصیب ہو، تاکہ عالمِ برزخ میں بھی قرب ووصالِ محبوب کے لمحات سے ان کی روحوں کو تسکین ملے۔

یارِ غار سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس نیک خواہش کے بارے میں مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

لما حضرت أبا بکر الوفاۃ أقعدنی عند رأسه وقال لی: یا علی! اذا أنا مت فاغسلنی بالکف الذی غسلت به رسول اللہ وحنطونی واذهبوا بی الی البیت الذی فیه رسول اللہ

---

[1] (شوکانی، نیل الأوطار، ۲:۱۴۰)

فاستأذنوا فان رأيتم الباب قد يفتح فادخلوا بی والا فردونی الی مقابر المسلمین حتی یحکمالله بین عباده۔ قال: فغسل و کفن و کنت أول من یأذن الی الباب فقلت: یا رسول الله! هذا أبو بکر مستأذن، فرأیت الباب قد یفتح، و سمعت قائلا یقول: أدخلوا الحبیب الی الحبیب فان الحبیب الی الحبیب مشتاق۔

ترجمہ: ''جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے مجھے اپنے سرہانے بٹھایا اور فرمایا: اے علی! جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے اس ہاتھ سے غسل دینا جس سے تم نے رسول اللہ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو غسل دیا تھا اور مجھے خوشبو لگانا اور مجھے حضور صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے روضۂ اقدس کے پاس لے جانا، اگر تم دیکھو کو دروازہ کھول دیا گیا ہے تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ واپس لا کر عامۃ المسلمین کے قبرستان میں دفن کر دینا تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل اور کفن دیا گیا اور میں نے سب سے پہلے روضۂ رسول صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے دروازے پر پہنچ کر اجازت طلب کی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ابو بکر آپ سے داخلہ کی اجازت مانگ رہے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ روضۂ اقدس کا دروازہ کھول دیا گیا اور آواز آئی۔ حبیب کو اس کے حبیب کے ہاں داخل کر دو بے شک حبیب ملاقاتِ حبیب کے لئے مشتاق ہے۔''[1]

اسی طرح امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنے آقائے کریم حضور نبی اکرم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پہلو میں دفن ہونے کے بہت ہی زیادہ خواہاں تھے۔ جب قاتلانہ حملے کے نتیجے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو آپ نے اپنے

---

[1] (حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، ۳: ۴۹۳)

بیٹے عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اجازت لینے کے لئے بھیجا اگر چہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود یہ خواہش رکھتی تھیں اور انہوں نے فرمایا ہوا تھا کہ وہ اس جگہ کو اپنی تدفین کے لئے پسند کرتی ہیں، مگر وہ فرمانے لگیں کہ اب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں۔ عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آئے اور اپنے والد کو خوشخبری سنائی۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ما کان شیئ اھمّ الیّ من ذالک المضجع فاذا قبضت فاحملونی ثم سلّموا، ثمّ قالو: یستأذن عمر بن الخطاب فان أذنت لی فادفنونی و الا فردّونی الی مقابر المسلمین۔

”میرے نزدیک اس آرام گاہ سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ جب میں انتقال کر جاؤں تو مجھے اٹھا کر (اس جگہ پر) لے جانا، سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت چاہتا ہے اگر وہ (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اجازت دے دیں تو دفن کر دینا ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا۔“[1]

سیدنا عمر فاروق ص اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس خواہش کی توجیہ صرف یہی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وصال کے بعد آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے قریب دفن ہونا باعث برکت سمجھتے تھے۔

---

[1] (بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز باب: ماجاء فی قبر النبی صَلی اللّٰہ تعالی علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم و ابی بکر ص وعمر ص، ۱: ۴۶۹، رقم: ۱۳۲۸)

یہ روایت حاکم نے ”المستدرک (۳: ۹۹، رقم ۴۵۱۹) میں، ابن ابی شیبہ نے المصنف (۷: ۴۴۰، رقم ۳۷۰۷۴) میں، اور ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (۳: ۳۶۳) میں بھی رواۃ اور الفاظ کے قدرے اختلاف کے ساتھ بیان کی ہے۔

حضرت محمد بن عمران انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا:

عدل اليّ عبدالله بن عمر و أنانازلٌ تحت سرحةٍ بطريق مكّة فقال: ما أنزلک تحت هذه الشجرة فقلة أنزلنى ظلّها قال عبدالله: فقال رسولالله صَلى الله تعالىٰ عليه وَ أله و اصحابه وَسلَّم: اذكنت بين الأخشبين من منى و نفخ بيده نحو المشرق فانّ هناک واديًا يقال له السّربة وفى حديث الحارث يقال له السّرد به سرحةٌ سرّ تحتها سبعون نبيًّا۔

"میں مکۃ المکرمہ کے راستے میں ایک بڑے درخت کے نیچے ٹھہر گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر صاس موقع پر مجھے سے مخاطب ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا آپ اس درخت کے نیچے کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ اس کے سایہ کی وجہ سے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آپ منیٰ کے ان دو پہاڑوں کے درمیان ہوں اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا تو وہاں دو پہاڑوں کے درمیان وادی ہے جس کو سربہ یا سرد کہتے ہیں، وہاں ایک درخت ہے جس کے نیچے ستر انبیاء علیہم السلام کی ناف کاٹی گئی۔ (یعنی وہاں ان کی ولادت باسعادت ہوئی)۔"[1]

اس حدیث کے تحت ابن عبد البر نے شرح مؤطا التمہید میں لکھا ہے:

وفى هذا الحديث دليل على التبرک بمواضع الأنبياء والصّالحين ومقامهم ومساكنهم۔

یعنی "اس حدیث میں انبیاء اور صالحین کے رہنے والی جگہوں، مقامات اور ان کی رہائش گاہوں سے تبرک کا ثبوت ہے۔"[2]

---

[1] (نسائى، السنن، كتاب مناسب الحج، باب: ماذكر فى منى، ۵: ۲۴۸، رقم ۲۹۹۵)
[2] (ابن عبدالبر، التمهيد، ۱۳: ۲۶)

اسی طرح شرح شارح مؤطا محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

و فيه التّبرّك بمواضع النّبيّين۔

یعنی ”پس اس حدیث میں انبیاء کی قیام گاہوں سے تبرک کا ثبوت بھی ہے۔“[1]

امام سیوطی نے نسائی کی شرح میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے:

يعني أنهم ولدوا تحتها فهو يصف بركتها۔

”اس سے مراد یہ ہے کہ اس درخت کے نیچے انبیاء کی ولادتِ مبارکہ ہوئی پس انہوں نے اس درخت کی برکت کو بیان کیا۔“[2]

حضرت موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں:

رأيت سالم بن عبدالله يتحرّى اماكن من الطريق فيصلّي فيها و يحدث أن أباه كان يصلي فيها و أنه رأى النّبي صَلى الله تعالىٰ عليه وَ اٰله و اصحابه وَ سلّم يصلّي في تلك الأمكنة۔

”میں نے حضرت سالم بن عبد اللہ کو دیکھا کہ وہ (حرمین کے) راستے میں کچھ جگہوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہاں نماز پڑھا کرتے تھے اور وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد گرامی (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان مقامات میں نمازیں پڑھا کرتے تھے اور انہوں نے حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔“[3]

---

[1] (زرقانی، شرح الزرقانی ۲:۵۳۰)

[2] (سیوطی، شرح السیوطی ۵:۲۴۹)

[3] (بخاری، الصحیح، کتاب الصلاة، باب: المساجد التی علی طرق المدینة و المواضع التی صلی فیها النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم ۱:۱۸۳، رقم: ۴۶۹)

اس روایت میں اماکنِ مقدسہ سے تبرک کا ثبوت ہے۔ شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ومحصل ذلک أن ابن عمر کان یتبرّک بتلک الأماکن۔

"اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر ان اماکنِ مقدسہ سے تبرک حاصل کرتے تھے۔"[1]

قبر میں تبرکات رکھنا

بے شک میت کے ساتھ کفن یا قبر میں بال مبارک یا ناخن وغیرہ آثار طیبہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے رکھنے تبرکاً درست ہے۔

چنانچہ عمدۃ القاری میں بایں طور مذکور ہے کہ:

عمرو بن عبد العزیز: "اوصیٰ ان یدفن معه شیء کان عنده من شعر رسو لا لله صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیهِ وَ اٰلهٖ و اصحابهٖ وَ سلَّم و اظفاره وقال اذا مت فاجعلوه فی کفنی فعلوه ذلک۔"[2]

اور تحفہ رسولیہ صفحہ ۲۴ میں لکھا ہے کہ جس میت کے ساتھ نعلین مبارک آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے ہوں یا نقشہ نعلین مبارک کا ہوگا، جس گر میں یا جس کے پاس ہوگا وہ ہر ایک آفات سے محفوظ رہے گا۔ اور عذاب دوزخ سے نجات پائے گا۔ اور اس پر فرشتے منکر نکیر وقت حساب آسانی کریں گے۔[3]

---

[1] (ابن حجر عسقلان، فتح الباری ۱:۵۶۹)

[2] (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۳۳)

[3] (بحوالہ انوارِ شریعت، ص ۱۰۵-۱۰۶)

ہاتھ اور پاؤں کے چومنے سے تبرک

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں:

رأيت عليّا يقبل يد العباس و رجليه۔

"میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔"[1]

صاحب الصحیح امام مسلم نے برکت حاصل کرنے کے لئے امام بخاری شریف کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر عرض کیا:

دعنی حتی أقبل رجلیک، یا أستاذ الأستاذین و سید المحدّثین و طبیب الحدیث فی علله۔

"اے استاذوں کے استاذ، سید المحدثین اور عللِ حدیث کے طبیب! آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لے لوں۔"[2]

عظیم نقاد محدّث امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ جب ابو مسہر عبد الاعلیٰ دمشقی غسانی (متوفی ۲۱۸ھ) مسجد میں تشریف لاتے تو:

اصطفّ النّاس یسلّمون علیه و یقبّلون یده۔

"لوگ صف در صف ان کو سلام کرتے اور ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے۔"[3]

---

1 (بخاری، الادب المفرد، ۹ ۳۳۹: ۱، باب تقبیل الید، رقم ۹۷۶، کنزل العمال، ۳۷۳۲۹: ۱۳، فتاوی حقانیه، ج ۲ ص ۴۵۳)

2 (ابن نقطه، التیید لمعرفة رواة السنن و المسانید، ۳۳: ۱)

3 (خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۷۳: ۱۱)

علامہ ابن جوزی اور امام ذہبی، امام ابو قاسم سعد بن علی بن محمد الزنجانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۴۷۱ھ) کے متعلق لکھتے ہیں:

كان اذا خرج الى الحرم، يخلون المطاف ويقبّلون يده أكثر من تقبيل الحجر۔

''جب وہ حرم میں تشریف لاتے تو لوگ طواف کو چھوڑ دیتے اور حجرِ اسود کو چومنے سے بھی بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔''[1]

حافظ ابن کثیر فقیہ زاہد ابو جعفر شریف حنبلی کے بارے میں درج کرتے ہیں:

يدخل عليه الف فقهاء وغيرهم، ويقبلون يده ورأسه۔

''فقہاء اور دیگر افراد ان کے پاس آتے تھے تو (برکت کی غرض سے) ان کے ہاتھ اور سر کا بوسہ لیتے۔''[2]

---

[1] (ابن جوزی، صفة الصفوة، ۲:۲۶۶، رقم ۲۲۴، ذہبی، تذکرة الحافظ، ۳:۱۱۷۵، رقم ۱۰۲۶)

[2] (ابن کثیر البداية والنهاية، ج ۱۲ ص ۱۱۹)

مکتوب نمبر ۱۴۳

[مُلّا شمس کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ موسم جوانی کو غنیمت جانتے ہوئے اسے لہو ولعب میں صَرف نہیں کرنا چاہیئے۔ فقراً سے محبت رکھنے والے مولانا شمس کو نیک کاموں کی توفیق نصیب ہو، کہ موسم جوانی کو غنیمت جانتے ہوئے لہو ولعب میں صرف نہ کرے۔ اور اخروٹ و منقا(معمولی چیزوں) کے عوض نہ دے ڈالے۔ کیونکہ ایسی صورت میں آخر کار ندامت وپشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ بتادینا شرط ہے۔ پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کیا کریں، اور حلال وحرام میں تمیز کریں۔ نجاتِ اُخروی کا طریقہ صاحبِ شریعت کی متابعت ہے۔ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات۔ فانی لذتوں اور ہلاک ہو جانے والی نعمتوں کو اپنا منظورِ نظر نہ بنائیں۔ وَ اللّٰہُ سُبحَانَہُ الْمُوَفِّقُ لِلْخَیرَاتِ]

تشریح

انسان کے اعمال واخلاق دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جنہیں اخلاقِ حمیدہ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو اخلاقِ رذیلہ۔ یہ ہر دو قسم کے اخلاق واطوار دراصل انسان کے باطن کو پرَتو ہیں۔ اگر انسان کے دل میں خوفِ الٰہی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت غالب ہو گی تو اس سے ظاہر ہونے والے اعمال میں بھی حُسن ونورانیت ہو گی اور اس کی عملی زندگی میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کا رنگ بھرا ہو گا۔ ایسے انسان سے صادر ہونے والے نیک اُمور کو اخلاقِ حمیدہ کہا جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ انسان کا دِل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خوف سے عاری اور اس کا باطن محبتِ ایزدی کی دولت سے خالی ہو گا تو اس کے اعمال نفس کی کدورتوں کی وجہ سے غیر شرعی ہوں گے، اس

کی زندگی میں بد نظری، لڑائی جھگڑے، غرور و تکبر، جھوٹ، غیبت اور دِین سے دوری والے تمام اعمال جلوہ گر ہوں گے، ایسے اخلاق کو اخلاقِ رذیلہ کہا جاتا ہے۔

یادرکھیں انسان جب بچپن سے عالمِ شباب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا نفس بھی جوان ہو چکا ہوتا ہے اور ایسا ہی نفس شیطان کو درکار ہوتا ہے۔ شیطان اپنی اور اپنے دوستوں کی تمام تر طاقتوں کو بروئے کار لا کر موسمِ جوانی سے لطف اندوز ہونے کے مواقع پیدا کر دیتا ہے، اور چونکہ جوانی کا موسم ہی نشے و سُرور کا موسم ہے اس لئے شیطانی مکر و فریب کی سمجھ ہی نہیں آتی اور انسان اپنے ایمان کو بچانے کی بجائے شیطانی اخلاق کو اپنالیتا ہے۔

عالمِ شباب میں توبہ ورجوع الی اللہ اور گناہوں سے مکمل اجتناب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شیوہ رہا ہے اس لئے جو انسان ٹھیک نافرمانی کے زمانے میں اپنے گناہوں پر توبہ کرتا اور اخلاقِ رذیلہ کو تَرک کرکے اخلاقِ حمیدہ اپناتا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے فضل سے اُسے دیگر پیغمبرانہ اخلاق بھی عنایت کر دیتے ہیں۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

دَر جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست

وقتِ پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

ترجمہ: عالمِ جوانی میں گناہوں سے توبہ کر لینا (اور تقویٰ والی زندگی گزارنا) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شیورہ اور طرزِ زندگی ہے، بڑھاپے میں جا کر تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے اور ظلم سے باز آجاتا ہے۔

یعنی جب قویٰ جسمانی خوب طاقت میں ہوں اور گناہوں کی قوت وقدرت بھی ہو تو اس وقت گناہوں سے اجتناب کرنا مَردوں کا کام اور پیغمبرانہ شیوہ ہے۔ بڑھاپے میں تو ویسے ہی قویٰ کمزور ہونے کی وجہ سے گناہوں کی طاقت نہیں رہتی اس لئے ایسے وقت میں توبہ کرنا کوئی خاص معنی نہیں رکھتا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَا مِنْ شَيءٍ أَحَبُّ إِلي اللهِ مِن شَابٍّ تَائِب۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے نوجوان سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں۔ [1]

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مَا مِنْ شَابٍّ يَدَعُ لَذَّةَ الدُّنْيَا وَلَهْوَهَا، وَيَسْتَقْبِلُ بِشَبَابِهِ طَاعَةَ اللهِ، إِلا أَعْطَاهُ أَجْرَ اثْنَينِ وَسَبْعِينَ صِدِّيقًا۔

ترجمہ: جو نوجوان دُنیا کی لذت وخواہش کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنی جوانی لگاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ننانوے صدیقوں کو اَجر عطا کرتا ہے۔ [2]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

من وجوانِ توبہ کار دَر جنت یک جامی باشیم

ترجمہ: میں اور جوانی میں توبہ کرنے والا جنت میں ایک جگہ ہوں گے۔ [3]

---

[1] (الجامع الكبير، ج۸، ص ۱۱، الناشر: الأزهر الشريف، القاهرة -جمهورية مصر العربية)

[2] (جامع الأحاديث، ج ۱۹، ص ۱۷۹، المكتبة القديمة)

[3] (شرح مکتوبات قدسی آیات، مولوی نصر اللہ هوتکی، میدان وردک خلیفۂ حضرت نور المشائخ محمد عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشهور به حضرت صاحب شور بازار کابل، ج ۲، حصه سوم، ص ۲۴۰)

ایک اور اہم بات جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہاں بیان فرمائی ہے وہ ہے حلال و حرام میں تمیز۔ اور یہ ایک انتہائی اہم بات ہے۔ لیکن آج کل حلال و حرام میں تمیز کرنا نیز حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنا تو بہت ہی دُشوار بلکہ ناممکن ہو چکا ہے۔ لوگ حرام اشیاء کو اپنا حق سمجھنے لگے ہیں۔ مثلاً رشوت دینا اور لینا تو اتنا عام ہو چکا ہے کہ اسے گناہ کا درجہ ہی نہیں دیا جا رہا۔ جبکہ اس طرح کے حرام مال کو کمانے اور اس کے نقصانات کو بیان کرنے نیز اس پر وارد آیات واحادیث میں وعیدیں اس قدر ہیں کہ انہیں قلم بند کرنے کے لئے الگ کتاب چاہیئے۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَ لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (البقرة ١٦٨)

ترجمہ: اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سامنے جب یہ آیتِ کریمہ تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ:

يا رسول الله، ادع الله أن يجعلني مستجاب الدعوة، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: يا سعد أطب مطعمک تکن مستجاب الدعوة، والذي نفس محمد بيده، إن العبد ليقذف اللقمة الحرام في جوفه ما يتقبل منه عمل أربعين يوما، وأيما عبد نبت لحمه من السحت والربا فالنار أولى به۔

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ! پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دُعائیں قبول فرماتا رہے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی نحوست کی وجہ سے چالیس دِن اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، جو گوشت پوست حرام سے پلا، وہ جہنمی ہے۔ [1]

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِكَاتِبِهٖ وَلِمَنْ سَعٰى فِيْهِ وَلِوَالِدَيْهِمْ وَلِاَسَاتِذَتِهِمْ وَلِاَهْلِ بَيْتِهِمْ اَجْمَعِيْنَ آمِيْن

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ ایامِ جوانی کو غنیمت جان کر احکامِ شرعیہ اور اعمالِ صالحہ بجالانے کی بھرپور کوشش کرنا چاہیئے، کیونکہ بڑھاپے میں ضعف وکمزوری کی وجہ سے صحیح طورپر انسان طاعات وعبادات نہیں بجالاسکتا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔

---

[1] (المعجم الأوسط، ج٦، ص٣١٠، الناشر: دار الحرمين -القاهرة)

یعنی پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت جانو: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، تونگری کو مفلسی سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔[1]

نیز سالک کو حیاتِ مستعار کے قیمتی اوقات کو لہو ولعب میں ضائع نہیں کرنا چاہیئے، ورنہ کل قیامت کے روز پچھتاوے کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا، مگر اس وقت کفِ افسوس ملنا بے سود ہوگا۔

بقول شاعر:

وقت پر قطرہ بہت ہے ابر خوش ہنگام کو
جل چکا جب کھیت، برسا مینہ تو کس کام کا

بقول حضرت میاں بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

جاں کھیتی دا ککھ نہ رہیا نہ سُکا نہ ہریا
کس کم دھپ سکاون والی، کس کم بدّل ورھیا

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۵۸۹، ۵۹۰)

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۴۳۰، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

مکتوب نمبر ۱۴۴

[حافظ محمد لاہوری کی طرف صادر فرمایا:

سیر و سلوک کے معنی اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے بیان میں کہ اس سیر کے علاوہ دو طرح کی سیر اور بھی ہے ان دو کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

سبحانہٗ و تعالیٰ بحرمۃ سید بشر اور کجی نظر سے پاک ذات علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات مدارجِ کمالات میں بے اندازہ ترقیات عطا فرمائے۔

از ہر چہ میرود سخنِ دوست خوش تراست

ترجمہ: جس طرف سے بھی دوست کی بات کان میں پڑے بہت ہی اچھی ہے۔

سیر و سلوک علم میں حرکت (انتقالِ علمی) سے عبارت ہے۔ جو مقولہ کیف میں سے ہے۔ حرکت اَینی (انتقالِ مکانی) کی یہاں گنجائش نہیں۔ پس سیر الی اللہ حرکت علمیہ سے عبارت ہے۔ جو علم اَسفل سے علم اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ اور اس سے اوپر پھر اور اوپر یہاں تک کہ بندہ تمام ممکنات کے علوم طے کرنے اور ان کے مکمل طور پر فنا ہو جانے کے علم واجب تک جا پہنچتا ہے۔ اور اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور سیر فی اللہ اس حرکتِ علمیہ سے عبارت ہے جو مراتبِ وجوب یعنی اسماء، صفات، شیون، اعتبارات، تقدیسات اور تنزیہات میں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس مرتبہ تک جا پہنچتی ہے، جسے کسی عبارت سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ اور نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے، اور نہ اسے کسی نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے، اور نہ بطورِ کنایہ اس کا اظہار ہو سکتا ہے، اور نہ اسے کوئی عالم جان سکتا ہے اور نہ کوئی ادراک کرنے والا اس کا ادراک کر سکتا ہے، اس سیر کا نام بقا ہے۔

اور سیر عن اللہ باللہ بھی جو تیسری سیر ہے، حرکتِ علمی ہی سے عبارت ہے۔ جو علم اعلیٰ سے علم اسفل تک ہوتی ہے۔ اور اس سے اور نیچے پھر اور نیچے۔ یہاں تک کہ عارف پیچھے کی طرف چل کر پھر ممکنات تک آ پہنچتا ہے اور تمام مراتبِ وجوب کے علوم سے نیچے اُتر تا ہے۔ یہ وہ عارف ہے جو اللہ تعالیٰ سے وابستگی کے باعث سب کچھ طاقِ نسیان میں رکھ دیتا ہے، اور اللہ سے اللہ کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ یہی واجد (پانے والا) اور فاقد (نہ پانے والا) ہوتا ہے۔ اور یہی واصل اور ہجر میں مبتلا عارف ہے، اور یہی قریب و بعید عارف ہے۔

اور چوتھی سیر جو اشیاء میں سیر ہے، یہ بھی سیر اوّل میں اشیاء کے علوم کے زوال کے بعد پھر آہستہ آہستہ اشیاء کے علوم کے حصول سے عبارت ہے۔ تو جیسا کہ تم جانتے ہو چوتھی سیر اوّل کے مقابل ہے اور تیسری سیر دوسری کے مقابل ہے۔

اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ نفسِ ولایت کے حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ اور نفسِ ولایت فناء اور بقا سے عبارت ہے۔ اور تیسری اور چوتھی سیر مقامِ دعوت کے حصول کے لئے ہے جو انبیاء کرام و رُسل عظام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور تسلیمات ان سب پر عموماً اور ان سب سے افضل پر خصوصاً ہوتی رہیں۔

اور اس بزرگ گروہِ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی کامل متابعت کرنے والوں کو بھی اس مقام سے حصہ ملتا ہے۔

جیسا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (یوسف ۱۰۸)

ترجمہ: تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں۔

یہ ہے ابتدا و انتہاء کی بات جس کے ذکر سے مقصود اس کی بلندی شان کا اظہار اور طالبانِ حق کو شوق دلانا ہے۔

بر شکر غلطید اے صفرائیاں

از برائے کورے سودائیاں

ترجمہ: اے صفراوی مزاج لوگو تم شکر پر خوب لوٹو۔ کیونکہ سوداوی مزاج تو نابینگی کا شکار ہیں۔

ان لوگوں پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے، جو ہدایت کے پیروکار اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت پر کاربند ہوں۔]

تشریح

سلوک و مدارجِ قُرب اجمالاً چار مراحل میں طے ہوتے ہیں اور ان مراحل کو سیر کہا جاتا ہے اور سیر سے جسمانی سیر مراد نہیں ہے، بلکہ اسے سیر علمی یا سیر باطنی کہا جاتا ہے۔

اس سیر کی درج ذیل اقسام ہیں:

۱۔ سیر الی اللہ ۲۔ سیر فی اللہ ۳۔ سیر عن اللہ باللہ

۴۔ سیر عن اللہ فی الاشیاء

مقامِ ولایت پانے کے لئے پہلی دو سیروں کا ہونا ضروری ہے گویا جس سالک کو پہلی دو سیریں کروادی گئیں، اُس نے مقامِ ولایت کو پالیا لیکن یاد رکھیئے کہ ولایت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کو دعوت وارشاد دینے کا مرحلہ آتا ہے اور اس مرحلہ کے لئے صرف پہلی دو

سیریں کافی ووافی نہیں ہیں، بلکہ دعوت وارشاد کا فرض بخوبی نبھانے والے سالک کے لئے تیسری اور چوتھی سیر انتہائی لازمی وضروری ہے اور ان آخری دو سَیروں کے بغیر مخلوق کو دعوت الی اللہ دینا صحیح معنوں میں کارگر نہیں ہو سکتا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام چونکہ قُرب کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں اور اُنہیں دُنیا میں لانے کا مقصد و مدعا ہی بھولی بھٹکی مخلوق کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف بُلانا ہے اس لئے ان پاکیزہ ہستیوں کو مندرجہ بالا چاروں سیریں عطا کی جاتی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ آخری دو سیریں ہیں ہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے۔ اولیاء اللہ میں سے جن خوش نصیبوں کو آخری دو سیروں سے حصہ ملتا ہے وہ وراثت وتبعیت کی بنا پر ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مکتوب شریف میں سیروں کی جو تعریف قلم بند فرمائی ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سالک کی پہلی دو سیریں جانبِ عروج میں واقع ہوتی ہیں اور آخری دو جانبِ نزول میں۔ اور چونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کو دینِ حقہ کی طرف بلانے والے ولی کے لئے عروج کے ساتھ ساتھ نزول کا ہونا لازمی اور لابدی اَمر ہے اس لئے تیسری اور چوتھی سَیر اس کے لئے لازمی وضروری ہوئی۔

وہ اولیاء اللہ جنہیں صرف عروج کی دولت ملی ہو اور نزول نہ کر سکے ہوں اُنہیں ''مستہلک'' یا ''مستغرق'' کہا جاتا ہے اور عوام الناس ان سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ عوام کا استفادہ اُن ہی اولیاء اللہ کے ساتھ مشروط ہے جنہیں عروج کے ساتھ نزول کی دولت بھی عطا ہو چکی ہو۔ ایسے ولی اللہ کو ''مرجوع'' کہا جاتا ہے۔

وہ سالک جنہیں کشف وشہود کی دولت مل جائے وہ تو ان سَیروں کے دوران مقامات کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن جنہیں کشف وشہود سے حصہ نہ ملے اُنہیں یقینِ قلبی کی دولت عنایت مل جاتی ہے اور ان کے دل سے شک وشبہ کو دور کر دیا جاتا ہے۔

سَیر کا سب سے اعلیٰ وارفع اور بلند ترین مقام وہ ہے جس میں روح کے ساتھ جسدِ عنصری بھی سَیر کرے اور یہ مقام صرف اور صرف ہمارے آقا امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے خاص ہے جنہیں عالمِ ممکنات سے آگے گزار کر عالمِ وجوب کی انتہا تک لے جایا گیا اور اس دوران نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی روح مبارک کہ مستفید ہوتی رہی بلکہ جسد مبارک بھی شریکِ سفر تھا۔ بعد ازاں خاصانِ خدا میں سے کسی کو یہ مقام ومرتبہ نصیب نہ ہو سکا اور نہ ہو گا۔ نیز چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے عروجِ اَتم کے بعد نزول بھی اَکمل فرمایا اس لئے آپ کی دعوت وارشاد بھی ہمہ گیر اور ہمہ پہلو تھی اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت اور پیروکار پچھلی تمام اُمتوں کے مجموعہ سے بھی زیادہ ہیں۔

مذکورہ بالا سیر کے درجات طے کرنے اور صفاتِ فعلیہ وصفاتِ ذاتیہ سے اخذِ فیض کرنے کے بعد اَکسیر کا حامل سالک اگر ان کیفیات کو دُنیا کے عوض فروخت کر دے تو وہ اس زمانے کا قارون کہلائے گا۔ قارون، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا فیض یافتہ تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے علوم سیکھ کر ان کو حصولِ دُنیا کا ذریعہ بنا لیا اور اس کے نتیجے میں اُس نے اپنی آخرت برباد کر لی۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

ہر آنکہ گنج قناعت بہ گنج دُنیا داد
فروخت یوسفِ مصری بہ کم ترین ثمن

ترجمہ: جس نے (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عطا کردہ تجلیات وانوارات کی) قناعت کا خزانہ دنیا کے خزانے کے عوض دے دیا تو وہ ایسے ہے جیسے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام (جیسی اعلیٰ ہستی) کو چند ٹکوں کے عوض فروخت کر دیا گیا تھا۔

من این مقام بہ دُنیا وآخرت ندہم
اگرچہ دَرپے اَم افتند خلقِ انجمن

ترجمہ: میں اس مقام کو دُنیا وآخرت کے عوض نہیں دینا چاہتا، چاہے ساری مخلوق اس مقام کو مجھ سے لینے کے لئے میرے پیچھے پڑ جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سالک کو دورانِ عروج وہ کیف وسرور حاصل ہوتا ہے جو دُنیاوی لذات وشہوات میں نہیں ملتا۔ عارف کا عالمِ بالا کی سیر باطنی کی چاشنی اپنے لطائف میں محسوس ہوتی ہے، اس لئے جب وہ اپنے لطائفِ خمسہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تجلیات وانوارات کا اثر ان میں دیکھتا ہے تو یہ بات اُس کی تسلی کا باعث بنتی ہے۔

حضرت مولانا حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ہر چند پُر خستہَ دل وناتوان شدم
ہر گاہ کہ یادِ رُویِ تو کردم جوان شدم

ترجمہ: میں جتنا بھی غمگین وپریشان اور کمزور ہو جاؤں جب آپ کے چہرے کو اپنے تصور میں لاتا ہوں تو پھر سے جوان ہو جاتا ہوں۔

(دارالمعــرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سیورِ اَربعہ کی تفصیلات بیان فرمارہے ہیں۔ دراصل جب کوئی طالبِ طریقت کسی شیخ کامل و مکمل کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت کے بعد اس کی نسبت میں گم ہو جاتا ہے تو قُربِ حق کے حصول کے لئے جن مدارج و منازل سے اس گزرنا پڑتا ہے وہ چار قسم کی ہیں جنہیں اصطلاحِ طریقت میں سیورِ اَربعہ کہا جاتا ہے۔

سیر، حق تعالیٰ کی طرف سفر کرنے کا نام ہے اور طیر حق تعالیٰ کی طرف پرواز کا نام ہے۔ آیہ کریمہ: فَفِرُّوا إِلَى اللهِ (الذاریات ۵۰) میں حق تعالیٰ کی طرف سیر وطیر کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان دونوں کا ذکر کرتے ہوئے خوب فرمایا:

چوں از برج معنی پرد طیــراو　　　فرشتہ فروماند از ســیراو

یعنی جب کوئی بندۂ مؤمن اس شوق پر سوار، عشق ودرد کی مہمیز لگا کر عالمِ بالا کی طرف باطنی طیر اور روحانی سیر کرتا ہے تو فرشتوں سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ سیر وسلوک سے مراد حرکتِ علمی ہے نہ کہ حرکتِ اینی وجسمی یعنی سالکینِ طریقت کو عالمِ بالا کی طرف پرواز کے دوران انتقالِ مکانی نہیں ہوتا، بلکہ انتقالِ علمی ہوتا ہے، بالآخر انہیں حریم قدس جل سلطانہ تک رسائی نصیب ہو جاتی ہے۔ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

بینہ نمبر ۲

یہ امر مستحضر رہے کہ سیورِ اَربعہ میں پہلی دونوں سیریں حصولِ نفسِ ولایت کے لئے ہوتی ہیں، جنہیں فنا وبقا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور آخری دونوں سیریں حصولِ مقامِ دعوت کے لئے ہوتی ہیں۔ مقامِ دعوت انبیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ ان کے کامل متبعین کو نیابۃً ووراثۃً اس مقام سے حظِّ وافر نصیب ہوتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ: قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (یوسف ۱۰۸) سے عیاں ہے۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ سیورِ اَربعہ کی تفصیلات بیان کرنے سے مقصود حق تعالیٰ کا ذکر بلند کرنا اور طالبانِ حق تعالیٰ کے اندر شوق پیدا کرنا ہے۔

بقول شاعر:

بر شُکر غلطید اے صفرائیاں
از برائے کوریٔ سودائیاں

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۵۹۴، ۵۹۵)

مکتوب نمبر ۱۴۵

[مُلّا عبد الرحمٰن مفتی کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ طریقہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس سرہم نے ابتدائے سیر عالمِ اَمر سے اختیار کی ہے، اور اس راز کے بیان میں کہ اس طریقہ کے بعض مبتدی جلد متاثر کیوں نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔ اللہ اس بندے پر بھی رحم فرمائے جو آمین کہے۔

طریقہ ٔ نقشبندیہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اپنی سیر کی ابتداء عالمِ اَمر سے اختیار کی ہے اور عالمِ خلق کو اس کے ضمن میں طے کیا ہے۔ بخلاف دوسرے سلاسل کے مشائخ کہ ان کی سیر کی ابتداء عالمِ خلق سے ہوتی ہے۔ عالمِ خلق طے کرنے کے بعد عالمِ اَمر میں قدم رکھتے ہیں اور مقامِ جذبہ تک پہنچتے ہیں۔ لہٰذا طریقہ ٔ نقشبندیہ وصول میں تمام طریقوں سے زیادہ قریب ہے، اور دوسروں کی انتہاء ان کی ابتدا میں درج ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

ترجمہ: میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔]

تشریح

سلاسلِ طریقت میں سلسلہ ٔ نقشبندیہ کو مختلف پہلوؤں سے دوسرے سلاسل پر فضیلت وفوقیت حاصل ہے اور اس عظیم البرکت سلسلے کی فضیلتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس سلسلے کے مشائخ نے اپنی سیر کو عالمِ اَمر سے شروع کیا ہے اور عالمِ خلق کی سیر پہلی سیر کے دوران ہی طے کر لیتے ہیں یعنی ایک تیر سے دو شکار والی بات ہے۔ جبکہ بقیہ سلاسل میں سَیر کی ابتداء عالمِ خلق سے ہوتی ہے اور اس

کی تکمیل کے بعد عالمِ اَمر میں قدم رکھا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ سلوک کا کام اجمالاً دو قدموں میں طے ہوتا ہے ایک قدم عالمِ اَمر کہلاتا ہے اور دوسرا عالمِ خلق۔

طریقت کے مقاصد میں سے ایک بلند مقصد مقامِ جذبہ تک پہنچنا ہوتا ہے اور وہ مقام عالمِ اَمر کے طے کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ مشائخِ نقشبندیہ سلوک کی ابتداء ہی عالمِ اَمر سے کرتے ہیں اور مقامِ جذبہ تک جلد پہنچ جاتے ہیں نیز چونکہ عالمِ خلق کی سیر کو طے کرنا بھی سلوک کا ایک لازمی جزو ہے اس لئے اس کی سیر کو اجمالاً عالمِ اَمر کی سیر کے دوران ہی طے کر لیتے ہیں۔ ہاں عالمِ خلق کی تفصیلی سیر البتہ عالمِ اَمر سے فارغ ہونے کے بعد ضروری ہوتی ہے لیکن اس تفصیل تک پہنچنے سے پہلے جذبہ کا حصول اگلی منازل کو آسان کر دیتا ہے۔

دوسرے سلاسل میں ابتداءً عالمِ خلق کو طے کرتے ہیں لیکن چونکہ مقامِ جذبہ دوسری سیر میں ہے اس لئے عالمِ خلق کو مکمل کرنا نسبتاً مشکل ہوتا ہے اس لئے ان سلاسل میں ریاضاتِ شاقہ اور چلہ کشیوں کی ضرورت پڑتی ہے تب عالمِ خلق کی سیر مکمل ہوتی ہے اور عالمِ خلق کے ضمن میں عالمِ اَمر کا طے ہونا محال ہوتا ہے (برعکس طریقۂ نقشبندیہ کے) اس لئے عالمِ خلق کو طے کرنے کے بعد نئے سِرے سے عالمِ اَمر میں داخل ہوتے ہیں اور مدت ہائے طویل کے بعد کہیں جا کر مقامِ جذبہ پاتے ہیں۔ اصحابِ حال سے پوشیدہ نہیں کہ مقامِ جذبہ کا حصول بفضلِ خدا سلسلۂ نقشبندیہ کی ابتداء میں ہی درج ہے۔ یہی تفصیل ہے حضرت بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اُس قول کی جس میں اُنہوں نے فرمایا تھا کہ ''میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے فضل والا سلسلہ مانگا ہے''۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے فضائل کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ دراصل جملہ سلاسلِ طریقت حق تعالیٰ تک سالکین کو پہنچانے والے ہیں مگر پہنچانے کا طریقہ و نصاب جدا جدا ہے۔ خواجگانِ نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم طئ سلوک کی ابتداء عالم خلق کی بجائے عالمِ اَمر سے کرتے ہیں اور عالمِ اَمر کے ضمن میں عالمِ خلق کے لطائف بھی طے کروادیتے ہیں۔ نیز جذبۂ بدایت جو کہ خاصہ ٔ نقشبندیہ ہے اس پر مستزاد ہے جو مہمیز کا کام کرتا ہے۔بنابریں سالک کو سرعتِ سیر حاصل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ نقشبندی مُرید مجذوب و محبوب سالک ہوتے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

محبوبوں کو جلدی لے جاتے ہیں اور انتہائی قُرب تک پہنچاتے ہیں جبکہ محبوں کو دیر سے لے جاتے اور راہ میں ہی رکھتے ہیں۔

بقول شاعر:

اگر از جانبِ معشوق نباشد کششے
کوششِ عاشق بیچارہ بجائے نرسد

بینہ

واضح رہے کہ طریقتِ نقشبندیہ میں جب لطائفِ عالمِ خلق کے تصفیہ کے لئے علیحدہ اسباق ہیں تو لطائفِ عالمِ خلق کو عالمِ اَمر کے دوران کیوں طے کرواتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب طریقتِ نقشبندیہ میں ولایتِ صغریٰ کی تحصیل ہو جاتی ہے تو عالمِ خلق کی سیر کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی نیز ولایتِ صغریٰ میں لطائف عالمِ خلق، لطائف عالمِ اَمر کے ضمن میں جزوی طور پر طے ہو

جاتے ہیں لیکن ان کا کمال، ولایت کبریٰ وولایتِ انبیاء کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ بنابریں اسباقِ نقشبندیہ مستقلاً مربوط بعالمِ خلق نہیں ہوتے کیونکہ نقشبندی سالکین وعارفین کو ولایت انبیاء وکمالاتِ نبوتِ انبیاءسے حظِ وافر نصیب ہوتا ہے۔

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۵۹۹، ۶۰۰)

[اس بلند طریقہ کے کچھ طالب ایسے ہوتے ہیں کہ باوجودیکہ ان کی سیر کی ابتدا عالمِ اَمر سے ہوتی ہے۔ تاہم وہ جلد اثر پزیر نہیں ہوتے۔ اور لذت وحلاوت جو جذبہ اور کشش کا ہر اوّل دستہ ہے اپنے اندر جلدی پیدا نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عالمِ اَمر، عالمِ خلق کی نسبت کمزور ہوتا ہے۔ اور یہی ضعف وکمزوری جلد اثر پزیری میں رکاوٹ اور سدِّ راہ ہوتی ہے۔ اثر پذیر ہونے میں یہ تاخیر اور دیر اس وقت تک موجود رہتی ہے جب تک ان کا عالمِ اَمر، عالمِ خلق پر غلبہ اور قوت حاصل نہ کرلے، اور معاملہ برعکس نہ ہو جائے۔ اس ضعف کے علاج اور طریقہ کے مناسب یہ ہے کہ مکمل تصوف والا مُرشد پورے تصرف سے کام لے۔ دوسرے طریقوں کے مناسب اس مرض کا علاج یہ ہے کہ پہلے تزکیہ نفس کیا جائے، اور ریاضات ومجاہدات شاقہ موافق شریعت اختیار کئے جائیں۔ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیئے کہ دیر سے اثر پذیر ہونا استعداد کے ناقص ہونے کی علامت نہیں۔ مکمل استعداد والے گروہ کے متعلق بھی یہ ممکن ہے کہ اس بلا میں مبتلا اور گرفتار ہو۔ والسلام]

تشریح

سابقہ مکتوب میں جس سیر کا ذکر ہے اس کا ادراک دو طرح سے ہوتا ہے ایک تو یہ ہے کہ سالک کی نظر سے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں اور وہ سلوک کے مقامات کو کشف و شہود میں مشاہدہ کرتا ہے نیز اپنی استعداد کے مطابق لطائفِ عشرہ کا احساس بھی کرلیتا ہے اور ادراک کے دوسرے درجے میں وہ سالکین آتے ہیں جنہیں کشف و شہود سے تو کوئی حصہ نہیں ملتا تاہم وہ حواسِ باطنی سے اپنے لطائف کے ذاکر ہونے کا ادراک ضرور کرتے ہیں۔ جب تصرف والا شیخ کامل اُن کے لطائف (قلب، رُوح، سِر، خفی، اخفٰی وغیرہ) پر توجہ کرتا ہے تو اس کی توجہ کے اثر سے سالک کے لطائف اثر لے لیتے ہیں اور شیخ کے لطائف کے ساتھ عروج پکڑتے ہیں، جس سے سالک میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ وہ نماز وروزہ اور دیگر احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہونے لگتا ہے اور جھوٹ، غیبت، چوری، دھوکہ، فریب، رشوت اور دیگر غیر شرعی اُمور سے اجتناب کرنے لگتا ہے اور بالآخر مقامِ ولایت میں پہنچ جاتا ہے، لیکن کچھ ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جنہیں مندرجہ بالا ادراک کا کوئی درجہ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنیادی طور پر سالکوں کی دو اقسام ہیں: ایک کو "مجذوب سالک" کہا جاتا ہے اور اس کی استعداد "محبوبین" والی ہوتی ہے۔ دوسرا "سالکِ مجذوب" کہلاتا ہے اور اس کی استعداد "محبّین" والی ہوتی ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔

مجذوب سالک پر ابتداء سے ہی جذبہ غالب ہوتا ہے اس لئے اس کے ادراک کی آنکھ شیخ کی توجہات سے فوراً کھُل جاتی ہے اور وہ اپنے لطائف کا ایک دم احساس کرنے لگتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ مجذوب سالک کا عالمِ اَمر، عالمِ خلق کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوتا ہے اور اُس کی یہ قوت ہی اُسے عالمِ اَمر کے لطائفِ خمسہ کا احساس کرنے کے قابل بناتی ہے لیکن جو سالک "سالکِ

مجذوب'' ہوتا ہے اس پر ابتداء میں جذبہ غالب نہیں ہوتا، نیز اس کا عالمِ اَمر، عالمِ خلق کے مقابلے میں کمزور و ضعیف ہوتا ہے اور عالمِ خلق قوی ہوتا ہے۔ اس کے عالمِ اَمر کے لطائف عالمِ خلق تلے دَبے ہوتے ہیں، اس لئے ایسے سالکین میں سے بعض سالک شیخ کے تصرف کا اثر جلد قبول نہیں کرتے یا اگر قبول کرتے بھی ہیں تو اس کا اپنے باطن میں احساس نہیں کرتے۔

اب آگیا مرحلہ اس بات کا کہ ''سالکِ مجذوب'' کے درجے کا جو سالک توجہاتِ شیخ کا اثر محسوس نہ کرنے کی بیماری میں مبتلا ہو اُس کا علاج کیسے ہونا چاہیئے۔ یہ بات سمجھنے کے لئے ایک مثال پر غور فرمائیں۔

ایک مریض جب کسی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس علاج کی غرض سے جاتا ہے تو ڈاکٹر اُس کے لئے پہلے تو مناسب دوائیں تجویز کرتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ مضر خوراک سے پرہیز کا مشورہ دیتا ہے جو مریض اپنے ڈاکٹر کے مشورے پر عمل درآمد کرتا ہے وہ چند ہی دنوں میں تندرست ہو کر چلنے پھرنے لگتا ہے، لیکن جو مریض ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کی بجائے اپنی مرضی سے دوا شروع کر لیتا ہے اور ضروری پرہیز کو بھی خاطر میں نہیں لاتا، وہ بجائے صحت رُو ہونے کے مزید بیمار ہو جاتا ہے۔ ناچار پھر اپنے ڈاکٹر کی طرف دوڑتا ہے اور جب ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو ڈاکٹر اس بات پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایک مستند نسخہ جو قبل ازیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مریضوں کو شفا دے چکا ہے وہ اس مریض کو صحت کی شاہراہ پر گامزن کیوں نہیں کر سکا۔ آخر کار ڈاکٹر کی دور رَس نگاہ اس حقیقت پر پہنچ ہی جاتی ہے کہ ضرور بالضرور مریض نے دوا لینے میں غفلت اور پرہیز نہ کرنے میں عجلت سے کام لیا ہے۔ تب ڈاکٹر ''پرہیز، علاج سے بہتر ہے'' کے مقولے کی اہمیت مریض پر واضح کرتا ہے نیز چند مزید بہتر مشوروں کے ساتھ اپنے مریض کو رُخصت کرتا ہے اور اب کی بار مریض اپنی ظاہری

صحت کی اہمیت کو جانتے ہوئے اور بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنے ڈاکٹر کی تعلیمات کو مد نظر رکھ کر علاج شروع کرتا ہے اور تھوڑے ہی وقت میں شفا حاصل کر لیتا ہے۔

اب اس کسوٹی پر ایک روحانی مریض کو پرکھ کر دیکھیں جو کہ ایک سالک ہے اور ڈاکٹر یا حکیم اس کا شیخ ہے۔ جب نفس و شیطان جیسے مضر جراثیم کی نحوست سے ایک شخص روحانی بیماریوں میں مبتلا ہو کر اپنی باطنی بیماری سے صحت یاب ہونے کی اُمید لے کر ایک کامل شیخ کے پاس جاتا ہے تو اس کا شیخ جو ایک ڈاکٹر کے مقابلے میں سو گُنا زیادہ بصیرت و فراست کا حامل ہوتا ہے وہ اپنے مریض کے باطن کا اندازہ لگا کر اُسے بہتر روحانی دوا بتاتا ہے اور نفس و شیطان کی مکاریوں سے بچنے اور غیر شرعی اعمال سے قطعًا پرہیز کا مشورہ دیتا ہے۔ ایک صادق مرید جب اپنے باطن کے حکم کی تعلیمات کو زیرِ نگاہ رکھ کر زیرِ علاج رہتا ہے تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فضل بھی جلد ہی اس کے شاملِ حال ہو جاتا ہے اور شیخِ کامل کے سینے سے نکلنے والی روحانی غذا سے مُرید کو روز بروز صحت ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن اسی طرح کا ایک روحانی مریض کچھ عرصہ بعد اپنے شیخ سے آ کر شکایت کرتا ہے کہ حضرت صاحب میرے باطن کو ابھی تک شفا نہیں ملی ہے۔ نیز تصوف کی روحانی غذا نے میرے لطائف پر کوئی اثر نہیں کیا ہے اور نہ ہی میں نے اپنے اندر کوئی تبدیلی محسوس کی ہے۔ ہر چند کہ یہ مریض اپنی حرکات کو چھُپا رہا ہے اور در پردہ کی جانے والی بد پرہیزی کا ذکر بھی نہیں کر رہا لیکن فراستِ مؤمن کے قوی ہتھیار سے لیس شیخِ کامل اُس کے باطن کا مشاہدہ کرتے ہوئے حقیقتِ حال سے واقف ہو جاتا ہے اور کھلے دل سے مُرید سے کہتا ہے کہ اے میرے بیٹے! تو جن ناقص شیطانی غذاؤں کا پَروردہ ہے وہ تیرے نورانی لطائف کو پاکیزہ کرنے کی بجائے مزید زنگ آلود کر رہی ہیں اور تُو نے جو اپنے سلسلے کے کبار مشائخ کی تعلیمات کے خلاف وِرد و وَظائف شروع کر لئے ہیں اُن سے تجھے صحت نہیں ملنے والی۔

اگر اپنے باطن کو مزید بیماری سے بچانا چاہتے ہو تو اپنے قدیم مشائخ کی تعلیمات کے مطابق اپنا علاج جاری رکھو اور اُنہوں نے جو پرہیز تجویز کیا ہے اُس سے ہر صورت میں اجتناب کرو، تب ہی تیرے لطائف کا زنگ اُترے گا اور جب بیماری تیرے لطائف کو چھوڑ دے گی تو یہ نورانی ذرّے خود بخود اپنے شیخ کے قلب ورُوح کے مقناطیس سے قوت وطاقت حاصل کر لیں گے۔ بصورت دیگر فائدہ کی بجائے نقصان متوقع ہی نہیں بلکہ یقینی ہے۔

علاوہ ازیں بھی لطائفِ عشرہ کے زندہ اور ذاکر ہونے کے لئے چند ایک چیزوں کا ہونا لازمی وضروری ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ سالک کی عمومی نشست وبرخاست نیک لوگوں کے ساتھ ہونی چاہیئے ورنہ چند لمحے شیخِ کامل کی صحبت میں گزار کر سالک جب غیر اخلاقی مجلس اختیار کرے گا اور ذکر وفکر کی مصروفیت کی بجائے کیبل اور فیس بُک سے مستفید ہو گا تو نکلنے والا نتیجہ بالکل واضح ہو گا۔

دوم یہ ہے کہ جب اپنے شیخ کے پاس جائے تو اپنے قلب وروح کو بالکل خالی تصور کرے۔پہلے سے بھرے ہوئے برتن میں مزید پانی نہیں بھر سکتا۔ نیز سالک اپنے آپ کو ایسے تصور کرے جیسے مُردہ بدستِ زندہ۔ جب وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر شیخ کے حوالے کر دے گا تو اُس کا غاسل (شیخ) اُسے ہر طرح کی باطنی گندگیوں مثلاً بغض وعداوت اور غیبت وجھوٹ اور شرکِ اَصغر سے دھوڈالے گا اور جب یہ اخلاقِ رذیلہ سے پاک وصاف اور اخلاقِ حمیدہ کا حامل ہو جائے گا تو ان اخلاق کی برکت اور توجہاتِ شیخ کے طفیل اس کے لطائف جلد ہی ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں ذاکر ہو جائیں گے۔

الغرض جب کسی سالک کو تصوف میں داخل ہونے کے بعد بھی کوئی فائدہ نظر نہ آرہا ہو تو بجائے تصوف وسلوک سے متنفر ہونے اور ایک کامل پیر ومُرشد میں نقص نکالنے کے، اپنے باطن کی

طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور اپنی اصلاح کے لئے ریاضاتِ شاقہ کا اہتمام کرنا چاہیئے، اور اُسے اس بات پر سوچنا چاہیئے کہ ابتدائے سلوک میں تو میرے لطائف نے اَثر لے لیا تھا لیکن اب جو ان کا احساس ختم ہو گیا ہے تو اس میں میرے پیر و مُرشد کا کوئی قصور نہیں بلکہ اس کا سبب میری اپنی خرابیاں اور غیر شرعی حرکات ہیں۔

(دارالمعــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ طریقتِ نقشبندیہ میں تقدمِ جذبہ کے باوجود بعض سالکینِ طریقت کو جلد لذت و حلاوت حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں عالمِ اَمر، عالمِ خَلق کی نسبت کمزور و ضعیف ہو تا ہے۔ طریقتِ نقشبندیہ میں اس کا علاج شیخ کامل کی توجہاتِ قدسیہ ہیں اور اگر توجہاتِ قدسیہ کارگر ثابت نہ ہوں تو شیخِ کامل تصرف سے کام لیتا ہے یہاں تک کہ سالک کے عالمِ اَمر کو عالمِ خلق پر تقویت و غلبہ میسر ہو جاتا ہے اور عالمِ بالا کی طرف سیر وطیر شروع ہو جاتی ہے، جبکہ دیگر سلاسلِ طریقت میں ریاضات شدیدہ اور مجاہداتِ شاقہ کے ذریعے عالمِ خلق کو ضعیف کیا جاتا ہے۔

ہر گل پــرے را حــرکاتــ دگرہستــ

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۶۰۱)

مکتوب نمبر ۱۴۶

[سبق کے تکرار کی نصیحت میں شرف الدین حُسین بدخشی کی طرف تحریر فرمایا:

فرزندی شرف الدین حُسینی کا مکتوب موصول ہوا۔ اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ تم فقرأ کی یاد کی سعادت سے بہرہ ور ہو۔ وہ سبق جو آپ نے سیکھا ہوا ہے، اس کی تکرار سے اپنے وقت کو معمور اور آباد رکھیں۔ اور فرصت کے لمحات سے پورا فائدہ اُٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ فانی کرّ و فر راہِ راست سے دور کر دے۔ اور زائل ہو جانے والی چیزوں کی شان و شوکت کو بے حلاوت کر دے۔

ہمہ اندرزِ من بتو ایں است　　　　که تو طفلی و خانه رنگین است

ترجمہ: تجھے میری ساری نصیحت یہی ہے کہ تو بچہ ہے، اور گھر بڑا رنگین ہے۔

کیا ہی عظیم نعمت ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ اٹھتی ہوئی جوانی میں ہی توبہ کی توفیق عطا کر دے۔ اور پھر اس پر استقامت بھی دے دے۔ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ دُنیا کی تمام نعمتیں اس ایک نعمت کے سامنے گہرے دریا کے آگے شبنم کا درجہ رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا تمام دُنیوی اور اُخروی نعمتوں سے فائق اور اعلیٰ ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا بہت بڑی چیز ہے۔ اور سلامتی کا نزول ہر اس شخص پر ہوتا رہے جو ہدایت کا پیروکار اور متابعتِ مصطفیٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا پر کاربند ہو۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے وہ مقام و حیثیت عطا فرمائی ہے جو کسی کلاس میں ایک اُستاد کی ہوتی ہے کہ ایک اُستاد اپنے طالب علموں اور شاگردوں کو علم کے باریک نکات سکھاتا اور ہر معاملے میں ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ بعینہٖ سلوک کے معاملہ میں

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سالکینِ طریقت کو طریقت کے گُر اور وِرد ووظائف کا طریقہ کار سکھاتا ہے اور نہ صرف سلوک کے معاملے میں اُمت کی رہنمائی کی ہے، بلکہ عقائدوفقہ کے بھی بہت سارے باریک معاملات کوواضح فرمایاہے۔

زیرِ نظر مکتوب میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات پر زور دیاہے کہ جب کوئی شخص ایک باعمل اور کامل و مکمل شیخ سے اِرادت کاواسطہ پیدا کرلے تو اس کے شیخ نے جو اذکار ووظائف اپنے مشائخ سے اخذ کئے ہیں اُن کے مطابق اپنے فارغ اوقات کو ذکرِ الٰہی سے منور کرے اور فراغت کو عین نعمتِ خداوندی سمجھتے ہوئے یادِ الٰہی میں گزارے۔ سلسلہ ٔنقشبندیہ کی یہ بھی عجب شان ہے کہ اس میں سارے اصل اذکار زبان کی بجائے لطائف کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ذکر کرنے کے لئے سالک کو فارغ بیٹھنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ وہ اپنے کام کاج اور مصروفیت کے دوران بھی اپنے لطیفہ پر توجہ رکھتے ہوئے ذکر کر سکتا ہے جبکہ دوسرے سلاسل میں یہ چیز میسر نہیں،کیونکہ ان میں لطائف کے ساتھ زبان کا ہمنواہونا بھی لازمی وضروری ہے۔

فراغت اور یادِ الٰہی کی دولت اگر جوانی کے زمانے میں عطاہو جائے تو یہ اور بھی بڑی عظیم نعمت ہے، کیونکہ جوانی عین شیطانی اطاعت کا زمانہ ہوتا ہے اور جس کو اطاعتِ شیطان سے نکال کر محبتِ رحمٰن عطا کر دیں اور وہ بھی عالمِ جوانی میں تو اس سے بڑی خوبی اور حُسن کیا ہو گا کیونکہ یہ تو وہ نعمتِ عظمٰی ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فضل واحسان کے ساتھ اپنے پیغمبروں کوعطافرمائی تھی اور بعد ازاں اپنی کمال مہربانی سے عین اُٹھتی جوانی میں جس جس خوش نصیب کو چاہا، جوانی کی بہاروں میں دُنیا کی گندگیوں سے نکال کر اپنی طرف راستہ دے دیا۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبریست

وقتِ پیری گرگ ظالم میشود پرہیزگار

ترجمہ: عین جوانی کے عالم میں گناہوں سے اجتناب کر لینا (اور تقویٰ والی زندگی گزارنا) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شیوہ اور طریقہ رہا ہے، ورنہ بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی (اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کر کے) پرہیزگاری اختیار کرلیتا ہے اور ظلم سے باز آجاتا ہے۔

پس اس عظیم نعمت کا شکر اسی طور پر ادا ہو سکتا ہے کہ ہر لمحہ یادِ الٰہی میں گزارا جائے اور فرائض وواجبات اور سُنن کی ادائیگی کے بعد اپنے شیخ سے حاصل کئے ہوئے باطنی سبق کے مطابق یکسو ہو کر ذکر کیا جائے تاکہ غفلت دُور ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے تم پر صرف دو باتوں کا خطرہ ہے:

۱۔ لمبی اُمیدیں ۲۔ خواہشات کی اتباع

لمبی اُمیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں اور خواہشات کی اتباع حق سے دُور کر دیتی ہے۔ دُنیا پشت پھیر کر کے کوچ کر جاتی ہے اور آخرت آگے بڑھتی چلی جاتی ہے، ان دونوں میں ہر ایک کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ سو تم آخرت والے بنو، دُنیا والے مت بنو کہ آج عمل ہے حساب نہیں اور کل حساب ہو گا عمل نہیں ہو گا۔ مطلب یہ کہ آج خوب عمل کرو کل تمہیں عمل کی فرصت نہیں ملے گی۔

حَدَّثَنَا الثِّقَةُ بِإِسْنَادِهِ عَنْ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ, قَالَ: طَلَبْتُ خُطْبَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كَانَ يَخْطُبُ بِهَا كُلَّ جُمْعَةَ أَرْبَعَ سِنِينَ, فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهَا حَتَّى بَلَغَنِي أَنَّهَا عِنْدَ رَجُلٍ مِنَ

الْأَنْصَارِ، فَأَتَيْتُهُ فَإِذَا هُوَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا فَقُلْتُ لَهُ: أَنْتَ سَمِعْتَ خُطْبَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كَانَ يَخْطُبُ بِهَا كُلَّ جُمُعَةٍ؟ قَالَ: نَعَمْ.

سَمِعْتُهُ يَقُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ لَكُمْ مَعَالِمَ فَانْتَهُوا إِلَى مَعَالِمِكُمْ، وَإِنَّ لَكُمْ نِهَايَةً فَانْتَهُوا إِلَى نِهَايَتِكُمْ، وَإِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ، بَيْنَ أَجَلٍ قَدْ مَضَى لَا يَدْرِي مَا اللّٰهُ صَانِعٌ بِهِ، وَبَيْنَ أَجَلٍ قَدْ بَقِيَ لَا يَدْرِي مَا اللّٰهُ قَاضٍ فِيهِ، فَلْيَتَزَوَّدِ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ، وَمِنْ حَيَاتِهِ لِمَوْتِهِ، وَمِنْ شَبَابِهِ لِكِبَرِهِ، وَمِنْ دُنْيَاهُ لِآخِرَتِهِ، فَإِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَأَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ، وَلَا بَعْدَ الدُّنْيَا دَارٌ إِلَّا الْجَنَّةَ أَوِ النَّارَ، أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ"۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا وہ خطبہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہر جمعہ ارشاد فرماتے تھے چار سال تلاش کیا مگر نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ہے۔ میں ان کے پاس پہنچا، وہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ میں نے پوچھا کیا آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا وہ خطبہ سُنا ہے جو آپ ہر جمعہ ارشاد فرماتے تھے؟ وہ کہنے لگے ہاں۔

میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے: ''اے لوگو! بے شک تمہارے لئے علمی مجالس ہیں، وہاں جایا کرو، تمہارے کمالات ہیں انہیں حاصل کیا کرو۔ بے شک مؤمن آدمی دو خطروں کے درمیان ہے۔ ایک یہ کہ جو عمر گزار چکا کچھ پتہ نہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کے متعلق کیا فیصلہ فرمائیں، دوسرا یہ کہ جتنی عمر باقی ہے کچھ معلوم نہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اس کے متعلق کیا تقدیر ہے۔ لہٰذا بندہ کو اپنی ذات ہی سے اپنے لئے، اپنی حیات سے موت کے لئے، اپنی جوانی سے بڑھاپے کے لئے اور اپنی دُنیا سے آخرے کے لئے زادِ سفر تیار کرنا چاہیئے۔

بے شک دُنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ مرنے کے بعد توبہ واستغفار کا کوئی کوئی موقع نہیں اور دُنیا کے بعد جنت یا دوزخ کے سوا کوئی گھر نہیں۔ بس میں یہی کہتے ہوئے اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں"۔[1]

(دارالمعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اوقاتِ فرصت کو غنیمت شمار کرنے، دنیوی کرّو فر اور ظاہری شان وشوکت سے پرہیز کرنے کی نصیحت فرمارہے ہیں۔ دراصل عہدِ شباب امنگوں اور ترنگوں کا دور ہوتا ہے جس میں ارتکابِ معصیت سے بچنا اور حق تعالیٰ کے حضور توبہ وانابت کرنا شیوۂ پیغمبری ہے، ورنہ جب جسمانی اعضاء اور بدنی قویٰ کمزور ونحیف اور لاغر و مضمحل ہو جائیں تو گناہوں سے بچنا کوئی کمال نہیں کیونکہ اس وقت جسم میں ارتکابِ معصیت کی قوت ہی نہیں رہتی۔

بقول شاعر:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست
وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار

بنابریں سالک کو بغیر تضیّع اوقات کے باطنی اسباق اور روحانی اوراد کے تکرار میں مصروف رہنا چاہیئے تاکہ اسے عالمِ قدس کی طرف سیر وطیر میسر ہو سکے اور وہ تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی نعمتِ عظمٰی اور رضائے مولیٰ کی دولتِ قصویٰ سے سرفراز ہو سکے جو سعادتِ دارین اور سرمایۂ کونین ہے

[1](تنبیہ الغافلین، ج ا، ص ۲۳۸، الناشر: دار ابن کثیر، دمشق - بیروت)

جیسا کہ آیت کریمہ: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی (الأعلی ۱۴) اور رِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ (التوبة ۷۲) سے عیاں ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۲۰۵، ۲۰۶)

مکتوب نمبر ۱۴۷

[خواجہ محمد اشرف کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ مخلوق سے الگ ہونا رب تعالیٰ سے وابستگی پر مقدم ہے۔ یا حق تعالیٰ سے وابستگی مخلوق سے علیحدگی پر مقدم ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ بحرمت حضرت سیّد المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات اتمہا مدارجِ کمال میں ترقیات عطا فرمائے۔

مشائخ قدس سرہم کی ایک جماعت نے گُسَستن (مخلوق سے کٹنے) کو پیوستن (حق کے ساتھ وابستگی) پر مقدم رکھا ہے۔ اور دوسری جماعت نے پیوستن کو گُسَستن پر مقدم قرار دیا ہے۔ اور تیسرے گروہ نے اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔ شیخ ابوسعید خراز قدس سرہٗ فرماتے ہیں جب تک مخلوق سے نہیں چھوٹتے مطلوب کو نہیں پاسکتے۔ اور جب تک مطلوب کو نہیں پاسکتے، مخلوق سے نہیں چھوٹ سکتے۔ اور میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں پہلے کون سی چیز ہے۔ اِن سطور کا راقم کہتا ہے کہ گَسَستن اور پیوِستن دونوں ایک ہی وقت میں متحقق ہوتے ہیں یہ جائز نہیں کہ گَسَستن پیوستن سے جدا ہو یا پیوستن گَسَستن کے بغیر رونما ہو سکے۔ غایہ مافی الباب یہ ہے کہ خفا تقدمِ ذاتی اور دونوں ایک دوسرے کی علّت ہونے کے تعین میں ہے۔ شیخ الاسلام ہروی قدس سرہٗ مذہبِ ثانی کو اختیار کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی طرف سے سبقت کا ہونا بہتر ہے۔ ہاں وہ جماعت جو گَسَستن کو مقدم جانتی ہے، اس سبقت کا انکار نہیں کرتی۔ پیوستن سے ان کی مُراد ظہورِ تام ہے۔ اور وہ ظہورِ مطلق پر سبقت کے منافی نہیں، مطلق ظہور گَسَستن پر مقدم ہے۔ اور ظہورِ تام اس سے مؤخر ہے۔ اس تحقیق کے مطابق یہ نزاع لفظی بن جاتی ہے۔ لیکن پہلے گروہ کی نظر بلند ہے۔ کیونکہ وہ قلیل کا

اعتبار نہیں کرتے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس توجیہ کے مطابق تقدمِ زمانی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ خوب سمجھ لو وَاللہُ سُبْحَانَہُ الْمُلْہِمُ بِالصَّوَابِ۔ بہر حال گسستن اور پیوستن کا مظہر بننا چاہیئے۔ کیونکہ مرتبۂ ولایت ان دو مرتبوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور ان دونوں کے حصول کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے کی بات ہے۔ پہلا مرتبہ سیر الی اللہ کے ساتھ مربوط ہے، اور مرتبہ ثانی سیر فی اللہ سے۔ اور ان دونوں کے جمع ہونے سے بندہ مرتبہ ولایت اور کمال تک پہنچتا ہے۔ اپنے درجات کے مطابق۔ اور دوسری دو سیریں تکمیل حاصل کرنے اور درجۂ دعوت تک پہنچنے کے لئے ہیں۔

بانگِ دو کردم اگر دَردِہ کس است

[ترجمہ: میں نے دو دفعہ آواز کر دی ہے، گاؤں میں اگر کوئی ہو گا تو سُن لے گا۔]

تشریح

مقدمۂ مکتوب

گسستن اور پیوستن تصوف کی اصطلاحات میں سے دو اصطلاحیں ہیں۔ گُسستن سے مراد مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور دُنیا کا تَرک کرنا ہے جبکہ پیوستن سے مراد ہے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے وابستگی اور تعلق کا پیدا کرنا۔

کہنے کو تو یہ صرف دو الفاظ ہیں لیکن در حقیقت اپنے اندر مکمل مفہوم لئے ہوئے ہیں گویا یہ سلوک والوں کے دو مسلک ہیں جنہیں مشائخِ طریقت نے اپنی اپنی سمجھ اور لیاقت کے مطابق اختیار کیا ہے اور پھر اپنے مختار قول کے مطابق ہی اُنہوں نے اپنے مُریدین کی رہنمائی اور تربیت کی ہے۔ اس کی تفصیل آگے مکتوب کے متن اور تشریح میں آرہی ہے۔

تشریح

صوفیاء کبار کا اس معاملہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ رجوع الی اللہ رکھنے والا شخص پہلے مخلوقات سے تعلقات کا اختصار کرے اور دُنیاوی لذتوں اور آسائشوں سے منہ موڑ کر اپنے تعلقات کو خالق ومالک کے ساتھ استوار کرے یا پہلے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط رَبط وتعلق پیدا کرے اور بعد میں ترکِ دُنیا کو اختیار کرے۔

یہاں اس بات کی وضاحت انتہائی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ سلوک میں جہاں ترکِ دُنیا کا لفظ آتا ہے وہاں اس سے ہرگز یہ مطلب نہ لیا جائے کہ سالک دُنیا اور دُنیا والوں سے قطعًا منہ موڑ لیتا ہے اور ایسی گوشہ نشینی اختیار کرلیتا ہے جیسے رُہبانیت ہوتی ہے۔ کیونکہ اسلام میں تو رُہبانیت کا تصور ہی نہیں ہے۔ ایک مسلمان پر اپنے مولیٰ اور اپنے نفس کے حقوق کے ساتھ ساتھ والدین، بیوی بچوں، پڑوس اور مہمانوں وغیرہ کے حقوق بھی واجب ہیں اور سِرے سے گوشہ نشینی اختیار کرلینے سے ان حقوق سے عہدہ برآ ہونا ممکن ہی نہیں۔ پھر ان حقوق کو ترک کرنے والے صحیح سالک بننا کیسے ممکن ہوگا۔ تو اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تصوف وسلوک کی گوشہ نشینی (جیسے گُسَستن کہا گیا ہے اس) کا مفہوم یہ ہے کہ حِسی اور علمی تعلقات سے دِل کی وابستگی نہ رہے اور دِل میں دُنیا کی محبت کے ڈیرے نہ لگائے جائیں۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ گُسَستن اور پیوستن کا ماخذ کیا ہے اور ان کے مفہوم کی دلیل کون سی ہے تو اسے قرآن عظیم الشان کی اس آیت پر غور کرنا چاہیئے جس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرمایا ہے کہ:

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ إِلَیْهِ تَبْتِیلًا (المزمل ۸)

ترجمہ: اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹُوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں کہ گُسستن اور پیوستن میں سے کس کو مقدم اختیار کیا جائے۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ کرام نے پیوستن کو پہلے اختیار کیا ہے کیونکہ جب تک دِل کا تعلق اپنے مولیٰ کے ساتھ قوی اور مضبوط نہیں ہو گا اس وقت تک دُنیاوی تعلقات سے منہ موڑنا سالک کے لئے آسان نہیں ہو گا۔ بلکہ انتہائی مشکل حتیٰ کہ بعض لوگوں کے لئے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت کے غلبہ کے بغیر ترکِ خواہشات ناممکن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخِ نقشبندیہ طریقت میں داخل ہونے والوں کو استخارے کے بعد بیعت کرتے ہیں اور پہلے ریاضاتِ شاقہ کی شرط نہیں رکھتے۔ ایسے سالک طریقت میں قدم رکھنے کے بعد اگر ضروری احکاماتِ شرعیہ کا لحاظ رکھیں تو لحظہ بہ لحظہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نزدیک اور دُنیا سے دور ہوتے جاتے ہیں اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق وصل کو پالیتے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

اگر از جانبِ معشوق نباشد کششِ
کوششِ عاشق بیچارہ بجائے نرسد

ترجمہ: جب تک معشوق کی طرف سے کشش نہ ہو بے چارے عاشق کی کوشش بے سود ثابت ہوتی ہے، اور اسے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

اگر بالفرض انہیں پہلے ترکِ خواہشات اور گوشہ نشینی کی تعلیم دی جاتی تو شاید ہزاروں میں سے ایک یا دو ہی کامیاب ہو پاتے ورنہ اکثر نفس و شیطان کے دھوکے میں پڑ کر پیوستن سے محروم رہ جاتے۔ لیکن سلسلۂ نقشبندیہ کے برعکس دوسرے سلاسل کے مشائخ پہلے گُسستن کو اختیار کرتے ہیں

اور چلہ کشیوں اور مشکل عبادات سے نفس کی طاقت کو توڑنے کے قائل ہیں بعد ازاں پیوستن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ گسستن اور پیوستن ہر دو ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی ایک کو اختیار کرکے دوسرے کو ترک کر دیا جائے۔ یہ نکتہ بھی قابلِ فہم ہے کہ پیوستن یعنی وصل کے بھی دو درجے ہیں ایک وصل فی الجملہ اور دوسرا وصلِ تام۔ وصل فی الجملہ مبتدیوں کا حصہ ہے اور وصلِ تام منتھی عارف کا۔ اس لئے سالک کو چاہیئے کہ ابتدائی وصل پر ہی بھروسہ نہ کرلے بلکہ کوششِ بسیار کے ساتھ وصلِ تام کو پالے اور ابتدائی جذبہ کو سیڑھی کے پہلے درجہ کی حیثیت دیتے ہوئے جذبۂ انتہائی کی طرف پرواز کرے۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس جذبہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

جَذْبَةٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِي عَمَلَ الثَّقَلَيْنِ۔

ترجمہ: جذباتِ خداوندی میں سے ایک جذبہ کو پالینا تمام انس وجان کے نیک اعمال کے ثواب کے برابر ہے۔[1]

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز گسستن اور پیوستن کے متعلق صوفیائے کرام کا اختلاف بیان فرمارہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں گسستن اور پیوستن کی قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

---

[1](تفسير الرازي، ج ۴، ص ۱۳۴، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

گسستن اور پیوستن فارسی لغت میں صوفیاء کی دو اصطلاحیں ہیں۔ گسستن کا معنی توڑنا اور پیوستن کا معنی جوڑنا ہے یعنی دُنیا سے اپنے قلبی وحسّی تعلقات کو توڑ لینا گسستن کہلاتا ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا قلبی ربط جوڑ لینا پیوستن کہلاتا ہے۔

گسستن کو عروج، فنا، تجرید، انقطاع عن الخلق اور تبتّل جیسی اصطلاحات سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل ۸) میں اسی امر کا بیان ہے۔ اور پیوستن کو نزول، بقا اور وصل بھی کہا جاتا ہے۔

زبدۃ الفقراء حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی مجددی قدس سرہٗ العزیز خلیفہ ٔخاص آستانہ عالیہ آلومہار شریف نے گسستن اور پیوستن کو بزبانِ پنجابی یوں بیان فرمایا ہے:

فقیـــراں دا کیہہ بھـــاناں ایدھروں پٹنا اُودھر لاناں

گسستن اور پیوستن کے متعلق اختلافِ صوفیاء

دنیائے طریقت میں یہ امر طے شدہ ہے کہ صوفیائے کرام کا باہمی اختلاف بر بنائے حال ہوتا ہے۔ بنابریں زیرِ نظر مسئلہ میں بعض صوفیائے کرام نے گسستن (فنا) کو پیوستن (وصل) پر مقدم گردانا ہے اور بعض دیگر صوفیائے کرام کے نزدیک وصل، فنا سے مقدم ہے۔ بہر حال یہ دونوں امور ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ ان میں تقدمِ زمانی نہیں پایا جاتا۔ البتہ دونوں گروہوں کا اختلاف مبنی بر تقدم ذاتی ہے کہ آیا گسستن، پیوستن کی علت ہے یا پیوستن، گسستن کی علت ہے؟

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ گروہِ اوّل کی نظر بلند ہے کیونکہ انہوں نے قلیل کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھا اور اس توجیہہ کے مطابق تقدمِ زمانی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز یہ

طائفہ پیوستن فی الجملہ (پیوستن ناقص) کو مدارِ اعتبار قرار نہیں دیتا اور ان کی مراد پیوستن کامل ہے اس لحاظ سے پیوستن (وصل) کی دو قسمیں ہیں۔

پیوستن تام اور پیوستن فی الجملہ

پیوستن فی الجملہ گسستن سے قبل ہوتی ہے اور پیوستن تام بعد از گسستن ہوتی ہے۔ جیسا کہ طلوعِ آفتاب سے قبل صبح صادق کا اجالا بمنزلہ پیوستن فی الجملہ ہوتا ہے جو کہ رفع ظلمات کی علت ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے رفع ظلمات مقدم ہے مگر طلوع آفتاب بمنزلہ پیوستن کامل ہے جو بعد از رفع ظلمات ہوتا ہے۔ ایسے ہی عارف کا قبل از گسستن، پیوستن فی الجملہ ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

اگر از جانبِ معشوق نباشد کششے
کوششِ عاشق بیچارہ بجائے نرسد

اور عارف کو پیوستن کامل، بعد از گسستن کامل ہوتا ہے اور اگر پیوستن فی الجملہ نہ ہو تو عارف کو گسستن کی نعمتِ عظمیٰ میسر نہیں ہوسکتی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز گسستن اور پیوستن کی تحصیل کی رغبت دلارہے ہیں۔ یعنی سالک کو چاہیئے کہ مراتبِ فناوبقا کو حاصل کرے۔ ان کے تقدم و تأخر کے اعتراضات و سوالات میں مشغول نہ ہو۔ اسی ضمن میں تحلیہ بفضائل اور تخلیۂ رذائل کا مقدم و مؤخر ہونا آجاتا ہے۔ اس بارے میں مشائخِ طریقت کے طریقے جدا جدا ہیں۔ طریقتِ نقشبندیہ میں چونکہ تقدم جذبہ ہے اور ایک جذبہ ثقلین کی نفلی عبادات کے مساوی ہے۔

جیسا کہ امام الطریقہ غوث الخلیقہ حضرت شاہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ الساری کا ارشاد گرامی ہے:

جَذْبَةٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِي عَمَلَ الثَّقَلَيْنِ۔ [1]

اس لئے عالمِ وجوب کے انوار و تجلیات وانعکاسات کا وصول تخلیہ رذائل سے پہلے ہوتا ہے۔بنا بریں تحلیہ بفضائل، تخلیہٗ رذائل سے مقدم ہے اور ان عالمِ وجوب کی تجلیات وانعکاسات کے ایصال کا سبب شیخِ کامل کی توجہاتِ قدسیہ ہوتی ہیں۔ جبکہ دیگر سلاسلِ طریقت میں چونکہ معاملہ ریاضات ومجاہدات کے ساتھ مربوط ہے لہٰذا ان کے نزدیک تخلیہٗ رذائل، تحلیہ بفضائل سے مقدم ہوتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۶۰۹ تا ۶۱۲)

[1] (تفسير الرازي، ج۴، ص ۱۳۴، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

مکتوب نمبر ۱۴۸

[مُلّا صادق کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سیر ابی کا اظہار کرنے والا خالی ہوتا ہے، اور مشائخ کرام کی روحانیات اور ان کی امداد سے مغرور نہ ہوں۔ کیونکہ مشائخ کی صورتیں در حقیقت شیخِ مقتدا کے لطائف ہیں۔

آپ کے دو مکتوب پے در پے موصول ہوئے۔ اوّل میں حصول اور سیری کا اظہار تھا۔ اور دوسرا تشنگی اور بے حاصلگی کی خبر دے رہا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ کہ اعتبار آخری بات کا ہوتا ہے۔ سیر ابی کا اظہار کرنے والا خالی ہوتا ہے، اور جو شخص اپنے آپ کو بے حاصل اور خالی تصور کرتا ہے وہ واصل ہوتا ہے۔

تمہیں بار بار کہا گیا ہے کہ مشائخ کی روحانیات اور ان کی امداد پر مغرور نہ ہو۔ کیونکہ مشائخ کی وہ صورتیں فی الحقیقت شیخِ مقتدا کے لطائف ہیں۔ جو مشائخ کی صورتوں میں نمودار ہوئے ہیں۔ قبلۂ توجہ کا ایک ہونا شرط ہے۔ توجہ کو پراگندہ کرنا عیاذاً باللہ سبحانہٗ خسارے اور نقصان کا موجب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تمہیں بار بار اور تاکید سے کہا گیا ہے کہ کام کاج کے سلسلے کو مختصر کریں۔ تاکہ مقصودِ اصلی جلد انجام کو پہنچے۔ ضروری کام چھوڑ کر بے فائدہ کام میں مصروف ہونا عقلِ دُور اندیش کے نزدیک بہت نامناسب بات ہے لیکن آپ تو اپنی رائے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ دوسرے کی بات تم پر کم اثر کرتی ہے۔ اس روش کے نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہیں۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (المائدۃ ۹۹)

ترجمہ: رسول پر نہیں مگر حکم پہونچانا۔]

تشریح

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک انسان اپنی زندگی اعمالِ صالحہ کی ادائیگی میں گزار رہا ہوتا ہے، لیکن پھر تقدیراتِ الٰہی کے غالب آنے پر وہ شیطانی اعمال کرنے لگتا ہے اور نیک اعمال اس سے چھوٹ جاتے ہیں اور پھر وہ اپنی بد عملیوں کے دوران ہی دُنیا سے رُخصت ہو جاتا ہے اور کتنی ہی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک بدکار انسان اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نافرمانیوں کا مرتکب ہوتا رہتا ہے لیکن زندگی کے آخری درجے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل اُس کے شاملِ حال ہو جاتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خوف کا غلبہ اُس کو تمام بُرے اعمال سے توبہ کرلینے پر مجبور کر دیتا ہے پھر وہی بدکار انسان نیکوکار بن جاتا ہے، اور سلامتیٔ ایمان کے ساتھ داعیٔ اجل کو لبیک کہتا ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی یوں ہی بیان کیا گیا ہے پس چاہیئے کہ انسان اپنے نیک اعمال اور سالک اپنی اچھی کیفیات پر مغرور نہ ہو۔ نامعلوم کہ کل کیا ہو جائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔

ترجمہ: بے شک اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہوتا ہے۔ [1]

اگر خاتمہ ایمان پر ہوا تو نیک اعمال ضرور کام آئیں گے لیکن اگر خدانخواستہ خاتمہ ایمان کے ساتھ نہ ہوا تو نیک اعمال اور اچھی کیفیات اور کشف وشہود اور مغرور کر دینے والی خوابیں کس کام آئیں گی؟

---

[1] (صحیح البخاری، ج۲۰، ص۲۷۴، المکتبۃالفاروقیۃ)

ایک سالک جب شریعت کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور اعمالِ صالحہ کی بجا آوری میں کوشاں رہتا ہے تو شیطان کو اس کا شرع کے تابع ہو جانا ناگوار گزرتا ہے اور اس کی ہر دم یہ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کو شریعت کے راستہ سے بھٹکایا جائے۔ اب شیطان خوب بن سنور کر اُسے دھوکہ دینے میں لگ جاتا ہے اور اس کام میں وہ انسان کے نفس کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش میں رہتا ہے۔ شیطان کی حرکات اس قدر پوشیدہ ہوتی ہیں کہ انسان کو ان کو سمجھنا انتہائی مشکل ہوتا ہے، پھر اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہو تو انسان آخرکار شیطان کی باتوں میں آہی جاتا ہے اور اپنے حُسنِ اعمال پر مغرور ہو جاتا ہے، اس غرور کو ''عُجب'' کہا جاتا ہے۔ یہ عُجب ایک نیکوکار انسان کے اعمال میں بھی پایا جاسکتا ہے اور ایک صوفی کی باطنی کیفیات کے بارے میں بھی واقع ہو سکتا ہے۔

یہ عُجب ہی ہے کہ جب ایک سالک محض ابتدائی کیفیات کو ہی سلوک کے مقامات کی انتہاء سمجھ لے اور پیش آنے والی کیفیات پر عُجب میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو کامل سمجھنے لگے۔ پھر وہ اس مغالطے میں پڑ جائے کہ اب مجھے اپنے شیخ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

صوفیاء کرام نے فرمایا ہے:

مَرَاتِبُ الْعِشْقِ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدُ الْاَبَدِیْنَ

ترجمہ: مراتبِ عشق کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتے۔

تو جب مراتبِ عروج اور درجاتِ عشق بے انتہاء ہوئے تو پھر ابتداء میں ہی سیر ہو جانے کا خیال اور دامنِ قلب وروح کے بھر جانے کی خوش فہمی کی کیا حیثیت ہو گی۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ دو چیزوں میں نجات ہے اور دو چیزوں میں ہلاکت ہے۔ پہلی دو چیزیں تقویٰ اور حُسنِ نیت ہیں اور دوسری دو چیزیں مایوسی اور خود پسندی ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ تم سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی تھا جو ستر برس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت میں لگا رہا، ہفتہ سے ہفتہ تک افطار کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے کسی ضرورت کا سوال کیا جو پورا نہ ہوا۔ وہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا "اگر تجھ میں کوئی خیر ہوتی تو تیری ضرورت پوری ہو جاتی، بس یہ سب تیری نحوست ہے" اسی وقت ایک فرشتہ آکر کہنے لگا "اے انسان تیری وہ گھڑی جس میں تو نے اپنے نفس کو حقیر جانا ہے، تیری تمام عمر کی عبادت سے بہتر ہے"۔

پس اپنی نیکیوں پر مغرور ہو کر عُجب و تکبر کا شکار ہو جانا اور اپنے آپ کو کامل سمجھ لینا نہ شریعت کے لحاظ سے درست ہے اور نہ ہی طریقت اس بات کی اجازت دیتی ہے۔ سالک کو ہر آن هَلْ مِنْ مَزِيْد کہتے ہوئے آگے بڑھتے رہنا چاہیئے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتَّى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ۔

ترجمہ: مؤمن کبھی بھی نیک باتیں سُننے (اور احسن اعمال کے کرنے) سے سَیر نہیں ہوتا حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جائے۔[1]

یعنی مرتے دم تک وہ آگے بڑھتے رہنے سے نہ تو تھکتا ہے اور نہ یہ کہتا ہے کہ اب میں سَیر ہو چکا ہوں۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص ۵۰، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر)

اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جس دوسری اہم بات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بہت باریک معرفت ہے اور جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض سالک دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ وہ معاملہ یوں ہے کہ ''سالک کبھی خواب میں اور کبھی کشف و شہود میں دیگر بزرگانِ دین کی ملاقات سے مشرف ہو جاتا ہے، نیز کبھی دیکھتا ہے کہ پہلے گزرے ہوئے مشائخ کرام میں سے کسی بزرگ نے کسی معاملے میں اس کی مدد کی ہے، اس بات سے وہ مغرور ہو جاتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں جو اس درجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مشائخ کرام کی روحانیات میری ملاقات کے لئے آتی ہیں اور میرے ساتھ روحانی امداد کرتی ہیں'' بس یہ سوچ ہی سالک کے کام کو خراب کرنے کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔

حضرت ابی جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

یَا عَجَبًا کُلَّ الْعَجَبِ لِلْمُصَدِّقِ بِدَارِ الْخُلُودِ وَهُوَ یَسْعَى لِدَارِ الْغُرُورِ۔

ترجمہ: اس شخص پر تعجب ہے جو دائمی گھر (آخرت) کی تصدیق کرکے بھی دھوکے والے گھر (دُنیا) کے لئے عمل کرتا ہے۔[1]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ هَمُّهُ الآخِرَةَ، جَمَعَ اللّٰهُ شَمْلَهُ، وَ جَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَ أَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ الدُّنْيَا، فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ضَيْعَتَهُ، وَ جَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلاَّ مَا كُتِبَ لَهُ۔

[1](مسند الشهاب القضاعی، ج ۱، ص ۳۴۷، الناشر: مؤسسة الرسالة - بيروت)

ترجمہ: جو شخص آخرت کے لئے نیت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیوں کو دور فرمادیتے ہیں، اس کے دل کو غنا سے بھر دیتے ہیں اور دُنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جو شخص دُنیا کی نیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیاں بڑھادیتے ہیں اس کا فقر اُس کی نگاہوں کے سامنے کر دیتے ہیں اور دُنیا اس کو اتنی ہی ملتی ہے جو اس کے لئے لکھ دی گئی ہے۔[1]

(دارالمعــــرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ جو سالک واصل باللہ اور کامل ہونے کے دعوے کرتے ہیں انہیں صاحبِ ریّ کہا جاتا ہے جو ان کے قصور استعداد و کم ظرف ہونے اور ظلال پر قانع ہونے کی علامت ہے جو کہ دلیلِ محرومی اور باعثِ ہلاکت ہے۔

بقول شاعر:

دریں وُرطــہ کشتی فروشد ہزار

کہ پیــدا نشد تختــۂ بر کنــار

حالانکہ مراتبِ عشق ابد الاباد تک منقطع نہیں ہوتے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے: مَرَاتِبُ الْعِشْقِ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدُ الْاَبَدِيْنَ جبکہ دنیائے طریقت میں وہی سالک کامیاب ہوتا ہے جو سراپائے عجز وانکسار اور مجسمہ ٔادب و نیاز ہو اور استقامت کے ساتھ راہِ طریقت پر گامزن رہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات والزاکیات: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔[2] سے عیاں ہے۔ مزید بر آں رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا کا نعرۂ مستانہ لگاتے ہوئے هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ کا طلبگار رہے۔ یہی بندۂ مؤمن کی علامت

---

[1](مسند احمد، ج ۷، ص ۲۳۶، الناشر: عالم الکتب -بیروت)

[2](صحیح البخاری، ج ۲۰، ص ۲۷۴، المکتبة الفاروقية)

ہے کہ وہ امورِ خیر سے کبھی بھی سیر اب نہیں ہو تا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبها الصلوات والتسلیمات: لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ يَسْمَعُهُ حَتَّى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّة۔[1] سے واضح ہے۔

بینه

واضح رہے کہ یہ اشکال ہر گز پیدا نہیں ہونا چاہیئے کہ کوئی سالک واصل باللہ اور کامل ہو اہی نہیں بلکہ یہ اس سالک کی بات ہے جو اس وہم میں مبتلا ہو جائے کہ وہ حق تعالیٰ کا مقرب اور کامل ہو گیا ہے اور وہ وصول و حصول کا دعویدار ہو جائے جو کہ بے حصولی اور بے وصولی کی علامت ہے۔ نیز یہ اس سالک کے متوسط ہونے کا غماز ہے جس نے ظلال کو اصل سمجھ لیا ہے، جو منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی رسائی کے دعوے شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی پہنچا نہیں ہو تا، پیچھے ہی ہو تا ہے جبکہ بلند استعداد منتہی عارف کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہو تا ہے کیونکہ اس کی سیر اجمالی ہوتی ہے اور مراتبِ عشق کے عدم انقطاع کا قول سیر تفصیلی کے اعتبار سے ہے۔وَ اللہُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سالکینِ راہِ طریقت کو ایک اہم نصیحت فرمارہے ہیں کہ جب کوئی سالک کسی شیخ کامل و مکمل کے زیرِ تربیت راہِ سلوک طے کر تا ہے تو دورانِ سلوک اسے مختلف کیفیات وواردات ومکاشفات میسر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات مراقبے یا خواب میں اسے دیگر سلاسلِ طریقت کے مشائخ فیوض وبرکات سے نوازتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کی توجہ اپنے شیخ کی طرف سے ہٹ جانے اور دیگر مشائخ کی طرف مشغول ہو جانے کا خدشہ ہو تا ہے۔ حالانکہ یہ ساری عنایات ونوازشات وفیوضات اسے اپنے شیخ کی بدولت ہی حاصل ہوئی ہیں۔ بنابریں اسے بھٹک جانے

---

[1](مشكوٰةالمصابيح،ج ۱ ،ص۷۷،الناشر:المكتب الإسلامي -بيروت)

اور اپنی منزل کے گم کر دینے کا امکان ہو تا ہے۔اس لئے یک در گیر محکم گیر کے مصداق اپنی تمام تر توجہات کا قبلہ اپنے شیخ کو ہی رکھنا چاہیئے۔

عارف کھڑی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

دلبر دے دروازے اُتے محکم لائیے جھوکاں

نویں نویں ناں یار بنائیے وانگ کمینیاں لوکاں

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ اپنے شیخِ طریقت کے لطائفِ خمسہ کا مختلف مشائخ واشخاص کی صورت میں متمثل ہونا سالک کے امتحان کے لئے ہو تا ہے اور شیخ کا لطیفۂ قلب۔۔۔کسی آدمی المشرب شیخ کی صورت میں، لطیفۂ روح۔۔۔کسی نوحی المشرب اور ابراہیمی المشرب شیخ کی صورت میں، لطیفۂ سِر۔۔۔کسی موسوی المشرب شیخ کی صورت میں، لطیفۂ خفی۔۔۔کسی عیسوی المشرب شیخ کی صورت میں اور لطیفۂ اخفٰی۔۔۔کسی محمدی المشرب شیخ کی صورت میں متشکل ہو کر فیض دیتا ہے،بس فیض اپنے شیخ کا ہی ہو تا ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر مستحضر رہے کہ اہل اللہ کے لطائف وارواح کا مختلف اشخاص کی شکلوں وصورتوں میں متشکل و متمثل ہونا ایک حقیقت ثابتہ ہے، جو اربابِ کشف و شہود اور اصحاب وجد و قلوب سے پوشیدہ نہیں،اور یہ از قبیلِ کرامت وخرق عادت ہے جو در حقیقت حق تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہے۔

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارواحِ شہداء کے تصرفات وکرامات کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

ان اللّٰہ تعالی یعطی لارواحھم قوۃ الأجساد فیذھبون من الأرض والسماء والجنۃ حیث یشاؤن وینصرون أولیاءھم ویدمرون أعداءھم ان شاء اللّٰہ تعالی۔

یعنی اللہ تعالیٰ ارواحِ شہداء کو جسمانی قوت عطا فرماتا ہے پس وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہے تو اپنے احباب کی مدد کرتے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔[1]

ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

قالت الصوفیۃ العلیۃ أرواحنا أجسادنا وأجسادنا أرواحنا - وقد تواتر عن کثیر من الأولیاء انھم ینصرون أولیاءھم ویدمرون أعداءھم ویھدون إلی اللّٰہ تعالی من یشاء اللّٰہ تعالی۔

یعنی صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہماری روحیں ہی ہمارے جسم ہیں اور ہمارے جسم ہی ہماری روحیں ہیں۔ اور کثیر اولیاء سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ (بعد از وصال) اپنے دوستوں کی مدد کرتے اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ چاہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔[2]

(البینات شرح مکتوبات، ج٣، ص ٢١٥تا٢١٩)

[1] (التفسیر المظھری، ج ١، ص ١٥٢، ناشر: مکتبۃ رشدیہ)

[2] (التفسیر المظھری، ج ١، ص ١٥٢، ناشر: مکتبۃ رشدیہ)

مکتوب نمبر ۱۴۹

[یہ مکتوب بھی مُلّا صادق کابلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اگرچہ مُسبب الاسباب ربّ تعالیٰ نے اشیاء کو اسباب پر مرتب فرمایا ہے۔ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ نظر کسی معین سبب پر ہی لگالی جائے۔

اخوی مولانا محمد صادق عجب آدمی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اسباب کے سہارے پر ڈال رکھا ہے۔ اگرچہ مسبب الاسباب ربّ تعالیٰ وتقدس نے اشیاء کو اسباب پر مرتب فرمایا ہے، لیکن اس کی کیا ضرورت کہ نظر معینِ سبب پر ہی جمالی جائے۔

گر درے بستہ شد آید دلِ دگری بکشایند

ترجمہ: اے دل اگر ایک دروازہ بند ہو گیا تو دوسرے کو کھول دیں گے۔

اس قسم کی کوتاہ نظری اہل اللہ کے ساتھ بہت ہی بے تعلقی ظاہر کرتی ہے۔ آپ جیسے لوگوں سے ایسا ہونا بہت ہی بُرا ہے۔ ایک گھڑی کے لئے اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیئے اور اس طور طریقے کی بُرائی کا تصور کرنا چاہیئے۔ فقراء کے لباس میں ہو کر اپنا سب کچھ کمینی اور خدا تعالیٰ کی دُشمن دُنیا جمع کرنے میں لگا دینا بہت ہی بُرا ہے۔ نہایت تعجب ہے کہ بُرائی آپ کی نظر میں کس قدر اچھی اور خوش نما معلوم ہوتی ہے۔ دُنیوی ضروریات کے حاصل کرنے میں بقدرِ ضرورت ہی کوشش کرنی چاہیئے۔ اپنی ساری ہمت اسی میں صَرف کر دینا اور عمرِ عزیز کو اسی کے لئے گزارنا محض حماقت ہے۔ فرصت بڑی غنیمت ہے۔ ہزار افسوس اگر کوئی شخص اس کو بے فائدہ کاموں میں صَرف کر دے، بتانا شرط ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (المائدۃ ۹۹)

ترجمہ: رسول پر نہیں مگر حکم پہونچانا۔

لوگوں کی باتوں سے دل تنگ نہ ہوں۔ جو باتیں آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اگر آپ میں نہیں تو غم کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کتنی اچھی بات ہے کہ لوگ ایک شخص کو بُرا خیال کریں اور وہ فی الحقیقت نیک ہو۔ہاں اگر اس کا اُلٹ ہو تو وہ خطرے کا مقام ہے۔وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مُسبب الاسباب ہے اور اُس نے دُنیا کے نظام کو اسباب کے تحت رکھا ہے۔ہر چند انسان کو اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے رزق تلاش کرنا پڑتا ہے اور کسب کے لئے بھی تگ ودو کرنا پڑتی ہے۔ لیکن محض اسباب پر ساری توجہ مرکوز کر دینا اور مُسبب الاسباب کو بھول جانا عقل مندی نہیں ہے۔ اُن لوگوں کو بھی ذرا دیکھ لیں جنہیں تلاشِ بسیار کے باوجود بھی روزگار نہیں ملتا تاہم ان کے گھروں میں بھی چولہے کبھی نہیں بجھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا خالق ہی دراصل اس کا رازق بھی ہے۔

قرآن عظیم الشان صاف صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا (ھود ٦)

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا۔

ترجمہ: اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر توکل (بھروسہ) کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اس طرح رزق ملے گا جیسا کہ پرندوں کو ملتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو آسودہ واپس آتے ہیں۔[1]

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ قوانینِ الٰہیہ نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی ہے کہ انسان اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر ہی بھروسہ کر کے بیٹھ جائے اور کام کاج کو چھوڑ دے۔ رزقِ حلال کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنے والے اور محنت کش کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے "اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا دوست" فرمایا ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر توکل کرنے والا کون ایسا ہو گا جو توکل میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بڑھا ہوا ہو لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بھی طلبِ معاش میں بکریاں چرائیں اور تجارت فرمائی ہے۔ پس اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ اور اسباب کو اختیار کرنا لازم و ملزوم ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

گر توکل مے کئی زانوے اشتر بہ بند

ترجمہ: اگر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر توکل کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے اونٹ کی ٹانگ کو رسّی سے باندھ لو۔

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے مُرید اور خلیفہ حضرت مُلا صادق کابلی کی طرف یہ مکتوب روانہ فرمایا ہے اور انہیں یہ تعلیم دی ہے کہ اپنی ساری زندگی دُنیا کمانے میں ہی صَرف نہ کریں کہ اس میں اندیشۂ زوال ہے بلکہ شرعی اُمور کا بھی ہر دَم لحاظ رکھنا لازم و ضروری ہے۔ کیونکہ انسان کو دُنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان دولتِ

[1] (سنن الترمذی، ج ۴، ص ۵۷۳، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر)

دُنیا اکٹھی کرنے میں زندگی گزار دے اور دُنیا سمیٹنے میں دُنیا پیدا کرنے والے کا کوئی خیال نہ رکھا جائے۔ توکل یہ بھی ہے کہ اگر ایک دَر بند ہو جائے تو انسان پریشان نہ ہو بلکہ یہ یقین رکھے کہ جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے نیست سے عالمِ ہست میں لایا ہے وہ سو دَر اور کھول دے گا۔

پھر یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیئے کہ دولتِ دُنیا کا حصول بذاتِ خود بُرا نہیں ہے بلکہ حرام وناجائز طریقے سے دُنیا اکٹھا کرنا بُرا ہے۔ اگر جائز اور اَحسن طریقے سے مال اکٹھا ہو جائے اُس میں کوئی خرابی نہیں۔ کھانا کھانے کو ہی لے لیں کہ یہ ہر ذی روح کی ضرورت ہے۔ اگر کھانا کھانے میں شرعی اُمور کا لحاظ رکھا جائے تو یہ عین اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت کے لوازمات میں سے ہو جاتا ہے اور اگر کھانے میں ضروری چیزوں کو مدِ نظر نہ رکھا جائے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے گا۔ مثلاً:

۱۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو رازقِ مطلق جاننا: اگر کوئی یہ تصور کرلے کہ میں رزق محض اپنے زورِ بازو سے کما کر لاتا ہوں اور کما کر نہ کھاؤں گا تو مر جاؤں گا تو یہ عقیدہ کھانا کھانے کے فعل کو حرام کر دیتا ہے۔

۲۔ اگر گوشت پکا ہوا ہے تو یہ معلوم ہونا کہ یہ حلال جانور کا ہے یا کسی مُردار چیز کا۔ سالک کو یقینی طور پر معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر کسی حرام چیز کے لقمے اس کے پیٹ میں داخل ہوگئے تو نہ اس کی نمازیں قبول ہوں گی نہ روزے اور نہ ہی ذکر واذکار۔ ایسے سالک کو تصوف کی چاشنی کا ادراک ہی نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا کشف کھلتا ہے، نہ اس کی خوابیں دُرست ہوتی ہیں اور نہ ہی اس کا استخارہ صحیح ہوتا ہے۔

۳۔ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ گوشت والے جانور کا ذبح کرنے والا مسلمان تھا یا غیر مسلم۔ اگر ذبح کرنے والا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وحدانیت اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رسالت پر یقین نہ رکھتا ہو تو اس کا ذبیحہ حرام ہے اور ایسے گوشت کو کھانا بھی حرام ہے۔

۴۔ کھانے میں موجود چیزوں کا حلال مال سے ہونا: اگر چوری، رشوت، سُود اور دھوکے وغصب سے مال کمایا گیا تو اس مال سے کھانا پینا بھی اُس مال کی طرح حرام ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا اُمور کھانے کے فرائض میں شامل ہیں اور کچھ اُمور ایسے ہیں جو واجب کا درجہ رکھتے ہیں، مثلاً:

۱۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نعمتیں کھا کر اُن پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا، اور شکر ادا کرنے کا سب سے بہترین طریقہ احکامِ الٰہی کا بجالانا ہے، یہ نہ ہو کہ زبان سے تو شُکر شُکر کہتا رہے اور اعمال میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا رہے۔ ایسا شُکر قابلِ قبول نہیں ہوتا۔

۲۔ ہمسائے کے حقوق کا لحاظ رکھنا: اگر خود پیٹ بھر کر کھالے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس پر سخت تنبیہ فرمائی ہے۔ نیز کھانا کھانے کی سُنتوں کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، مثلاً کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا، زمین پر بیٹھ کر کھانا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا، اکٹھے بیٹھ کر کھانا، اپنے سامنے سے کھانا اور کھانا کھانے کے بعد دوبارہ ہاتھ دھونا وغیرہ یہ افعال مسنون ہیں۔

اس ساری بحث کا لُب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ چند روزہ زندگی کو دُنیا کی آلائشوں میں ہی نہ گزار دے اور نہ ہی حصولِ دُنیا کو زندگی کا مقصد بنالے۔ بلکہ اُخروی زندگی کے لئے محنت کرے۔ اگر دُنیاوی اعمال کو بھی شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ادا کرے گا تو

وہ بھی کارِ ثواب بنیں گے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ حقیقت کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یا رب العالمین!

(دارالمعرفت،ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ سالک کو ہر وقت فکرِ معاش کے لئے ذرائع معاش اور اسبابِ معاش پر ہی نظر نہیں رکھنی چاہیئے۔بلکہ مسبّب الاسباب(حق تعالیٰ) بھی ملحوظِ خاطر رہنا چاہیئے، کیونکہ جہاں اس نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت اس عالمِ اسباب کو اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے وہاں بعض اوقات وہ اپنے قانون کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بغیر اسباب کے بھی اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰسٓ ۸۲) سے عیاں ہے۔

اس لئے کہ اگر کوئی ذریعہ ٔمعاش مسدود ہو جائے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے کوئی اور دروازہ کھول دیتا ہے کیونکہ رزق رسانی کو اس نے اپنے ذمہ ٔکرم پر لے رکھا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ:وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (ھود ٦) اس پر شاہد وعادل ہے۔

بقول شاعر:

خدا ار بحکمت ببندد درے
کشاید بفضل وکرم دیگرے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ان دنیادار اور دوکاندار پیروں کی مذمت بیان فرمارہے ہیں جن کا کام ہمہ وقت لباسِ خضر میں لوگوں سے نذرانے بٹورنا اور مال ودولت اکٹھا کرنا ہوتا ہے، حالانکہ

پیری فقیری عیش وآرام کرنے اور اعلیٰ نعمتیں کھانے کا نام نہیں بلکہ ہر وقت امتِ مسلمہ کے غم میں رونے اور ان کی اصلاح احوال میں شب وروز جد وجہد کرنے کا نام ہے۔ جو حضرات ان امور کو اخلاص وللّٰہیت سے سرشار ہو کر انجام دیتے ہیں حقیقت میں وہی مشائخ طریقت اور علمائے شریعت، وارثانِ کتاب اللہ اور نائبانِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی نصیحت فرمارہے ہیں کہ سالکینِ طریقت کو لوگوں کی ملامت ومذمت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ لوگوں کی دشنام طرازی اور بہتان تراشی بربنائے حسد یا معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہوتی ہے، جو دلیلِ عظمت اور بلندئ درجات کا مؤجب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

نیک باشی وبدت گوید خلقت　　به کہ بد باشی ونیکت بینند

کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

تندئ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لئے

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۶۲۳ تا۶۲۶)

مکتوب نمبر ۱۵۰

[اس بیان میں کہ مطلوب و مقصود قرار دینے کے لائق صرف واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی ذات ہے۔

خواجہ قاسم کی طرف صادر فرمایا:

برادرم خواجہ محمد قاسم کا التفات نامہ موصول ہو کر مؤجبِ فرحت ہوا۔ دُنیوی حالات کی پراگندگی اور ظاہری احوال کے انتشار سے دل تنگ نہ ہوں۔ وہ اس لائق نہیں کہ انسان ان پر دل تنگ ہو، کیونکہ یہ جہان فنا کے مقام میں ہے۔ حق تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں اپنی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اس کے ضمن میں تنگی پیش آئے یا آسانی۔ مطلوبیت کے لائق صرف واجب الوجود جل شانہٗ کی ذات ہے۔ خاص کر آپ جیسے عزیز دوستوں کے لئے۔ اس کے باوجود اگر کسی طرح کی خدمت یا کام کے متعلق اشارہ فرمائیں گے تو بندہ اسے احسان جانتے ہوئے اس کی انجام دہی کی پوری کوشش کرے گا۔ والسلام۔]

تشریح

دُنیا میں آنے والا انسان اپنی ذات کے اعتبار سے تو اکیلا ہوتا ہے لیکن اس کے تعلقات اور رشتے متعدد ہوتے ہیں اور ان ہی تعلقات کی بنا پر انسان اپنی ضروریات کو بھی بڑھا لیتا ہے۔ جب وہ بلوغت سے گزر کر عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو دُنیاوی حالات سے مغلوب ہو کر اپنے اصلی اور حقیقی مقصد کو پسِ پُشت ڈال دیتا ہے۔ حالانکہ دُنیا میں اس کو بھیجنے کا مقصد سابقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بھی اور خود قرآن عظیم الشان نے بھی واضح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے، لیکن دُنیاوی حالات اور حالات کی پراگندگی انسان کو اپنے مطلب و مقصد سے دُور کر دیتی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے بیان کردہ معارف کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ دُنیاوی تعلقات، مادی آسائشات اور ظاہری و باطنی حالات کو اپنا مطلوب و مقصد قرار نہ دے (چاہے یہ حالات پراگندہ ہوں یا خوشنما) بلکہ مطلوب و مقصود قرار دینے کے لائق صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ نے سالک کے باطن کو دُنیاوی اثرات سے پاک کرنے کے لئے نفی اثبات کے ساتھ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللہ، لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللہ، لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللہ اور لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ کا تکرار کرنے کی تعلیم دی ہے، کہ ان کی برکات سے انسان کے جھوٹے مطلوب و مقصود کی نفی ہو کر ان کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے اصلی مقصود کے ساتھ تعلق میں زور اور قوت پیدا ہوتی ہے لیکن لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ کی تکرار بقیہ کے مقابلے میں کم ہونی چاہیئے ورنہ سالک پر وحدت الوجودی کیفیات رونما ہونے لگتی ہیں جن سے سالک کے گمراہ ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔

سالک کے معمولات میں یہ بات ہونا ضروری ہے کہ وہ دُنیاوی اور مادی تعلقات کو لمحہ بہ لمحہ کم کرتا جائے اور ذکر الٰہی کے ساتھ زیادہ مناسبت پیدا کرے۔ ظاہری مصروفیات میں سے ذکرِ کثیر کے لئے وقت نکالے اور دُنیاوی تعلقات سے اپنے قلب و رُوح کو مغلوب نہ ہونے دے۔ دُنیا میں رہتے ہوئے دُنیا سے باطنی کنارہ کشی اختیار کرنا مَردوں کا کام ہے جو ہے تو مشکل لیکن ناممکن نہیں۔ ہم دُنیاوی لذتوں اور شہوتوں کی خاطر آخرت کو تو قربان کر دیتے ہیں لیکن آخرت کے دائمی سکون وآرام کی خاطر دُنیا کا وقتی سکون قربان نہیں کر سکتے، اور یہی چیز انسان کے دُنیا پرست ہونے اور اسے اپنا مطلوب و مقصود قرار دینے کی علامت و نشانی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے خلفِ رشید حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ:

لَیْتَکَ تَحْلُوْا وَ الْحَیَاۃُ مُرِیْرَۃٌ وَ لَیْتَکَ تَرْضٰی وَ الْاَنَامُ غَضَابُ

ترجمہ: اے کاش کہ آپ (یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ) کی یاد میرے لئے میٹھی ہو جائے لیکن زندگی (بے شک) تلخ ہو اور کاش کہ آپ راضی ہو جائیں، مخلوق ناراض بھی ہو تو کوئی بات نہیں۔

اور ہم لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں دُنیا میں سکون وآرام ہو اور آخرت کی بالکل پرواہ نہیں کرتے اور دن رات اسی دُنیا کو جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں اور قرآن وحدیث میں جو احکامات بیان ہوئے ہیں اُن پر عمل کرنے میں ہم کمزور اور سُست ہوتے ہیں، لیکن دُنیا کو کمانے کے لئے چُست وچالاک۔ جب تک انسان دُنیا اور اس کی چیزوں کو کڑوا نہ سمجھے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد اور آخرت کو دائمی اور سکون کی جگہ نہ سمجھے وہ حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

(دارالمعـــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حق تعالیٰ کی خوشنودی اور رضاجوئی کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ در حقیقت جب کوئی سالک راہِ طریقت پر گامزن ہوتا ہے تو اسے گوناگوں قسم کے مصائب ومشکلات اور قلت وذلت وعلت وتہمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو اس کے لئے ظاہری اعتبار اور مالی لحاظ سے پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے وہ مال ودولت کے حصول کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے جو اس کے لئے باطنی انتشار اور روحانی پراگندگی کا مؤجب ہوتا ہے۔

بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

مکن عمر ضائع بہ تحصیل مال

کہ ہم نرخ گوہر نباشد سفال

مبادا دل آن فرومایہ شاد

کہ از بہرِ دنیا دہد دیں بباد

چونکہ دُنیا دکھوں اور غموں کا گھر ہے، اس لئے سالک کو پامردی اور جواں ہمتی کے ساتھ ان پریشانیوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توجہات کو دینی اُمور اور اخروی معاملات کی طرف متوجہ کر دینا چاہیئے اور ہر حال میں حق تعالیٰ کی رضا پیش نظر رکھنی چاہیئے، اور دنیوی رنج وآلام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آخرت کی فکر کرنا چاہیئے۔ بالآخر حق تعالیٰ آسانیاں پیدا فرمادیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: مَنْ جَعَلَ الْھُمُومَ ھَمًّا وَاحِدًا، ھَمَّ آخِرَتِهِ، كَفَاهُ اللّٰہ ھَمَّ دُنْيَاهُ۔[1] سے عیاں ہے۔

نیز سالک کا دنیوی مال واسباب اور اخروی تنعمّات کی بجائے حق تعالیٰ ہی مطلوب ہونا چاہیئے۔ اس مقام پر کلمۂ طیبہ کے تکرار کے دوران سالک پر لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰہ کی حقیقت عیاں ہوتی ہے، جو اسے ہر قسم کی دنیوی پریشانیوں اور مالی مشکلات سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ یہی درجۂ محبوبیتِ خاصہ ہے جس پر فائز المرام عارف کامل آلام کو آرام، دکھ کو سُکھ اور جراحت کو راحت سمجھتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاہُ

---

[1] (سنن ابن ماجه، ج ۱، ص ۹۲، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

اسی مفہوم کو عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ السرمدی نے یوں بیان فرمایا ہے:

لَیْتَکَ تَحْلُوْا وَ الْحَیَاۃُ مُرِیْرَۃٌ　　　　وَ لَیْتَکَ تَرْضٰی وَ الْاَنَامُ غَضَابُ

یعنی اے کاش کہ تو شیریں ہو اور زندگی تلخ ہو اور اے کاش کہ تو راضی ہو اور لوگ غضبناک ہوں۔

نیز وہ گردشِ دوراں اور مظالمِ دوستاں کے گلے شکوے کرنے کی بجائے یوں گویا ہوتا ہے:

تری بندہ پروری سے میرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ!

لیت الذی بینی و بینک عامر　　　　و الذی بینی و بین العالمین خراب
ذا صح الود منک یا غایت المنی　　　　فکل ما فوق التراب التراب

عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

دکھ سدا سکھ گاہ بہ گاہاں دکھاں توں سکھ وارے
دکھ قبول محمد بخشا راضی رہن پیارے!

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۶۲۹ تا ۶۳۱)

مکتوب نمبر ۱۵۱

[میر مؤمن بلخی کی طرف صادر فرمایا:

طریقۂ خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی فضیلت وبزرگی، اور "یادداشت" کے معنی کے بیان میں جو ان بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

از ہر چہ میرود سُخنِ دوست خوشتر است

ترجمہ: دوست کی بات جس طرف سے بھی کان میں پڑے بہت اچھی ہے۔

"یادداشت" حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ میں حضورِ بے غیبت سے عبارت ہے۔ یعنی شیونی اور اعتباراتی حجابات کے درمیان میں حائل ہوئے بغیر حضرت ذات تعالیٰ وتقدس کے دائمی حضور کو یادداشت کہتے ہیں۔ اور اگر کبھی حضور ہو اور کبھی غیبت یعنی کسی وقت حجابات پوری طرح اُٹھ جائیں اور کبھی درمیان میں حائل ہو جائیں جس طرح تجلی ذاتی برقی میں ہوتا ہے کہ بجلی کی طرح حضرت ذات عالیٰ وتقدس کے آگے سے ہٹ جاتے ہیں اور پھر جلد ہی وہ ذات پردۂ شیون واعتبارات میں روپوش ہو جاتی ہے۔ تو اس طرح کے وقتی اور عارضی حضور کا ان اکابر کے ہاں کوئی اعتبار نہیں۔]

تشریح

اس مکتوب کو سابقہ مکتوب کی لڑی سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دُنیاوی مال ومتاع کو مقصود کا درجہ نہیں دینا چاہیئے بلکہ واجب الوجود ہی مطلوب ومقصود قرار دینے کے لائق ہے۔

اگر سلوک میں داخل ہونے اور مشائخ میں سے کسی شیخ سے بیعت کرنے میں غرض یہ ہو کہ ہمارے آباؤاجداد کی رَسم پوری ہو جائے اور ہمیں بھی زمانہ پیروں، فقیروں کو ماننے والا سمجھے، نیز

مراتبِ سلوک کی نہ خواہش ہو اور نہ ہی فرائض وواجبات کی طرف دھیان ہو، سُنّنِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ترک ہو جائیں تو پرواہ ہی نہ ہو تو پھر ایسے سلوک کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن اگر شوق وذوق رکھنے والا ایک سالک کسی کامل شیخ سے وابستگی محض اس نیت سے اختیار کرے کہ اس کا ظاہر وباطن نفس وشیطان کی غلاظتوں سے پاک ومصفّٰی ہو جائے اور اس کے باطن پر پڑے ہوئے غفلت کے حجاب دور ہو جائیں تو پھر ایسے سالک پر کچھ پابندیاں ضرور لاگو ہوتی ہیں۔

ایک سالکِ حقیقی کو اپنے مطلوبِ حقیقی کے ساتھ قوی نسبت پیدا کرنے کے لئے اپنے دل سے محبتِ دُنیا کو دور کرنا بہت لازمی وضروری اَمر ہے، سُنّتِ مطہرہ کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے بھی ضروریاتِ دُنیا، گھر بار، بیوی بچوں اور روپے پیسوں کا ہونا ضروری ہے لیکن دِل میں ان کی محبت ولالچ کا ڈیرہ لگا لینا درست نہیں ہے۔ دِل کا رشتہ محض اُس ایک ذات سے ہونا چاہیئے جو صحیح معنوں میں انسان کے عشق ومحبت کی حقدار ہے۔ اگر اس راستے کو اپنایا جائے اور کامل اور کامل کرنے والے شیخ کی تعلیمات کے مطابق سلوک طے کیا جائے تو پھر سالک کو بتدریج دو درجے ملتے ہیں۔ ان میں سے پہلے درجہ کو ''یاد کرد'' اور دوسرے درجے کو ''یادداشت'' کہا جاتا ہے۔

''یاد کرد'' ابتدائی درجہ ہے اور اس درجے والے سالک کو کبھی تو احکامِ الٰہی کی بہت فکر ہوتی ہے اور کبھی وہ غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، بالفاظِ دیگر ایسا سالک جب ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے تو اس کے لطائف جاری ہو جاتے ہیں اور جب ذکر کی محافل سے اُٹھتا ہے تو کچھ دیر کے بعد ذکر کے اثرات بھی غائب ہو جاتے ہیں۔ ایسے سالک کے لئے لازمی وضروری ہوتا ہے کہ شیخ کی صحبت کو تَرک نہ کرے اور اُٹھتے بیٹھتے ذکر کرتا رہے تاکہ غفلت اس کی طرف راہ نہ پائے۔ سلوک کے مبتدی اور متوسط سالک کا یہی درجہ ہے جسے ''یاد کرد'' کہا جاتا ہے۔

اگر سالک لوازماتِ سلوک سے صحیح معنوں میں عہدہ بر آ ہوتا رہے اور احکامِ شریعت کی مخالفت نہ کرے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل ایسے سالک کو اس مقام پر لے جاتا ہے جہاں پر غفلت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ اس مقام اور درجے کو صوفیاء عظام ''یادداشت'' کا نام دیتے ہیں۔ یہاں پہنچنے پر سالک کے دِل سے محبتِ دُنیا اور مال و متاع کا شوق یوں اُٹھ جاتا ہے جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔ اسے شریعت پر عمل یوں نصیب کر دیا جاتا ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے الغرض ہر نشست وبرخاست میں سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا دھیان رہتا ہے۔ اس خوش نصیب کو ذکرِ الٰہی کے لئے رسمی بیٹھنے کی حاجت نہیں رہتی بلکہ اس کے لطائف ہمہ تن مصروفِ یادِ الٰہی رہتے ہیں اور ان پر کبھی غفلت طاری نہیں ہوتی۔ اس سالک کے حضور کو حضور دائمی کہا جاتا ہے اور اسے تجلی دائمی نصیب ہو جاتی ہے، وہ دُنیا میں رہتے ہوئے بھی محبتِ دُنیا سے دور ہو جاتا ہے اور دُنیاوی مال واسباب اس کے اور اس کے محبوبِ حقیقی کے درمیان آڑ نہیں بن سکتے۔

حضرت مولانا حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

سحر کرشمۂ وصلش بخواب میدیدم

زہے مراتبِ خوبی کہ بہ زبیداریست

ترجمہ: میں صبح کے وقت نیند وخواب میں وصلِ خدا کے کرشمے دیکھتا تھا اور مجھے (بیداری میں) بھی دیدار کے مراتب دیکھنے کو ملتے ہیں۔

حضرت عروۃ الوثقٰی خواجہ معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ حضورِ دائمی (یادداشت) بیداری کی بجائے نیند کی حالت میں زیادہ ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ معشوقان کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ جب وہ عاشق کو اپنی طرف متوجہ پاتے ہیں تو نقاب اوڑھ کر پَردہ کر

لیتے ہیں لیکن کسی وقت اگر عاشق کو اپنی طرف سے غافل پائیں تو اپنا چہرہ کھول دیتے ہیں اور پوری طرح اپنے عاشق کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

[پس بے غیبت حضور کا حاصل یہ ہے کہ تجلی برقی ذاتی جو حضرتِ ذات کے بے واسطہ شیون واعتبارات کے ظہور سے عبارت ہے۔ اور جو اس راہ کی نہایت میں جاکر میسر آتی ہے، اور فنائے اکمل کو اس مقام میں جاکر ثابت کرتے ہیں دائمی ہو جائے اور حجابات ہر گز رجوع نہ کریں۔ اور اگر حجابات پھر رجوع کر آئیں تو حضور، غیبت سے تبدیل ہو جائے گا۔ اور اسے ان خواجگان قدس سرہم کی اصطلاح میں یادداشت نہیں کہیں گے۔ تو ثابت ہو گیا کہ ان اکابر کا حضور اَتم اور اَکمل ہے اور فنا کی اکملیت اور بقا کی اَتمیّت مشہود کی اَتمیّت اور اَکملیّت کے اندازہ کے مطابق ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

ترجمہ: میرے باغ کی رعنائی سے میری بہار کا اندازہ کرلو۔]

تشریح

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات سمجھ لی جائے کہ اگر سالک کے لطائف پر تجلیات کا ظہور کچھ وقت کے لئے ہو تو ایسے ظہور کو دائمی حضور نہیں کہتے، بلکہ یہ وقتی ہوتا ہے، اس لئے اس طرح کے سالک کی نسبت ''یاد کرد'' کہلاتی ہے اور اس کی فناوبقا بھی اَکمل نہیں ہوتی لیکن جب فناوبقا اَکمل ہو جائے تو شیون واعتبارات کے پَردے بھی ہٹ جاتے ہیں اور تجلی برقی، تجلی دائمی میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس نسبت کو ''یاد داشت'' کہتے ہیں۔ یادداشت کی نسبت رکھنے والے سالک کی نیند اور بیداری دونوں برابر ہوتے ہیں یعنی جب وہ سوتا ہے تو اُس وقت محض اس کا ظاہر غافل ہوتا ہے البتہ اس کا باطن ہمہ تن متوجہ الی اللہ رہتا ہے۔

سالک کی اس دائمی کیفیت کا ثبوت وہ حدیث مبارکہ ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

تَنَامُ عَيْنِي وَ لَا يَنَامُ قَلْبِي۔

ترجمہ: میری آنکھیں (تو) سو جاتی ہیں لیکن میرا دِل نہیں سوتا (بلکہ نیند میں بھی بیدار رہتا ہے)۔[1]

(دارالمعــــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مشائخ نقشبندیہ کی معروف اصطلاح یادداشت کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ غالبًا یہ وہی مکتوب ہے جسے ملاحظہ فرما کر ماوراء النہر کے عظیم روحانی پیشوا حضرت شیخ میر مؤمن بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقص کناں اور آپ کی شان میں رطب اللسان ہوگئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یادداشت اور حجاباتِ شیونی اور حجاباتِ اعتباری کی قدرے تفصیلات وتعریفات بیان کردی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

یادداشت

یادداشت یہ ہے کہ عارف کے قلب پر استیلائے شہودِ حق بتوسط حُبِ ذاتی ہو جائے اور وہ ہر حال میں بسبیل ذوق ذات کے ساتھ محو اور متوجہ رہے۔ یہ مقام مرتبۂ حقیقت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس میں حجاباتِ شیونی اور حجاباتِ اعتباری مرتفع ہو جاتے ہیں جہاں پہنچ کر عارفین کو کمالِ توحید

[1] (صحیح البخاری، ج ۱۱، ص ۴۰۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

عیانی اور وصلِ عریانی کا مقام حاصل ہوتا ہے اور وہ تجلی ذاتی دائمی سے شادکام ہوتے ہیں۔ یہ وہی مقام ہے جس پر منتہی سالکین فائز المرام ہوتے ہیں جو فنائے اَتم اور بقائے اَکمل کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

یادداشت حاصل شود بعد از فنا

بلکہ حاصل می شود بعد از بقا

حجاباتِ شیونی اور حجاباتِ اعتباری

حجاب

ہر وہ چیز جو بندے کو حق تعالیٰ سبحانہٗ سے غافل اور دور کر دے حجاب کہلاتی ہے یعنی جملہ اشیاء اور جمیع خیالاتِ ماسویٰ حجابات ہیں۔

حجاباتِ شیونی: ظلالِ شیونات کو حجاباتِ شیونیہ کہا جاتا ہے۔

حجاباتِ اعتباریہ: ظلالِ اعتبارات کو اعتباری حجابات کہا جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ اکابرِ سلسلہ نقشبندیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک یادداشت کو نسبت حضور وآگاہی، حضور ذاتی دائمی، دوام حضور مع اللہ بلاغیبوبیت بھی کہا جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ ذہن نشین رہے کہ ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے مرتبے میں عارفین کو یادداشت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے اگر کوئی سالک یہ مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل محبت ومتابعت اختیار کرے اور سنت وشریعت کی پابندی کا خوب اہتمام کرے کیونکہ یہ مقام عزیز الوجود اور نادر ونایاب ہے۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی واضح رہے کہ یادداشت اور حالتِ نیند (جو سراسر غفلت ہے) کے درمیان اہلِ طریقت نے یوں تطبیق بیان فرمائی ہے کہ:

عامۃ الناس سراپا غفلت ہوتے ہیں کیونکہ ان کا باطن، ان کے ظاہر سے تفریق یافتہ نہیں ہوتا، اس لئے ان کی غفلت ظاہری، غفلتِ باطنی کا باعث ہوتی ہے، جبکہ کاملین کا باطن، ان کے ظاہر سے تفریق یافتہ اور گستہ (جدا) ہوتا ہے۔ بنابریں ان کی غفلت ظاہری ان کے باطن میں سرایت نہیں کرتی۔ عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض اوقات حضورِ خواب، حضورِ بیداری سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ محبوبوں اور معشوقوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جب عاشق ومحبّ کو اپنی طرف متوجہ دیکھتے ہیں تو کنارہ کشی کرتے ہیں اور جب عاشق کو غافل پاتے ہیں تو اپنے آپ کو نمایاں کرتے ہیں۔

بقول شاعر:

پری روتابِ مہجوری ندارد   چو دربندی ز کلکین سر برآرد

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۳۳ تا ۳۶)

مکتوب نمبر ۱۵۲

[سیادت وبزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت عین خدائے سبحانہٗ کی اطاعت ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہَ (النساء ۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت قرار دیا۔ تو عزوجلّ کی وہ اطاعت جو اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شکل میں نہیں اللہ سبحانہٗ کی اطاعت نہیں۔ اس مضمون کی تاکید و تحقیق کے لئے قَدْ تاکید یہ لایا گیا تاکہ کوئی نادان واحمق ان دو اطاعتوں کے درمیان فرق نہ کرے، اور ایک کو دوسری جگہ اختیار نہ کرے۔ دوسرے مقام پر حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس جماعت کی شکایت کرتا ہے جو اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت میں فرق کرتی ہے، چنانچہ فرمایا:

وَیُرِیدُونَ أَنْ یُفَرِّقُوا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَیُرِیدُونَ أَنْ یَتَّخِذُوا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیلًا (۱۵۰) أُولٰئِکَ هُمُ الْکَافِرُونَ حَقًّا (النساء ۱۵۱)

ترجمہ: اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کردیں اور کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ ایمان وکفر کے بیچ میں کوئی راہ نکال لیں، یہی ہیں ٹھیک ٹھیک کافر۔]

تشریح

مندرجہ بالا آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت الگ الگ چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت وپیروی عین اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت ہے، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جو جو احکامات نازل کئے ہیں ان کی اجمال وتفصیل ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ہی معلوم ہوئی ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی منشا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پیارے اعمال واقوال کے ذریعے ہی ظاہر وواضح ہوئی ہے، اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت وہی اطاعت ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کے مطابق ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ۔

ترجمہ: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔[1]

تاہم اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ کیونکہ اس طرح کہنا شرک ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ

[1] (صحیح البخاری، ج ۱۰، ص ۱۱۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

خالقِ دو جہان ہے اور مالکِ اصلی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مخلوق ہیں اور افضل المخلوق (انسانوں میں سے) بھی افضل ترین ہستی ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز آیت کریمہ کی روشنی میں اس مؤقف کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت ہی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت ہے اور ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہی کی جاتی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (النساء ۶۴) سے عیاں ہے۔ اور حق تعالیٰ سبحانہٗ اور رُسلِ عظام علیہم الصلوات کے درمیان تفریق کرنا کفر ہے، جیسا کہ آیات کریمہ: يُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ (النساء ۱۵۰) اور أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا (النساء ۱۵۱) سے واضح ہے۔

در حقیقت اطاعت نبوی اور سُنتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوات کفارۂ سیئات اور محبتِ خدا کا مؤجب ہے۔ اسی کی بدولت بندۂ مؤمن نزولِ رحمت اور دخولِ جنت کا حقدار بنتا ہے۔ اسی کی وساطت سے انسان کو ظاہری وباطنی برکات اور صوری ومعنوی کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ اطاعتِ نبوی کی بناء پر بندۂ مؤمن کو انبیاء واصدقاء اور شہداء وصلحاء کی معیت نصیب ہوتی ہے۔ اطاعتِ رسول ہی بندۂ مؤمن کے لئے حریمِ قدس تک رسائی کا واحد ذریعہ اور ابوابِ غیب کے وا ہونے کا وسیلہ ہے۔

جیسا کہ حضرت علامہ بیضاوی وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ، (النساء ۶۹) إلخ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

يصلون بسلوكه جناب القدس ويفتح عليهم أبواب الغيب، قال النبي صلّى الله عليه وسلّم: من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم۔

یعنی اطاعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی بدولت ہی علمائے راسخین اور عرفائے کاملین کو حریمِ قدس جل سلطانہٗ تک رسائی نصیب ہوتی ہے، اور ان پر غیب کے دروازے کھلتے ہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جب بندۂ مؤمن اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم ومعارف عطا فرماتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا۔[1]

عمدۃ المفسرین حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ بندۂ مؤمن کو اطاعتِ نبوی اور سنتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی بدولت چار نعمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم من حفظ سنتی أکرمہ اللہ بأربع خصال المحبۃ فی قلوب البررۃ والهیبۃ فی قلوب الفجرۃ والسعۃ فی الرزق والثقۃ بالدین۔[2]

۱۔ صالحین کے قلوب میں اس کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے۔

۲۔ فاسقین کے دِلوں میں اس کی ہیبت ڈال دی جاتی ہے۔

۳۔ اس کے رزق میں وسعت وبرکت پیدا کر دی جاتی ہے۔

۴۔ اسے دینِ متین کی فقاہت عطا کر دی جاتی ہے۔

حضرت خواجہ حکیم سنائی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اطاعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی ترغیب وتشویق دلاتے ہوئے کیا خوب فرمایا:

گردِ نعل اسپ سلطانِ شریعت سرمہ کن

تابود نورِ الٰہی بادو چشمت مقترن

---

[1](تفسیر البیضاوی، ج۲، ص ۸۲، الناشر: دار إحیاء التراث العربي -بیروت)

[2](تفسیر روح البیان، ج۳، ص ۳۴۳، الناشر: دار الفکر -بیروت)

مژہ در چشمِ سنائی چوں سنانے باد تیز
گر سنائی زندگی خواہد زمانے بے سنن

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ جن صوفیائے کرام کے اقوال میں اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوات میں اختلاف و تفریق ملتی ہے، یہ ان کا بیانِ حال ہے، بیانِ عقیدہ نہیں۔ اس لئے قسم کے اقوال کو غلبۂ حال اور سُکرِ وقت کا ثمرہ جاننا چاہیئے۔ **السکاریٰ معذورون ولکن لا یقلدون۔** "مستقیم الاحوال" اکابرین کے ہاں اس قسم کے اختلافی اقوال سے توبہ واجتناب لازم ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر ذہن نشین رہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں علمائے اہل سنت کا یہ مؤقف ہے کہ حق تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت وبات ایک ہے۔۔۔۔ ان کی ذوات ایک نہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۴۰ تا ۴۲)

[ہاں بعض مشائخِ کبار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سُکرِ وقت اور غلبۂ حال کے باعث ایسی باتیں کہی ہیں جن سے ان دو اطاعتوں میں فرق کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ایک کے مقابلے میں دوسرے کی محبت کی پسندیدگی مترشح ہوتی ہے۔

منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے ایّام میں خرقان کے قریب فروکش تھا، اس نے وہاں سے اپنے وکلاء کو شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ اور التماس

کی کہ حضرت شیخ بادشاہ کی ملاقات کے لئے تشریف لائیں، اور اپنے وکلاء سے کہہ دیا کہ اگر شیخ کی طرف سے آنے میں توقف محسوس کریں، آیہ کریمہ:

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

پڑھیں۔ جب وکلاء نے شیخ کی طرف سے ملاقات کے لئے جانے میں توقف محسوس کیا تو مذکورہ آیہ کریمہ کی تلاوت کی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا میں أَطِيعُوا اللّٰهَ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ أَطِيعُوا الرَّسُولَ کی اطاعت سے شرمندہ ہوں، أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ کی اطاعت کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔

حضرت شیخ نے حق سبحانہٗ کی اطاعت کو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کا غیر تصور کیا۔ یہ بات استقامت سے دور ہے، مستقیم الاحوال مشائخ اس طرح کے کلمات زبان پر نہیں لاتے اور شریعت، طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں حق تعالیٰ کی اطاعت اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت میں جانتے ہیں۔ ''حق تعالیٰ کی اطاعت اس کے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں نہیں'' اسے عین گمراہی قرار دیتے ہیں۔

یہ قصہ بھی منقول ہے کہ شیخ مہنہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابو الخیر ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اور ساداتِ خراسان میں سے ایک بہت بڑے سیّد بزرگ بھی آپ کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اتفاقاً اس دوران ایک مغلوب الحال مجذوب نمودار ہوا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بڑے سیّد بزرگ پر اس کو ترجیح دی۔ سیّد صاحب کو یہ بات اچھی نہ لگی۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیّد صاحب سے فرمایا آپ کی تعظیم تو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہے، اور اس مجذوب کی تعظیم ربّ تعالیٰ کی محبت کی بنا پر ہے۔ اس قسم کی تفرقہ آمیز باتوں کو

مستقیم الاحوال اکابر جائز نہیں رکھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ سُکرِ حال کی بنا پر قرار دیتے ہیں۔ اور اسے ایک فضول بات سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں دیتے۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ مقامِ کمال میں جو مرتبۂ ولایت ہے، حق سبحانہٗ کی محبت غالب ہوتی ہے۔ اور مقامِ تکمیل میں جو مقامِ نبوت کا ایک حصّہ ہے، رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر جو عین اللہ سبحانہٗ کی اطاعت ہے، قائم وثابت رکھے۔]

تشریح

مراتبِ سلوک میں عروج کرتے ہوئے سالک ہمہ تن متوجہ الیٰ اللہ رہتا ہے اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت دوسری ہر محبت پر غالب رہتی ہے۔ اور یہی وہ سالک ہے جس کو نسیانِ ما سویٰ ہو جاتا ہے اور یہی کیفیت فنا کہلاتی ہے اس مقام کو مقامِ کمال کہا جاتا ہے اور اسی مقام پر فائز ہونے والا شخص ''ولی'' کہلوانے کا حق دار ہے۔

اپنی اپنی استعداد کے مطابق جب سالک عروج کے مراتب کو مکمل کرلیتا ہے تو اب اُسے نزول کا راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ پھر اگر سالک اُسی مقام تک نزول کرلے جہاں سے عروج کیا تھا تو ایسے نزول کو ''رجوعِ قہقری'' کہا جاتا ہے اور یہ ایک مکمل نزول ہے۔ اس مقام کو مقامِ تکمیل کہا جاتا ہے اور نزول کے دوران چونکہ سالک پھر مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لئے اب اس کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ قوی محبت کا رشتہ میسر آجاتا ہے اور یہ کیونکر نہ ہو جبکہ مخلوقات میں ''نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم'' ہی وہ شخصیت ہیں جو سب سے فائق واعلیٰ ہیں اور عشق ومحبت کے صحیح حقدار ہیں۔ اتباعِ شریعت اور احیاءِ سُنت کے لئے آپ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت کا ہونا شرطِ اولین ہے، ورنہ خاردار جھاڑی پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے، عروج کے بعد نزول کی دولت ہاتھ آنے سے ہی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل تابعداری ممکن ہے، ورنہ نظرِ غور سے اپنے ارد گرد دیکھ لیں۔ اپنے آپ کو دیندار کہنے والے چند دِنوں تک ایک سُنت پر عمل کرتے نظر آتے ہیں اور کچھ ہی دِنوں کے بعد اُس سُنت کا نام ونشان تک نظر نہیں آتا۔ اُٹھتے بیٹھتے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دعوے کرنے والے عاشق کا چہرہ داڑھی جیسی عظیم سُنت سے خالی ہو تو ایسے عاشق کو کس نام سے پکارا جائے؟ آپ ایسے عاشقوں کو داڑھی رکھنے کی تلقین کرکے تو دیکھیں، کوئی عاشق آپ کو علامہ اقبال کی مثال دے گا تو کوئی کہے گا کہ ''اسلام میں داڑھی ہے لیکن داڑھی میں اسلام نہیں'' ان جھوٹے عاشقوں سے کون کہے کہ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دعوے دارو! داڑھی والے اسلام کو تو چھوڑا جاسکتا ہے لیکن اسلام والی داڑھی کو تَرک کرنا کب جائز ہے؟ نیز اگر آپ نے اتباع ہی کرنی ہے تو علامہ اقبال کی بجائے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کرلیں، جس میں نور ہی نور اور ہدایت ہی ہدایت ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

من حفظ سنتی أکرمه الله تعالی بأربع خصال: المحبة فی قلوب البررة. و الهيبة فی قلوب الفجرة. و السعة فی الرزق. و الثقة فی الدين۔

ترجمہ: جس شخص نے میری سُنت کی حفاظت کی (دِل وجان سے اس کو مضبوط پکڑا اور اس پر عمل کیا) تو اللہ تعالیٰ چار باتوں سے اس کا اکرام کرے گا:

(اول:) نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کرے گا۔

(دوم:) فاجر اور بدکار لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دے گا۔

(سوم:) رزق میں وسعت اور برکت عطا کرے گا۔

(چہارم:) دین میں پختگی نصیب فرمائے گا۔[1]

اسی طرح دوسری جگہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ اَحْیٰی سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ فَھُوَ خَلِیْفَتِیْ وَخَلِیْفُ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِیْ۔

ترجمہ: جس نے میری سُنتوں میں سے کسی مُردہ سُنت کو زندہ کیا وہ میرا خلیفہ ہے اور مجھ سے پہلے جتنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گزرے ہیں اُن سب کا بھی خلیفہ ہے۔[2]

حضرت حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ مشائخِ نقشبند میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

گردِ نعل اَسپ سلطانِ شریعت سُرمہ کن

تابود نورِ الٰہی بعد چشمت مقترین

مژدہ در چشمِ سنائی چون سنانِ باد تیز

گر سنائی زندگی خواہد زمانِ بے سنن!

ترجمہ: اگر آپ نورِ الٰہی چاہتے ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے گھوڑے کے پاؤں کی گرد کو اپنی آنکھوں میں سُرمہ بنالیں (یعنی اتباعِ سُنت کریں)۔ اگر سنائی ایک لحظہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت کے بغیر زندگی گزارے تو اللہ تعالیٰ سنائی کی پلکوں کو اس کی آنکھوں میں تیز کیل کی طرح داخل کرے۔ (یعنی اگر میں سُنت کے مخالف چلوں تو اللہ تعالیٰ مجھے اندھا کردے)۔

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج ۲، ص ۲۳۱، الناشر: دار الفکر - بیروت)

[2] (صلوٰۃ مسعودی، باب ۲، دربیان سنت ھائے نماز، ج ۱، ص ۴۹)

پس احادیث کی کُتب کی لاکھوں احادیث میں سے جو احادیث آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مبارک سُنتوں پر دال ہیں ان سُنتوں سے اپنی زندگیوں کو مُنور کرنا ایک صوفی اور حقیقی عاشق کے لئے ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ دعوے تو عشقِ مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہوں اور عمل دشمنانِ مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم والے۔

(دارالمعـــرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ سالکینِ طریقت پر عروجی منازل میں محبتِ خدا کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ وہ نسیانِ ماسویٰ کا مرتبہ ہے جبکہ نزولی مدارج میں عارفین پر محبت رسول علیٰ صاحبہا الصلوات کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ وہ خلافت نبوت اور نیابت رسالت کا مرتبہ ہے۔

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں منظوم فرمایا:

معنی حــــرفم کنی تحقیق اگر
بنگری بادیدۂ صـــدیق اگر

قوتِ قلـــب وجگر گردد نبی
ازخدا محــــبوب تر گردد نبی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں محبت رسول علیٰ صاحبہا الصلوات اور اس کی علامات کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کردی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

محبتِ رسول اصلِ ایمان ہے

محبتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوات عند اللہ محبوب اور عند الشرع مطلوب ہے۔ کیونکہ محبتِ رسول ہی بندۂ مؤمن کو اپنے نبی کا اطاعت شعار اور وفادار بناتی ہے اور اسی میں امت کا وقار اور ملت

کی بہار ہے۔ اسی کی بدولت بندۂ مؤمن فیضانِ نبوت اور کمالات ولایت سے سرشار ہوتا ہے۔بنابریں محبت رسول ہی دینِ اسلام کی اولین شرط، ایمان کی جان اور کتاب وسنت کالب لباب ہے۔

حفیظ جالندھری مرحوم نے خوب کہا:

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی توسب کچھ نامکمل ہے

محمد کی محبت آنِ ملت، شانِ ملت ہے
محمد کی محبت روحِ ملت، جانِ ملت ہے

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

مغزِ قرآں، روحِ ایماں، جانِ دیں
ہست حبِ رحمۃللعالمین

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم نے محبتِ رسول کی اہمیت وافادیت کو واضح کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

یعنی تم میں کوئی شخص اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میری ذات اسے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔[1]

اس ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں ایمانِ اختیاری مراد ہے کیونکہ شریعتِ مطہرہ نے اسی کا بندۂ مؤمن کو مکلّف بنایا ہے۔

حفیظ جالندھری مرحوم نے اس حدیث کا مفہوم یوں منظوم کیا:

محمد ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال، جان، اولاد سے پیارا

---

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۴، المکتبۃالفاروقیۃ)

محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے

یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے بالا ہے

ایک روایت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے عرض کیا:

لانت أحبّ إليّ من كل شيئ إلا نفسي التي بين جنبي فقال له النبي صلى الله تعالىٰ عليه و آله و اصحابه و سلم لن يؤمن أحدكم حتى أكون أحبَّ إليه من نفسه فقال عمر الذي أنزل عليك الكتاب لأنت أحبّ إليّ من نفسي التي بين جنبي فقال له النبي صلى الله تعالىٰ عليه و آله و اصحابه و سلم الآن يا عمر۔

یعنی آپ مجھے ہر شے سے زیادہ محبوب ہیں بجز میری جان کے جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ اس پر نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہوں تو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا قسم ہے اس ذات جل سلطانہٗ کی جس نے آپ پر کتابِ مقدس نازل فرمائی آپ مجھے میری اس جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ یہ سماعت فرما کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہوا ہے۔[1]

[1](بخاری، رقم الحدیث: ۲۱۴۲، مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۷۳۵۵)

شیخِ محقق حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی قادری نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک حدیث یوں نقل فرمائی ہے:(اردو ترجمہ ملاحظہ ہو)

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کیا حال ہے؟ آپ صرف ہمیں ہی دوست رکھتے ہو یا ہمارے علاوہ کسی اور کو بھی دوستی میں شریک ٹھہراتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یہ محبت مشترک ہے مجھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بھی محبت ہے اور اپنی ذات، اولاد اور مال ومتاع سے بھی دوستی ہے۔۔۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پر اپنا دستِ مبارک مارا اور روحانی تصرف (توجہ) فرمایا، پھر فرمایا۔۔۔ اب کیا حال ہے، اب اپنے آپ کو کس کیفیت میں پاتے ہو؟ عرض کیا اب اہل وعیال اور مال کی محبت قلب سے رخصت ہوگئی ہے لیکن اپنی ذات سے محبت اب بھی باقی ہے۔

دوسری مرتبہ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنا دستِ اقدس سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ مبارک پر مارا پھر استفسار فرمایا اب کیا کیفیت ہے؟۔۔۔ انہوں نے عرض کیا اب سوائے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت کے ہر قسم کی محبت میرے قلب سے ختم ہوگئی ہے۔

بقول شاعر:

عمـــرم ہمـــہ صرف ـــــ در وفـایت بادا

جـان ودل ودین من فـدایت بادا

محبوبِ من از جان ودل و عمر توئی
ہر چیز من خستہ برایت بادا

یعنی میری ساری عمر تیرے ساتھ وفاداری میں صرف ہو جائے، میری جان اور میرا قلب ودین تجھ پر فدا ہو جائیں۔ جان ودل اور عمر سب سے زیادہ تو ہی میرا محبوب ہے، مجھ خستہ حال کی ہر چیز تیرے لئے ہی ہو۔ [1]

محبتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی برکات

ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَتَى قِيَامُ السَّاعَةِ؟ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ قِيَامِ السَّاعَةِ؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا أَعْدَدْتُ لَهَا كَبِيرَ صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ۔۔۔ وَفِي رِوَايَةٍ: إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ وَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ۔

یعنی ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور پوچھا یارسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ادائے نماز کے لئے اُٹھ کر تشریف لے گئے۔ جب آپ نے نماز ادا فرمالی تو ارشاد فرمایا قیام قیامت کی بابت دریافت کرنے والا سائل کہاں ہے؟۔۔۔ اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں نے

[1] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، کتاب الایمان، فصل اول)

اس کے لئے نماز، روزہ کی زیادہ تیاری نہیں کی البتہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے اس نے کہامیرے پاس کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہو گا اور تجھے اسی کی معیت نصیب ہو گی جس کے ساتھ تو محبت کرتا ہے۔[1]

محبتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوات کی علامات

ا۔ محبتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوات کے من جملہ تقاضوں اور علامات میں سے اولین شرط یہ ہے کہ متابعتِ نبوی اور سنتِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوات کا خصوصی طور پر التزام کیا جائے تاکہ مطیعیت و محبوبیت کے منصبِ جلیلہ پر فائز المرام ہوا جائے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران ۳۱) سے عیاں ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سیادت پناہ شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک مکتوبِ گرامی میں نصیحت کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں، جس کا ملخصًا اردو ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی میراثِ صوری کا تعلق عالمِ خلق کے ساتھ ہے، اور میراثِ معنوی کا تعلق عالمِ اَمر سے ہے، جہاں ایمان و معرفت اور رُشد و ہدایت ہی ہے۔ میراثِ صوری کی نعمتِ عظمیٰ کا شکریہ یہ ہے کہ میراث معنوی کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو جائے اور میراث معنوی سے تزئین حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کمال متابعت کے بغیر

---

[1](سنن الترمذی، ج ۴، ص ۵۹۵، الناشر: شرکة مکتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر)

میسر نہیں ہوسکتی۔ بنابریں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اوامر ونواہی میں مکمل طور پر متابعت واطاعت کی جائے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کمال متابعت کمال محبت کی فرع ہے۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ هَوَاهُ مُطِيْعٌ (محبّ اپنے محبوب کا مطیع ہوتا ہے) محبت میں غفلت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، محبّ محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے۔ اگر چندروزہ حیاتِ مستعار حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت میں بسر کرلی جائے تو نجاتِ ابدی کی اُمید ہے ورنہ سب کچھ بے کار ہے خواہ کیسا ہی عملِ خیر کیوں نہ ہو۔

محمدِ عربی کآبروئے ہر دو سراست
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک برسرِ اُو [1]

۲۔ محبت رسول علیٰ صاحبہا الصلوات کے غلبہ کے باعث محبّ رسول ہمہ وقت صورتِ رسول میں مستغرق اور منہمک رہتا ہے۔ بنابریں ہر نشست وبرخاست اور صحبت ومجلس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خصائص وشمائل اور فضائل وخصائل کا ذکر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ پس محبتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوات کی یہ بھی ایک علامت ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرَهُ۔ [2] سے عیاں ہے۔

بقول شاعر:

جس کسے دا کوئی عاشق ہووے صفت اوسے دی کردا
سو سو مکر بہانے کرکے مرنے اوہدے مردا

---

[1] (مکتوبات شریفه، دفتر اول، مکتوب ۱۶۵)

[2] (شعب الایمان، ج ۲، ص ۹۴، الناشر: مکتبة الرشد بالریاض، بالتعاون مع الدار السلفیة ببومباي)

۳۔ عاشقِ رسول محبتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوات کے استغراق کی وجہ سے ہمہ وقت وصلِ یار کی ترپ اور حسرتِ دیدار کی کسک میں بے چین اور بے قرار رہتا ہے اور بقول شاعر یوں گویا ہوتا ہے:

باناں پہن فقیری والا جلدی کروتیاری

دل کر داد لبر نوں ملیے کیہہ کرنی سرداری

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عاشق کے اشتیاق دید اور لقائے حبیب کو بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

فَكُلُّ حَبِيبٍ يُحِبُّ لِقَاءَ حَبِيبِه۔

یعنی ہر محبّ اپنے محبوب کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے۔ [1]

جب کسی عاشقِ زار پر شوقِ وصال اور لذتِ جمال کی اضطرابی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ شوقِ وصل سے سرشار اور سوزِ فصل سے لاچار نیم جاں ہو کر بزبانِ دانائے شیراز کبھی یوں فریاد کرتا ہے:

امروز دیگرم در انتظارِ تو شام شُد

در انتظارِ وصلِ تو عمرم تمام شُد

آمد نمازِ شام و نہ آمد نگارِ من

اے دیدۂ پاسدار کہ خوابم حرام شُد

۴۔ محبت کی اہم اور نمایاں علامت یہ ہے کہ محبّ اپنے محبوب کو ہر قسم کے جملہ عیوب ونقائص سے منزہ جانتا ہے اور وہ محبوب کے معائب کی بصارت سے اندھا اور اس کے قبائح کی سماعت

---

[1] (کتاب الشفا، ج ۲، ص ۲۵)

سے بہرہ ہوتا ہے۔۔۔جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: حُبُّکَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔[1] سے واضح ہے۔

حق تعالیٰ نے ہر قسم کے ممکنہ کمالات بدرجہ اتم واکمل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس میں درج فرما کر خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حُسن وجمال وکمال کا تذکرہ فرمایا ہے، اور اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو خود ہی نگاہِ قدرت سے دیکھتا ہے۔ جیسا کہ آیاتِ کریمہ: وَالضُّحَى (۱) وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى (الضحیٰ ۲) اور فَإِنَّکَ بِأَعْيُنِنَا (الطور ۴۸) سے عیاں ہے۔

شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تمام قبائح ومعائب سے پاک ہونے کو یوں منظوم فرمایا ہے:

وَاَحۡسَنُ مِنۡکَ لَمۡ تَرَقَطُّ عَيۡنِیۡ
وَاَجۡمَلُ مِنۡکَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقۡتَ مُبَرَّءً مِّنۡ كُلِّ عَيۡبٍ
كَاَنَّکَ قَدۡ خُلِقۡتَ كَمَا تَشَاءُ

یعنی اے رسول محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ صاحبِ جمال کسی ماں کے ہاں متولد ہی نہیں ہوا۔ آپ ہر عیب سے پاک تخلیق فرمائے گئے ہیں، گویا آپ یوں تخلیق فرمائے گئے جیسے آپ چاہتے تھے۔

۵۔ محبت رسول کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بندۂ مؤمن جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذات ستودہ صفات، اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار، ازواجِ

---

[1](مشكوٰة المصابيح، ج۳، ص ۱۳۷۴، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)

مطہرات اور بناتِ طیبات کے ساتھ محبت ومودّت رکھتا ہے ایسے ہی ان نفوسِ قدسیہ کے اعداء کے ساتھ بغض وعداوت رکھے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: لَاتَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (المجادلة ٢٢) سے معلوم ہوتا ہے۔ مفاد پرستی و مصلحت کوشی اور منافقت کی دینِ اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس قسم کے لوگ ولایت و نبوت کے فیضان وکمالات سے محروم رہتے ہیں، بلکہ ذلتِ عظیم ونار جحیم اور عذاب مہین ان کا مقدر ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ (التوبة ٦٣) اور إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ (المجادلة ٥) سے مفہوم ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

اوکدے سکھ پاندا ناہیں جیہڑا دو گھراں دا سانجھا
اکو پاسا رہندا اہیرے یا کھیڑے یا رانجھا

جب تک بندۂ مؤمن محبت ومودّت میں متصلب اور اعدائے بد نہاد کے بارے میں متشدد نہیں ہوتا وہ ایمان کی لذت وحلاوت نہیں چکھ سکتا۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ (الفتح ٢٩) سے عیاں ہے۔ صحابہ کرام، اسلافِ عظام اور اخلافِ فخام نے اعداء ومعاندین کو جس طرح تہہ تیغ کیا وہ تاریخِ اسلام میں سنہری حروف سے رقم ہیں۔

بقول شاعر:

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۴۳ تا ۴۵)

مکتوب نمبر ۱۵۳

[میاں شیخ مزمل کی طرف صادر فرمایا:

غیر حق کی غلامی سے مکمل خلاصی کے بیان میں جو فناءِ مطلق سے وابستہ ہے۔

آپ کا ارسال کردہ مکتوب موصول ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْاَنْعَامِ وَ الْمِنَّۃِ اللہ صاحبِ انام کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ طالبوں کو طلب میں بے قرار اور بے آرام رکھتا ہے۔ اور اس بے آرامی میں غیر کے ساتھ آرام پکڑنے سے نجات عطا کرتا ہے۔ لیکن غیر کی غلامی سے مکمل نجات اور خلاصی اس وقت میسر آتی ہے، جب بندہ فنا مطلق سے مشرف ہوتا ہے۔ اور ماسوائے حق کے نقوش آئینۂ دل سے مٹا دیتا ہے۔ اور اس کا علمی اور حُبی تعلق کسی شے سے باقی نہیں رہتا۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کوئی شے اس کا مقصود اور مراد نہیں رہتی۔ یہ مقام حاصل ہونے کے بغیر غیر حق کی غلامی سے مکمل نجات کا خیال خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ اگرچہ اسے بے تعلقی کا گمان ہوتا ہے۔ لیکن:

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (یونس ۳۶)

ترجمہ: بے شک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا۔

مصرع:

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسید

ترجمہ: یہ دولت وسعادت کا کام دیکھیئے اب کسے عطا ہوتا ہے۔

احوال اور مقامات میں پھنسا ہوا انسان بھی در حقیقت غیرِ حق تعالیٰ میں گرفتار ہے۔ دوسری چیزوں میں گرفتاری کا کیا کہنا۔

بهر چہ از دوست دامانی چہ کفر آن حرف وچہ ایمان
بهر چہ از راہ دور افتی چہ زشت آن نقش وچہ زیبا

ترجمہ: جس چیز کے باعث تم دوست سے دور ہو جاؤ کیا حرفِ کُفر ہو کیا ایمان (اس سے دور بھاگو) اور جس کام میں اُلجھ کر تم راستے سے دور ہو جاؤ وہ بُری شے ہو یا اچھی (اس کے بھی قریب نہ جاؤ)۔]

تشریح

اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے تصوف و سلوک کی اصل روح کو بیان فرمایا ہے اور وہ ہے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کے علاوہ ہر چیز سے قلبی تعلق کو توڑ دینا اور صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی کو اپنا مقصود سمجھنا۔ یہ دولت فناءِ اَتم واَکمل میں جا کر حاصل ہوتی ہے۔

گویا تصوف میں شامل ہونے اور کسی شیخ سے وابستگی اختیار کرنے میں غرض وغایت محض یہ ہونی چاہیئے کہ دُنیا کی پراگندگی اور دل کا ماسواسے تعلق ٹوٹ جائے اور اصلی خالق ومالک کی منشا کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ اگر خدانخواستہ کوئی سالک اس خیال سے سلوک میں داخل ہو کہ میری دُنیاوی مشکلات حل ہو جائیں یا مجھے کشف و کرامات حاصل ہو جائیں تو ایسا سالک کبھی بھی واصل نہیں ہو گا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جو شعر لکھا ہے اس کا مقصود و مدعا بھی یہی ہے۔ ایمان کے اعمال وافعال مثلاً نماز وروزہ اور حج وزکوٰۃ وغیرہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے احکام ہیں جنہیں ادا کرنا فرض ہے اور کچھ اعمال واجب وسُنت ہیں، لیکن ان کو اس نیت سے بجالانا کہ دوسروں کی نظر میں مسلمان نظر آئے اور دَرپَردہ جو جی میں آئے کرتا پھرے، ہرگز فناء کی طرف لے کر نہیں

جاتا اور اگرچہ یہ تمام اعمال ایمان کا حصہ ہیں تاہم ان میں اخلاص کا نہ ہونا انہیں قبولیت کے درجے سے گرا دیتا ہے اور یہ افعال، ایمانیات ہوتے ہوئے بھی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے دُوری کا سبب ہیں، لیکن اس کا یہ مقصد بھی ہرگز نہیں کہ انہیں سِرے سے ترک کر دیا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان میں ایک بڑا نقص پنہاں ہے جو انہیں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے میں مانع ہے، اور قبولیت کے درجے سے محروم کیئے ہوئے ہے۔ اس نقص کا نام ''ریا'' ہے جو کہ اخلاص کے بالکل اُلٹ چیز ہے جب تک رِیا سے جان نہیں چھوٹتی اُس وقت تک اعمال قبول نہیں ہوتے اور جب تک اعمال قبول نہیں ہوتے اُس وقت تک فناء نہیں مل سکتی۔ اس سے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے وَصل کے لئے اعمال کا ہونا کس قدر ضروری ہے اور اعمال کے بغیر ناممکن۔ اور جو لوگ اسلامی احکامات کو عملاً نہیں اپناتے لیکن اپنے آپ کو بزرگ اور واصل ظاہر کرتے ہیں، ان کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے اس بات کو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے کئی ایک جگہوں پر واضح بیان کیا ہے، دوسرے لفظوں میں رِیا سے جان چھڑا لینا ہی تصوف ہے اور یہ چیز کسی کامل شخصیت سے وابستگی کے بغیر انتہائی مشکل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَى عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُودُ۔

ترجمہ: قریب ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ اسلام کا تو محض نام ہی باقی رہ جائے گا۔ اور قرآن کا محض خط اور تحریر باقی رہ جائے گی ان لوگوں کی مساجد تو بڑی خوبصورت ہوں گی مگر

ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی، ان لوگوں کے علماء آسمان کے نیچے ساری مخلوق سے زیادہ شریر اور بد تَرہوں گے ان ہی کے ہاں سے فتنے اُٹھیں گے، اور ان ہی میں لوٹ جائیں گے۔ [1]

حقوق اللہ کی ادائیگی میں اخلاص پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی پوری دِل جمعی اور رضائے الٰہی کے لئے پورے کرنے ضروری ہیں بلکہ حقوق اللہ سے بھی کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ قیامت کے دن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مسلمان بندوں سے فرمائے گا کہ میں اپنے حقوق تمہیں معاف کرتا ہوں، تم آپس کے حقوق (ایک دوسرے سے) معاف کروالو اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ گویا جنت میں داخلہ حقوق العباد کی صحیح اور درست ادائیگی کے ساتھ وابستہ ہے اور ان کی ادائیگی کے بغیر ناممکن۔ پھر یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ جنت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کا مقام ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا اُس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی لحاظ نہ رکھا جائے۔ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی خلوصِ نیت کا عنصر غالب ہو۔ یہ نہ ہو کہ بندوں کے حقوق، ان کے سامنے تو پورے کر دیئے جائیں لیکن دَر پَردہ ان کی جڑیں کاٹتا رہے۔ مثلاً زید نے بکر سے قرض لیا۔ مدت پوری ہونے پر جب بکر نے قرضہ کا مطالبہ کیا تو زید کہنے لگا کہ آج دیتا ہوں، کل دوں گا، لیکن اس کے دل میں یہ بات تھی کہ اسے قرض کی رقم کسی صورت واپس نہیں کروں گا۔ کرتے کرتے بکر وفات پا گیا اور زید کی خوشی کی انتہاء نہ رہی کہ اب تو جان چھوٹ گئی۔ اُسے یہ یقین نہیں کہ موت بھی آنی ہے اور حقوق العباد کے بارے میں سوال بھی ہونے ہیں۔ قرض جب کسی حقیقی شہید کو بھی معاف نہیں ہوتا تو عام آدمی کا کیا حال ہو گا۔

[1](شعب الایمان للبیھقی، ج ۲، ص ۳۱۱، الناشر: دار الکتب العلمیة -بیروت)

تو مندرجہ بالا چند سطریں محض نمونے کے طور پر لکھی گئی ہیں ورنہ اس معاملے کی تفصیل کے لئے کئی دفتر درکار ہیں۔ خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ ہر معاملے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کو مدِ نظر رکھنا، دل میں ماسوا کی محبت کو جگہ نہ دینا اور اپنا مطلوب ومقصود صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو قرار دینا ہی ہمیں ایمانِ صوری سے ایمانِ حقیقی کی طرف لے جاسکتا ہے۔

[تمہارے سفر نے طوالت اختیار کر لی فرصت غنیمت ہے۔دوست اگر رُخصت کے اہل ہیں تو ان سے رُخصت اور اجازت لینے میں کیا رُکاوٹ ہے۔ اور اگر رُخصت کے اہل ہی نہیں تو ان سے رُخصت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامندی کا خیال کرنا چاہیئے، مخلوق راضی ہو یا نہ ہو۔لوگوں کی ناراضگی کا کیا اعتبار ہے۔

طفیل دوست باشد ہر چہ باشد

ترجمہ: جو کچھ ہے سب دوست کے طفیل ہے۔

مقصود صرف خدا تعالیٰ کی ذات کو ہی قرار دینا چاہیئے۔اس مقصود کے ساتھ کچھ اور بھی حاصل ہو جائے تو ہو جائے، ورنہ اگر حاصل نہ ہو تو نہ ہو۔

رُخسارِ من اینجا و تو در گل نگری

ترجمہ: میرا رُخسار تیرے سامنے ہے مگر افسوس تو اسے نہیں دیکھتا بلکہ تیری نگاہ پھول کی طرف ہے۔

وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

انسان جس ماحول اور معاشرے میں آنکھ کھولتا ہے اُس کے طور طریقے اور معمولات اپنا لیتا ہے، نیز جن اساتذہ کی محافل میں شامل ہوتا ہے اُن ہی کے رنگ میں ڈھل جاتا ہے۔ لیکن اساتذہ

کرام اور والدین کی اتباع اور فرمانبرداری تب ہی ضروری ہے جب ان کے احکامات تابعِ شریعت ہوں، نیز اتباعِ شرع میں بھی محض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضامقصود ہو۔ لیکن جب والدین یا اساتذہ کے اعمال میں شریعتِ مطہرہ کی خلاف ورزی نظر آئے تو پھر ان کی اتباع کرنا گناہ ہے، مخلوق کی اتباع اس حد تک کرنا خود خالق کی نافرمانی ہونے لگے، درست نہیں۔

اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔

ترجمہ: مخلوق کی اتنی اطاعت نہ کرو کہ خالق کی نافرمانی ہونے لگے۔ [1]

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ما سویٰ اللہ کی گرفتاری سے بیزاری اور فنائے مطلق کے حصول کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ دراصل طالبانِ طریقت کو دورانِ سلوک مختلف قسم کے احوال ومواجید ومقامات پیش آتے ہیں، کم ظرف سالکین جن میں الجھ کے رہ جاتے ہیں، اور اپنے مقصودِ اصلی سے محروم ہونے کی بناء پر اپنی منزل کھوٹی کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ مقصود احوال نہیں بلکہ مُحَوِّلِ احوال حق سبحانہٗ کی ذات ہے۔ بلند ہمت اور عالی ظرف طالبین احوال وظلال اور مواجید ومقامات تو رہے کجا۔۔۔ صفات پر بھی اکتفا نہیں کرتے۔ ان کا مقصودِ حقیقی تو محض ذاتِ مجردہ ہوتا ہے اور یہ فنائے مطلق پر موقوف ہے۔

[1] (المعجم الأوسط، ج۴، ص۱۸۱، الناشر: دار الحرمین - القاهرة)

بقولِ شاعر:

بے فنائے مطلق وجذبِ قوی

کے حریمِ وصل را محرم شوی

سوال: جب ایمان لانا بندۂ مؤمن پر لازم ہے تو چہ کفر آن حرف وچہ ایمان کہنے کا کیا مطلب ہے؟ اور بندۂ مؤمن ایمان رکھنے کے باوجود خدا تعالیٰ سے کیسے دور رہے گا؟

جواب: اہلِ طریقت فرماتے ہیں کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایمانِ صوری ۲۔ ایمانِ حقیقی

جو شخص ایمانِ صوری میں گرفتار ہے وہ نفس کی امارگی و سرکشی میں مبتلا ہے اور نفس حق تعالیٰ کے ساتھ ذاتی عداوت و مخاصمت رکھتا ہے اسی لئے حدیثِ قدسی: عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّهَا اِنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِی۔ میں نفس کی مخالفت و مدافعت کا حکم دیا گیا ہے۔ بنابریں ایمانِ صوری رکھنے والا شخص صاحبِ ایمان ہو کر بھی حق تعالیٰ سے دور ہوتا ہے، کیونکہ اس کی رسائی ایمانِ حقیقی تک نہیں ہوتی اور ایمانِ حقیقی ہی خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ حقیقت میں یہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ کے قبیل سے ہے۔ ابرار کا ایمان صوری، جبکہ مقربین کا ایمان حقیقی و شہودی ہوتا ہے جس کے باعث وہ توحیدِ عیانی اور وصلِ عریانی سے شادکام ہوتے ہیں۔

بینہ

واضح رہے کہ جب تک سالک کا جملہ خلائق سے قلبی انقطاع اور ترک علائق نہیں ہو جاتا اسے فنائے مطلق میسر نہیں ہوتی۔

کسی فارسی شاعر نے کہا ہے:

تا ترک علائق و عوائق نکنی
یک سجدۂ شائستہ لائق نکنی
ہرگز بمراد خویش واصل نہ شوی
تا ترک خود و جملہ خلائق نکنی

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۵۶، ۵۷)

مکتوب نمبر ۱۵۴

[یہ مکتوب بھی میاں مزمل کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اپنے آپ سے گزر جانا چاہیئے، اور اپنے اندر جانا چاہیئے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے ساتھ رکھے، اور ایک لحظہ کے لئے بھی غیر کے حوالے نہ کرے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَیْنٍ فَنَھْلِکَ وَ لَا اَقَلَّ مِنْھَا فَنَضِیْعَ۔

ترجمہ: اے اللہ ہم کو ایک لمحہ کے لئے بھی ہمارے نفسوں کے حوالے نہ کر، تاکہ ہم ہلاک نہ ہوں اور نہ اس سے کم وقت کے لئے بھی تاکہ ہم ضائع نہ ہوں۔

جو بلا اور مصیبت بھی آتی ہے وہ اپنے ساتھ گرفتاری کے باعث آتی ہے۔ جب انسان اپنے آپ سے نجات پا گیا تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتاری سے بھی نجات پا گیا تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتاری سے بھی نجات پا گیا۔ کوئی اگر بُت پرستی کر رہا ہے تو فی الحقیقت وہ اپنی ہی پرستش کر رہا ہے۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں وارد ہے:

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الفرقان ۴۳)

ترجمہ: کیا تم نے اُسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنالیا۔

مصرع:

از خود چو گذشتی ہمہ عیش است و خوشی

ترجمہ: جب تو اپنے آپ سے گزر گیا (یعنی خواہشاتِ نفسانی سے چھوٹ گیا) تو پھر سب عیش اور خوشی ہی خوشی ہے۔

دع نفسک وتعال۔

ترجمہ: اپنے نفس کو چھوڑ دو، اور آ جاؤ۔[1]

جس طرح اپنے آپ سے گزرنا ضروری ہے، اپنے اندر جانا اور سفر کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مقصود کی یافت یہیں ہے۔ اپنے سے باہر مقصود کی یافت نہیں ہے۔

با تو در زیرِ گلیم است ہر چہ ہست

ہمچو نابینا مبر ہر سوئے دست

ترجمہ: جو کچھ ہے تیری گودڑی کے نیچے ہی ہے، لہٰذا اندھوں کی طرح اِدھر اُدھر ہاتھ نہ مار۔

سیر آفاقی میں دوری ہی دوری ہے۔ اور سیر اَنفسی میں قُرب ہی قُرب ہے۔ اگر شہود ہے تو اپنے آپ میں ہے اور اگر معرفت ہے تو وہ بھی اپنے اندر ہی ہے۔ اگر حیرت ہے وہ بھی اپنے میں ہی ہے۔ اپنے سے باہر قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ بات کدھر چلی گئی۔ کوئی بے عقل یہاں سے حلول اور اتحاد نہ سمجھنا شروع کر دے، اور گمراہی کے بھنور میں نہ گر پڑے۔

این جا حُلول کفر بود اتحاد ہم

ترجمہ: یعنی حلول واتحاد کا اعتقاد کفر ہے۔

اس مقام تک پہنچنے سے قبل اس میں غور و فکر کرنا ممنوع ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں سُنت کے پسندیدہ طریقے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر استقامت عطا کرے۔ اپنے حالات بھی لکھا کریں۔ کیونکہ اصلاح اور توجہ میں اس کا بڑا دخل ہے۔ ظاہری رکاوٹوں سے آزاد رہیں، اور ان رکاوٹوں کے ہونے اور نہ ہونے کو برابر خیال کریں۔

وَالسَّلَامُ وَالْاِکْرَامُ۔]

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۳۵۶، الناشر: دار الفکر -بیروت)

تشریح

انسان کے دُشمن دو ہیں ایک انسان کا اپنا نفس اور دوسرا شیطانِ لعین۔ شیطان کی دُشمنی تو بالکل واضح اور آشکارا ہے لیکن اپنے نفس کو کوئی بھی اپنا دُشمن نہیں سمجھتا حالانکہ اس کی دُشمنی اور ناجائز خواہشات ہی دراصل انسان کو گمراہی کی طرف لے کر جاتی ہیں۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر انسان کا نفس، شیطان کی مدد نہ کرے تو شیطان، انسان کو گمراہ نہیں کر سکتا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى (۴۰) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى (النازعات ۴۱)

ترجمہ: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا، تو بے شک جنّت ہی ٹھکانا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں تباہ کُن ہیں:

هَوًى مُتَّبَعٌ، وَشُحٌّ مُطَاعٌ، وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ، وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ۔

ترجمہ: خواہشِ نفس جس کی اتباع کی جائے، حد سے زیادہ کنجوسی جس کے حکم پر چلا جائے اور خود پرستی اور یہ سب سے زیادہ بُری ہے۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے تھے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے قریب راستہ مخالفتِ نفس ہے۔ مراد یہ ہے کہ احکامِ شریعت کی پوری نگہداشت کے ساتھ نفس کی مخالفت کی جائے۔

---

[1](مرقاۃالمفاتیح، ج۸، ص ۳۱۹۹، الناشر: دارالفکر، بیروت-لبنان)

نفس کی اتباع ہی دراصل نفس کی عبادت ہے اور اتباعِ نفس، عبودیت کے خلاف ہے۔ یہی اتباعِ نفس تمام ممنوعات کا سرچشمہ اور حرام چیزوں کی بنیاد ہے اس لئے ہر حال اور ہر صورت میں نفس کی مخالفت ضروری ہے۔ دکھلاوے کی نیکیاں کرنے والے سمجھتے ہیں کہ ہم فرائض وواجبات ادا کر رہے ہیں جبکہ دراصل وہ نیکیاں نہیں بلکہ نفس کی خواہشات پر چل رہے ہوتے ہیں۔ تو جب تک کوئی سالک نفس کی خواہشات سے آزادی حاصل نہیں کرتا اُس وقت تک ولایت میں قدم نہیں رکھ سکتا، اور نفس کے تزکیہ کے لئے سلوک کا راستہ لازمی ولابدی چیز ہے۔

(دارالمعــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوبِ گرامی کا آغاز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ایک دعائی جملہ سے فرمایا ہے جس میں نفس کی گرفتاری سے نجات حاصل کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک نفس مطمئنہ نہیں ہو جاتا اور راضیہ ومرضیہ کے منصبِ جلیلہ پر متمکن نہیں ہو جاتا وہ خود پرستی میں مبتلا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (الفرقان ۴۳) سے عیاں ہے۔ سالک حق تعالیٰ کا حقیقی بندہ اس وقت بنتا ہے جب وہ ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کرکے محض رضائے الٰہی کی خاطر اعمالِ صالحہ بجالاتا ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ یہ معرفت حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے ابتدائی معارف میں سے ہے، جبکہ آپ ولایتِ اولیاء (ولایتِ ظلی) کے مرتبہ میں تھے، کیونکہ سالک اس مرتبہ میں سیر اَنفسی کو انتہائی مقام سمجھ لیتا ہے اور مطلوب کو اپنے اندر دیکھتا ہے۔ حالانکہ وہ مطلوب کے تمثال وانعکاس

ہوتے ہیں لیکن ولایتِ انبیائے عظام اور کمالاتِ نبوت، منتہی اولیاء کا حصہ ہیں جو سیر اَنفسی سے بالا ہیں جس میں سالکین مشہودِ اَنفسی کو بھی ظل جانتے ہیں، اصل مطلوب نہیں سمجھتے کیونکہ مطلوب ماورائے آفاق وانفس ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہُ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ دورانِ سلوک سالکینِ طریقت کو ایسی کیفیات واحوال پیش آتے ہیں کہ وہ سیر انفسی میں شہود ومعرفت وحیرت کو اپنے اندر ہی محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ سبحانہٗ اندر اور باہر سے پاک ہے۔ کیونکہ اندر اور باہر ہونا محدود اور مقید ہونے کی علامت ہے اور حق تعالیٰ سبحانہٗ ہر قسم کے تقیدات وتحدیدات سے منزہ ومبرہ ہے۔**تعالی اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا**۔

علاوہ ازیں اندر اور باہر ہونا حلول واتحاد کا موہم جو الحادو زندقہ ہے۔ جب تک سالکین اس مقام سے متحقق نہیں ہو جاتے اور انہیں اس مقام سے حظِ وافر نصیب نہیں ہوتا، اس میں غور وفکر کرنا بھی ممنوع ہے۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

کے شود کشف از تفکر آں انا

ایں انا مکشوف شد بعد الفناء

می فتد ایں عقلہا در افتقاد

در خناکی و حلول واتحاد

ایں انا ہو بود در سرائے فضول

زاتحاد نور تر راہِ حلول

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حلول واتحاد کے متعلق عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں چنانچہ اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز اس سبحانہٗ سے متحد ہو سکتی ہے اور کچھ بعض عباراتِ صوفیہ سے اتحاد کا معنی مفہوم ہوتا ہے اور وہ ان کی مراد کے برخلاف ہے، کیونکہ اس کلام اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللہ جو موہم اتحاد ہے، سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب فقر تمام ہو جائے اور محض نیستی حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔۔۔۔نہ یہ کہ وہ فقیر خدا تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جائے اور خدا ہو جائے کیونکہ یہ کفر اور زندقہ ہے تعالی اللہ سبحانہٗ عما یتوھم الظالمون علوًا کبیرًا۔

ہمارے خواجہ (محمد باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز) فرمایا کرتے تھے کہ عبارت انا الحق کا معنی یہ نہیں کہ میں حق ہوں بلکہ یہ ہے کہ:

من نیستم وموجود حق است سبحانہٗ۔

میں نہیں ہوں حق سبحانہٗ ہی موجود ہے۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص ۲۶۲ تا ۲۶۴)

---

[1] (مکتوبات شریفہ، دفتر اول مکتوب: ۲۶۶)

مکتوب نمبر ۱۵۵

[اپنے اصل مقصد کی طرف رجوع کرنے کے بارے میں یہ مکتوب بھی میاں شیخ مزمل کی طرف صادر فرمایا:

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے ساتھ رکھے۔

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست

بے دولت است آنکہ بہیچ اختیار کرد

ترجمہ: خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر جس کو بھی پوجیں وہ ہیچ سے بھی کم ہے، وہ بد نصیب ہے جو ہیچ اور ادنیٰ شے کو اختیار کرتا ہے۔

ماہِ جمادی الاوّل کے شروع میں جمعہ کے روز بندہ دہلی شہر کی زیارت سے مشرف ہو۔ محمد صادق بھی ساتھ ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا ارادہ موافق ہوا تو چندروز بندہ یہاں گزار کر جلد ہی وطن اصلی کو روانہ ہو جائے گا۔

حُبِّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ۔

ترجمہ: وطن کی محبت ایمان میں داخل ہے۔[1]

صحیح حدیث ہے بندہ بے چارہ کہاں جاسکتا ہے، اس کی پیشانی تو قادرِ مطلق کے قبضہ میں ہے۔

مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (ھود ۵۶)

ترجمہ: کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۱۵۸، الناشر: دار الفکر، بیروت -لبنان)

بھاگ کر کدھر جائیں؟ مگر یہ کہ فَفِرُّوْا اِلَی اللہِ (اللہ کی طرف دوڑو) کہتے ہوئے اس کی ذات میں اسی کی طرف دوڑیں۔ بہر حال اصل کو اصل جانتے ہوئے فرع کو اس کا طفیلی قرار دے کر اس کی طرف توجہ کرنا چاہیئے۔

ہر چہ جُز خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جان کندن است

ترجمہ: خدائے احسن کے عشق کے سوا جو کچھ بھی ہے، اگر شکر ہی کھانا کیوں نہ ہو در اصل جان کو ہلاک ہی کرنا ہے۔]

تشریح

اس مکتوب میں اس حدیث شریف کا ذکر ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما رہے تھے تو بار بار مُڑ کر مکہ مکرمہ پر نظر ڈالتے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آنکھوں مبارک سے آنسو رواں تھے، یہ وطن ہی کی محبت تھی کہ عالمِ اَرواح سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب عالمِ دُنیا میں جلوہ گر ہوئے تو شہر مکہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو خوش آمدید کہا اور پھر پیدائش سے لے کر ہجرت تک کی ۵۳ سالہ حیاتِ طیبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسی شہر میں گزار دی۔ پس ایسے وطن کی محبت دل میں رَچ بَس جانا ایک فطری چیز ہے، تاہم شارحینِ حدیث اور صوفیاء کرام نے اس حدیث کے موضوع میں کلام کیا ہے۔

محدثین کے ظاہر مذہب کے مطابق وطنِ اصلی سے مُراد وہ وطن ہے جہاں شریعتِ مطہرہ کے احکام نافذ و جاری ہوں، اور جہاں مسلمان آباد ہوں اور اسلام کے سنہرے اصولوں کے مطابق زندگی گزار رہے ہوں۔ ظاہر ہے جہاں ایک مثالی اسلامی حکومت قائم ہوگی وہاں ہر طرح کا اَمن اور بھائی چارہ ہوگا اور ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی ہوگی اور ایسے وطن اور ماحول کے ساتھ انسان لازمی طور مانوس ہو جائے گا اور ایسے دیس کی محبت انسان کے دل میں رَچ بَس جائے گی۔

صوفیاء کرام بھی مندرجہ بالا حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں تاہم اُنہوں نے فرمایا ہے کہ وطنِ اصلی سے حقیقی مراد عالمِ اَرواح میں روح کا مقام ہے، جہاں وہ اپنی پیدائش سے لے کر دُنیا میں آنے تک رہی۔ ظاہر ہے کہ رُوح کو بھی مندرجہ بالا حقیقت کے مطابق اپنے وطن (عالمِ اَرواح) سے محبت کا پیدا ہونا ایک لازمی اَمر ہے اور جب روح کو عالمِ اَرواح سے محبت ہو چکی تو اب روح اس گندی دُنیا اور اس کے پراگندہ تعلقات سے جان چھڑوا کر اپنے وطنِ اصلی کی طرف لوٹ جانا چاہتی ہے، لیکن۔۔۔۔! روح کی واپس لوٹ جانے کی خواہش ہر روح میں پیدا نہیں ہوتی۔ کون انسان ہے جو دُنیا کی رنگینی کو چھوڑ کر عالمِ برزخ کی قبر میں جا کر سونا پسند کرے گا؟ دُنیا کی لذتیں اور اس کی نام نہاد رونقیں انسان کو اپنا عاشق بنا دیتی ہیں اور آخرت سے بے خبر انسان دُنیا کو ہی اپنا وطنِ اصلی سمجھنے لگتا ہے۔ تاہم جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو اور ایک مسلمان شخص کسی صاحبِ نسبت اور کامل شیخ کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو اس کی توجہات روحِ انسانی پر پڑے ہوئے دُنیا کے حجابات کو اُٹھا دیتی ہیں اور دُنیا کی گندگیوں سے آلودہ ہو جانے والی روح کو پھر اپنا وطنِ اصلی یاد آنے لگتا ہے اور یہ یاد اُس کو بے چین کر دیتی ہے۔ صوفیاء کرام کے مطابق یہی محبت ہے جو اس مکتوب میں بیان ہوئی ہے۔

صوفیاء کرام کے دوسرے قول کے مطابق انسان کا جسدِ عنصری ہی وطنِ اصلی ہے۔ اور وطن کی محبت سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے بدن کے اندر سَیر کرے۔ اس سَیر کو سَیرِ انفسی کہا جاتا ہے۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات ۲۱)

ترجمہ: اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے بدن میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی نشانیوں کو تلاش کرے اور اس کی صنعت وخِلقت میں غور کرے کہ اُس نے کیسے اپنی قُدرتِ کاملہ سے انسان کو عالمِ نیست سے ہست کیا اور کس طرح اس کی حفاظت کر کے بچپن کے مراحل سے جوانی میں داخل کیا۔ سلامتیٔ اعضاء اور عقل و شعور کی نعمتیں عطا کیں، پھر کیسے دھیرے دھیرے بُڑھاپے کی طرف لے جاتا ہے، غور کرنے والوں کے لئے انسان کے اندر ہی ایسی علامات اور نشانیاں ہیں جو ایک خالقِ حقیقی کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رُومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ملتِ عشق از ہمہ دینہا جُدا است   عاشقاں را مذہب و ملت خدا است

ترجمہ: عاشق (حقیقی) کا راستہ دوسرے راستوں سے جُدا ہوتا ہے، کیونکہ عاشقانِ خدا کا راستہ خدا تک پہنچا دیتا ہے (برعکس دوسرے راستوں کے کیونکہ دوسرے راستے انسان کو خدا سے دور رکھتے ہیں)۔

اس لئے ضروری ہے کہ جب کسی کے باطن میں عشقِ حقیقی کی چنگاری اُٹھے تو وہ اپنی خواہشاتِ نفسانی کی نفی کرے اور معرفت کا راستہ اختیار کرے تاکہ وصل کی دولت پالے۔

(دار المعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنے فرزندِ اکبر حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ العزیز کو ہمراہ لے کر اپنے پیر و مُرشد شیخ المشائخ خواجۂ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی قدس سرہٗ العزیز کے آستانہ عالیہ حضرت دہلی حاضر ہوئے۔ در حقیقت محبوب کے شہر اور اس کے در و دیوار کے ساتھ محبّ کی قلبی وابستگی اور اس کا اشتیاقِ دید، محبت کے لوازمات میں سے ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: لَآ أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ (البلد ۱) سے معلوم ہوتا ہے۔

خاکِ بطحا از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

سالکینِ طریقت کے لئے اپنے پیر خانے کی محبت حق تعالیٰ کے قُرب کا باعث ہوتی ہے، نیز اپنی اولاد کو اپنے مُرشدِ گرامی کے آستانے پر لے کر جانا اور اپنے شیخ محترم کی خدمت میں ان کے حق میں دعا و توجہ کی درخواست کرنا مشائخ کا معمول رہا ہے۔ یونہی دیئے سے دیئے جلتے رہے ہیں اور ان کی باقیاتِ صالحات کے قلوب میں اولیائے کرام کی عقیدتوں کے دیپ جلتے اور ارادتوں کے سمندر مؤجزن ہوتے رہے ہیں۔

بینہ

واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے بر صغیر کے معروف شہر دہلی (بھارت) کو اپنی عقیدتوں کا مرکز ہونے کی وجہ سے احتراماً حضرت دہلی تحریر فرمایا ہے کیونکہ وہاں آپ کے مُرشد و مربی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز کی جائے سُکونت تھی۔ دراصل اہل اللہ کی توجہاتِ قدسیہ کی بو باس، ان کے قدوم میمنت لزوم کی برکات اور ان کے اذکار و وظائف و مراقبات کی

تاثیرات وفیوضات ان کی خانقاہوں اور آستانوں کے ماحول میں رچ بس جاتی ہیں۔ مزید بر آں ان اربابِ ایمان وشریعت اور اصحابِ احسان وطریقت پر رحمتوں کاورود اور ملائکہ کانزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیاتِ کریمہ: إِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (الأعراف ٥٦) اور تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ (فصلت ٣٠) سے عیاں ہے۔

بنابریں وہاں کی فضاؤں میں لطافت اور مٹی میں شرافت آجاتی ہے،یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے آستانوں کو شریف کہا جاتا ہے، جیسے بغداد شریف، اجمیر شریف، سرہند شریف، آلومہار شریف وغیرہا۔

حضرت علامہ ابو البیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہٗ العزیز نے ایک مجلس میں آستانہ عالیہ آلومہار شریف کے متعلق فی البدیہہ چند اشعار منظوم فرمائے ان میں سے صرف دو شعر ہدیۂ قارئین ہیں:

اے سرزمینِ اولیاء اے خطۂ آلومہار
شوکت خورشید تیرے ایک ذرے پر نثار
حضرت شیخ مجدد کی ولایت کا امیں
عشق و مستی کا حسین دلکش نگر آلومہار

مذکورہ حدیث کی محدثین کرام اور صوفیائے عظام نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق توجیہات بیان فرمائی ہیں۔ بعض محدثین کرام کے نزدیک وطن سے مراد روح کاوطن اصلی "عالمِ اَمر" ہے جو عرش سے فوق تر ہے۔ اس لئے بندۂ مؤمن کو اپنی حیات مستعار میں بھرپور کوشش کرنی چاہیئے کہ

اس کی روح کو وطن اصلی "عالمِ اَمر" اور "عالمِ وجوب" تک رسائی نصیب ہو جائے اور جسم کی قید سے رہائی میسر ہو جائے۔

حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روح کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

چند باشی از مقامِ خود جدا چند گردی در بدرائے بے حیا

بعض محدثین کرام کے نزدیک وطن سے مسلمان کی اسلامی سکونت مراد ہے، جبکہ صوفیائے عظام بدنِ انسانی کو وطن سمجھ کیر سیر اَنفسی مراد لیتے ہیں۔ غرضیکہ راہِ عشق میں لوگوں کے مختلف مذاہب ہوتے ہیں، جیسا کہ مشہور ہے: وَ لِلنَّاسِ فِیۡمَا یَعۡشِقُوۡنَ مَذَاھِبُ۔

کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

ملتِ عشق ز ملت ہا جدا است

عاشقاں را ملت و مذہب خدا است

پس بندہ کو حق تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ علاوہ ازیں کوئی اور مفر نہیں، کیونکہ اس کی پیشانی حق تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔

بقول شاعر:

اتنی رمز پچھانو یارو بہت کراں کیہہ گلاں

میں کریوں ہتھ واگ بلوچے جدھر چلاوے چلاں

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے ارشاد گرامی: "فَفِرُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ گفت دروے بوئے بگریزند" کے اہل طریقت نے تین مفاہیم بیان فرمائے ہیں:

پہلا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا اور معرفت کے حصول کے لئے اس کی اطاعت کرنی چاہیئے اور اس کے اوامر کو پابندی کے ساتھ بجالانا چاہیئے اور اسی کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ راہِ سلوک میں پیش آنے والے ظلال و تجلیات کو طفیلی قرار دیتے ہوئے اصل الاصول کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔یعنی حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات میں استغراق سے چھٹکارا حاصل کرکے حق تعالیٰ سبحانہٗ کی طرف رجوع اور عروج کرنا چاہیئے اور صفات سے ذات تعالیٰ کی طرف راغب ہونا چاہیئے اور یہی اولو العزم اور بلند ہمت بندۂ مؤمن کی علامت ہے۔

اقبال مرحوم نے خوب کہا:

مردِ مؤمن در نسازد باصفات ۔۔۔ مصطفٰی راضی نشد الابذات

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے غضب و عتاب سے ڈرتے ہوئے اس کے اوامر کی تعمیل کرنی چاہیئے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۷۶ تا ۷۲)

مکتوب نمبر ١٥٦

[اہل اللہ کی صحبت کی ترغیب میں یہ مکتوب بھی میاں مزمل کو لکھا:

جو خط آپ نے جالندھر کے قاضی زادہ کے ہاتھ روانہ کیا تھا، دہلی میں موصول ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃِ۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ فقراء کی محبت کا نقد سرمایہ آپ کے ہاتھ میں موجود ہے۔ اور مطابق بیانِ حدیث:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔

ترجمہ: آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے۔[1]

آپ بھی فقراء کے ساتھ ہیں، اگرچہ وقت اور زمانے کے لحاظ سے ماہِ رجب نزدیک ہے، لیکن حقیقت میں بہت دور ہے۔

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست
درونِ دیدہ اگر نیم مواست بسیار است

ترجمہ: دوست کی جدائی اگر تھوڑے سے وقت کے لئے بھی ہو تو وہ تھوڑی نہیں، آنکھ میں اگر آدھا بال بھی پڑ جائے تو بہت ہے۔

چونکہ اربابِ حقوق کے حقوق کی رعایت کی بنا پر آپ نے وہاں اقامت اختیار کی ہوئی ہے، تو ایسا ہی کریں۔ فقیر بھی ماہِ رجب تک شاید یہیں رہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ بہر حال چند روزہ زندگی کو فقراء کے ساتھ گزاریں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (الکھف ٢٨)

---

[1] (صحیح البخاری، ج ١٩، ص ١٤٥، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے۔

نص قطعی ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک علیہ من الصلوات اتمہاو من التسلیمات ایمنہا کو اس بات کا حکم دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں خداوند اوہ کیا ہے جو تونے اپنے دوستوں کو عطا کیا ہے، کہ جس نے انہیں شناخت کر لیا تجھے پالیا، اور جب تک تجھے نہ پایا ان کی شناخت بھی نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس بلند مرتبہ اور شریف گروہ کی محبت عطا فرمائے۔]

تشریح

کوئی بھی انسان دُنیا کی زندگی اکیلے نہیں گزار سکتا۔ دُنیا کے لوازمات پورے کرنے نیز ضروریات کی خاطر ایک انسان کو دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر رہنا اور باہمی نشست وبرَخاست رکھنا ایک لازمی وضروری اَمر ہے لیکن اس اختلاط میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ انسان جس ماحول اور جس مجلس میں وقت گزارتا ہے، وہ ماحول اس انسان پر اپنا کوئی نہ کوئی رنگ اور اثر ضرور چھوڑتا ہے اور یہ اثرات اتنے قوی ہوتے ہیں کہ اکثر اوقات انسان کی اُخروی زندگی پر بھی اثرانداز ہوتے ہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔ یعنی انسان اسی کے ساتھ شمار ہوتا ہے جس کے ساتھ اُس کی محبت ہو۔ پس اگر دُنیا میں نیک اور اچھے لوگوں کی محبت اور مجلس میں گرفتار رہا تو کل قیامت کے دِن بھی ان ہی کے ساتھ شمار ہو گا اور اگر خدانخواستہ دُنیا میں فاسق وفاجر اور بدکار لوگوں کی مجلسوں میں شریک رہا اور شریعتِ مطہرہ کی خلاف ورزیاں کرنے والوں کو دوست بنائے رکھا تو قیامت کے دِن اس کا حشر بھی ان ہی کے ساتھ ہو گا۔

بدکار وفاسق لوگوں کے ساتھ میل جول سے بچنے کی ترغیب اس آیہ کریمہ سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے۔'' غور فرمائیں کہ جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو نیک وصالح لوگوں کے ساتھ رہنے کی تلقین فرمائی ہے تو دوسروں کا کیا حال ہو گا۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مندرجہ بالا آیت کی تشریح کے ضمن میں مثنوی میں ایک حدیث شریف نقل کی ہے کہ:

اِذْھَبُوْا مَعَ اللّٰہِ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَذْھَبُوْا مَعَ اللّٰہِ فَاذْھَبُوْا مَنْ یَّذْھَبُ مَعَ اللّٰہِ حَتّٰی یُوْصِلَکُمْ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت و مجلس اختیار کرو، اگر آپ میں اللہ تعالیٰ کی صحبت اختیار کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر اُن لوگوں کی صحبت و مجلس اختیار کرو (جو اپنی باطنی استعداد کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحبت اختیار کر چکے ہیں (یعنی اولیاء کرام، کیونکہ ان کے ساتھ مجلس اختیار کرنے کے نتیجے میں) وہ تمہیں بھی اللہ عزّوجلّ کے ساتھ واصل کر دیں گے۔

نیز حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

صحبتِ صالح ترا صالح کند　　　صحبتِ طالع ترا طالع کند

ترجمہ: نیک وصالح لوگوں کی محفل تجھے بھی نیک وصالح بنادے گی اور بُرے لوگوں کی مجلس تجھے بھی بُرا بنا دے گی۔

اس بات کا بھی دھیان رہے کہ دُنیا میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر وقت اور ہر زمانے میں ۴۰۰۰ اولیاء کرام مقرر کر رکھے ہیں جن میں سے ۳۷۰ صاحبِ منصب ہوتے ہیں اور طلبِ صادق رکھنے والوں کو تلاش سے ان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ جب ایک دفعہ کسی کامل و مکمل ولی کی صحبت مل جائے اور

اُس کے ہاتھ پر بیعت کرکے تصوف کی لڑی میں داخل ہو جائے تو پھر پچھلے پاؤں بھاگنا اور سلوک کو ادھورا چھوڑنا جائز و مناسب نہیں۔ چاہیئے کہ ایسے شیخ کی صحبت و مجلس لازمی طور پر پکڑی جائے اور اس کے وعظ و نصیحت سے دِل تنگ نہ ہو، بلکہ اس کی تعلیمات کے مطابق اپنی اصلاح کرے۔ ہر شیخ اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق اپنے مُریدین کی باطنی تربیت کرتا ہے اور کسی مُرید کی نگاہ اگر بہت بُلند ہو اور وہ ایک مقام تک جا پہنچنے کے بعد دیکھے کہ اَب میرے شیخ سے مزید میری ترقی ممکن نہیں تو پھر کسی اعلیٰ مقام و مرتبے والے شیخ سے فیوض وبرکات لے لے، لیکن پہلے شیخ کا انکار کئے بغیر۔ البتہ اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل سے پہلے ہی ایسا شیخ مل جائے جو جذبہ و سلوک کی قوی نسبت کا حامل ہو اور اعلیٰ مشرب رکھتا ہو تو پھر ایسے شیخ کا دامن چھوڑنا خطرے سے خالی نہیں اور اُسی کا ہو کر رہ جانا فائدے سے خالی نہیں۔ ہاں اگر پہلے قدم میں ہی پتہ چل جائے کہ میں نے ایک ناقص پیر سے بیعت کر لی ہے تو اب فوراً اسے چھوڑ دے اور کسی کامل کو تلاش کرے۔ کیونکہ ناقص پیر کی صحبت شیر سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

(دارالمعـــرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فقراء کی صحبت کی ترغیب دلا رہے ہیں۔ فقراء کی معیت وصحبت کا اندازہ اس اَمر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کو فقراء کی معیت کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِینَ یَدۡعُونَ رَبَّھُمۡ بِالۡغَدَاۃِ وَالۡعَشِيِّ یُرِیدُونَ وَجۡھَهٗ (الکھف ۲۸) سے عیاں ہے۔

حدیث میں آتا ہے:

اِصْحَبُوْا مَعَ اللّٰہِ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَصْحَبُوْا مَعَ اللّٰہِ فَاصْحَبُوْا مَنْ یَّصْحَبُ مَعَ اللّٰہِ حَتّٰی یُوْصِلَکُمْ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت اختیار کرو اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی مصاحبت کی استطاعت نہیں تو اس کی معیت اختیار کرلو جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو تاکہ وہ تمہیں اللہ عزّوجلّ سے واصل کر دے۔ [1]

اہلِ طریقت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام جہان کی نیکیاں بجا لائے لیکن وہ فساق کا مصاحب بھی ہو تو اس کی جملہ طاعات باطل ہو جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص عبادات وطاعات کم بجالاتا ہے یا اسے نیکی کی توفیق بالکل ہی نہیں لیکن اسے صالحین کی صحبت میسر ہے تو اس کی تمام برائیاں محو ہو جاتی ہیں اور وہ زمرۂ صالحین میں شمار ہوتا ہے۔ امید ہے کہ صحبتِ صلحاء کی یمن وبرکت سے اسے گناہوں سے چھٹکارا حاصل ہو جائے اور وہ اعمالِ صالحہ بجالائے۔

اسی لئے کہتے ہیں:

اَلصَّلٰوۃُ وَالصِّیَامُ نُقْضِیْ وَصُحْبَۃُ الصَّالِحِیْنَ وَالْعَارِفِیْنَ لَا تُقْضٰی۔

یعنی ہم نماز وروزہ تو قضا کر لیتے ہیں لیکن صالحین اور عارفین کی صحبت قضا نہیں کرتے۔ [2]

نماز گر قضا ہوں، پھر ادا ہوں
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

---

[1] (تحفۃ الجمال وخزینۃ الاحوال قلمی، ص ۱۱۹)
[2] (تحفۃ الجمال، ص ۱۴۷)

قدوۃ الاخیار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ العزیز نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

نماز را بحقیقت قضا تواند بود

ولیک صحبت ما را قضا نہ خواہد بود

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۷۵، ۷۶)

مکتوب نمبر ۱۵۷

[حکیم عبد الوہاب کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ جب کوئی درویشوں کی خدمت میں جائے توچاہیئے کہ اپنے آپ کو خالی کر کے جائے تا کہ پُر ہو کے واپس آئے۔ اور اس اَمر کے بیان میں کہ سب سے پہلے عقائد درست کرنے چاہئیں۔

آپ دو دفعہ تشریف لائے، لیکن جلدی ہی اُٹھ کر چلے آئے۔ اتنی فرصت نہ مل سکی کہ صحبت کے کچھ حقوق ادا کئے جاتے۔ ملاقات سے مقصود یا افادہ (فائدہ پہنچانا) ہوتا ہے یا استفادہ (فائدہ حاصل کرنا) اور جب مجلس ان دونوں باتوں سے خالی ہو تو بے کار اور بے اعتبار ہے۔

اس گروہِ اہل اللہ کی خدمت میں خالی ہو کر آنا چاہیئے۔ تا کہ پُر ہو کر واپس لوٹے۔ اور اپنے افلاس اور محتاجی کا اظہار کرنا چاہیئے، تا کہ وہ اس پر شفقت اور مہربانی فرمائیں۔ اور فیض پہنچانے کا راستہ کھُلے۔ سیر ہو کر آنا اور سیر ہو کر ہی چلے جانا بے مزہ ہے۔ اپنے پُر ہونے کا خیال مرض کے باعث ہے۔ اور بے نیازی سرکشی میں ڈال دیتی ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں پہلے نیازمندی اور خستہ دلی درکار ہے، پھر دل شکستہ کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔ لہٰذا بندگانِ حق کی توجہ کے لئے نیازمندی شرط ہے۔ تاہم ان اوقات میں جب ایک طالبِ علم یہاں آیا اور آپ کی خدمت میں سفارش کی طلب کا اظہار کیا، تو دل میں آیا کہ آپ کے صرف تشریف لانے کا بھی حق ہے۔ لہٰذا اپنی طرف سے ممکن حد تک حق ادا کرنا چاہیئے۔ اس بنا پر بذریعہ قلم گذشتہ کے تدارک اور تلافی کے طور پر چند کلمات وقت

اور حال کے تقاضا کے مطابق لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کئے گئے ہیں۔ وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہُ الۡمُلۡھِمۡ لِلصَّوَابِ وَالۡمُوَفِّقُ لِسَّدَادِ۔

اے سعادت کے نشان والے جو کچھ ہم اور تم پر لازم وضروری ہے وہ علماءِ حق شکر اللہ سعیھم کے طریقہ کے مطابق کتاب وسُنت کے تقاضے کے موافق عقائد کی تصحیح ہے اور اپنے آپ کو ان عقائد پر قائم رکھنا ہے، جو علمائے اہلِ سُنت نے قرآن وسنت سے اخذ کئے ہیں کیونکہ ہمارا اور تمہارا قرآن وسنت کے کسی معنی کو سمجھنا، اگر ان بزرگوں کی آراء کے مطابق نہیں، تو کچھ اعتبار نہیں رکھتا کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے احکامِ باطلہ کو قرآن وسنت سے ہی سمجھنے کا دعویدار ہے اور یہیں سے اخذ کرتا ہے حالانکہ ان کا گمان حق کے مقام پر کچھ نفع نہیں دے سکتا۔

دوسرے نمبر پر احکامِ شرعیہ حلال وحرام وفرض واجب کا علم حاصل کرنا۔ تیسرے اس علم کے مطابق عمل کرنا، اور چوتھے تصفیہ اور تزکیہ کا طریقہ اختیار کرنا جو صوفیائے کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو جب تک عقائد درست نہ کریں، احکامِ شرعیہ کا علم کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اور جب تک یہ دونوں (تصحیحِ عقائد اور احکامِ شرعیہ کا علم) حاصل نہ ہوں عمل نفع نہیں دیتا۔ اور جب تک یہ تینوں متحقق نہ ہوں، تزکیہ اور تصفیہ کا حصول محال ہے۔

جس طرح سُنتیں فرائض کو مکمل کرنے والی ہیں اسی طرح ان چار رکنوں کے اپنے متممات اور مکملات کے بعد جو کچھ ہے سب فضول ہے اور لایعنی میں داخل ہے۔

وَمِنۡ حُسۡنِ اِسۡلَامِ الۡمَرۡءِتَرۡ کُہٗ مَالَا یَعۡنِیۡہِ وَاشۡتِغَالُہٗ بِمَا یَعۡنِیۡہِ۔

ترجمہ: بندے کے حُسنِ اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ کر بامقصد باتوں میں مشغول ہو جائے۔[1]

ہر اُس شخص پر سلامتی کا نزول ہو جو ہدایت کا پیروکار اور متابعتِ مصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات پر کاربند ہو۔]

تشریح

اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے چار چیزوں کو بیان فرمایا ہے۔مکتوب شریف کی واضح عبارت کے نتیجے میں سامنے آنے والے اُمور کی ترتیب یوں ہے کہ:

۱۔ عقائد کی درستگی۔

۲۔ حلال و حرام اور فرض وواجب کا علم حاصل کرنا۔

۳۔ علم پر عمل کرنا۔

۴۔ تصفیہ وتزکیہ۔

لیکن ان چار (۴) ضروری کاموں کے ساتھ ساتھ ایک شیخ کامل کے لئے ایک مزید چیز بھی درکار ہے اور وہ یہ کہ آنے والے مہمانوں اور راہِ حق کے طالبوں کے ظاہری وباطنی حقوق کا لحاظ رکھا جائے اور وعظ ونصیحت کے ذریعے ان کی رہنمائی کی جائے۔

گویا ایک مکمل اسلامی اور صوفیانہ زندگی گزارنے کے لئے یہ چار شرائط ہیں جنہیں اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا انتہائی اہم اور ضروری ہے۔

---

[1] (سنن ابن ماجه، ج۵، ص ۱۱۸، الناشر: مکتبة أبي المعاطي، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۸۱۰، الناشر: جمعية المكنز الإسلامي، سنن الترمذی، ج ۹، ص ۹۸، المکتبة الفاروقية)

شرطِ اوّل کے بارے میں حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یوں فرماتے ہیں:

دستِ اشکستہ برآور در دُعا سوئے اشکستہ برد فضلِ خدا

شکر کن مرِ شاکران را بندہ باش

پیش ایشان مردہ شو پائندہ باش

خاک شو مردانِ حق را زیرِ پا

خاک بر سر کن حسد را ہمچناں

تاکہ نان نشکستہ قوت کے دہد ناشکستہ خوشہ ہا کے مے دہد

تاہلیلہ نشکند با ادویہ کے شود خود صحت افزا دریا

اشعار کا ترجمہ: دُعا میں اپنے ہاتھ کو سیدھا نہیں بلکہ اپنی طرف جھکا کر رکھو اس لئے کہ جو شخص (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ) کی جانب عجز وانکساری سے جُھک جائے اس پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے شکر گزار بن جاؤ اور جو لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے شکر گزار بندے ہیں اُن کے غلام بن جاؤ جس طرح غاسل کے سامنے مُردہ ہوتا ہے، تاکہ کامیابی حاصل ہو۔

مَردانِ حق (اولیاء اللہ) کے پاؤں کی خاک بن جاؤ اپنے اوپر اور اپنے کینہ، غصہ اور حسد پر مٹی ڈال دو۔ جب تک کوئی روٹی کا نوالہ لے کر اُسے اپنے منہ میں اچھی طرح چبا نہ لے اس سے قوت وطاقت کب ملتی ہے؟ اسی طرح جب تک گندم کے خوشوں کو کاٹ کر اچھی طرح پیس نہ لیں، وہ قوت نہیں دیتے۔

جب تک ہریڑ کو اچھی طرح پیس نہ لیں تو اس کو دوسری ادویات میں ڈالنے کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ ادویات میں ہریڑ کو سالم رکھنے سے صحت کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی مبارک زندگی میں جو آخری خطبہ جو مسجدِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں دیا اُس میں دیگر تعلیمات کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ "دِلوں میں عاجزی پیدا کرو (اور) اپنے جسموں کو عبادت سے تھکائے رکھو"۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بھی سالکینِ طریقت کو دِلوں میں عجز وانکساری پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے تاکہ غرور و تکبر سے خلاصی ہو اور اپنے شیخ سے فیوض وبرکات حاصل کر سکیں۔ جو شخص اپنے باطن کے سَیر ہونے کا گمان کرے وہ متکبر لوگوں میں شمار ہوتا ہے اور نتیجتاً تصوف کی برکات سے محروم رہتا ہے اس لئے اس راہ کا پہلا قدم ہی اپنے اندر عاجزی وانکساری پیدا کرنا ہے اگر پہلا قدم ٹھیک پڑ گیا تو اگلے قدم آسان ہو جائیں گے۔

ا۔ عقائد کی درستگی: نجاتِ اُخروی کے لئے جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ عقائد کا درست ہونا ہے، اگر عقائد خدانخواستہ خراب ہوں تو اعمال کتنے ہی بھاری کیوں نہ کر لئے جائیں، نجات متصور نہیں اور عقائد کی درستگی کے لئے ان عقائد کی اتباع کرنا ضروری ہے جو سراجِ اُمت حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرآن واحادیث سے استنباط کئے ہیں۔ اور وہی عقائد جمہور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں بیان فرمائے ہیں۔ آج ہر عالم اور ہر مفتی اپنی مرضی کے عقائد کی تشہیر کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرقۂ ناجیہ اہلِ سُنت وجماعت بھی تقسیم ہو چکا ہے۔ اگر یہ لوگ دین میں اپنی خرافات شامل کرنے کی بجائے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں کا

مطالعہ کرتے اور آپ کے مقلدِ جلیل حضرت ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کردہ عقائد کو اپناتے تو دین کا وہ حشر نہ ہوتا جو آج نظر آرہا ہے۔

یہاں پر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فضیلت اور ان کی تقلید کی اہمیت وضرورت کو اجمالی طور پر بیان کیا جانا ضروری ہے، جن کی تخریج میں جن کتب (مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ للموفق المکی الخوارزمی اور مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ للکردری البزازی رحمہم اللہ تعالیٰ) کا حوالہ دیا گیا وہ بہت زیادہ نایاب وناپید ہیں اور جن کے اصل قلمی نسخے (جو کہ عربی زبان میں ہیں) بڑی مشکل سے حاصل کئے گئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْجُمُعَةِ فَلَمَّا قَرَأَ: {وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ} (الجمعة:٣) قَالَ رَجُلٌ: مَنْ هَؤُلَاءِ؟ يَا رَسُولَ اللهِ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى سَأَلَهُ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، قَالَ: وَفِينَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ قَالَ: فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا، لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ هَؤُلَاءِ۔

فِيْ رِوَايَةٍ: لَوْ كَانَ الدِّينُ عِنْدَ الثُّرَيَّا، لَذَهَبَ بِهِ رَجُلٌ مِنْ فَارِسَ أَوْ قَالَ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ حَتَّى يَتَنَاوَلَهُ۔

ترجمہ: ہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر سورۃ الجمعۃ نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (الجمعة:٣) تو ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ کون لوگ ہیں؟ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ اس آدمی نے ایک، دو یا تین

دفعہ سوال دُہرایا۔ اس آدمی نے کہا: ہم میں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنا دستِ مبارک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر رکھ کر فرمایا: ''اگر ایمان ثُریا(چھ ستارے جو آسمان پر متصل واقع ہیں) پر ہوا تو ان میں سے کچھ لوگ اسے پالیں گے''۔ایک اورروایت میں ہے کہ:''اگر دین ثُریاکے پاس ہوا تو فارس کا ایک آدمی یافارس کے بیٹوں میں سے ایک اس تک پہنچ جائے گا،حتٰی کہ اُسے حاصل کرلے گا''۔[1]

مندرجہ بالا آیت مبارکہ اور احادیثِ مبارکہ میں حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فارس (ماوراء النہر) سے تعلق رکھتے ہیں۔

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ فِي أُمَّتِي رَجُلا، وَفِي حَدِيثِ الْقَصْرِيِّ: يَكُونُ فِي أُمَّتِي رَجُلٌ اسْمُهُ النُّعْمَانُ، وَكُنْيَتُهُ أَبُو حَنِيفَةَ هُوَ سِرَاجُ أُمَّتِي، هُوَ سِرَاجُ أُمَّتِي، هُوَ سِرَاجُ أُمَّتِي۔

ترجمہ: میری اُمت میں ایک شخص ہے اور حدیثِ قصری میں ہے کہ میری اُمت میں ایک شخص ہوگا جس کا نام نعمان اور اس کی کنیت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوگی وہ میری اُمت کا چراغ ہوگا،وہ میری اُمت کا چراغ ہوگا،وہ میری اُمت کا چراغ ہوگا۔[2]

---

[1](صحیح مسلم،صحیح مسلم،ج۴،ص ۱۹۷۲،الناشر:دار إحیاء التراث العربي-بیروت)

[2](تاریخ بغداد،ج ۱۵،ص ۴۵۹،الناشر:دار الغرب الإسلامي-بیروت)

نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

سَيَأْتِي مِنْ بَعْدِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: النُّعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ، وَيُكَنَّى: أَبَا حَنِيفَةَ، لَيُحْيِيَنَّ دِينَ اللهِ وَسُنَّتِي عَلَى يَدَيْهِ۔

ترجمہ: میرے بعد ایک ایسا شخص آئے گا جسے نعمان بن ثابت کہا جائے گا اور اس کی کُنیت ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہو گی، اس کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کا دین اور میری سُنت زندہ ہو گی۔ [1]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إن آدم افتخر بي و أنا أفتخر برجل من أمتي اسمه نعمان و كنيته أبو حنيفة، هو سراج أمتي۔

ترجمہ: حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھ پر فخر کرتے تھے اور میں اپنی اُمت میں ایک شخص پر فخر کرتا ہوں جس کا نام نعمان اور کُنیت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے، وہ میری اُمت کا چراغ ہے۔ [2]

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إن سائر الأنبياء يفتخرون بي و أنا أفتخر بأبي حنيفة، من أحبه فقد أحبني، و من أبغضه فقد أبغضني۔

ترجمہ: سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مجھ پر فخر کرتے تھے اور میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر فخر کرتا ہوں جس کسی نے انہیں (ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے ان سے بُغض رکھا اس نے مجھ سے بُغض رکھا۔ [1]

---

[1] (تاریخ بغداد، ج ۳، ص ۱۰۳، الناشر: دار الغرب الإسلامي -بيروت)

[2] (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۵۲، الناشر: دار الفكر -بيروت)

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ اَلاَ اُنَبِّئُکُمْ بِرَجُلٍ مِنْ کُوْثَانٍ وَھُوَ مِنْ سَوَادِ الْکُوْفَۃِ وَمِنْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا وَمِنْ کُوْفَتِکُمْ ھٰذِہٖ یُکْنٰی بِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ قَدْ قَلْبُہٗ عِلْمًا وَّ حِلْمًا وَسَیَھْلِکُ بِہٖ قُوْمٌ فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ اَلْغَالِبُ عَلَیْھِمُ التَّنَابُزُ یُقَالُ لَھُمُ الْبَنَانِیَّۃُ کَمَا ھَلَکَتِ الرَّافِضَۃُ بِاَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا۔

ترجمہ: میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آج میں تمہیں ایسے مرد کی خبر سُنانا چاہتا ہوں جو کوثان کے (اہلِ علم کے) سردار ہوں گے، وہ کوفہ کے شہر میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کنیت سے شہرت پائیں گے۔ آپ کا دل علم وحلم کے (خزانے) سے بھرا ہو گا اور آخر زمانہ میں بعض لوگ ان سے بغض وحسد کی وجہ سے طعن وتشنیع کرکے اپنا ایمان خراب کریں گے، جن کو بنانیہ کہا جائے گا جس طرح روافض نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو طعن وتشنیع کرکے اپنا ایمان خراب کیا۔[2]

حضرت عبد الکریم بن مسعر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ جَمَاعَۃً مِّنْ اَھْلِ الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ مَکْتُوْبٌ فِی التَّوْرَاۃِ صِفَۃُ کَعْبِ الْاَحْبَارِ وَالنُّعْمَانِ بْنِ ثَابِتٍ مُقَاتِلِ بْنِ سُلَیْمَانَ۔

---

[1] (رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱، ص ۵۲، الناشر: دار الفکر -بیروت)

[2] (مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ للموفق المکی علیہ الرحمۃ، الباب الثانی فی ذکر الاخبار التی ذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیھا وکذلک الصحابۃ والتابعون رضی اللہ تعالیٰ عنھم وفی ذکر صفتہ وھیئتہ وغیر ذلک، ج ۱، ص ۱۸)

ترجمہ: میں نے اہلِ علم کی ایک بہت بڑی مجلس میں سُنا انہوں نے بتایا کہ تورات میں کعب الاحبار ونعمان بن ثابت ومقاتل بن سلیمان رحمہم اللہ تعالیٰ کے اوصاف لکھے ہوئے ہیں۔ [1]

حضرت یحیٰ القصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ:

كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ سَائِبِ الْكَلْبِیْ يَمْدَحُ كَثِيْرًا اَبَا حَنِيفَةَ وَيَذْكُرُ اَنَّهُ وَجَدَ صِفَتَهُ فِیْ بَعْضِ الْكُتُبِ وَاَنَّهُ يَحْشَى الْحِكْمَةَ كَمَا يَحْشَى الرُّمَّانَةُ مِنَ الْحَبِّ۔

ترجمہ: حضرت محمد بن سائب الکلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تعریف میں فرماتے تھے کہ میں نے کتب میں لکھا ہوا پایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حکمت اور دینی علوم سے ایسے بھرے ہوئے ہوں گے جس طرح انار میں انار کے دانے بھرے ہوتے ہیں۔ [2]

حضرت عبد الرحمٰن المقری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کعب الاحبار کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ:

اِنِّیْ لَاَجِدُ اَسَامِیَ الْعُلَمَاءِ اَهْلِ الْفِقْهِ مَكْتُوْبَةٌ بِصِفَاتِهِمْ وَاَنْسَابِهِمْ اَهْلَ زَمَانِهِ وَاِنِّیْ لَاَجِدُ اِسْمَ رَجُلٍ يُقَالُ لَهُ نُعْمَانُ بْنُ ثَابِتٍ يَكْنٰى بِاَبِیْ حَنِيْفَةَ فَاَجِدُ لَهُ شَانًا عَظِيْمًا فِیْ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ وَالْحِلْمِ وَالْعِبَادَةِ وَالزُّهَادَةِ قَدْ سَادَ اَهْلَ زَمَانِه مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِمَّنْ يَّشْبَهُهُ وَهُوَ بَدْرُهُمْ يَعِيْشُ مَغْبُوْطًا وَيَمُوْتُ مَغْبُوْطًا۔

---

[1] (مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة للموفق المکی علیہ الرحمۃ، الباب الثانی فی ذکر الاخبار التی ذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیھا وکذلک الصحابة والتابعون رضی اللہ تعالیٰ عنھم وفی ذکر صفتہ وھیئتہ وغیر ذلک، ج ۱، ص ۱۶)

[2] (مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة للموفق المکی علیہ الرحمۃ، الباب الثانی فی ذکر الاخبار التی ذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیھا وکذلک الصحابة والتابعون رضی اللہ تعالیٰ عنھم وفی ذکر صفتہ وھیئتہ وغیر ذلک، ج ۱، ص ۱۷)

ترجمہ: میں نے علمائے (اُمتِ محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) اور فقیہانِ عصر کے اسمائے گرامی (الہامی کتابوں) میں لکھے ہوئے پائے ہیں۔ ان اسمائے گرامی کے ساتھ ان حضرات کے اوصاف ونسب بھی درج تھے جو اپنے زمانے کے فقیہ ہوں گے۔ مجھے ان (ناموں) میں ایک شخص نعمان بن ثابت کا نام نظر آیا جن کی کنیت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہو گی۔ میں نے آپ کے اوصاف میں آپ کے علم، فقہ، حلم وبُردباری، عبادت اور زُہد وتقویٰ کے متعلق بڑی شان پانے کی تفصیل دیکھی۔ یہ بات خصوصی طور پر دیکھی کہ آپ اپنے زمانہ کے اہلِ علم کے امام ہوں گے اور ان کی شخصیت (آسمان پر) چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں ہو گی۔ لوگ ان کی زندگی پر بھی رَشک کریں گے اور موت پر بھی۔ [1]

مذہبِ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فضیلت پر مندرجہ بالا احادیث وروایات کے دلائل کے علاوہ یہ بات بھی آپ کی عظمت کا ثبوت ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تابعی تھے، کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تقریباً سَتر (۷۰) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کی ہے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ باقی دو آئمہ (حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ) کو یہ شرف حاصل نہیں اس لئے ہم حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر مستحکم ہیں۔ اگر بفرضِ محال تھوڑی دیر کے لئے موضوع حدیث والا الزام مان بھی لیا جائے تو کیا باقی نقل کردہ احادیث سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اور اگر فضیلت ثابت ہوتی ہے تو ایک حدیث کا انکار کرنا معترضین کے تعصب کا کُھلا ثبوت ہے۔

---

[1] (مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة للموفق المکی علیہ الرحمۃ، الباب الثانی في ذکر الاخبار التی ذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فیھا وکذلک الصحابة والتابعون رضی اللہ تعالی عنھم وفی ذکر صفتہ وھیئتہ وغیر ذلک، ج ۱، ص ۱۷)

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہم عصر تھے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عراق کے فقہی اور محدث تھے جبکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مدینہ منورہ کے فقہی اور محدث تھے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب حاکمِ وقت کے کہنے پر موطا تصنیف فرمائی تو حاکمِ وقت کو پیش کی اور فرمایا کہ میری موطا سارے مسائل کا حل نہیں ہے بلکہ سارے مسائل حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ اور کوئی حل نہیں کر سکتا۔

اور اسی طرح حواشی در مختار میں لکھا ہے کہ بہ تحقیق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انصاف کیا وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص فقہ سیکھنے کا ارادہ کرلے اس پر لازم ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ساتھ نہ چھوڑے اس لئے کہ معانی دقیقہ (باریکیاں) ان پر سہل اور آسان ہوگئی ہیں اور حضرت محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (شاگرد حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں سے ہی فقیہ ہوا ہوں۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

النَّاسُ كُلُّهُمْ عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْفِقْهِ۔

ترجمہ: تمام لوگ فقہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عیال ہیں۔[1]

دوسری جگہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرح فرماتے ہیں کہ:

اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اَبِیْ حَنِيْفَةَ فِي الْفِقْهِ۔

[1](مرقاۃالمفاتیح،ج۳،ص۱۰۶۱،الناشر:دارالفکر،بیروت-لبنان)

ترجمہ: تمام فقہاءِ فقہ میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عیال ہیں۔

فصولِ ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت کے داناترین شخصیت ہیں۔

تو ان مندرجہ بالا روایات سے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کی تقلید کی اہمیت وضرورت واضح ہو جاتی ہے۔ اب اگر اتنا کچھ پڑھنے اور جانچنے کے بعد بھی کوئی شخص حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عقائد کی مخالفت کرے اور خودساختہ عقائد کی پیروی کرے تو گمراہی کے علاوہ اس کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ حلال وحرام اور فرض وواجب کا علم حاصل کرنا: دین کا اتنا علم جس سے حلال وحرام اور فرض وواجب کی پہچان ہو جائے، ہر مسلمان پر حاصل کرنا فرض ہے اور با قاعدہ مکمل عالمِ دین بننا فرض کفایہ ہے، ضرورتِ دین سے مراد ایسے اُمور ہیں، جن کے ذریعے حلال اُمورِ شریعت کے طریقے پر انجام دیئے جاسکیں اور حرام اُمور سے بچا جاسکے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں انسان پر اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے کہ جس کے بغیر احکام کی ادائیگی ممکن نہ ہو، مثلاً وضوء اور نماز وغیرہ کی ادائیگی کے طریقے کا علم۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا، آپ فرمارہے تھے:

الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشبهاب استبرَأَ لِدِينِهِ وعِرْضِهِ ومَنْ وقعَ فِي الشبُهَاتِ وَقعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ

الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُله أَلا وَهِيَ الْقَلب۔

ترجمہ: حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے، چنانچہ جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دِین اور اپنی آبرو کو بچا لیا اور جو کوئی ان مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہو گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو شاہی چراگاہ کے آس پاس (اپنے جانوروں کو) چرائے، قریب ہے کہ چراگاہ کے اندر اس کا جانور گھس جائے۔ آگاہ رہو کہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، خبردار! اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی زمین میں حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سُن لو! بدن میں ایک ٹکڑا (گوشت کا) ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو سارا بدن سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو! وہ ٹکڑا دل ہے۔ [1]

حضرت علاؤ الدین حصکفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

وَاعْلَمْ أَنَّ تَعَلُّمَ الْعِلْمِ يَكُونُ فَرْضَ عَيْنٍ وَهُوَ بِقَدْرِ مَا يَحْتَاجُ لِدِينِهِ۔ وَفَرْضَ كِفَايَةٍ، وَهُوَ مَا زَادَ عَلَيْهِ لِنَفْعِ غَيْرِهِ۔ وَمَنْدُوبًا، وَهُوَ التَّبَحُّرُ فِي الْفِقْهِ وَعِلْمِ الْقَلْبِ (قَوْلُهُ: وَاعْلَمْ أَنَّ تَعَلُّمَ الْعِلْمِ إلَخْ) أَيْ الْعِلْمُ الْمُوصِلُ إلَى الْآخِرَةِ أَوْ الْأَعَمُّ مِنْهُ۔ قَالَ الْعَلَامِيُّ فِي فُصُولِهِ: مِنْ فَرَائِضِ الْإِسْلَامِ تَعَلُّمُهُ مَا يَحْتَاجُ إلَيْهِ الْعَبْدُ فِي إقَامَةِ دِينِهِ وَإِخْلَاصِ عَمَلِهِ لِلّٰهِ تَعَالَى وَمُعَاشَرَةِ عِبَادِهِ۔ وَفُرِضَ عَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ وَمُكَلَّفَةٍ بَعْدَ تَعَلُّمِهِ عِلْمَ الدِّينِ وَالْهِدَايَةِ تَعَلُّمُ عِلْمِ الْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، وَعِلْمِ الزَّكَاةِ لِمَنْ لَهُ نِصَابٌ، وَالْحَجِّ لِمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ وَالْبُيُوعِ عَلَى التُّجَّارِ لِيَحْتَرِزُوا عَنْ الشُّبُهَاتِ وَالْمَكْرُوهَاتِ فِي سَائِرِ الْمُعَامَلَاتِ۔

وَكَذَا أَهْلُ الْحِرَفِ، وَكُلُّ مَنْ اشْتَغَلَ بِشَيْءٍ يُفْرَضُ عَلَيْهِ عِلْمُهُ وَحُكْمُهُ لِيَمْتَنِعَ عَنْ الْحَرَامِ فِيهِ، اه۔

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج۵، ص ۱۸۹۱، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

ترجمہ: جان لو کہ علم کا سیکھنا کبھی فرضِ عین ہوتا ہے اور اتنی مقدار ہے جتنی اسے اپنے دین کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ اور کبھی فرضِ کفایہ ہوتا ہے اور یہ اتنی مقدار ہے جو دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے اپنی ضرورت سے زائد ہو، کبھی علم کا سیکھنا مندوب و مستحب ہوتا ہے جیسا کہ فقہ میں مہارت اور تبحر (یعنی فقہ میں وسعت پیدا کرنا اور اس کے پوشیدہ اور مخفی اُمور پر اطلاع پانا ہے) حاصل کرنا۔ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ: قَوْلُهُ: وَاعْلَمْ أَنَّ تَعَلُّمَ الْعِلْمِ إلَخْ۔ یعنی وہ علم جو آخرت تک پہنچانے والا ہوتا ہے یا اس سے اعم مراد ہے "العلامی" نے اپنی فصول میں فرمایا ہے کہ: اسلام کے فرائض میں سے اتنی مقدار کا سیکھنا ہے جس کا بندہ اقامتِ دین، اخلاص عمل اور معاشرتِ عباد کے لئے محتاج ہوتا ہے۔ ہر بالغ مرد اور بالغہ عورت پر علمِ دین اور ہدایت سیکھنے کے بعد وضوء، غسل، نماز، روزہ، زکوٰۃ (جو صاحبِ نصاب ہو) اور حج (جس پر فرض ہو) کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور تاجر پر بیوع کا علم حاصل کرنا فرض ہے تا کہ وہ تمام معاملات مکروہات اور شبہات سے احتراز کریں۔ اسی طرح اہلِ حرفہ (پیشہ) کا حکم ہے جو کسی کام میں مشغول ہوں اس کا علم اور اس کا حکم معلوم کرنا اس پر فرض ہے تا کہ اس میں حرام سے بچ جائے۔ [1]

۳۔ احکامِ شرعیہ پر عمل: عقائد کی درستگی کے ساتھ ساتھ احکامِ شرع پر عمل بالعموم اور عقائد کی درستگی کے بعد بالخصوص فرض ہے اور آخرت کے امتحان کے سوالات دُنیاوی اعمال کے بارے میں ہی ہونے ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نہ جاننے والے کے لئے ایک دفعہ ہلاکت وافسوس ہے اور جو علم پر عمل نہیں کرتا اس کے لئے سات بار ہلاکت وافسوس ہے۔

---

[1] (رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار، مقدمه، ج ۱، ص ۴۲)

حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جولوگ اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اُنہیں ایسے علوم کی توفیق ملتی ہے جو اُن کے پاس نہیں ہوتے یعنی غیبی علوم۔

یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ عمل کا درست ہونا تب ہی متصور ہو سکتا ہے جب کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ اپنی خواہش و تمنا اور اپنی آسانی کے مطابق کئے جانے والے اعمال قبولیت کے لائق نہیں ہوتے۔ عمل کو درست کرنے کے لئے فقہاء اُمت نے قوانین وضع فرمائے ہیں اور قیامت تک آنے والی اُمتِ مرحومہ کی رہنمائی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں۔ اب جبکہ ہمارے پاس خوش قسمتی سے اعمال و مسائل کا انمول خزانہ ''حنفی فقہ'' کی صورت میں موجود ہے تو پھر اس کے مخالف طرزِ زندگی اختیار کرنا اور ان عظیم فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے عملاً اختلاف کرنا کب درست ہے؟

ابن القیم لکھتے ہیں کہ:

لَا یَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ یَأْخُذَ مِنَ الْکِتَابِ وَ السُّنَّۃِ مَا لَمْ یَجْتَمِعْ فِیْہِ شُرُوْطُ الْاِجْتِھَادِ۔

کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کتاب اللہ (قرآن عظیم الشان) اور سُنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (احادیثِ مبارکہ) سے مسائل اخذ کرے جب تک اُس شخص میں اجتہاد کی شرائط موجود نہ ہوں۔ [1]

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

علی العامي الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء في حقه إلى معرفة الأحاديث۔

---

[1] (اعلام الموقعین عن الرب العالمین)

ترجمہ: عام آدمی پر فقہاء کی اقتداء (تقلید) واجب ہے اس لئے کہ وہ احادیث کی چھان بین کی صلاحیت نہیں رکھتا۔[1]

حضرت امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

وَهٰذِهِ الطَّائِفَةُ النَّاجِيَةُ قَدِ اجْتَمَعَتْ الْيَوْمَ فِيْ مَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَهُمُ الْمَالِكِيُّوْنَ وَالْحَنَفِيُّوْنَ وَالشَّافِعِيُّوْنَ وَالْحَنْبَلِيُّوْنَ۔

ترجمہ: وہ فرقۂ ناجیہ جو چار مذاہب (فقہ) میں منحصر ہے وہ مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی ہیں (یعنی ان میں سے محض کسی ایک کو ہی فرقۂ ناجیہ نہیں کہا جاسکتا) بلکہ یہ چاروں کے چاروں ہی فرقۂ ناجیہ اہلِ سُنّت وجماعت میں شمار ہوتے ہیں۔[2]

نیز آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وَمَنْ كَانَ خَارِجًا عَنْ هٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالنَّارِ۔

ترجمہ: اور جو اس زمانے میں ان چار مذاہب سے خارج ہو جائے تو وہ اہلِ بدعت اور دوزخیوں میں سے ہے۔[3]

تفسیرِ صاوی جو فقۂ شافعی کی مستند تفسیر ہے اس میں ہے کہ:

وَلَا يَجُوْزُ تَقْلِيْدُ مَا عَدَا الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَلَوْ وَّافَقَ قَوْلَ الصَّحَابَةِ وَالْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ وَلِآيَةِ فَالْخَارِجُ عَلَى الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ ضَالٌّ وَّمُضِلٌّ وَّرُبَمَا اَدَاءَ ذٰلِكَ الْكُفْرَ لِاَنَّ الْاَخْذَ بِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ اُصُوْلِ الْكُفْرِ۔

---

[1] (الهداية شرح البداية، ج ١، ص ١٣٠، الناشر المكتبة الإسلامية)

[2] (حاشية الدر المختار المسماة بالطحطاوى، كتاب الذبائح ثم الفتح المبين في كشف مكايد غير المقلدين، ص ٤٥١، ٤٥٧)

[3] (حاشية الدر المختار، المسماة بالطحطاوي، كتاب الذبائح ثم الفتح المبين في كشف مكايد غير المقلدين، ص ٤٥١، ٤٥٧)

ترجمہ: ان چار مذاہب کے علاوہ کسی اور مذہب کی تقلید جائز نہیں ہے اگرچہ کوئی ان (مذاہب کے) موافق قولِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حدیثِ صحیح اور آیت سے بھی استنباط کرکے پیش کرے۔ اور اس کی یہ (بات) مذاہبِ اَربعہ سے خارج ہو تو وہ شخص خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کررہاہے اور کبھی تو اس سے کفر بھی صادر ہوسکتاہے اس لئے کہ قرآن وحدیث کے ظاہری الفاظ سے احکامات اخذ کرنا اصولِ کفر سے ہے۔[1]

اب یہ بات بھی جان لیں کہ چاروں مذاہب کی تقلید واجب نہیں ہے بلکہ ان چار میں سے کسی ایک کی فقہ کی تقلید کرنا ہی واجب وضروری اور احسن ہے۔ جب کسی ایک امام کی فقہ کو چُن لیا تو اب زندگی کے تمام معاملات کو اُسی فقہ کے مطابق ادا کرنا ضروری ہوگا۔ یہ نہ ہو کہ ایک مسئلہ میں حنفی فقہ کی اتباع کی جائے اور کسی دوسرے مسئلہ میں مالکی بن جائے۔ نیز کسی مسئلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقلید مشکل نظر آئے تو وہاں شافعی فقہ کی پیروی کرنے لگے۔ بلکہ اگر حنفی ہے تو ہر معاملہ فقہ حنفی کے مطابق ہی حل کرنا ہوگا اور اگر شافعی فقہ کا پیروکار ہے تو اسے ہر معاملے میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقلید کرنا ہوگی۔ علیٰ ھذا القیاس۔

ایک اہم بات جسے واضح کرنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کسی مقلد کا اپنے امام سے کسی بھی بات بھی اختلاف کرنا قطعًا جائز نہیں اور نہ ہی مقلد کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے۔ امامانِ فقہ وہ ہستیاں ہیں جن کے سینے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کمالِ فضل سے دین کو سمجھنے اور قرآن واحادیث کے پوشیدہ معارف کو جاننے کے لئے کھول دیئے ہیں اور انہیں دولتِ اجتہاد کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز کیا ہے۔ شرع شریف کے باریک نکات اور گہرائیوں کو ان کے لئے کھول دیا گیا اور انہیں نظر کی وہ

---

[1] (حاشیۃ الصاوی علی تفسیرِ جلالین، ج ۴، ص ۱۱۹۲)

فراست عطا کر دی گئی تھی جو بعد میں بہت ہی قلیل لوگوں کے حصے میں آئی۔ قرآن عظیم الشان کی بعض آیات اور احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ظاہری اختلاف کو سمجھنا اور پھر خداداد صلاحیت ولیاقت کی بدولت ان کی آپس میں تطبیق اور اختلافات کو حل کرنا ان ہی پاک ہستیوں کے نصیب میں آیا ہے نیز قرآن وحدیث کو سمجھنے اور ان سے مقاصد ومطالب کو اخذ کرنے کے لئے جن جن علوم کی ضرورت تھی ان پر مکمل عبور بھی فقہ کے ان اماموں کو ہی حاصل ہوا ہے اور ہم جیسے عوام کو ان باریکیوں تک رسائی نہیں دی گئی اس لئے مقلد پر اپنے امام کی متابعت کو واجب کر دیا گیا تاکہ کوئی شخص دین پر محض اپنی سمجھ سے عمل نہ کرے بلکہ امامِ فقہ کی مدون شدہ فقہ کے مطابق چلے۔ اگر ہر کسی کو دین کی تشریح کرنے کی اجازت دی گئی ہوتی تو دینِ حقہ کے عظیم کام میں رخنہ پڑ سکتا تھا بلکہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دین میں جو رخنہ پڑ چکا ہے وہ بھی اس وجہ سے پڑا کہ مختلف ادوار اور دُنیا کے مختلف حصوں میں امامانِ دین کی پیروی کو ترک کر دیا گیا۔ آج ہر شخص مفت میں مفتی بنا ہوا ہے جس نے اُردو میں دو چار کتابیں پڑ لیں، وہی عالم ہے اور جس نے ایک دو مسائل سیکھ لئے وہی مجتہد ہے۔ ہر مسجد میں الگ قاعدہ کلیہ نظر آتا ہے اور ہر مولوی صاحب کا اپنا الگ نقطۂ نظر ہے۔ کوئی بھی فقہ پر اکٹھا ہونے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس کا جو نتیجہ نکل رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔

پھر یہ بات بھی جان لیں کہ جو لوگ فقہ کی تقلید کرتے ہیں چاہے نام کی ہی تقلید سہی جب ان کا یہ حال ہے کہ انہیں دین کے مسائل میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دی گئی تو اب ان لوگوں کا اندازہ آپ خود لگا لیں جو سِرے سے تقلید کے قائل ہی نہیں اور فقہ کے کسی امام کو مانتے ہی نہیں۔

حضرت امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

وَمَنْ کَانَ خَارِجًا عَنْ هٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ فِیْ ذٰلِکَ الزَّمَانِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالنَّارِ۔

ترجمہ: اور جو اس زمانے میں ان چار مذاہب سے خارج ہو جائے تو وہ اہلِ بدعت اور دوزخیوں میں سے ہے۔[1]

علامہ ابن قیم کا قول بھی گزر چکا ہے کہ جب تک کسی میں اجتہاد کی شرائط نہ پائی جائیں تو کتاب اللہ اور احادیث سے مسائل کا استخراج اُس کے لئے جائز نہیں۔ مراد یہ ہے کہ اُسے تقلید کرنی پڑے گی۔

۴۔ سلوک اور وصل الی اللہ: جب شریعتِ مطہرہ کے ظاہری احکام کی مندرجہ بالا شرائط پوری ہو جائیں تو اب شریعت کے باطن کی طرف متوجہ ہونا بھی ضروری اَمر ہے جسے حدیث شریف کے الفاظ میں احسان کا نام دیا گیا اور علماءِ کرام و صوفیاءِ عظام کی اصطلاح میں تصوف و سلوک کہا گیا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ:

مَا صَبَّ اللّٰهُ فِي صَدْرِي شَيْئًا إِلَّا صَبَبْتُهُ فِي صَدْرِ أَبِي بَكْرٍ۔

ترجمہ: وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ میں ڈالی ہے وہ میں نے ساری ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ میں ڈال دی ہے۔[2]

اب یہاں سے تواتر شروع ہو گیا کیونکہ وہ فیض جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بلاواسطہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے حاصل کیا تھا اُسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت

---

[1] (حاشیة الدر المختار، المسماة بالطحطاوی، کتاب الذبائح ثم الفتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین، ص ۴۵۱، ۴۵۷)

[2] (الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۱۵، الناشر: دار الفکر للطباعة والنشر، بیروت-لبنان)

ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں منتقل کرنے کا فرمار ہے ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے وہ چیز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منتقل ہوئی اور پھر سینہ بہ سینہ وہی فیوض وبرکات اور توجہات آج تک رونق افروز ہو رہے ہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ تصوف سینہ بہ سینہ چلتا رہا ہے۔

تصوف کی دوسری دلیل وہ حدیثِ مبارکہ ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ صَافَحَنِیْ اَوْ صَافَحَ مَنْ صَافَحَنِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَھٰذِہٖ الْمُصَافَحَةَ یُوْجَدُ فِیْ الطَّائِفَةِ الْعُلْیَةِ الصُّوْفِیَة۔

جس نے میرے ساتھ مصافحہ کیا یا اُس کے ساتھ مصافحہ کیا جس نے میرے ساتھ مصافحہ کیا ہو (یعنی میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کے ساتھ مصافحہ کیا) اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہا تو (مصافحہ کے اس سلسلے اور لڑی میں آنے والا) جنت میں جائے گا۔ اور یہ مصافحہ صوفیہ کے بلند گروہ میں پایا جاتا ہے۔[1]

اور علماء محققین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تصوف وسلوک کی طرف واضح اشارہ ہے کیونکہ مصافحہ کا یہ سلسلہ تصوف میں ہی پایا جاتا ہے جب ایک مُرید اپنے شیخ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر بیعت کرتا ہے پھر ایک دن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل سے وہ مُرید خود درجہٗ ولایت پر فائز ہو جاتا ہے اور پھر اُس کے مُریدین اُس سے بیعت کرکے مذکورہ مصافحہ کی لڑی میں پروئے چلے جاتے ہیں تو ان

---

[1] (قطب الارشاد، باب کفی بشارة لمن دخل فی طریقة الصوفیة، ص ٥٤٠، رسالة المسلسلات، باب الحدیث المسلسل بالمصافحة الخضریة، ص ٥٦، ج ١، الفوائد الجلیلة فی المسلسلات ابن عقیلة، باب الثانی المسلسل بالمصافحة، ص ٢٥)

پر یہ حدیثِ مبارکہ صادق آتی ہے، جس میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

لا تجلسوا عند كل عالم إلا إلى عالم يدعوكم من خمس إلى خمس من الشك إلى اليقين ومن الرياء إلى الإخلاص ومن الرغبة إلى الزهد۔

ترجمہ: ہر عالم کے پاس نہ بیٹھا کرو سوائے اُس عالم کے جو تمہیں پانچ چیزوں سے پانچ چیزوں کی طرف بُلائے۔ شک سے یقین کی طرف، تکبر سے تواضع کی طرف، عداوت سے ہمدردی کی طرف، رِیا سے اخلاص کی طرف اور طمع سے زُہد کی طرف۔ [1]

اور اس میں شک نہیں کہ رِیا سے جان چھڑا لینا اور دولتِ اخلاص کا حاصل کرنا ہی تصوف کا حاصل ومقصود ہے پس لازم وضروری ہے کہ شریعت کے ظاہری اعمال کے ساتھ ساتھ سلوک کی منازل بھی طے کی جائیں لیکن سلوک کے لئے کسی کامل ومکمل اور صاحبِ جذبہ شیخ کا دامن پکڑنا چاہیئے۔ ہر کس وناکس کو پیر بنالیناہی کافی نہیں ہوتا۔

(دارالمعـــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اہل اللہ کی صحبت کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ جب کسی شخص کو اہل اللہ کی مجالس میں حاضری کی توفیق نصیب ہو تو اسے اپنے علمی وجاہتوں، خاندانی شرافتوں، عملی نخوتوں، فنی مہارتوں، منصبی عظمتوں اور مالی شوکتوں سے کنارہ کش ہو کر اخلاص وانکسار، شکستہ دلی اور نیاز مندی سے حاضر ہونا چاہیئے، تاکہ استفاضہ وافاضہ کی راہیں کھل سکیں کیونکہ یہی شکستہ خاطری وعاجزی وانکساری قابلِ توجہ اور لائقِ التفات ہوا کرتی ہے۔

---

[1] (احیاءعلوم الدین، ج ۱، ص ۶۳، الناشر: دار المعرفة -بیروت)

کسی شاعر نے بزبانِ فارسی اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

دست اشکستہ برآور در دعا　　　سوئے اشکستہ پرد فضل خدا

شکر کن مر شاکراں را بندہ باش

پیش ایشاں مردہ شو پایندہ باش

خاک شو مردان حق را زیر پا

خاک بر سر کن حسد را ہمچوما

تا کہ نان نشکستہ قوت کے دہد　　　نا شکستہ خوشہ ہا کے مے دہد

تا ہلیلہ نشکند با ادویہ　　　کے شود خود صحت افزا در ریہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو تنبیہ فرمارہے ہیں کہ جب اہل اللہ کے ہاں زیارت وحاضری کا شرف نصیب ہو تو نہایت نیاز مندی اور شکستہ خاطری کے ساتھ ان کے حضور ادعیہ وتوجہات کی التجاء کرنی چاہیئے تاکہ استفاضہ وافاضہ کی راہیں کھل سکیں۔ چونکہ اہل اللہ سنت وشریعت پر کاربند ہوتے ہیں اس لئے وہ زائرین وحاضرین کی ظاہری وباطنی ضیافت کا اہتمام فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: إِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَيْکَ حَقًّا۔[1] سے عیاں ہے۔ علاوہ ازیں اہل اللہ مخلوق خدا کے لئے رُشد وایمان، ایقان وعرفان، فضل وفتوحات، فیوض وبرکات اور حسنات وعنایات کا مؤجب ہوتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ ان کے آستانوں اور خانقاہوں پر حاضر ہوتے ہیں وہ دارین کی سعادتوں اور کونین کی برکتوں سے مالامال ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔[2] سے عیاں ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج۷، ص ۸۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (صحیح البخاری، ج۲۰، ص ۲۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز شریعت وطریقت کے ارکانِ اربعہ کے متعلق ایک نہایت اہم نصیحت فرمارہے ہیں، جس پر بندۂ مؤمن کے عقائد واعمال واخلاق کا مدار اور فلاح ونجات کا انحصار ہے۔

ارکانِ اربعہ درج ذیل ہیں:

۱۔عقائد کی تصحیح ۲۔احکامِ شرعیہ کی تعلیم

۳۔ تحصیلِ علم کے بعد تعمیل ۴۔تزکیۂ نفس کی تحصیل

مذکوہ بالا ارکان کی تصحیح وتعلیم اور تحصیل آئمہ مجتہدین، علمائے راسخین، متکلمین اہلسنت اور مشائخِ طریقت کے کتاب وسنت کی روشنی میں بیان فرمودہ عقائدواحکام اور تعلیمات کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اپنے علمِ خام اور عقلِ ناتمام کے ذریعے کتاب وسنت کو سمجھنے سے اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ ان اسلاف کرام نے عہدِ رسالت کے قرب، وفورِ علم، کمالِ تقویٰ وورع، کثرت روایات، ایمانی فراست، باطنی بصیرت اور جودت ملکۂ استنباط کی بناء پر ناسخ ومنسوخ، محکم ومؤوّل، مقدم ومؤخر اور متضاد ومتعارض نصوص میں مطابقت وموافقت بیان فرمائی ہے۔جو علمی وسعت اور اجتہادی بصیرت تابعین عظام میں ظاہر ہوئی وہ متاخرین کو میسر نہ ہو سکی۔ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَاءُ

اسی لئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لمعات میں تحریر فرمایاہے:

ولقد ظهر بسطة العلم والاجتهاد في التابعين مالم يظهر في غيرهم۔[1]

[1](لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۹، ص ۲۵۷، الناشر: دار النوادر، دمشق -سوریا)

جیسے ادیانِ عالم میں دینِ اسلام ہر قسم کے افراط و تفریط سے پاک متوسط دینِ متین ہے، جو دنیوی فوز وفلاح اور اخروی نجات وکامرانی کا ضامن ہے اور یہی دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہے۔

حضرت امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

ودين الله في الأرض والسماء واحدوهو دين الإسلام، قال الله تعالى: {إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الإِسْلَامُ} (آل عمران:۱۹) وقال تعالى: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران۸۵)وقال تعالى: {وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلامَ دِيناً} (المائدة:۳)، وهو بين الغلو والتقصير، وبين التشبيه والتعطيل، وبين الجبر والقدر، وبين الأمن والإياس۔[1]

ایسے ہی مسلک اہل سنت وجماعت ہر قسم کے حشو وزوائد اور افراط و تفریط سے پاک معتدل و متوسط صراطِ مستقیم ہے، جو بندۂ مؤمن کو فکری انتشار اور قلبی اضطراب سے نجات دلا کر سوادِ اعظم اور جماعت کے ساتھ متمسک و مجتمع رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ یہی اُمتِ محمدیہ اور ملتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی غالب اکثریت اور ناجی جماعت ہے۔

حضرت العلام ملاجیون صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

فَاِنَّهَا مُتَوَسِّطَةٌ بَيْنَ الْجَبْرِ وَ الْقَدْرِ وَبَيْنَ الرِّفْضِ وَ الْخُرُوْجِ وَبَيْنَ التَّشْبِيْهِ وَ التَّعْطِيْلِ الَّذِىْ فِيْ غَيْرِهَا وَعَلٰى طَرِيْقِ سُلُوْكٍ جَامِعٍ بَيْنَ الْمُحَبَّةِ وَ الْعَقْلِ فَلَا يَكُوْنُ عِشْقًا مَحْضًا مُفْضِيًّا اِلَى الْجَذْبِ وَ لَا عَقْلًا صِرْفًا مُوْصِلًا اِلَى الْاِلْحَادِ وَ الْفَلْسَفَةِ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا۔

یعنی بے شک عقائد اہلسنت جبریہ، قدریہ، رافضیہ وخارجیہ اور تشبیہہ و تعطیل کے درمیان ہیں، جو ان کے علاوہ ہیں۔ ایسے ہی عقائد اہلسنت محبت اور عقل کے درمیان جامع ہیں، جو نہ تو محض عشق

[1] (العقيدة الطحاوية، ج ۱، ص ۲۵، البينات شرح مكتوبات، ج ۴، ص ۸۳، ۸۴)

ہی ہیں کہ انسان کو کیفیتِ جذب تک پہنچادیں اور نہ ہی صرف عقل پر ان کی بنیاد ہے جو انسان کو الحاد وفلسفہ (کفر) تک پہنچادیں۔ ہم اس قسم کے عقائد فاسدہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔[1]

حضرت امام بزدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کنز الاصول میں علم کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ توحید وصفات کا علم ۔۔۔۔۔ ۲۔ شرائع واحکام کا علم

قسم اول کا تعلق اصول کے ساتھ ہے اسے علم کلام اور فقہ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ اور قسمِ ثانی کا تعلق فروعات کے ساتھ ہے، اسے فقہ اصغر بھی کہتے ہیں۔

اہلسنت وجماعت کا اطلاق باعتبارِ اصول تین گروہوں پر ہوتا ہے:

۱۔ ماتریدیہ ۔۔۔۔۔ ۲۔ اشاعرہ ۔۔۔۔۔ ۳۔ حنابلہ

حضرات مالکیہ اور شوافع عقائد میں حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیروکار ہیں اسی لئے انہیں اشاعرہ یا اشعریہ کہتے ہیں۔

حضراتِ حنبلیہ عقائد میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیروکار ہیں، اسی لئے انہیں حنابلہ کہا جاتا ہے۔ فرقۂ ظاہریہ اور جمہور اہلِ حدیث بھی عقائد میں خود کو حنبلی کہلواتے ہیں۔[2]

جمہور احناف عقائد وکلام میں شیخ الاسلام حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تابع ہیں بنابریں خود کو ماتریدی کہلواتے ہیں۔ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہاء اور ارباب مذاہب میں وہ پہلے متکلم ہیں جنہوں نے "الفقۃ الاکبر" تصنیف فرمائی جس میں قدریہ کارد ہے۔

---

[1] (نور الانوار، ص ٦، مکتبۃ العلم، ملتان)

[2] (بغیۃ الرائد)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مسائل کلامیہ میں گو مشائخ ماتریدیہ کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، جو سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی متابعت کی بدولت شانِ عظیم کے حاملین ہیں جو مقاصد پر اقتصار اور فلسفیانہ موشگافیوں سے اعراض فرماتے ہیں۔ مگر جب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے آپ کو واقعہ میں "تواز مجتہدانِ علمِ کلامی"[1] کا مژدہ سنایا ہے تب سے علم کلام کے ہر مسئلہ میں آپ تقلید و تخمین کے لحاظ سے نہیں بلکہ الہام و فراست کی بناء پر خاص رائے اور مخصوص علم رکھتے ہیں، جس کا بین ثبوت آپ کے مکتوبات شریفہ اور رسائل مبارکہ میں جابجا مسائل کلامیہ کا تذکرہ ہے۔ خصوصًا رسالہ کثیر البرکات جسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی اُمت کے مشائخ کی بہت بڑی جماعت کے ہمراہ تشریف فرما، اپنے دستِ اقدس میں لئے ہوئے کمالِ کرم سے بوسہ دیا اور مشائخ کو دکھا کر فرمایا:

"این نوع معتقدات می باید حاصل کرد"۔

اس قسم کے عقائد حاصل کرنے چاہئیں۔[2]

بعض حضرات کے نزیک رسالہ کثیر البرکات سے مراد مکتوب ۲۶۶، دفتر اول ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

واضح رہے کہ وہ عقائد جو کتاب و سنت سے صراحتًا ثابت ہیں ان میں علم کلام کے کسی امام کی پیروی نہیں کی جاتی، البتہ وہ بعض مسائل جن میں قدرے اخفاء و پوشیدگی ہے ان میں علم کلام کے مجتہدین کی اجتہادی تحقیقات اور علمی تدقیقات کی آراء کے مطابق اپنے اعتقادات کو درست کرنا چاہیئے۔ یوں جو شخص علم الہدیٰ حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات

---

[1] (مبدأ و معادمنھا، ص ۲۸)

[2] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۶)

و تدقیقات کا پیرو کار ہو، اسے ماتریدی کہا جاتا ہے اور جو امام اہلسنت حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات پر عمل پیرا ہو، اسے اشعری کہتے ہیں۔ ایسے ہی جو شخص امام المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات پر کاربند ہو اسے حنبلی کہتے ہیں۔ علمائے متکلمین ماتریدیہ اور علمائے متکلمین اشاعرہ کے درمیان ۴۰ مسائل میں اختلاف ہے۔[1]

مگر علمائے متکلمین نے ان مسائل مختلفہ میں تطبیق بیان فرما کر اسے لفظی نزاع قرار دے دیا۔ یوں علمائے کرام نے بقیہ ۱۲ مسائل[2] اور بعض نے ۱۳ مسائل[3] میں اختلاف کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

اہل سنت کا اطلاق باعتبار فروعات احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ پر ہوتا ہے، جو ائمہ اربعہ کی فقہی تحقیقات اور اجتہادی استنباطات پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ قواعد اجتہادیہ کی روشنی میں استنباط شدہ مسائل متفقہ میں چاروں آئمہ مجتہدین کی اطاعت و تقلید پر جمیع اہلسنت کاربند ہوں گے، البتہ مسائل مختلفہ میں اپنے اپنے امام کی ہی تقلید واطاعت کریں گے، کیونکہ مؤمنین کو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اہلِ علم مستنبطین اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ جیسا کہ آیاتِ کریمہ: وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء ۸۳) اور يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (آل عمران ۵۹) سے عیاں ہے۔

---

[1] (مذاهب الاسلام)

[2] (عقائدِ مجددیه)

[3] (المتون المعتبره، ص ۲ ،مطبوعه ماؤنٹ ورنن، نیویارک)

واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت عقائدِ اسلامیہ اور احکامِ شرعیہ میں بغیر طلبِ دلیل بحیثیت رسول مکرم واجبِ قطعی ہے، جبکہ آئمہ مجتہدین کی اطاعت مسائلِ اجتہادیہ میں بغیر مطالبۂ دلیل ان کے تقویٰ واجتہاد اور ان کے ساتھ حسنِ ظن کی بناپر واجبِ ظنی ہے۔۔۔۔اسی اطاعت کو تقلید کہا جاتا ہے۔

تقلید کی تعریف

علمائے کرام نے تقلید کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے:

اَلتَّقْلِیْدُ اِتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَیْرُہٗ فِیْمَا سَمِعَہٗ یَقُوْلُ اَوْ فِیْ فِعْلِہٖ عَلٰی زُعْمِ اَنَّہٗ مُحَقِّقٌ بِلَا نَظْرٍ فِیْ الدَّلِیْلِ۔

یعنی کسی شخص کا اپنے علاوہ کسی اور کو محقق جانتے ہوئے اس کے قول و فعل کی دلیل میں غور وفکر کئے بغیر اتباع کرنا تقلید کہلاتا ہے۔[1]

تقلید کی اس تعریف سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ صحابہ کرام اور آئمہ مجتہدین وغیرہم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مقلد نہیں بلکہ سب امتی ہیں۔کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کاہر قول و فعل دلیلِ شرعی ہے جبکہ تقلید میں دلیلِ شرعی کا اعتبار نہیں ہوتا۔

---

[1](حاشیہ نورالانوار، ص ۲۲۰)

احکامِ شرعیہ کی اقسامِ ثلاثہ

علمائے کرام نے احکامِ شرعیہ کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں:

قسم اول

اعتقادات وہ دینی اور قطعی الدلالۃ اصول ہیں جو نصوص سے صراحتًا ثابت ہیں۔ جن کا ایک ہی معنی ہو سکتا ہے اور ان میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں۔ ان میں اجتہاد و تقلید جائز نہیں، انہیں مسائلِ منصوصہ غیر متعارضہ بھی کہا جاتا ہے۔

قسم دوم

وہ مسائل ہیں جن میں نصوص باہم متعارض ہوتی ہیں جن کے رفع تعارض کے لئے مجتہد اپنی ایمانی فراستوں، اجتہادی صلاحیتوں، علمی وسعتوں اور فقہی بصیرتوں کو بروئے کار لاکر نہایت دقتِ نظر اور اپنے وسیع و عمیق مطالعہ کی بناء پر ان نصوصِ متعارضہ میں یوں مطابقت کرتا ہے جسے پڑھ کر قارئین کو شرح صدر، روحانی انبساط اور قلبی طمانیت نصیب ہو جاتی ہے۔ اور حضرت شارع کی غرض وغایت اور منشائے رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ جیسے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صومِ سفر کے سلسلہ میں مسافر کے تین احوال کے پیشِ نظر مختلف روایات میں ایسی شاندار تطبیق بیان فرمائی، جو آپ کی مجتہدانہ صلاحیت اور فقیہانہ بصیرت کی بیّن دلیل ہے اور یہی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

اسی لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا:

الْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ أَبِي حَنِيفَةَ۔ [1]

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج ا، ص ۲۸، الناشر: دار الفکر، بیروت - لبنان)

اس قسم کے مسائل میں مجتہد کو اجتہاد کی ضرورت اور غیر مجتہد کو تقلید کی احتیاج ہوتی ہے۔

قسم سوم

وہ مسائل ہیں جو صراحتًا نصوص سے ثابت نہیں یا ثابت تو ہیں مگر ان نصوص میں متعدد معانی کے احتمال کی بنا پر قطعی طور پر کسی ایک معنی پر محمول نہیں کیا جاسکتا یا وہ نص جو کسی دوسری نص سے بظاہر متعارض ہوتی ہے جن میں تعیینِ احد الاحتمالات کے لئے مجتہد اجتہاد کرتا ہے۔ اس قسم کے مسئل مستنبطہ میں غیر مجتہد کو کسی مجتہد کی تقلید کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان مسائل کو مسائلِ غیر منصوصہ ظنی الدلالہ کہا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ کتاب و سنت کے وہ احکام جو قطعی ہیں یا جن میں کسی قسم کا ابہام واجمال یا تعارض وتناقض وغیرہا نہیں ہے، ان میں کسی امام ومجتہد کی تقلید کی کوئی ضرورت نہیں۔

جیسا کہ قطب شام حضرت علامہ عبد الغنی نابلسی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

فالأمر المتفق عليه المعلوم من الدين بالضرورة، لا يحتاج إلى التقليد فيه لأحد الأربعة، كفرضية الصلاة، والصوم، والزكاة، والحج، ونحوها، وحرمة الزنا، واللواط، وشرب الخمر، والقتل، والسرقة، والغصب، وما أشبه ذلك۔

والأمر المختلف فيه هو الذي يحتاج إلى التقليد فيه۔

یعنی وہ متفقہ مسائل جو بداھةً دین میں معلوم ہیں ان میں آئمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کی احتیاج نہیں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہا کی فرضیت اور زنا، لواطت، شراب نوشی، قتل، سرقہ اور غصب جیسی اشیاء کی حرمت جبکہ مختلف فیہ مسائل میں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے۔ [1]

---

[1](خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق، ج ۱، ص ۳، المكتبة الفاروقية)

اسی ضمن میں علامہ ابن قیم یوں رقم طراز ہیں:

لَا یَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ یَّأْخُذَ مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ مَا لَمْ یَجْتَمِعْ فِیْهِ شُرُوْطُ الْاِجْتِهَادِ۔

یعنی جس شخص میں اجتہاد کی شرائط نہیں پائی جاتیں اسے کتاب و سنت سے مسائل اخذ کرنا جائز نہیں، بلکہ اسے آئمہ مجتہدین کی تقلید کرنا ہوگی۔ [1]

حضرت العلام محبّ اللہ بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

اَجْمَعَ الْمُحَقِّقُوْنَ عَلٰی مَنْعِ الْعَوَامِ مِنْ تَقْلِیْدِ الصَّحَابَةِ رضوان اللّٰہِ علیہم أجمعین بَلْ عَلَیْهِمْ اِتِّبَاعُ الَّذِیْنَ سَوَّدُوْا وَبَوَّبُوْا وَهَذَّبُوْا وَنَقَّحُوْا وَفَرَّقُوْا وَعَلَّلُوْا وَفَصَّلُوْا قَالَ اِبْنُ صَلَاحٍ کَائِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ۔

یعنی محققین علماء کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ عامۃ المسلمین (غیر مجتہدین، علماء مجتہدین کی نسبت بہ منزلہ عوام ہیں) کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید سے منع کیا جائے بلکہ ان پر ان آئمہ مجتہدین کی اتباع لازم ہے جنہوں نے مسائل شرعیہ کی تسوید و تبویب، تہذیب و تنقیح اور تفریق کرکے معلل اور مفصل کو جدا جدا کر دیا، ابن صلاح شافعی نے کہا ہے ان سے مراد آئمہ اربعہ ہیں۔ [2]

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

اهل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثة او الاربعة علی اربعة مذاهب و لم یبق مذهب فی فروع المسائل سوی هذه الاربعة۔

---

[1] (اعلام الموقعین)

[2] (مسلم الثبوت في فروع الحنفية)

یعنی اہل سنت تیسری یا چوتھی صدی کے بعد مذاہب میں منقسم ہو گئے اور فروعی مسائل میں ان چاروں کے علاوہ کوئی مذہب باقی نہیں رہا۔[1]

حضرت علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

أَنَّ الْإِجْمَاعَ انْعَقَدَ عَلَى عَدَمِ الْعَمَلِ بِمَذْهَبٍ مُخَالِفٍ لِلْأَرْبَعَةِ لِانْضِبَاطِ مَذَاهِبِهِمْ وَانْتِشَارِهَا وَكَثْرَةِ أَتْبَاعِهِمْ۔

یعنی مذاہب اربعہ کے خلاف کسی مذہب پر عدم عمل پر امت کا اجماع ہو چکا ہے کیونکہ یہی مذاہب ضبطِ تحریر میں لا کر مدون و مرتب کئے گئے اور ان ہی کا چہار دانگ عالم میں انتشار و شیوع ہوا اور سینۂ گیتی پر ان ہی کے مقلدین ہیں۔[2]

حضرت علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس سلسلہ میں یوں رقم طراز ہیں:

هٰذِهِ الطَّائِفَةُ النَّاجِيَةُ قَدْ اِجْتَمَعَتَ الْيَوْمَ فِيْ مَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَهُمُ الْمَالِكِيُّوْنَ وَالْحَنَفِيُّوْنَ وَالشَّافِعِيُّوْنَ وَالْحَنْبَلِيُّوْنَ۔[3]

مذاہبِ اربعہ سے خروج باعثِ ضلالت ہے

---

[1] (التفسیر المظهری، ج ۱، ص ۵۱۸، ناشر: مکتبة رشدیه)

[2] (الإشباه والنظائر لإبن نجيم، ج ۱، ص ۱۰۸، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[3] (حاشية الدر المختار المسماة بالطحطاوی، کتاب الذبائح ثم الفتح المبين في كشف مكايد غير المقلدين، ص ۴۵۱، ۴۵۷)

حضرت علامہ احمد بن محمد الصاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بصیرت افروز اور چشم کشاوہ ارشاد گرامی ملاحظہ ہو جو آپ آیۂ کریمہ: وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (الکھف ۲۴) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوْزُ تَقْلِيْدُ مَا عَدَا الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ وَلَوْ وَافَقَ قَوْلَ الصَّحَابَةِ وَالْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ وَلِآيَةٍ فَالْخَارِجُ عَلَى الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ ضَالٌّ وَّمُضِلٌّ وَّرُبَمَا اَدَّاهُ ذٰلِكَ الْكُفْرَ لِاَنَّ الْاَخْذَ بِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ اُصُوْلِ الْكُفْرِ۔

یعنی مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں، اگرچہ وہ قول صحابہ، حدیث صحیح اور آیہ کریمہ کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ مذاہبِ اربعہ سے جدا ہونے والا گمراہ اور گمراہ گر ہے، بلکہ بسا اوقات مذاہب اربعہ سے خروج کفر تک پہنچا دیتا ہے، کیونکہ کتاب و سنت کے ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔[1]

نیز آیاتِ قرآنیہ اور ذخیرۂ احادیث مبارکہ پنسار کی دکان کی مانند ہیں اور آئمہ مجتہدین اطباء کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے مجتہدین ہی ان سے صحیح معنوں میں استفادہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ غیر مجتہدین ان کے باعث گمراہ بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا (البقرۃ ۲۶) سے واضح ہے۔
نیز حضرت امام ابن عیینہ کا سبق آموز ارشاد گرامی: اَلْحَدِيثُ مَضَلَّةٌ إِلَّا لِلْفُقَهَاءِ۔[2] بھی مد نظر رہنا چاہیئے۔

---

[1](حاشیۃ الصاوی علی تفسیرِ جلالین، ج ۴، ص ۱۱۹۲، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاھور)
[2](الاجتھاد و التقلید و تقلید غیر الأئمۃ الأربعۃ، ج ۱، ص ۳۹۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وَمَنْ كَانَ خَارِجًا عَنْ هٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ فِیْ ذٰلِکَ الزَّمَانِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ وَالنَّارِ۔[1]

چنانچہ آیہ کریمہ میں ہے:

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء ۱۱۵)

کسی نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا تھا کہ کون سی آیہ کریمہ اجماع کی حجیت پر دال ہے تو آپ نے تین سو بار قرآن مجید کو بالاستیعاب پڑھ کر مذکورہ آیہ کریمہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا:

أَنَّ اتِّبَاعَ غَيْرِ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ حَرَامٌ، فَوَجَبَ أَنْ يَكُونَ اتِّبَاعُ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ وَاجِبًا۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ۔

یعنی جو جماعت سے جدا ہو گیا وہ تنہا ہی نارِ جہنم میں ڈالا جائے گا۔[3]

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ۔

یعنی جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی ہٹا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔[4]

---

[1] (حاشية الدر المختار، المسماة بالطحطاوی، کتاب الذبائح ثم الفتح المبین في کشف مکاید غیر المقلدین، ص ۴۵۱، ۴۵۷)

[2] (التفسير الكبير، ج ۱۱، ص ۲۱۹، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۶۱، الناشر: المکتب الإسلامي-بيروت)

[4] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۱۰۹۱، الناشر: المکتب الإسلامي-بيروت)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سوادِ اعظم کے ساتھ متمسک اور جماعت ومجمع کے ساتھ منسلک رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ۔[1] سے عیاں ہے۔ اور جماعت ہی عنایات والتفات کی حقدار اور گمراہی سے محفوظ ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات: يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ۔[2] اور لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ۔[3] سے واضح ہے۔

اختلافِ صوفیاء کی حکمت

حدیث: اخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ۔[4] کے مصداق اختلاف ایک فطری حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں، لیکن اس میں اعتدال کا حسین امتزاج اور توازن کا جمیل امتیاز ہے، جیسے مجتہدین شریعت کے ہاں عبادات ومعاملات وغیرہا کے متعلق مختلف مذاہب ہیں، ایسے ہی مجتہدینِ طریقت کے باطنی اخلاق واعمال کے اصلاح ودرستگی کے متعدد سلاسل ہیں اور یہ سب راہِ اعتدال اور جادۂ تقسیم پر گامزن ہیں، جو ہر قسم کی نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات سے پاک ہیں، اس لئے ان کا اختلاف رضائے الٰہی کے لئے اخلاص وللّٰہیت پر مبنی ہوتا ہے۔ جملہ سلاسل طریقت کا مقصود ومطلوب ذات حق سبحانہٗ کا وصول اور رضائے حق کا حصول ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کے وصول وحصول کے طرق مختلف ومتعدد ہیں۔ جیسا کہ مقولہ: طُرُقُ الْوُصُوْلِ اِلَى اللّٰهِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ سے ثابت ہے۔

---

[1](مشکوٰۃالمصابیح، ج ۱، ص ۳۰، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[2](مشکوٰۃالمصابیح، ج ۱، ص ۲۱، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[3](مشکوٰۃالمصابیح، ج ۱، ص ۲۱، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[4](مرقاۃالمفاتیح، ج ۱، ص ۲۰، الناشر: دار الفکر، بيروت -لبنان)

یونہی جملہ مجتہدینِ طریقت اور جمیع علمائے حقیقت اس امر پر متفق ہیں کہ وصول الی اللہ متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات پر موقوف ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۱ ۳) سے واضح ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی فردیّت کاملہ اور جامعیتِ کبریٰ کی بدولت تمام انوار و تجلیات کے مورد اور فیوض وبرکات کے مصدر ہیں۔ جب صوفیائے کرام متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں وصول الی اللہ کے مراتب کی طرف گامزن ہوتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی فردیتِ کاملہ کی کوئی جہت اور حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی کوئی تجلی ان کے قلوب پر منعکس ہوتی ہے تو اس جہت یا تجلی سے اس سالک وصوفی کو ایک خاص باطنی تعلق پیدا ہو جاتا ہے، جسے صوفیاء کی اصطلاح میں نسبت کہتے ہیں۔ یہ خاص باطنی نسبت اس صوفی کے منتسبین ومریدین میں اتباعِ سنت وشریعت کی برکت سے ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے۔ سلاسلِ اولیاء میں نسبتوں کی یہی صورت اختلافِ صوفیاء کی بنیاد ہے۔ اصولی اور بنیادی طور پر تمام صوفیاء متحد الاصل ہیں، البتہ حصولِ مقصود کے طرق ومعالجات میں قدرے اختلاف ہے۔ جس کی بناء پر صوفیاء میں مخصوص مکاتبِ فکر قائم ہوئے۔ اس لئے وہ اپنی نسبتوں اور طبیعتوں کے میلان سے مجبور ہو کر ایک جانب عملاً مائل ہوتے ہیں اور دوسری جانب سے طبعًا گریز کرتے ہیں۔

حضرات خواجگانِ نقشبندیہ میں حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت صدیقی کا ظہور ہے، جنہیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ضمنیتِ کبریٰ حاصل تھی جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مَا صَبَّ اللّٰهُ فِي صَدْرِي شَيْئًا إِلا صَبَبْتُهُ فِي صدر أبي بكر۔[1] سے

[1](المنار المنيف في الصحيح و الضعيف، ج ۱، ص ۱۱۵، الناشر: مكتبة المطبوعات الإسلامية، حلب)

عیاں ہے۔ بنابریں اس نسبت کا فیض سینہ بہ سینہ القاء ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کا شیوع عالم میں امام الطریقہ غوث الخلیقہ حضرت شاہِ نقشبند بخاری قدس سرہٗ العزیز کے ذریعے ہوا۔ حضراتِ نقشبندیہ کی سیر انفسی ہونے کی وجہ سے نسبتِ نقشبندیہ میں سکوت واخفاء اور دوام حضور مع اللہ کا غلبہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ سلسلہ عالیہ نعرہ ہائے اشتیاق، ذکر بالجہر، تواجد اور رقص وسماع کی طرف التفات نہیں رکھتا اور اس میں شریعتِ مطہرہ اور سنن نبویہ علٰی صاحبہا الصلوات کے جواہرِ نفیسہ دے کر وجد وحال کے اخروٹ و منقّٰی نہیں خریدتے۔ ان ہی وجوہات کی بناء پر طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ سہل الوصول، اقرب الطرق اور منفرد و ممتاز ہے۔ امام طریقت حضرت سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ العزیز اسی نسبت کی تجدید واحیاء پر مامور ہوئے تھے۔ جبکہ دیگر سلاسلِ مقدسہ (چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ) غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ تعالٰی اسرارہم سے بالترتیب چہار دانگ عالم میں مشہور ہوئے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۹۷۵تا ۹۷۵)

مفتاح السلوک، جلد ہفتم میں ہے:

تقلید کے بیان میں

بعض علماء تقلید اور مذاہب سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن پاک، احادیث مبارک سے ثابت ہے۔

"مذہب" اصطلاحاً کہتے ہیں احکام شرعیہ کو متفقہ ہوں یا راجحہ اجتہادیہ جو ایک خاص امام نے ادلہ ظنیہ سے مستفاد کیا ہو۔ احکام متفقہ کو جزء مذہب کرنے کے واسطے کسی قول یا عبارت کو نقل کرنا

ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا علماء اسلام نے مذہب تعریفی عبارات میں ان کی طرف توجہ نہیں کی ہے کیونکہ اگر ان (احکام متفقہ) کو مذہب کا جزء قرار نہ دیا گیا تو مذہب کا اہم جزء گرا کرنا قص سمجھا جائیگا۔ اس لئے علماء امناء الشریعۃ نے فرمایا۔

"المذهب لغةً موضع الذهاب فحاصله الطريق۔ ثم نقل منه الى الاحكام الشرعية الاجتهادية التي هى طرائق المجتهدين يمرون عليها باقدام عقولهم الراجحة لتحصيل الظن بها۔ واما معناه فى العرف فهو مااختص به المجتهد من الاحكام الشرعية الفرعية الاجتهادية المستفادة من الادلة الظنية وهٰذا اشتمل مذاهب جميع المجتهدين۔ والتعريف الخاص لمذهب امامنا هو مااختص به من تلك الاحكام اه"۔

یعنی مذہب لغۃ میں جانے کی جگہ یعنی اس سے مراد راستہ ہے۔ پھر یہ احکام شرعیہ اجتہادیہ کی طرف منقول ہوا جن پر مجتہدوں کی عقلیں چلتی ہیں ایسے احکام جو راجحہ ہوں جن کو مجتہدوں کی ظن نے حاصل کیا ہو۔ اور عرفِ شرع میں مذہب کا معنی وہی احکام شرعیہ فرعیہ اجتہادیہ ہیں جن کو آئمہ اربعہ نے دلائل ظنیہ سے حاصل کیا ہو یہ تمام مذاہب کو شامل ہے اور ہمارے امام اعظم کے مذہب کی خاص تعریف وہی احکام (مذکورہ) ہیں جو امام مذکور کے ساتھ خاص ہوں۔ [1]

المذهب الصحيح المفتى به الذى مشت عليه اصحاب المتون الموضوعة لنقل الصحيح من المذهب اه۔

یعنی مفتٰی بہ صحیح مذہب وہ ہے کہ جس پر متون کے مصنفین گئے ہیں جو مذہب سے صحیح قول نقل کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔ [2]

"المذهب مافى المتون لانه ظاهر الرواية"۔

---

[1](حموی الاشباہ:ص:۱۲)

[2](رسالہ رسم المفتی ابن عابدین:ص:۳۶،ص:۴۰)

مذہب وہ مسائل ہیں جو متون میں مذکور ہیں اس لئے کہ وہ ظاہر الروایۃ ہے۔[1]

"ولانھا صارت متواترۃً۔اھ"۔

متون کے علماء نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ مذہب میں سے جو صحیح قول ہو۔ ذکر کرینگے[2]

حاصل: اقوال راجحہ مذہب کے جزء باتفاق المذاہب واجب الاتباع ہیں۔

تنبیہ: ایسا ہی اصول عقائد میں ۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب صرف وہی عقائد شرعیہ اصلیہ ہیں جو تمام فِرق اسلامیہ کی متفقہ ہو یا عقائد اختلافیہ میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ کے متقررہ مسائل ہوں۔ ان عقائدِ مذہب کا مخالف یا تو کافر ہے (مشرک ہو یا نہ ہو) اور یا مبتدع وضال ہے۔ جن سے احتراز ضروری ہے تاکہ اہل السنۃ والجماعۃ کو جو حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ میں منحصر ہیں گمراہ نہ کریں جیسا کہ وہابیہ کی عادۃ شنیعہ ہے۔

مذہب کی تقلید فرض ہے

مذہب کی تقلید کے فرض ہونے پر دلائل قرآن وحدیث اور اجماعِ امۃ محمدیہ سے ہیں۔

(۱) کقولہ تعالیٰ: وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿النساء۸۳﴾

اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف یا ذی اختیار لوگوں کی طرف جو ان میں سے ہیں

---

[1] (بحر ج ۱ ص ۲۸۴ ثم شامی ص ۲۷۲، ۲۷۱، ص ۳۷)

[2] (شامی ج ۱ ص ۴۹، رسم المفتی)

لوٹاتے تو ضرور جان لیتے اس کی حقیقت اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا اور رحمت تم پر تو ضرور تتبع شیطان کے ہو جاتے مگر تھوڑے۔

وجه الاستدلال:امر اللہ تعالی الجاهلین باطاعة العلماء وامر العلماء باطاعة المجتهدین رحمهم اللہ تعالی۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے علم لوگوں کو امر کیا ہے کہ علما کی تابعداری کریں۔ اور علماء کو امر فرمایا کہ مجتہدوں کی تقلید کریں۔ [1]

حضرات: افسوس ہے کہ مشکوٰۃ شریف کے لفظی معنیٰ جاننے والے آج کل اجتہاد کے مرتبہ پر ڈاکہ ڈال کر غصب کرتے ہوئے حدیث ''یلعن آخر ھٰذہ الامة اولها'' کا مصداق بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ!)

(۲) وقوله تعالی: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿توبة ۱۲۲﴾

اور نہیں مؤمنین پر یہ کہ نکلیں سب کے سب تو کیوں نہ ہوا یہ کہ نکلتا ہر ایک سے ایک فرقہ تاکہ سمجھ اور تفقہ حاصل کرتا دین میں اور ڈراتا اپنی قوم کو جب لوٹ کر واپس آتا تاکہ وہ (برے کاموں سے) بچتے۔''

وجه الاستدلال: انهم ذکروا فی الآیة توجیهین وعلیهما فاللہ تعالی اوجب علی المنذَر (اسم مفعول) تقلید المنذِر (اسم فاعل) اھ۔ [2]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ مفسرین نے اس آیت کی دو توجیہ بیان فرمائی ہیں۔ جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ڈرائے ہوئی قوم کو ڈرانے والی قوم کی تقلید کو ضروری فرمایا۔

---

[1] (تفسیر احمدی، مدارک، خازن، معالم التنزیل وغیرھا)

[2] (ملخص تفسیر احمدی: ص: ۴۸۲)

(۳) وَإِنْ جَاهَدَاکَ عَلَى أَنْ تُشْرِکَ بِي مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿لقمان ۱۵﴾

اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں۔ تو ان کا کہنا نہ مان اور انکا ساتھ دے دنیا میں اچھی طرح اور اس کی راہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع لایا۔''

وجہ الاستدلال: ان اللہ تعالی امر باتباع العلماء والصلحاء۔ اہ۔[1]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ باری اقدس نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے علماء مجتہدین اور صلحاء کی تابعداری پر امر فرمایا ہے۔

حضرات! جو لوگ تقلید کو حرام اور بدعت اور شرک جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں وہ لوگ قرآن وحدیث کے صحیح مقصد سے ناواقف ہیں۔ اپنی خواہش نفسانی کے پیرو ہو کر قرآن وحدیث کو برائے نام وناموس مقتدیٰ بتاتے ہیں۔

(۴) وقولہ تعالیٰ: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿النحل ۴۳﴾

اور نہیں بھیجے ہم نے تم سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو پوچھ لو اہل ذکر سے اگر تم خود نہیں جانتے۔''

وجہ الاستدلال: الاخذ بقول الفقیہ ھو المرجع الواجب علی من لم یعلم وھو التقلید اہ۔[2]

---

[1](تبصیر الرحمٰن: ج: ۲: ص: ۱۴۵، خازن: ج: ۳: ص: ۴۴۰ بالمعنی ملخصا)

[2](عنایہ ثم چلپی فصل البیر: ص: ۱۵، اتحاف المرید وحاشیۃ الامر: ص: ۱۱۵، فتح المبین لابن حجر: ص: ۲۸۴، ۵۰۶)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جن لوگوں میں اجتہاد مطلق کی علمی لیاقت نہ ہو توان پر مجتہد مطلق کی تقلید کرنے کا فریضہ ضرور عائد ہو جاتا ہے۔ اور یہی تقلید ہے۔

فان قیل: ھٰذہ الآیۃ نزلت فی علماء اھل الکتاب (فقط) فلایصح الاستدلال بھا۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے رھبان اور احبار کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے علمائے اسلام کیلئے استدلال صحیح نہیں ہے۔

قلنا: اولًا انھا نزلت فی علماء الاسلام اھ۔[1]

ثانیاً انھا نزلت فی اھل الشرف من علماء الامم اھ۔[2]

فشملت علماء الاسلام۔

ہم جواب دینگے کہ یہ آیت علمائے اسلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (خازن) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت علماء میں سے مشرف (صاحب شرافت) لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تبصیر) تو یہ تمام علمائے اسلام کو شامل ہے۔

و ثالثًا ان العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب اھ۔[3]

فاوجب اللہ تعالی علی کل واحد من المجتھد فی المذھب و المجتھد فی المسئلۃ و غیرھما تقلید المجتھد المطلق لعلمہ بما لا یعلمونہ اھ۔[4]

تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے لفظ کا عموم معتبر ہے۔ شانِ نزول کی کسی خصوصیت کا اعتبار نہیں۔ (اسلئے قرآن عظیم کے جوامع الکلم ہونے کو تمام فِرقِ اسلامیہ مانتے ہیں) پس اللہ تعالیٰ

---

[1] (خازن: ج: ۳: ص: ۲۵۴)،

[2] (تبصیر الرحمٰن: ج: ۲: ص: ۲۸)

[3] (مدارک: سورہ الفجر: ج: ۴: ص: ۳۷۹ واحمدی فاتحہ: ص: ۲۶)

[4] (بالمفھوم تحریر الاصول وشرحہ وشرح عقود رسم المفتی: ص: ۳۰، مسلم الثبوت وغیرھا)

نے مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی المسئلہ وغیر ھما پر مجتہد مطلق کی تقلید فرض فرمایا کیونکہ وہ جانتا ہے اجتہاد مطلق کی وجہ سے ان معلومات کو کہ جن کو باقی لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب اس پُر فتن دَور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ ان کی علمی لیاقت کچھ بھی نہیں۔ اور غلط دعویٰ کے لحاظ سے امام اعظم سے اپنے آپ کو بڑھ کر تصور کرتے ہوئے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

۱۔روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ قالا خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجہ فی رأسہ فاحتلم۔ فسأل اصحابہ ھل تجدون لی رخصۃ فی التیمم۔ قالوا ما نجدک رخصۃ و انت نقدر علی الماء۔ فاغتسل فمات۔ فلما قدمنا علی النبی ﷺ فاخبر بذلک فقال قتلوہ قتلھم اللہ تعالی الا سألوا اذ لم یعلموا فانما شفاء العی السوال۔ [1]

حضرات ابن عباس و جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ سفر میں نکلے۔ ہم میں سے ایک شخص کا سر زخمی ہوا اور احتلام بھی ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تیمم کرنے کی اجازت ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کو رخصت نہیں کیونکہ آپ پانی پر قدرت رکھتے ہیں۔ پس اس نے غسل کیا اور انتقال ہو گیا جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو انہوں نے قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو قتل کر دے۔ جب خود نہیں جانتے تو پوچھتے کیوں نہیں؟ بیشک جہالت کا علاج سوال (پوچھنا) ہے۔

---

[1](رواہ ابوداؤد وابن ماجہ، مشکوۃ باب التیمم: ص:۴۷)

حضرات محترم: انصاف فرمایئے۔ آپ ﷺ کی حدیث میں چار جملے ہیں:

۱ -قتلوہ ۲ - قتلهم الله, ۳-الا سألوا، ۴-فانما شفاء العی السوال۔ کہ مجتہد مطلق مستقل کی تقلید کرنا اہم ضروری فرض ہے۔ جس کے بغیر گنہگار ہو کر اللہ تعالی اور حضور ﷺ کے مخالف ہو گیا۔ (وہابیہ حضرات اپنی جان کی فکر کریں!)۔

۲۔وروی عن معاذ بن جبل رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ لما بعثه الی الیمن قاضیا قال کیف تقضی قال اقضی بکتاب الله قال فان لم تجد فیه قال فبسنة رسول الله ﷺ قال فان لم تجد فیه قال اجتهد برائی ولا آلو۔ قال فضرب رسول الله ﷺ علی صدری وقال الحمد لله الذی وفق رسول رسوله ﷺ لما یرضی به رسوله ﷺ۔ [1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ تو فرمایا کہ آپ فیصلہ کیسے کرینگے تو میں نے کہا کہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کی کتاب پر فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں اگر فیصلہ (حکم) نہ پائے تو حضرت معاذ ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول ﷺ میں حکم موجود نہ ہو تو حضرت معاذ نے فرمایا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرونگا۔ پس آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور فرمایا کہ حمد ثابت ہے اس ذات کیلئے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کے رسول (قاضی) کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول ﷺ راضی ہے۔ [2]

اس حدیث میں اجتہاد اور تقلید صریح موجود ہے۔ وہابیہ کا توجہ کرنا ضروری ہے۔

---

[1] (رواہ الترمذی، ابو داؤد، الدارمی اہ، مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء: ص: ۳۱۶)

[2] (رواہ الترمذی، ابو داؤد، الدارمی اہ، مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء: ص: ۳۱۶)

۳۔ روی عن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی بعدی فاوحی الیَّ یا محمد ﷺ ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضھم اقوی من بعض ولکل نور۔ فمن اخذ بشیٔ سماھم علیہ من اختلافھم فھو عندی علی ھدًی۔ قال قال رسول اللہ ﷺ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اپنے صحابہ کے میرے بعد اختلاف کرنے کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ آپ ﷺ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں اور بعض بعض سے قوی ہیں۔ اور ہر ایک کیلئے نور ہے۔ پس جس نے بھی ان اصحاب کے اختلاف میں کوئی چیز (یعنی کسی بھی طریقے پر عمل کیا) تو وہ میرے نزدیک صاحب ہدایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں پس جس کی بھی تم اقتداء کروگے ہدایت پاؤگے۔

عزیزانِ گرامی: مندرجہ بالا حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوئیں۔(۱) اجتہاد شرع ہے۔ (۲) مقلد ہدایت یافتہ ہے۔(۳) صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے حسن اور اچھا فرمایا ہے۔ اور ہدایت بنایا ہے۔ اور حضور ﷺ نے اسی اختلاف کو ہدایت قرار دیکر تقلید کا نجات فرمایا۔ آئمہ اربعہ کے اختلاف کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف پر یقیناً مبنی ہے صحیح اور رحمت ماننا ضروری ہے۔

صرف چار مذاہب کی تقلید کی فرضیت اجماعِ امت سے بخوبی ظاہر اور صریح ہے

۱ –انہ وقع الاجماع علی ان الاتباع ای التقلید انما یجوز للآئمۃ الاربعۃ رضی اللہ عنھم۔ فلایجوز الاتباع لمن حدث مجتھدا مخالفًا لھم اہ۔[1]

---

[1] (تفسیر احمدی، اشباہ، تحریر الاصول لابن الھمام، مسلم الثبوت لمحباللہ بھاری، نھایۃ المراد شرح مقدمہ ابن الغماد، فتح المبین شرح الاربعین لابن حجر، شرح سفر السعادۃ لعبد الحق الدھلوی، الفتوحات الوھبیۃ لابراھیم المالکی، رسائل ابن عابدین

اُمّۃ مرحومہ نے آئمہ اربعہ کی تقلید پر اجماع فرمایا ہے۔ اور جو شخص ان آئمہ اربعہ کی مخالفت کرے تو ان کی تقلید ضروری بلکہ جائز بھی نہیں۔

۲ - الاجماع قد حصل علی حقیقۃ المذاهب الاربعۃ وتخلف ذٰلک فیما سواها وان الامۃ جمیعها قد تلقت المذاهب الاربعۃ بالقبول ولم یحصل ذٰلک لغیرها اھ۔ (مزید وتجنیس علی ما فی فتوی الحرمین الشریفین، عقد الجید لولی اللہ الدهلوی، عمدۃ المرید، خیرات الحسان الکفایۃ، تقریر شرح التحریر، شرح سفر السعادۃ، صراط مستقیم، میزان الکبرٰی وغیرها)

امۃ مرحومہ کا اجماع چاروں مذاہب کے حق ہونے پر ہے۔ اور باقی مذاہب حق سے جدا ہیں۔ اور ساری امت نے چاروں مذاہب کو قبول کیا۔ یہ قبولیت کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔

۳ - الاجماع قد انعقد علی عدم العمل بمذهب محدث بعد الآئمۃ الاربعۃ اھ۔ [1]

امۃ مرحومہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آئمہ اربعہ کے بعد کسی نئے مذہب پر عمل نہ کریں حضرات وہابیہ، نیچریہ، قادیانیہ وغیرھم کے مذاہب پر عمل کرنا اجماعًا حرام ہے۔

۴ - فقد انعقد الاجماع المرکب علی بطلان قول یخالف کلهم وقد قال اللہ تعالی وَمَنْ یُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدَی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیلِ الْمُؤْمِنِینَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّی وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِیرًا ﴿النساء ۱۱۵﴾ [2]

شامی: ج: اول قبیل رسم المفتی، نور الهدی من شرح جامع الصغیر، اذکار النووی ثم فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین: ص: ۲۶۴، اتحاف المرید شرح جوهرۃ التوحید، شرح جمع الجوامع للسیوطی، شرح الاربعین للنووی من امام الحرمین، عین العلم للقاری، میزان الکبرٰی للشعرانی، طحطاوی، حجۃ اللہ البالغۃ لولی اللہ الدهلوی)

[1] (تحریر ابن الهمام ثم الاشباہ فن اول، قاعدہ اولی، ثم فتوی الحرمین: ص: ۱۵، جواب الحرمین: ص: ۴۲)

[2] (تفسیر مظهری ثم عقد الجید: ص: ۱۱)

مذاہب اربعہ کے مخالف قول کے باطل ہونے پر اجماع مرکب ہے۔(اجماع کی مثبت دلیل)
اور جو خلاف کرے رسول کا بعد اس کے کہ حق کھل گیا اور پیروی کرے مؤمنین کی راہ سے جدا تو ہم اسے اسی گمراہی پر چھوڑدیں گے اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

قارئین حضرات: حاصلِ کلام یہ ہے کہ اجماع مسلمانوں کا راستہ ہے اس پر جانا واجب ہے اور مخالفت حرام ہے۔

۵ -والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة واتباعهم فضل الهی وقبولیة من عند الله تعالی۔ لا مجال فیه۔ (ای لاضرورة فیه) (للتوجیهات والادلة أه تفسیر احمدی: ص:۵۲۷) قول بسبب هٰذا الفضل الالهی والقبولیة انعقد الاجماع المذکور فظهر ان خلاف التقلید خلاف الفضل الالٰهی وخلاف القبولیة من عندالله تعالی۔

انصاف یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہونا اور ان کی تقلید کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل اور قبولیت ہے۔ اس کی توجیہات اور دلائل کی ضرورت نہیں۔ مگر وہابیہ ہمیں مجبور کرتے ہیں اس لئے قرآن وحدیث اور اجماع سے دلائل ذکر کرنا پڑتا ہے۔ وہابیہ نے مذہب سے انکار کرتے ہوئے اصل میں قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے انکار کیا۔ (اعاذنا الله تعالی منه)

حضراتِ محترم: آپ انصاف فرمایئے کہ جب قرآن وحدیث منیف اور اجماعِ امت چار مذاہب کی تقلید ضروری بتاکر ان کی مخالفت کی تقلید کو حرام اور ناجائز فرماتے ہیں تو پھر اس سے غفلت اور خلاف کرنا کیسا ہے؟ آپ خود اندازہ لگایئے۔

مذہب کے فوائد اور اس کی مخالفت میں نقائص

مذہب کے فوائد کثیرہ ہیں اور اس کے بالمقابل مخالفتِ مذہب میں نقصان ہے۔

(۱) قال ولی اللہ الدھلوی اعلم ان الاخذ بھٰذہ المذاھب الاربعة فیه مصلحة عظیمة وفی الاعراض عنها مفسدة عظیمة۔

(عقد الجید)شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ چاروں مذہبوں پر عمل کرنے میں بہت فوائد ہیں۔ اور مخالفتِ مذاہب اربعہ میں بہت فساد ہے۔

(۲) ھٰذہ المذاھب الاربعة المدوّنة المحررة قد اجمعت الامة علی جواز تقلیدھا الی یومنا ھٰذا۔ وفی ذٰلک من المصالح ما لا یخفی۔ لاسیما فی ھٰذہ الایام التی قصرت الھمم جدا۔ واشربت النفوس الھویٰ واعجب کل ذی رأی برأیه۔

مروّج اور مدوّن چار مذاہب کی تقلید کے جواز پر امت کا اجماع ہوا ہے۔ جو آج تک منعقد ہے۔ اور اس میں وہ عظیم مصلحتیں ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ خاص کر یہ زمانہ کہ اس میں لوگوں کی ہمتیں کم پڑ گئی ہیں۔ اور نفوس خواہشات نفسانی کے تابع ہو گئے۔ اور ہر آدمی اپنی رائے کو پسند کرتا ہے۔[1]

(۳) قال الامام الشعرانی نقلا عن سیدی علی الخواص رحمه اللہ تعالی وجب علیک التقلید بمذھب واحد خوفا من الوقوع فی الضلال اھ۔

”امام شعرانی اپنے مرشد حضرت علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مذہب کی تقلید تم پر واجب ہے۔ تاکہ گمراہی میں گر نہ جائیں۔“[2]

تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ تقلید کرنے میں: (۱) قرآن کی اتباع ہے۔(۲) حدیث صحیح کی اتباع ہے۔(۳) اجماع امت کا اتباع ہے۔(۴) فضلِ الٰہی اور قبولیتِ خداوندی کی تسلیم ہے۔(۵) قاصر ہمّت مکلفوں کو فارغ کرنا ہے۔(۶) خواہشاتِ نفسانی (اعدی عدوک ما بین جنبیک) سے

---

[1](حجة اللہ البالغة)

[2](میزان الصغریٰ)

بچنا ہے۔(۷) اپنی رائے کو پسند کرنا(جو فتن میں سے ہے)سے محفوظ ہو جانا ہے۔(۸) گمراہی سے بچنا یعنی گمراہی سے پاک وصاف رہو گے۔

یہ آٹھ امور مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہو گئے(۹) اپنی دینی امانت میں خیانت کرنے سے مامون ہونگے۔ بمصداق " إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿الاحزاب ۷۲﴾

(۱۰) اپنے مشغول ذمہ کو بذریعہ تقلید پاک وصاف کرو گے۔

(۴) لا یجوز تقلید غیر الآئمۃ الاربعۃ ابی حنیفہ، مالک، الشافعی، و احمد بن حنبل لان ھٰؤلاء عرفت مذاھبھم و استقرت احکامھم و خدمھا تابعوھم و حرروھا فرعا و انطبقت بالنصوص و جمعوا المسائل فی الفصول و فصلت مجملاتھا و اوضحوا طرق النظر و دونوا المذاھب بالنقل المتواتر شرقا و غربا، شمالا و جنوبا۔ بخلاف مذاھب غیرھم فی جمیع ذٰلک۔ [1]

آئمہ اربعہ کے سواء کسی کی تقلید جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے مذاہب معروف اور احکام مقرر ہیں۔ اور ان کے تابعین نے ان کی خدمت کی ہے۔ اور الگ الگ مسائل صاف بیان کرکے اپنی اپنی فصل میں جمع کیا ہے۔ اور دلائل کے مطابق کر دیا۔ مجملات کو واضح و ظاہر کرکے نظر کے طریقوں کو صاف بتایا۔ اور تمام دنیا میں مذاہب کو نقل متواتر سے مروّج کیا۔ اور باقی علماء کے مذاہب اس مقام کے نہیں۔

انہی مذاہب کی تقلید عین شریعت ہے اس کے علاوہ شریعت سے خلاف ہے۔

[1] (الفتح المبین لابن حجر:ص:۵۰۵، فتوی الحرمین:ص:۱۵، مزیل الشبہات:ص:۱۳، تحریر الاصول لابن الھمام ثم فتوی الحرمین: ص:۱۵، نظام الاسلام، فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین: ص:۴۰۷، اطایب الصیب:ص:۴۱۰)

حضرات:

اول: اس فوائد عشرہ کے علاوہ اور فوائد بھی ہیں اسی پر اکتفا ہوا۔

دوم: ہر فائدہ کے مقابل نقصان ہے۔

دیکھئے تقلید کو شرک کہنے میں: (۱) قرآن کی مخالفت۔(۲) حدیث کی مخالفت۔(۳) اجماع کی مخالفت۔(۴) فضلِ الٰہی کی مخالفت۔(۵) قاصر مکلّف کا ذمہ مشغول رہنا۔(۶) ہوائِ نفسانی میں گرنا۔(۷) گمراہ ہونا۔(۸) امانتِ اسلامی میں خیانت کرنا۔(۹) غیر منضبط تقلید سے پلید ہونا۔

مذہب اسلام عقائد اور فروع کا نام ہے

مذہب اسلام وہی عقائد و فروع ہے جو قرآن شریف، احادیث، اجماع اور قیاس یعنی اجتہاد سے ثابت ہوا ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے۔

(۱) ادلة الشرع اربعة۔ الکتاب و السنة و اجماع الامة و القیاس الشرعی اھ۔

شرع کے دلائل چار ہیں: قرآن شریف، حدیث، امۃ مرحومہ کا اجماع اور شرعی قیاس یعنی اجتہاد۔[1]

حضرات: ان چاروں کے دلائل قرآن و حدیث میں بہت زیادہ ہیں اختصاراً بطورِ مشت نمونہ خروار بیان کرتا ہوں۔

(۱) کقوله تعالی: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴿النساء ۵۹﴾ اھ۔ ای اولی العلم منکم۔

---

[1](کتب اصول الفقه)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی (قرآن کی) اور رسول اللہ ا کی (سنت کی)۔ اور تابعداری کرو صاحب امر یعنی علماء (مجتہدین کی)۔"[1]

(۲) کقولہ تعالی:وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿النساء ۱۱۵﴾

اور جو خلاف کریں رسول کا بعد اس کے کہ حق کھل گیا اور پیروی کرے مؤمنین کی راہ سے جدا توہم اسے اسی گمراہی پر چھوڑ دیں گے اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

مسلمانوں کا راستہ اجماع ہے۔ جس کی مخالفت حرام اور موجب جہنم ہے۔ اس لئے اس کی تابعداری ضروری ہے۔ مگر وہابیہ کے اکابر ابن تیمیہ وغیرہ قرآن کے صحیح مفہوم سے ناواقف ہیں اس لئے اجماع اور قیاس سے انکار کرتے ہیں۔ (العیاذ باللّٰہ تعالی)

"الفرقة الناجية اهل السنة والجماعة قد انحصرت فى المذاهب الاربعة لان الشريعة المتواترة من هٰذه المذاهب ما وجدت فى الدنيا ولان الاصول والفروع فى غيرها لم تنضبط فلامحالة انحصرت الشريعة فى المذاهب الاربعة المتواترة۔ فمن كان خارجا من هٰذه المذاهب الاربعة فى هٰذا الزمان فهو اهل البدعة والنار ومتبع الشيطان اه"۔[2]

فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے جو چار مذاہب میں منحصر ہے۔ کیونکہ مذاہب اربعہ کے علاوہ دنیا میں شریعت متواترہ موجود نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چاروں مذاہب کے بغیر کسی مذہب کے اصول و فروع منضبط نہیں ہیں۔ تو مجبوراً مذاہب اربعہ متواترہ میں شریعت منحصر ہوگی تو جو شخص اس زمانے میں مذاہب اربعہ سے باہر ہوا وہ مبتدع اور جہنمی ہے اور شیطان کا تابع ہے۔

---

[1](پارہ: ۵ :سورہ: نساء: رکوع:۸۔ احمدی، خازن، مدارک، معالم وغیرہ)

[2] (الفتح المبین:ص:۵۰۵، اطایب الصیب:ص:۱۰، فتوی الحرمین:ص:۱۵، مزیل الشبهات:ص:۱۳، الفتوحات الوهبية لابراهيم المالكى، اتحاف المريد، ميزان الكبرىٰ، نهاية المراد وغيرها)

میں کہتا ہوں غالبًا آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ مذہبِ اسلام وہی عقائد و فروع کا نام ہے جو قرآن شریف اور حدیث اور اجماع اور قیاسِ شرعی سے بذریعہ صحیح اجتہاد ثابت کیا گیا ہو۔ جو آج تک صرف چار مذاہب میں موجود ہے۔

اور اگر نفوس قاصر العلم و الهمت، مخلوط الهوی معجب برائها اهل شر القرون کی رائے سے قرآن وحدیث کے مطالب معلوم کرنا بفرضِ محال درست تسلیم کرنا فرض کروں تو ضروری ہے بلکہ لازم اشد ہو گا کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفصیلًا حدیث تیسیر: ص:۴۲ آنے والی ہے۔ باوجود صحبتِ نبوۃ اور اہل اللسان اور خیر القرون ہونے کے ان کا اس آیۃ ”وَ کُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْأَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ“ کا ترجمہ اور مطلب لینا درست تسلیم ہوتا مگر حضور ﷺ نے ممنوع قرار دے دیا۔ پس چہ جائیکہ وہابی کی رائے سے ترجمہ اور مطلب لینا۔

اور مجاہدین اصحابِ رسول اللہ ﷺ جن کی حدیث حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم مفصل آنے والی ہے۔ باوجود صحبتِ نبوۃ، اہل اللسان العربی اور خیر القرون ہونے کے ان کا ترجمہ اور مطلب لینا اس آیۃ ”وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿النساء ۴۳﴾ سے وہابیہ کے خیال کے مطابق درست تسلیم کرنا ضروری تھا مگر حضور اقدس ﷺ نے سب کچھ ممنوع قرار دیا ہے۔ بلکہ تقلید کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ افسوس مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ دیکھنے سے تمہاری حالت کیوں بدلی۔

ببین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا

چاروں میں مذاہب کا حصر ضروری ہے اور اس کے علاوہ دیگر مذاہب بدعت سیئہ ہیں

أَنَّهُ سَمِعَ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيَّ، يَقُولُ: أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ: لِتَنَمْ عَيْنُكَ، وَلْتَسْمَعْ أُذُنُكَ، وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ، قَالَ: فَنَامَتْ عَيْنَايَ، وَسَمِعَتْ أُذُنَايَ، وَعَقَلَ قَلْبِي قَالَ: فَقِيلَ لِي: سَيِّدٌ بَنَى دَارًا، فَصَنَعَ مَأْدُبَةً، وَأَرْسَلَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ، دَخَلَ الدَّارَ، وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ، لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ، وَلَمْ يَطْعَمْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ، قَالَ: " فَاللهُ: السَّيِّدُ، وَمُحَمَّدٌ: الدَّاعِي، وَالدَّارُ: الْإِسْلَامُ، وَالْمَأْدُبَةُ: الْجَنَّةُ"۔

حضرت ربیعہ الجرشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس فرشتے آئے پس آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ کی آنکھ سو جائے اور آپ ﷺ کے کان سن لیا کریں۔ اور آپ ﷺ کا دل سمجھ لیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرے کان سنتے ہیں اور میرا دل جانتا ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ سردار نے ایک گھر بنایا جس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو ارسال کیا پس جس نے دعوت دینے والے کی بات مان لی اور گھر میں داخل ہو کر اس طعام سے کچھ کھایا تو سردار راضی ہوا۔ اور جس نے داعی کی بات نہ مانی اور گھر میں داخل نہ ہوا اور کچھ نہ کھایا تو سردار ناراض ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سید (سردار) ہے اور محمد ﷺ داعی ہیں اور اسلام گھر ہے اور جنت (کی نعمتیں) کھانا ہیں۔ [1]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ حدیث میں اسلام کو بلفظ دار چار جملوں میں تعبیر کیا ہے اور دار غالباً چار دیواروں سے محفوظ و محدود ہوتا رہتا ہے۔ تو ایسا ہی اسلام چاروں مذاہب سے محفوظ و محدود ہے۔ یہ فضلِ خداوندی ہے یہ حجۃ اقتناعیہ ہے۔

---

[1] (رواہ الدارمی مشکوٰۃ باب الاعتصام ص ۲۹)

(۲)وقد انحصرت بشارۃ النبی ﷺ بعلم الائمۃ الاربعۃ من العلماء منهم دون غیرهم۔

حضور ﷺ نے چاروں اماموں کے متعلق خصوصًا اپنی امت کو علمی بشارت دی ہے۔

(۱) روی البخاری عن ابی هریرۃ رضی اللّٰہ عنہ و الشیرازی و الطبرانی عن قیس بن سعد بن عبادۃ و الطبرانی عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہم ان النبی ﷺ قال لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس أہ۔ و اللفظ للبخاری قال الحافظ المحقق الجلال السیوطی ھٰذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارۃ بابی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ وھو الظاھر بلاشک لانہ لم یبلغ فی العلم مبلغہ و لا مبلغ اصحابہ احد من ابناء فارس أہ۔

ترجمہ: ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا تک بھی پہنچ جائے تو ضرور فارس کے لوگوں میں سے چند اشخاص اس کو پالیں گے۔ (بعض روایات میں رجال (چند اشخاص) کی جگہ رجل (ایک آدمی) بھی مروی ہے)۔“ [1]

امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بشارۃ میں صحیح اور مضبوط دلیل ظاہر ہے۔ کیونکہ اہلِ فارس میں کوئی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ یا ان کے شاگردوں کے علم کے برابر نہیں ہے۔

(۲) ان النبی ﷺ قال یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون اعلم من عالم المدینۃ أہ۔ قال العلماء عالم المدینۃ مالک رحمہ اللّٰہ تعالی۔

”آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب لوگ اونٹوں کے جگر مار کر علم حاصل کرینگے لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں ملے گا۔“ [2]

---

[1](ملخصا، الخیرات الحسان: ص: ۲۳، ۱۴، علامہ شامی: ج: ۷: ۳۷: ۱، شرح المواھب)

[2](الخیرات الحسان: ص: ۱۴)

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

(۳) ان النبی ﷺ لاتسبوا قریشا فان عالمها یملأ الارض علمًا اھ۔ھو حدیث حسن له طرق کثیرة وزعم بعضهم وضعه وزیغوه وشنعوا علی زاعمه ومخترعه۔قال العلماء عالم قریش الشافعی۔[1]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریش کو گالی نہ دیں اسلئے کہ قریش کا عالم ساری زمین کو علم سے بھر دیگا۔ یہ حدیث بہت طریقوں کی وجہ سے حسن ہے۔موضوع ہونے کا خیال غلط ہے۔

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریش کے عالم صرف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

(۴) ان الامام الشافعی لما کان فی المصر راٰی فی المنام سید المرسلین ﷺ یقول له بشِّرْ احمد بن حنبل رحمه اللہ تعالی بالجنة علی بلوًی تصیبه فانه یدعی الی القول بخلق القرآن فلایجیب لذٰلک بل یقول هو منزّل غیر مخلوق۔ فلما اصبح الشافعی کتب مارأه فی المنام وارسله مع الربیع الی احمد بن حنبل فی بغداد۔ فلما دخل علیه قال هٰذا کتاب اخیک الشافعی ففتحه وقرأه وبکی وقال ماشاء اللہ ولاقوة الا باللہ ثم اخبره بما فیه اھ۔

ترجمہ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ جب مصر میں تھے تو آپ نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل کو جنت کی بشارت دو۔کیونکہ اس کو یہ مصیبت پہنچے گی کہ اسے قرآن کو مخلوق کہنے کیلئے دعوت دی جائے گی اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا انکار کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ نہیں بلکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔جو مخلوق نہیں۔ پس امام شافعی رحمہ اللہ نے خواب کا واقعہ لکھ کر حضرت ربیع کے ہاتھ حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

[1](الخیرات الحسان: ص:۱۴)

کی طرف ارسال فرمایا۔ حضرت امام احمد پڑھ کر رونے لگے اور ماشآءاللہ لا قوۃ الا باللّٰہ پڑھ کر اس کی حضرت ربیع کو خبر دی۔ [1]

واما الائمة الوهابية ابن تيميه وابن قيم وابن حزم ومحمد بن عبد الوهاب فلم يوجد البشارة فى حقهم منه عليه الصلوٰة والسلام بل شَنَّعَ عليهم غاية التشنيع فى الاحاديث الصحيحة منها! روى البخارى عن ابن عمر رضى الله عنهما فى حديث البركة قوله ﷺ هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان اه۔

مگر وہابیہ کے اکابر ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن حزم اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کے حق میں کوئی بشارۃ نہیں۔ بلکہ بہت سی احادیث میں ان کی برائی بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہے کہ امام بخاری حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہونگے۔ اور وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا۔

تو محمد بن عبد الوہاب نجدی جو متبعِ ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن حزم ہے اس نے اپنی کتاب "کتاب التوحید" وغیرہ میں ان کے اقوال بطورِ دلیل پیش کیے ہیں۔ **(العیاذ باللہ)**

(۳) ان اصحاب المذاهب الاربعة مدحهم الامة المرحومة اعتقادًا وعلمًا عملًا واخلاقًا على مافى كتبهم المعتمدة۔ واعترف الامة المرحومة بكونهم اهلا للاجماع باثبات الاجتهاد والعدالة لهم وبنفى البدعة والهواء والفسق عنهم كما فى كتب علم اصول الفقه بحث الاجماع۔

---

[1] (حیوۃ الحیوان ج ا ص ۲۸)

ترجمہ: امت مرحومہ نے آئمہ مجتہدین اربعہ کا ازروئے عقیدۂ علم، عمل اور اخلاق کی تعریف کی ہے۔ جو معتبر کتابوں میں ہے۔ امت مرحومہ نے مان لیا کہ آئمہ اربعہ اصحاب اجتہاد وعدل ہو کر اجماع کے اہل ہیں۔ اور ان میں نہ بدعت ہے نہ فسق اور نہ خواہشاتِ نفسانی۔

واما الوهابية فهم ذو بدعة وهوًى وفسق ولم يمدحهم احد بحسن الاعتقاد كما فى كتب الاصول بحث الاجماع وغيرها۔

ترجمہ: مگر وہابیہ فاسق اور مبتدع اور اہلِ ھواء ہیں۔ اور ان کی کسی نے بھی تعریف نہیں کی۔

(۴) ان مذاهبهم متواترة لما قالوا يجب ان لايختار فى الدين طريقة الا ماارتضاه السلف والخلف وتلقته الامة كلهابالقبول۔ وحصل اجماع العلماء على حقيقته عصرا بعد عصر وتواترت روايته ونقله ولم يوجد المتصف كذٰلک الا المذاهب الاربعة بخلاف غيرها فما ارتضاه ولاتلقاه ولم يوجد الاجماع عليه وماتواتر نقله مثلها فلايلتفت اليه ولايعوّل عليه۔ [1]

ترجمہ: چاروں مذاہب متواتر ہیں۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ واجب ہے کہ اسلام میں کوئی طریقہ اختیار نہ کریں مگر وہ جس کو سلف وخلف نے پسند کیا ہو اور امت مرحومہ نے قبول کیا ہو۔ اور اس کی حقیقت پر ہر زمانہ کے حقانی علماء کا اجماع ہو۔ اس کا نقل متواتر ہو۔ پس یہی ساری باتیں (اصول) صرف مذاہب اربعہ میں پائی جاتی ہیں۔ باقی مذاہب (وہابیہ کا ہو یا غیر کا) نہ پسند ہے۔ نہ قبول عام ہے۔ نہ اس پر اجماع ہے۔ نہ متواتر ہے۔ لہٰذا ان کی طرف التفات نہ کریں۔ اور نہ اعتماد کریں۔

[1] (فتوى الحرمين: ص: ١٧، نهاية المراد شرح مقدمة ابن العماد، نظام الاسلام ثم مزيل الشبهات: ص: ١۴، اطايب الصيبلسل ١٠ ، الفتح المبين: ص: ۵٠۵)

(۵) لایجوز تقلید غیر الآئمۃ الاربعۃ لانهم عرفت قواعدهم وقد انطبقت بالنصوص وحرروا وهذبوا المسائل وفرعوها حکما حکما وبینوا شروطها وقیودها۔ وبوّبوا الابواب وجمعوا المسائل فی الفصول وفصلت مجملاتها واوضحوا طرق النظر ودوّنوا المذاهب وخدمها تابعوهم بالنقل المتواتر شرقا وغربا وجنوبا وشمالا بخلاف مذاهب غیرهم فی جمیع ماذکرت اھ۔[1]

ترجمہ: آئمہ اربعہ کے سوا کسی اور کی تقلید جائز نہیں کیونکہ ان کے قواعد معروف ہیں۔ جن سے آیات واحادیث موافق ہیں۔ اور مسائل کو واضح اور صاف کیا ہے۔ مسائل کے شروط اور قیود کو بیان فرمایا ہے اور الگ الگ بابوں کو مقرر کیا ہے۔ اور مسائل کو اپنی فصلوں میں جمع کیا ہے۔ مجمل احکام کو مفصل کیا ہے۔ نظر کے طریقوں کو واضح کیا ہے۔ اور انہی مذاہب کو مروّج کیا ہے۔ آئمہ اربعہ کے تابعداروں نے اپنے اپنے مذاہب کی ایسی خدمت کی ہے جو نقل متواتر سے شرقاً غرباً جنوباً شمالاً پھیل گیا ہے۔ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب میں یہ چیزیں نہیں پائی جاتیں ہیں۔

حصرِ مذاہب اربعہ پر اجماعِ امت ہے

(۱) انه وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للآئمۃ الاربعۃ فلایجوز الاتباع لمن حدث مجتهدًا مخالفا لهم اھ۔

”امت مرحومہ کا اجماع اس بات پر ہے کہ تقلید جائز نہیں مگر چاروں اماموں کی۔ پس بعد میں جو مجتہد پیدا ہوئے جو آئمہ اربعہ سے مخالف ہیں تو ان کی تقلید جائز نہیں۔“[2]

(۲) الاجماع قد حصل علی حقیقۃ المذاهب الاربعۃ وتخلف ذٰلک فیما سواها وان الامۃ جمیعها قد تلقت المذاهب الاربعۃ بالقبول ولم یحصل ذٰلک لغیرها اھ۔

---

[1] (فتح المبین شرح الاربعین لابن حجر المکی:ص:۵۰۵، فتوی الحرمین:ص:۱۵، مزیل الشبهات ص ۱۳، تحریر الاصول، نظام الاسلام، فتح المبین فی کشف مکایدغیر المقلدین ص۴۰۷، اطایب الصیب ص ۱۰)

[2](اثنین وعشرون کتاباذکرتهافی اثبات التقلید)

ترجمہ: امت مرحومہ کا اجماع چاروں مذاہب کی حقانیت پر ہے۔ اور باقی مذاہب حق سے جدا ہیں۔ ساری امت نے مذاہب اربعہ کو قبول کر لیا ہے۔ یہ مقبولیت کسی اور مذہب کو حاصل نہیں۔ [1]

(۳) الاجماع قد انعقد علی عدم العمل بمذهب محدث بعد الائمة الاربعة اه۔

ترجمہ: بے شک امت مرحومہ کا اجماع منعقد ہوا کہ کسی نئے مذہب پر جو آئمہ اربعہ کے بعد پیدا ہوا ہے عمل نہ کریں۔ (قد مر نقله من اربعة كتب فى اثبات التقليد)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ عبارت اولیٰ و ثانیہ میں ایجاب و سلب دونوں صریح الفاظ میں ہیں اور عبارت ثالثہ میں سلب صریح ہے۔

اور ایجاب ضمنی ہے۔ لہٰذا ایسی اجماع جیسا تقلید کا مثبت ہے ایسا حصر کا بھی ہے۔ اسی بناء پر دونوں جگہ ذکر ہوا۔

مذہب سے بحسبِ ظاہر مخالف آیت، حدیث پر عمل کرنے میں بہت زیادہ نقائص ہیں۔

(۱) فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ﴿سورة ص ۲۶﴾

ترجمہ: لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکم کرتے رہو۔ اور آئندہ بھی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ خدا کے راستے سے آپ کو بھٹکا دے گا۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ خداوندِ قدیر نے حق اور ھویٰ کا مقابلہ کر کے ھویٰ کو ضلالت فرمایا۔ پس جب قرآن و حدیث اور اجماعِ امت نے مذاہب اربعہ کو حق قرار دیا تو ان کی مخالفت کرنے والا ھویٰ اور ضلالت کا تابع ہوا۔

(۲) عن جابر رضی الله عنه قال خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجه فی رأسه فاحتلم فسأل اصحابه هل تجدون لی رخصة فی التيمم قالوا ما نجدک رخصة و انت تقدر

---

[1] (قد نقلته عن عشرة کتب فی اثبات التقلید)

على الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا على رسول اللهﷺ اخبرنا بذٰلک فقالﷺ قتلوه قتلهم الله الا سألوا اذ لم یعلموا افانما شفاء العی السوال۔ [1](ترجمہ گزر چکا ہے)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اگر غیر مجتہد مطلق مستقل کو قرآن اور حدیث کے ظاہری ترجمہ پر عمل کرنا جائز ہوتا تو انہوں نے تیمم کی آیت کے ظاہر ترجمہ پر فتویٰ دیا تھا مگر حضور ﷺ نے بہت زیادہ سختی سے ممنوع فرما کر ان صحابہ ذو اللسان خیر القرون والوں کو تقلید کا راستہ بتادیا۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ شر القرون غیر ذی اللسان محروم الصحبة والے صرف لفظی ترجمہ سے مجتہد ہو جاتے ہیں۔

(۳) عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ انہ اخذ عقلا ابیض و عقلا اسود حتی کان بعض اللیل نظر فلم یستبینا له فلما اصبح قال لرسول اللهﷺ جعلت تحت وسادتی خیطا ابیض و خیطا اسود قالﷺ ان وسادتک لعریض ان کان الخیط الابیض و الخیط الاسود تحت وسادتک۔ الحدیث۔ [2]

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (جب آیت کلوا و اشربو حتی یتبین لکم الخیط الابیض الخ نازل ہوئی تو) آپ نے ایک سفید اور ایک کالا ڈورا (دھاگہ) اپنے تکیے کے نیچے رکھا۔ رات کے کسی حصے میں دیکھا تو وہ دھاگے نظر نہ آئے۔ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے اپنے تکیے کے نیچے سفید اور سیاہ ڈورا رکھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے اگر سفید اور سیاہ ڈورے (دن اور رات) تمہارے تکیے کے نیچے آ گئے۔ (وجہ استدلال بعینہ وہی ہے جو ابھی گزرا ہے)

---

[1](رواہ ابو داؤد، کذا عن ابن عباس اخرجه ابن ماجه، مشکوٰۃ باب التیمم: ص: ۴۷)

[2](اخرجه الخمسة تیسیر کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ: ص: ۴۲)

(۴) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر تحقیق کے کوئی فتویٰ دے دے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہو گا۔ [1]

(۵) عن عبد اللہ بن عمرو و ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قالا قال رسول اللہ ﷺ اذا حکم الحاکم فاجتھد و اصاب فلہ اجران و اذا حکم فاجتھد و اخطأ فلہ اجر واحد۔ [2]

قال العلماء رحمھم اللہ تعالی اجمع المسلمون علی ان ھٰذا الحدیث فی حاکم عالم اھل للاجتھاد (الی قولہ) فامامن لیس باھل للحکم فلایحل لہ الحکم فان حکم فلااجر لہ بل ھو آثم و لاینفذ حکمہ سواء وافق الحق ام لا۔ لان اصابتہ اتفاقیۃ لیست صادرۃ عن اصل شرعی فھو عاصٍ فی جمیع احکامہ وافق الصواب ام لا۔ وھی مردودۃ کلھا و لایعذر فی شئ من ذٰلک اھ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مجتہد حاکم اجتہاد سے صحیح حکم بتائے گا اس کو دوگنا اجر ملے گا اور جب حکم خطا صادر ہو گا تو اس کو ایک اجر ملے گا۔ مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ یہ حدیث اس عالم کے بارے میں ہے جو اجتہاد کا اہل ہے۔ مگر وہ آدمی جو اجتہاد کا اہل نہ ہو پس اس کو حکم اجتہادی کرنا ناجائز ہے۔ اگر اجتہاد کرکے کوئی حکم کیا تو اس کو ثواب نہیں ملے گا بلکہ گناہگار ہو گا۔ اور حکم جاری نہیں ہو سکتا۔ حق کے موافق ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ حکم کسی شرعی اصل پر مبنی نہیں۔ بلکہ اتفاق ایسا ہوا۔ وہ آدمی گناہگار ہے معذور نہیں اس کے سارے احکام مردود ہیں درست ہوں یا غلط۔ [3]

---

[1] (رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ کتاب العلم: ص:۳۷)

[2] (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء: ص:۳۱۶)

[3] (نووی شرح المسلم)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ احادیث: نمبر ۴ اور نمبر ۵ کا مقصود یہ ہے کہ مجتہد اگرچہ مُخطی ہو اس کو ثواب ملتا ہے۔ غیر مجتہد اگرچہ حق پر ہو آثم (گنہگار) اور اس کا فیصلہ مردود ہے تو ظاہر ہوا کہ مذہب کے مخالف آیت وحدیث پر (جو غیر مجتہد شرعی کی رائے میں مخالف ہوں) عمل کرنا گناہ اور کرنے والا مردود غیر معذور ہے۔

(۶) فالظاهر انهم رأوا دليلًا ارجح مما رأه حتى لم يعملوا به اه۔

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ آئمہ اربعہ نے زیادہ قوی دلیل دیکھی ہو گی ان بعد والے لوگوں کی دلیل سے۔ اس وجہ سے آئمہ اربعہ نے اس دلیل مرجوح پر عمل نہ کیا۔ [1]

(۷) كل نص خالف مذهب الامام فهو محمول على النسخ او التاويل او الترجيح۔

ترجمہ: ہر نص آیت ہو یا حدیث جو امام کے مذہب سے مخالف پایا گیا تو وہ یا منسوخ ہے یا مؤل اور یا مرجوح۔ [2]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ عبارت نمبر ۵ اور نمبر ۶ کا مقصود یہ ہے کہ جو آیت، حدیث جو مذہب سے (بظاہر) مخالف ہو تو ظاہر یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ نے قوی غیر منسوخ غیر ماول دلیل کو لیتے ہوئے اس آیت وحدیث کو منسوخ، ماول یا مرجوح قرار دیا ہے۔ تو اس پر عمل کرنا گناہ اور مردود ہو گیا۔

(۸) فليس لاحد ان يقول انا أخذ بظاهر الحديث واترك مانص عليه مشائخ مذهبي اه۔

ترجمہ: پس کسی (مقلد) کو یہ کہنا جائز نہیں کہ میں حدیث کے ظاہر پر عمل کرتا ہوں اور اپنے مذہب کے علماء کے صریح اقوال کو چھوڑتا ہوں۔ [1]

---

[1](رسائل ابن عابدين: ج: ۲: ص: ۲۴)

[2](حامدیہ: ص: ۳۶۸ وغیرہ کتب)

جس کا اجتہاد مطلق مستقل نہیں وہ آثم، مردود، غیر معذور ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیان گزر چکا ہے۔ لہٰذا احادیث کے ظاہر پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

(۹) فالادلة الاربعة انما یتوصل بها المجتهد لامقلد۔ اما المقلد فالدلیل عنده قول المجتهد اه۔

یعنی پس ادلہ اربعہ سے استدلال کرنا صرف مجتہد کا کام ہے مقلد کا نہیں۔ مقلد کی دلیل صرف مجتہد کا قول ہے۔[2]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب مقلد اپنی دلیل (قولِ مجتہد) کو چھوڑ کر مجتہد کی دلیل (آیت یا حدیث) پر عمل کرنا پسند کرے تو وہ غاصب ہو گیا۔

(۱۰) ولاتنظر الی قول من خالفهم ولاتقبل حجته لانهم عرفوا الادلة ومیّزوا بین ماصح وثبت وضده اه۔

ترجمہ: ہمارے آئمہ کے مخالف کے قول کو مت دیکھو اور دلیل کو مت مانو۔ کیونکہ ہمارے آئمہ نے سارے دلائل کو جان لیا اور صحیح وثابت اور اس کے مقابل میں تمیز کر دی ہے۔[3]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب ہمارے آئمہ ادلہ کے عارف وماہر، صحیح اور سقیم میں پوری تمیز کرنے والے ہیں تو ان کے مخالفین ضرور سقیم (کمزور) دلیل والے ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کے خلاف حدیث یا آیت پر عمل کرنا ممنوع ہے۔

(۱۱) فانه یمیل الیهم ویفتی بقولهم ولایخالفهم برأیه وان کان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان یکون الحق مع اصحابنا ولایعدوهم واجتهاده لیس کاجتهادهم اه۔

---

[1] (رسائل ابن عابدین: ج:ص:ص: ۲۳، عقد الجید لولی اللہ الدهلوی وبمعناه قاضی خان رسم المفتی: ج: ۱، شرح برهان الآئمة علی ادب القضاء للخصاف کفایة الهدایه، نور الهدیٰ، طحطاوی، فتح القدیر)

[2] (فتلویح مقدمه ص ۴۴، بمعناه فی مسلم الثبوت ص ۲، برهنه ص ۳۸۲ کتاب الصوم، شاشی بحث الاجماع، شامی رسم المفتی)

[3] (قاضی خان رسم المفتی، شرح برهان الائمة علی ادب القضاء للخصاف ثم رسائل ابن عابدین: ج: ۲: ص: ۲۴)

ترجمہ: پس ہمارے اماموں کی طرف میلان کرے اور ان کے قول پر فتویٰ دے اور اپنی رائے سے اگرچہ مضبوط مجتہد ہو ہمارے اماموں سے مخالفت نہ کرے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حق ہمارے آئمہ کے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں اور اس کا اجتہاد ان کے اجتہاد کے برابر نہیں۔

(۱۲) فان الآئمة اعلم منه بالآثار والاخبار فلعلهم اطلعوا علی ما لم یطلع علیه ووصلوا الی ما لم یصل الیه اھ۔

ترجمہ: پس احادیث پر ہمارے اماموں کا علم دوسرے آئمہ کے علم سے بڑھ کر ہے، تو شاید ان کو وہ احادیث معلوم ہوں جو اور کسی کو معلوم نہ ہوں اور یہ آئمہ حضرات اس مقام تک پہنچے ہوں جس تک کوئی اور نہ پہنچا ہو۔[1]

(۱۳) فاما من لیس له رتبة الاجتهاد وهو حکم کل اهل العصر یفتی بمذهبه فلو ظهر له ضعف مذهبه لم یجز له ان یترکه مما یشکل علیه من الآیة او الحدیث یلزمه ان یقول لعل عند صاحب مذهبی جوابًا عن هٰذا۔ فانی لستُ مستقلا بالاجتهاد فی اصل الشرع اھ۔

ترجمہ: پس وہ لوگ جن کو اجتہادی رتبہ حاصل نہ ہو (یہ حکم ہر زمانہ کیلئے ہے) تو اس کو اپنے امام کے مذہب پر حکم کرنا واجب ہے اور اگر اس کو اپنے ناقص ذہن میں اپنا مذہب ضعیف نظر آجائے تو اس کو ترک کرنا جائز نہیں۔ اور جس آیت وحدیث کی وجہ سے اسے اپنا مذہب ضعیف نظر آجائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے بارے میں یہ جواب دے کہ ہمارے صاحب مذہب مجتہد مطلق مستقل کے پاس صاف جواب موجود ہے۔ کیونکہ میں اصل شرع میں مجتہد مطلق مستقل نہیں ہوں۔ تو مجھے جواب کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔[2]

(۱۴) لانه (ای خلاف الراجح) اتباع للهویٰ اھ۔

---

[1](رسائل ابن عابدین: ج: ۲: ص: ۲۴، نور الانوار بحث الاجماع: ص: ۲۲)

[2](احیاء العلوم کتاب العلم، بیان التلبیس فی المناظرة: ص: ۳۸)

ترجمہ: کیونکہ راجح قول کی مخالفت کرنا خواہشات نفسانی کی تابعداری کرنا ہے۔ [1]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب قرآن، حدیث اور اجماعِ امت سے مذاہب اربعہ کی حقانیت ثابت ہو گئی تو مذہب کے خلاف جو تصور جس آیت یا حدیث سے غیر مجتہد کیلئے پیدا ہو جاتا ہے وہ صرف ھویٰ کی اتباع ہے۔

(۱۵) الواجب علی من اراد ان یعمل لنفسه او یفتی غیره ان یتبع القول الذی رجحه علماء مذهبه۔ فلایجوز له العمل او الافتاء بالمرجوح بالاجماع۔

ترجمہ: وہ شخص جو خود عمل کرنے یا دوسرے کو فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ اسی قول کی اتباع کرے جس کو اپنے مذہب کے علماء نے ترجیح دی ہو اور مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتویٰ دینا بالاجماع ناجائز ہے۔ [2]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ راجح اور مرجوح دونوں امام کے اقوال تو ہوتے ہیں مگر راجح پر عمل کرنا واجب اور مرجوح پر حرام بالاجماع ہے۔ اور پھر خاص کر جب وہ آیت و حدیث جو امام کا قول بھی نہ ہو۔ تو اس پر عمل بالاجماع حرام ہے۔

(۱۶) غیر المجتهدین کالانعام و علیهم ان یقلدوا المجتهدین و لا یعتبر خلافهم فیما یجب علیهم من التقلید۔

یعنی غیر مجتہدین کی مثال چوپایوں جیسی ہے۔ ان پر فرض ہے کہ مجتہدین کی تقلید کریں اور جس چیز میں ان پر تقلید واجب ہے۔ اس بارے میں مجتہدین سے خلاف ناجائز ہے۔ [3]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ چوپائے کو یہ مجال نہیں کہ آیت و حدیث پر خود اپنے سے عمل کریں۔

---

[1] (رسائل ابن عابدین ج: ۱ ص: ۵۲، ۱۰، فتح القدیر کتاب القضاء، شرح المنهاج للقاسم، بحر الرائق، شامی: ج: ۴: ص: ۳۳۸ قضاء)

[2] (فتاویٰ کبریٰ، زواید الروضة ابن الصلاح والباجی والقرانی والامام ابو عمرو رسائل ابن عابدین: ج: ۱: ص: ۱۱، ۱۰)

[3] (نور الانوار بحث الاجماع: ص: ۲۲۰)

مذاہب کے زمانہ سے پہلے مذاہب موجود نہ ہونے کی دلیل

اس بات کی وجوہات بہت ہیں جن میں سے مشت نمونہ خروار تحریر کرونگا۔

(۱) نقل امام الحرمين الاجماع على منع تقليد العوام لاعيان الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم ومن بعدهم الا الذين وضعوا ودوّنوا المذاهب والاصول والفروع وطبقوها بالنصوص وحرروا وهذبوا المسائل والاصول واوضحوا طرق النظر وبينوا الاحكام فرعا فرعا وشروطها وقيودها وفصلوها وبوّبوا الابواب والفصول والانواع وجمعوها وخدمها تابعوها ونقلوها نقلا متواترا شرقا وغربا وجنوبا وشمالا وهٰذا الامور مخصوصة بمذاهب الآئمة الاربعة ابى حنيفة والمالك والشافعي واحمد بن حنبل رضى الله عنهم اجمعين ولهٰذا ايضا منعوا تقليد الثورى والاوزاعى وداؤد الظاهرى وغيرهم اھ۔

ترجمہ: امام الحرمین نے اپنی کتاب مغیث الخلق الی الحق میں اسی بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو جائز نہیں کہ معتبر صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی تقلید کریں۔ بغیر ان آئمہ کے کہ جنہوں نے مذاہب اصول وفروع کو وضع کرتے ہوئے مروّج کیا اور دلائل کے ساتھ مطابق کیا۔ مسائل اور اصول کو واضح اور صاف کیا۔ اور استدلال کے طریقوں کو ظاہر کیا اور الگ الگ احکام بیان کئے اور احکام کے شروط اور قیود کو مفصل بیان کرتے ہوئے اپنے بابوں اور فصلوں اور نوعوں میں تقسیم کر دیا اور ان آئمہ کے تابعداروں نے انہی احکام کی خدمت کی اور یہی احکام تواتر کے ساتھ نقل کر کے ساری دنیا کے کونے کونے تک شائع وذائع کئے۔ یہی امور صرف اور صرف ان چاروں اماموں! امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے مذاہب میں موجود ہیں۔ اس لئے امام ثوری، اوزاعی، داؤد ظاہری وغیر ھم کی تقلید حرام اور ممنوع ہے۔ [1]

---

[1] (ملخصا، الفتح المبين لابن حجر المكى ص ۵۵، فتوى الحرمين ص ۱۵، تحرير الاصول، نظام الاسلام، مزيل الشبهات ص ۱۴، الفتح المبين فى كشف مكايدغير المقلدين ص ۴۰۷، اطايب الصيب، مجموعة الفتاوىٰ: ج ۱ ص ۲۲)

جب صحابہ، تابعین، ثوری، اوزاعی رضی اللہ عنہم جیسے حضرات کی تقلید عوام کیلئے اس وجہ سے جائز نہیں کہ ان کی اجتہادیات میں امور مذکورہ موجود نہیں تو وہابیہ کی مشکوٰۃ خوانی سے کوئی نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے؟

(۲) کان عوام الناس فی عهد الصحابة یستفتون مرة الصدیق و مرة الفاروق رضی اللہ عنهما من غیر نکیر اھ۔ (کتب الاصول و کتب الفقه و الحدیث، مختصر الاصول و شرحه، مسلّم الثبوت و شرحه البحر و غیرها) اقول کان ذٰلک قبل تدوین المذاهب الاربعة لاجل الضرورة لان اصول الصحابة لم تکن کافیة لعامة الوقایع و لا شاملة لکافة المسائل لانهم لم یتفرغوا الی التفریع و التفاریق و التفاصیل و تمهید الاصول و القواعد فلاجل هٰذه الضرورة یحل للمقلدین الاستفتاء مرة من هٰذا و مرة من آخر۔ و اما بعد تدوینها فکل واحد من المذاهب الاربعة مکتفل بمعرفة الکل فلاضرورة الی اتباع الامامین اھ۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں عام لوگ کبھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اور کبھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھتے تھے اور اس پر کوئی انکار اور ممانعت نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سوالی تردد چاروں مذاہب کی تدوین سے پہلے تھا ضرورت کی وجہ سے۔ (ضرورت کی دلیل) اس وجہ سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اصول و قواعد تمام وقایع کو کافی نہیں تھے، اور نہ سارے مسائل کو شامل تھے۔ (یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قصور علمی نہ تھی) کیونکہ یہ حضرات استخراج مسائل اور پھر ان کی تمیز، تفصیل، توضیح، تبویب اور اصول و قواعد کی ترتیب کیلئے فارغ نہ تھے۔ اسی ضرورت کی بناء پر مقلدین کو کبھی اس سے کبھی اس سے سوال کرنا جائز قرار پایا تھا اور جب مذاہب اربعہ مدوّن ہوئے تو ہر ایک مذہب تمام مسائل کیلئے کافی ہوا۔ اس لئے دو اماموں کی تقلید کی کوئی ضرورت نہ رہی۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کو فرصت نہ ہوئی مذہب کے ضروریات کو مرتب کرنے کیلئے اور باطل فرقے نہیں تھے اور جو بھی ضروری حادثہ پیش آتا تو فورًا سوال کرنے سے حل ہو جاتا۔(یہ نمبر ۲ اور نمبر ۳ شرح عقائد النسفیہ کے اول میں مصرح ہیں) تو مذاہب آئمہ اربعہ کے زمانے سے پہلے موجود نہ ہو سکے۔

(۳) والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة واتباعهم فضل الٰهی وقبولية من عنداللہ۔[1]

اقول فی مثل هٰذا الفضل والقبولية قال تعالى سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿مریم ۹۶﴾ فمن لم يرض به فليموتوا بغضبهم ولاابالی ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ﴿المائدة ۵۴﴾

ترجمہ: انصاف یہ ہے کہ چار میں مذاہب کا انحصار اور ان کی تقلید فضلِ الٰہی اور قبولیتِ خداوندی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! ''اللہ تعالیٰ نیک مؤمنوں کیلئے (نعمت اخروی کے علاوہ دنیا میں یہ نعمت عطا فرمائے گا) خلائق (مخلوق) کے دل میں محبت پیدا کر دے گا جو شخص اس پر راضی نہ ہو اپنے غصہ سے مر جائے مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ راہِ راست پر جانا خدا کا فضل ہے اور جسے چاہے اللہ تعالیٰ یہ فضل دیتا ہے۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب چار میں مذاہب کا انحصار اللہ تعالیٰ کا فضل اور قبولیت ہے تو بے شک اسے اختیار ہے کہ جسے چاہے اس کو اپنا فضل دے۔ اور جس کو چاہے مسلمانوں کو محبوب و مرغوب کرتے ہوئے قبولیت دے دے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

(۴) وهٰذا السوال من الوهابية مثل سوال الكفار (فی عدم الرضاء بما فعل اللہ تعالی) فی قوله تعالى! 'وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿الزخرف ۳۱﴾

---

[1](تفسیر احمدی: ص:۵۲۷)

ترجمہ:وہابیہ کا یہ سوال کفار کے سوال جیسا ہے (کیونکہ دونوں فرقے اللہ تعالیٰ کے فعل پر راضی نہیں ہیں) کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ وطائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ ہوا۔ جیسا کہ کفار حضور اقدس ﷺ پر قرآن نازل ہونے سے منکر تھے اس لئے یہ کہا۔ اسی طرح وہابیہ آئمہ اربعہ کے مذاہب سے منکر ہیں۔اس لئے یہی الفاظ کہنے لگے۔آنے والی آیت کا بھی یہی قریب المفہوم ہے۔

قولہ تعالی:"وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ"﴿الانعام۸﴾

ترجمہ: کفار کہتے تھے کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے۔ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور اسی بناء پر چار مذاہب کو آئمہ اربعہ سے مخصوص کرتے ہوئے پہلے زمانہ میں موجود نہیں کیا۔اگر کوئی مزید تحقیق چاہے تو ہماری کتاب الاعتماد فی التقلید والاجتھاد کا مطالعہ کرے۔

(مفتاح السلوک جلد ہفتم)

مکتوب نمبر ۱۵۸

[شیخ حمید بنگالی کی طرف صادر فرمایا:

استعدادوں میں فرق کے مطابق مراتبِ کمال میں فرق اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ استعدادوں میں تفاوت کے موافق مراتبِ کمال میں بھی فرق اور تفاوت ہوتا ہے۔ اور کمال میں تفاوت کبھی کمیت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور کبھی کیفیت کے اعتبار سے اور کبھی بیک وقت دونوں اعتبار سے۔ تو بعض کا کمال مثلاً تجلی صفاتی سے ہوتا ہے اور بعض کا تجلی ذاتی سے۔ اگرچہ ان دونوں تجلیوں اور تجلیوں والوں کے درمیان بڑا فرق ہوتا ہے۔ تو بعض کا کمال قلب کی سلامتی اور روح کے نجات پانے میں ہے اور بعض کا کمال ان دونوں کے ساتھ ساتھ شہودِ سِری کے ذریعہ ہوتا ہے، اور ایک تیسرا گروہ ہے جس کا کمال ان تینوں کے علاوہ لطیفہ خفی کی طرف منسوب حیرت سے ہوتا ہے اور ایک چوتھے شخص کا کمال ان چار چیزوں کے ساتھ اور لطیفۂ اخفیٰ کی طرف منسوب اتصال سے ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کرے اور اللہ فضلِ عظیم والا ہے۔ ان مراتبِ مذکورہ میں کسی مرتبے میں کمال کے بعد یا تو مخلوق کی طرف پچھلے پاؤں رجوع واقع ہوتا ہے یا اسی مقام میں قرار اور قیام ہو جاتا ہے۔ اول مقام تکمیل وارشاد اور دعوت کے لئے حق سے خلق کی طرف رجوع ہے۔ دوسرا استہلاک وعزلت اور گوشہ نشینی کا مقام ہے۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا۔]

تشریح

ہر انسان کے اندر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کچھ معنوی برتن یا پیالے رکھے ہیں، جنہیں انسان اپنے اپنے اعمال کی بدولت سیدھا یا اُلٹا کر دیتا ہے، اگر کوئی برتن اُلٹا کر کے رکھ دیا جائے تو اس میں کوئی چیز ڈالی نہیں جاسکتی لیکن اگر اسی برتن کو سیدھا کر دیا جائے تو اس میں ہر چیز آسکتی ہے، پھر ہر برتن کے اندر چیزوں کو سمانے کی طاقت اور لیاقت الگ الگ ہوتی ہے۔ کسی میں کم پانی آسکتا ہے اور کسی میں زیادہ۔ انسان کے اندر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے معنوی لحاظ سے جو برتن پیدا کر رکھے ہیں ہم سلوک کے اعتبار سے اُنہیں لطائف کہتے ہیں۔ عام لوگوں کے غیر شرعی اعمال اور اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نافرمانی کی وجہ سے یہ لطائف یا معنوی برتن ٹیڑھے یا اُلٹے ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے عالمِ بالا کی تجلیات اور انوارات ان کے اندر سما نہیں سکتیں۔ ان ٹیڑھے برتنوں کو سیدھا اور درست کرنے کے لئے کسی ایسی شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اُس کے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کامل و مکمل اور صحیح معنوں میں تابعدار ہو اور ولایت کے اونچے درجات پر مشرف ہو ایسی ہی ہستی کو صحیح معنوں میں پیر و مُرشد کہا جاتا ہے، جو سلوک کے آغاز میں اپنے مُریدین کے باطنی معنوی برتنوں کو اپنی توجہات اور دعائے نیم شبی کی بدولت پہلے تو سیدھا کرتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اپنے سینے سے اَنوار و تجلیات ان میں منتقل کر کے انہیں بھر دیتا ہے۔

یاد رکھیں جس طرح ظاہری طور پر ہر برتن کی ایک استعداد اور طاقت ہے، اسی طرح انسان کے اندر پنہاں ان باطنی برتنوں یعنی لطائف کی بھی اپنی اپنی لیاقت اور استعداد ہے جس کی بدولت وہ تجلیاتِ الٰہیہ اور انوارات کو اپنے اندر سماتے ہیں۔ کسی سالک کے لطائف کی استعداد تو بہت بلند اور

اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو حاصل ہونے والا کمال بھی اعلیٰ ہوتا ہے۔ لیکن کسی دوسرے سالک کی استعداد اتنی زیادہ اور بلند نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ ایسی کم استعداد رکھنے والے سالک کو کمال بھی کم درجے کا ملتا ہے اور استعداد کا کم یا اعلیٰ ہونا محض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ وابستہ ہے۔ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک انسان بچپن سے ہی اعمالِ صالحہ کی طرف مائل ہو اور غیر شرعی حرکات سے متنفر رہا ہو اور یوں اتباعِ شریعت کی برکت سے وہ اعلیٰ استعداد کا مالک بن جائے۔ اگر یہ معرفت عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے تو کچھ حیرت کی بات نہیں، حیرت تو اُن سالکینِ طریقت پر ہوتی ہے جو اپنی عمریں سلوک میں گزار دیتے ہیں لیکن اپنے بچوں کو بچپن سے اسلامی تعلیمات نہیں سکھاتے اور نہ ہی اُنہیں بروقت نماز کی تلقین کرتے ہیں۔بچوں کے لئے دُنیا کی لذتوں اور آسائشوں کا سامان تو کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی اُخروی ضرورتوں کو مدِ نظر نہیں رکھتے۔

بات سالکینِ طریقت کی باطنی استعداد کی ہو رہی تھی۔ جس طرح ایک سلوک کے طالب علموں کی علمی لیاقت میں فرق پایا جاتا ہے کہ ایک بچہ تو بہت زیادہ ذہین ہوتا ہے اور وہ اپنے اساتذہ کے تھوڑے درس سے بہت زیادہ اخذ کرلیتا ہے اور اپنے سبق کو بہت جلد یاد کرلیتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا بچہ اتنا ذہین نہیں ہوتا اس لئے وہ اُسی درس کو اپنی علمی لیاقت کے مطابق کم سمجھتا ہے اور ایک دوسرا بچہ نالائق ہونے کی وجہ سے کچھ سیکھنے کی قوت وصلاحیت نہیں رکھتا۔یہی حال سالکینِ طریقت کی باطنی استعداد کا ہوتا ہے کہ ایک کامل استعداد والا سالک اپنے شیخ کی صوفیانہ مجلسوں سے اخذ فیض کرتے ہوئے بہت جلد منازلِ سلوک کے طے کرلیتا ہے، لیکن اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا سالک اپنی استعداد کی کمی کے باعث اتنا اخذ نہیں کرسکتا اس لئے ان دونوں کے کمال میں بھی فرق ہوتا ہے۔

سابقہ مکاتیب میں یہ مکرر بیان ہو چکی ہے کہ منازلِ سلوک کی پہلی منزل لطیفۂ قلب کا ذاکر ہوتا ہے۔ قلب پر تجلیٔ صفات پڑتی ہے اور لطیفۂ روح پر تجلی ذات، لطیفۂ سِر پر تجلیٔ شیونات، لطیفۂ خفی پر تجلیٔ اعتبارات اور لطیفۂ اخفٰی جو سب کا جامع اور اَکمل لطیفہ ہے اس پر شانِ جامع سے تجلیات ظہور کرتی ہیں اور اس لطیفہ کا حامل خوش نصیب سالک پہلے چار لطائف کے کمالات کا بھی حامل ہوتا ہے اس تفصیل کو لطائف کی کمیت کہا جاتا ہے۔ کوئی سالک تو محض قلب تک ہی محدود رہتے ہیں جنہیں اربابِ قلوب کہا جاتا ہے اور کچھ استعداد کی زیادتی کی وجہ سے روح کے کمالات کو بھی حاصل کر لیتے ہیں انہیں اربابِ روح کہا جاتا ہے۔ کوئی ایسے بھی ہیں جن کی استعداد اَربابِ روح سے بھی زیادہ ہوتی ہے اس لئے وہ لطیفۂ روح سے ترقی پا کر لطیفۂ سِر پر فائز ہو جاتے ہیں اور اسی طرح اوپر والے لطائف کا حال ہے۔

کسی بھی لطیفہ سے تعلق رکھنے والے سالک دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو عروج کرتے کرتے ایک مقام تک پہنچ کر وہیں مقیم ہو جاتے ہیں اور واپس نزول نہیں کرتے۔ انہیں مستہلک کہا جاتا ہے کیونکہ ایسے سالک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے عشق میں ہی استہلاک پیدا کر لیتے ہیں اور مجذوب ہو جاتے ہیں۔ فرائض کے علاوہ کسی حکم کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ نہ کسی پر توجہ کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کو فیض پہنچانے کی قوت رکھتے ہیں۔ ایسے سالک کسی کو اپنی مُریدی میں نہیں لیتے۔ انہیں ولیٔ لازمی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے ضمن میں حضرت خواجہ اویس قرنی، حضرت صابر کلیری اور حضرت حافظ شیرازی رحمہم اللہ تعالیٰ کی مثال دی جا سکتی ہے۔ عام سالکین کو ایسے مستہلک ولی کی صحبت سے اجتناب کرنا ضروری ہے کیونکہ ایسے مستہلکین سے ایسی چیزیں ظہور کر جاتی ہیں جو دوسروں کے

لئے باعثِ آزار ہو سکتی ہیں نیز چونکہ ولیٔ لازمی فیض پہنچانے کی لیاقت نہیں رکھتے اس لئے ان کی صحبت و مجلس مفید نہیں ہو سکتی۔

دوسری قسم کے سالک کو مرجوع کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی سالک اپنی استعداد کے مطابق مقاماتِ عروج طے کرنے کے بعد پھر اُس منزل کی طرف رجوع اور نزول کرے جہاں سے عروج کیا تھا۔ اس طرح سالکِ مرجوع اجمالی طور پر پانچ طرح کے ہوں گے۔ ایک وہ جو مقاماتِ قلب کو طے کرتا ہوا قلب کے اعلیٰ ترین مقام تک عروج کرے اور پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل و کرم کے طفیل اپنے ابتدائی مقام کی طرف نزول کر جائے۔ دوسرا سالک وہ ہوگا جو مقاماتِ روح میں عروج ونزول کرے۔ تیسرا لطیفۂ سِر میں عروج ونزول کرنے والا اور اسی طرح بقیہ لطائف کا حال ہے اور ان میں سب سے زیادہ کامل صوفی مرجوع وہ ہے جو پہلے چار لطائف کے ساتھ لطیفۂ اخفیٰ کے مقامات میں سیر کرتا ہوا اعلیٰ مقامات تک جائے اور پھر مکمل نزول کر لے، مکمل نزول اور رجوع کرنے کو رجوعِ قہقری کہا جاتا ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیئے عالمِ اَمر کے لطائف کے ساتھ عالمِ خَلق کے لطائف کا تزکیہ اور تصفیہ ضروری اَمر ہے۔ جس طرح عالمِ اَمر میں اعلیٰ ترین لطیفہ اخفیٰ ہے اسی طرح عالمِ خلق کے عناصر میں سب سے اعلیٰ اور شریف ترین عنصر عنصرِ خاک ہے۔ لطیفۂ اخفیٰ کے تزکیہ و تصفیہ کے ساتھ جس سالک کا عنصرِ خاک کا بھی تصفیہ ہو جائے وہ کامل و مکمل ولی اللہ ہوتا ہے کیونکہ عنصرِ خاک اصل میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے اور ان حضرات کی کامل و مکمل تابعداری کرنے والے خوش نصیب سالکوں کو بھی اس عنصر کے کمالات سے حصہ عطا کیا جاتا ہے۔

یاد رکھیں! مقامات کسی بھی لطیفہ کے ہوں، ان مقامات تک عروج کے بعد واپس نزول کرنے والے سالک صوفی ہی شریعتِ مطہرہ کی طرف دعوت وارشاد کا کام کرسکتے ہیں اور تشنگانِ تصوف کے باطن کی پیاس کو توجہات اور تجلیات وانوارات سے بجھاسکتے ہیں۔ یہی وہ ولی ہیں جن کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے۔

اور ان ہی کے بارے میں مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

یک زمانہ صحبتِ بااولیاء

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

گر تو سنگِ خارہ ومرمر شوی

چوں بہ صاحب دِل رَسی گوہر شوی

ترجمہ: کچھ دیر اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا سو برس کی بے ریا(یعنی خالص)طاعت سے (فضیلت میں)بڑھ کر ہے۔ اگر تو سخت پتھر یا(سنگ)مرمر بھی ہو تو جب کسی صاحبِ دل(کامل ولی اللہ)سے ملے گا(تو اس کی برکت سے)موتی بن جائے گا۔

اور حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

اگر بہر دو جہاں یک نفس زنم بادوست

مرا ازہر دو جہاں حاصل آں نفس باشد

ترجمہ: اگر دونوں جہانوں میں تھوڑی دیر کے لئے بھی دوست کے ساتھ سانس لوں تو میرے لئے دونوں جہاں کا ماحصل وہی سانس ہو گا۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مراتبِ کمال کے تفاوت کی وجہ بیان فرمارہے ہیں کہ آدمی المشرب اولیاء کرام کا کمال تنہا لطیفۂ قلب ہوتا ہے۔۔۔نوحی المشرب اور ابراہیمی المشرب اولیاء کا کمال لطیفۂ قلب اور لطیفۂ روح ہوتا ہے۔۔۔موسوی المشرب کا کمال قلب، روح وسِر کی تکمیل کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔۔۔عیسوی المشرب کا کمال لطائف قلب، روح، سِر و خفی ہوتا ہے اور محمدی المشرب اولیائے کرام لطائفِ خمسہ کی تکمیل اور ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے مشرف ہوتے ہیں جبکہ کیفیتِ کمالات میں بھی اولیائے کرام متفاوت ہوتے ہیں۔یعنی بعض اولیائے کرام بلند استعداد کے حامل ہوتے ہیں، بعض متوسط الاستعداد اور بعض ایسی پست استعداد رکھتے ہیں کہ لطیفۂ قلب کی انتہاء کو بھی نہیں پہنچتے۔

بینہ نمبرا

واضح رہے کہ شان العلم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مربی ہے۔۔۔صفت علم حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مربی ہے۔۔۔صفتِ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مربی ہے۔۔۔صفتِ قدرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مربی ہے۔۔۔اور صفتِ تکوین حضرت آدم علیہ السلام کی مربی ہے۔

جس سالک کا عدم ذاتی شان العلم کے مقابل ہوتا ہے وہ محمدی المشرب ہوتا ہے کیونکہ اس سالک کا عدم ذاتی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مربی شان العلم کے مقابل ہے۔ جس سالک کا عدم ذاتی صفتِ علم کے مقابل ہے وہ سالک نوحی المشرب یا ابراہیمی المشرب ہوتا ہے، کیونکہ اس سالک کا عدم ذاتی ان انبیائے کرام (حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام) کی

مربی صفت علم کے مقابل ہے۔ جس سالک کا عدمِ ذاتی صفتِ کلام کے مقابل ہوتا ہے وہ موسوی المشرب ہوتا ہے، کیونکہ اس سالک کا عدمِ ذاتی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مربی صفتِ کلام کے مقابل ہے۔ جس سالک کا عدم ذاتی صفتِ قدرت کے مقابل ہوتا ہے وہ عیسوی المشرب ہوتا ہے، کیونکہ اس کا عدمِ ذاتی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مربی صفت قدرت کے مقابل ہے۔ جس سالک کا عدم ذاتی صفتِ تکوین کے مقابل ہوتا ہے وہ آدمی المشرب ہوتا ہے، کیونکہ اس کا عدمِ ذاتی حضرت آدم علیہ السلام کی مربی صفت تکوین کے مقابل ہے۔

یوں انبیائے کرام علیہم الصلوات کی مربی صفات اور سالکین کے عدماتِ متقابلہ کی باہمی مناسبت سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے سالکین کے مشارب بھی مختلف ہوتے ہیں۔

بینہ نمبر ۲

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ سالکین کے دقائق، احوال اور مشارب واستعدادات کے علوم ومعارف، صدیوں بعد اخص الخواص اولیائے کاملین کو ہی عطا فرمائے جاتے ہیں، حتیٰ کہ قطب الاولیاء حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ العزیز کو بھی اپنا مشرب معلوم نہ تھا اور اس امر کی تحقیق کے لئے کسی مرید کو اپنے ہم عصر صاحبِ اسرار شیخ کے پاس بھیجا۔ شیخِ کبریٰ کے احوال دریافت کرتے ہوئے ان صاحبِ اسرار بزرگ نے اس مرید کو فرمایا: "ہمارا جہودک کیسا ہے؟" وہ مرید اس بات سے رنجیدہ اور حیران ہوکر شیخِ کبریٰ کی خدمتِ اقدس میں واپس آیا اور جو کچھ سُنا تھا بیان کر دیا۔ شیخ خوشی سے جھومتے ہوئے اٹھے اور فرمایا کہ ہمارا مقصد حاصل ہوگیا، اور معلوم ہوگیا کہ ہم حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زیرِ قدم ہیں۔ جہود (یہود)

ان کی اُمت کو کہا جاتا ہے اور یہ کلام ان بزرگ کی طرف سے ہمارے لئے ان کی ولایت کے اتباع کی طرف اشارہ ہے۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز واصلانِ ذاتِ حق کی دو اقسام بیان فرمارہے ہیں:

۱۔ مرجوعین اور ۲۔ مستہلکین

اولیائے مستہلکین عروجی منازل میں واپس نہیں لوٹتے۔ ان کے نفوسِ قدسیہ اور ارواح طیبہ تاحیات عروج ہی کرتے رہتے ہیں اور غلبۂ حال کی بناء پر ان کے حواسِ ظاہری بھی عالمِ صرف کے ساتھ متعلق اور ہمیشہ شہود میں ہی مستغرق رہتے ہیں۔ اس گروہ کا ایمان شہودی ہوتا ہے۔

جبکہ ۔۔۔ اولیائے مرجوعین کو عالمِ دُنیا کی طرف لوٹا کر منصبِ دعوت وارشاد پر متمکن فرما کر ان سے فیض رسانی کا کام لیا جاتا ہے۔ جیسے بادشاہ اپنے باشعور اور لائق وفطین وزیر انِ باتدبیر کو صوبوں کے عُمال بنا کر مختلف اُمور کی انجام دہی کے لئے مامور کر دیتا ہے۔ ان اولیائے مرجوعین کا مرتبہ اولیائے مستہلکین سے فوق تر ہوتا ہے۔

اہلِ طریقت نے اولیائے مرجوعین کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

قسم اول: کے اولیاء کے عروجی کمالات منتہائے مقصود تک نہیں پہنچتے صرف ان کے نفوس نزول کرتے ہیں۔ ان کی ارواح تحصیل کمالات عالیہ کے لئے عروجی منازل طے کرنے میں ہی مشغول رہتی ہیں۔

قسم دوم: کے وہ منتہی اولیاء ہوتے ہیں جنہوں نے عروجی کمالات کو انجام تک پہنچایا ہوتا ہے۔ ان کے نفوسِ مقدسہ اور ارواحِ طیبہ دونوں نزول کرتے ہیں، اس نزول کو نزولِ اتم کہا جاتا ہے، اور

---

[1] (زبدۃ المقامات، فصل پنجم)

ان اولیائے کرام کا درجۂ دعوت وارشاد کامل تر ہوتا ہے۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوات باطنی وظاہری طور پر نزول فرما کر دعوتِ خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، بنابریں ان کا ارشاد اتم واکمل ہوتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۰۱ تا ۱۰۵)

مکتوب نمبر ۱۵۹

[شرف الدین حُسین کی طرف صادر فرمایا۔ماتم پُرسی کے بیان میں:

اگرچہ آلام و مصائب بظاہر تلخ ہیں، اور جسم کو تکلیف پہنچانے والے ہیں لیکن باطن میں شیریں اور روح کو لذت عطا کرتے ہیں۔ کیونکہ جسم اور روح آپس میں گویا نقیض ہیں۔ ایک کا رنج دوسرے کے لئے لذت کا باعث ہے۔ وہ پست فطرت جو ان دو متضاد چیزوں کے لوازمات میں تمیز نہیں کر سکتا بحث سے خارج ہے۔ اور گفتگو کے قابل ہی نہیں۔ أُولَئِکَ کَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الأعراف ۱۷۹) وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔

آنکہ از خویشتن چو نیست جنین

چہ خبر دارد از چنان و چنین

ترجمہ: پیٹ میں موجود بچہ جب کہ اپنے آپ سے بھی آگاہ نہیں تو وہ اِدھر اُدھر کی کیا خبر رکھے گا۔]

تشریح

انسان نفس اور روح کا مجموعہ ہے اور یہ دونوں چیزیں اپنی اپنی سرشت اور فطرت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے اُلٹ اوصاف رکھتی ہیں۔ روح ایک نورانی اَمر ہے اور خالص پاکیزہ صفت چیز ہے، جبکہ نفس شیطانی اُمور کی آماجگاہ ہے جب تک کہ اس کی مکمل اصلاح نہ کر لی جائے۔

نفس کی نفسانیت اور اس کی ناجائز خواہشات کے غلبہ سے روح مغلوب ہو کر نفس کے تابع ہو جاتی ہے اور دونوں ایک ہی رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔ ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی بن جاتی ہے اور ایک کا غم دوسرے کے لئے غم بن جاتا ہے۔ لیکن یہ حال عوام کالانعام کا ہے۔ یہی وہ اصل بیماری ہے جس کے علاج کی طرف متوجہ ہونا ظاہری بیماریوں کے علاج سے بڑھ کر ضروری ہے۔

لوگ ظاہری بیماریوں سے صحت یاب ہونے کی اُمید پر لائق اور مہنگے ترین ڈاکٹروں اور حکیموں کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں، اور دُنیاوی صحت کے لئے ڈاکٹروں کی بتائی ہوئی پرہیز پر ہر طرح سے عمل درآمد کرتے ہیں لیکن باطنی بیماری سے صحت یاب ہونے کے لئے کسی باطنی اور معنوی حکیم کی طرف رجوع نہیں کرتے اور نہ ہی باطن کو پراگندہ ہونے سے بچانے کے لئے گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

اگر کارکنانِ قضاو قدر کسی خوش نصیب انسان کو اس کی باطنی بیماری کی طرف متوجہ کر دیں اور وہ ایک کامل شیخ کا دامن پکڑ کر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے تو اس کے نفس کی خواہشات کا زور ٹوٹنے لگتا ہے اور اس کی روح پر نفس کا تسلط کمزور پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے روح، نفس کے پنجے سے آزاد ہو جاتی ہے اور اپنی نورانی اور مَلکی صفات کو دوبارہ پالیتی ہے اب اس کا عالمِ اَمر، عالمِ خلق سے جدا ہو جاتا ہے، اور عوام والا حال نہیں رہتا یعنی نفسِ انسانی کو پہنچنے والا دُکھ اور پریشان حالات، روحِ انسانی کے لئے خوشی اور لذت کا باعث بن جاتے ہیں اور نفس کو خوشی اور لذت دینے والے افعال روح کی پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ متقی وپرہیز گار لوگ اپنے نفس کو محنت ومشقت میں ڈالے رکھتے ہیں اور نفس کی خواہشات کو پورا نہیں ہونے دیتے۔ کیوں۔۔۔؟ وجہ یہ ہے کہ نفس کی اس پریشانی سے وہ رُوح کی لذت حاصل کرتے ہیں اور اس لذت کے باعث اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قُرب کی منازل کو طے کرتے جاتے ہیں۔ اس معمہ کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں روح کی لذت کا احساس ہو۔

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی

ترجمہ: جب تک آپ اس شراب کے ذوق کا احساس نہ پیدا کر لیں بخدا! آپ اس کو چکھ نہیں سکتے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے جسم اور روح کو ایک دوسرے کا نقیض قرار دیا ہے۔ جسم سے آپ کی مراد نفس ہے، یعنی لذتِ نفس، روح کے تالم کا سبب ہوتا ہے اور المِ نفس، روح کے تلذّذ کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن اسے وہی اولیائے کرام سمجھ سکتے ہیں جن کی ارواحِ مقدسہ ان کے ابدانِ مطہرہ سے چھٹکارا حاصل کر چکی ہوتی ہیں اور وہ فناء وبقاء سے مشرف ہوتے ہیں۔

اسے مقولہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

عارفِ رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

موت قبل الموت اگر دستت نداد
می کند کارت اجل حسب المراد
غیر مردن ہیچ فرہنگ دگر
ونگیرد باخدا اے حیلہ گر

عارفِ کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو بزبانِ پنجابی یوں منظوم فرمایا:

جیہدے دل وچ توں آوسیوں اوہ دنیا وچ نہ وسدے نیں
اک وار جو پھائیوں اڈ جاون مڑ دوجی وار نہ پھسدے نیں

مگر عوام کالانعام کی ارواح ان کے نفوس میں اس قدر فنا پذیر ہوتی ہیں کہ کثرتِ غفلت ومعصیت کی وجہ سے ان پر نفس کی صفات غالب آ جاتی ہیں۔ بنابریں ان لذات وآلام سے غافل اور بے خبر ہوتے ہیں۔

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص ۱۰۹، ۱۱۰)

[جس شخص کی روح تنزل کرکے مرتبہ جسم میں قرارپذیر ہوچکی ہو اور جس کا عالمِ اَمر عالمِ خَلق کے تابع ہو چکا ہو وہ اس معما کا راز کیا پا سکتا ہے۔ جب تک رُوح اپنے مقامِ اصلی کی طرف واپس نہ لوٹے اور اَمر خلق سے جدا نہ ہو اس وقت تک معرفت کا جمال جلوہ گر نہیں ہو سکتا۔ اس دولت کا حصول اس موت کے ساتھ وابستہ ہے، جو موت حِسی اور صوری سے پہلے حاصل ہوتی ہے۔ اور مشائخِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اُس کو فنا سے تعبیر کیا ہے۔

خاک شو خاک تا بروید گل

کہ بجز خاک نیست مظہر گل

ترجمہ: خاک بنو خاک تاکہ پھول اُگ سکیں۔ کیونکہ خاک ہی پھولوں کی جائے ظہور ہے۔

اور وہ شخص جو مرنے سے پہلے مرا نہیں دراصل وہ مصیبت میں گرفتار ہے۔ اور وہ ماتم پُرسی کے لائق ہے۔ آپ کے والد مرحوم کی رحلت کی خبر جو نیک نامی میں شہرت رکھتے تھے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خوب رعایت کرتے تھے، مسلمانوں کے لئے مؤجبِ غم اور باعثِ رنج بنی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (ہم اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) وہ فرزند صبر کے شیوے کو اختیار کرتے ہوئے فوت شدگان کا صدقہ اور دعا اور استغفار کے ذریعہ ممدومعاون بنا رہے۔ کیونکہ مُردوں کو زندوں کی مدد کی شدید محتاجی ہے۔

حدیثِ نبوی علیہ وآلہٖ الصلوات والتسلیمات میں آیا ہے:

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔

ترجمہ: قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے اور مدد کے لئے پکارنے والے کی طرح ہے۔ میت ہر وقت دعا کا منتظر رہتا ہے جو اسے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے جب اسے ان میں سے کسی کی طرف سے (دُعا) پہنچتی ہے تو وہ اسے دُنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دُعا سے اہل قبور پر پہاڑوں کی مانند رحمت داخل کرتا ہے۔ اور بے شک زندوں کی طرف سے اموات کے لئے تحفہ اور ہدیہ ان کے لئے استغفار ہے۔[1]

باقی نصیحت کی بات یہ ہے کہ ہر وقت ذکر و فکر میں رہو۔ کیونکہ فرصت نہایت ہی تھوڑی ہے، اسے نہایت ہی ضروری کاموں میں صرف کرنا چاہیئے۔ وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

ماتم پُرسی اور تعزیت کے لائق در حقیقت وہ لوگ ہیں جن کے قلوب مر چکے ہیں اور حدیثِ مبارکہ: مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کے مقام سے نہیں گزرے۔ ان لوگوں کا نفس سَرکش ہے انہیں اپنے مُردہ دل کا احساس نہیں۔ یہی حال ان ابتدائی سالکوں کا ہے جو بیعت کے بعد شریعتِ حقہ کے اعمال کی طرف توجہ نہیں کرتے پھر شیخ کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ میرا قلب ابھی تک جاری نہیں ہوا نہ ہی مجھے کشف کی دولت حاصل ہوئی ہے۔ جب شیخ اُن سے کہتا ہے کہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی رعایت تو کریں، آگے سے جواب ملتا ہے کہ یہ تو بہت مشکل کام ہے۔ ایسے جاہل اور احمق کی بات اگر حیران کُن نہیں تو سمجھ کے قابل بھی نہیں جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تابعداری تو کرتا نہیں اور ولایت اور کشف و شہود کا تمنائی ہے۔ یہ شخص دراصل بیعت کے مفہوم کو ہی نہیں سمجھ سکا۔ بیعت کرنے کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ "میں اپنے سابقہ

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۷۸۲، الناشر: المکتب الإسلامي -بیروت)

گناہوں پر توبہ واستغفار کرتا ہوں اور آئندہ گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب کروں گا اور شرع شریف کے احکامات پر دل وجان سے عمل کروں گا''۔

وہ ضروری مفہوم جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں بیان فرمایا ہے یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کے والدین، بہن بھائیوں یا دیگر عزیز وا قارب میں سے کوئی انسان فوت ہو جائے وہ تاحیات اس بات کو اپنے معمولات میں شامل کرلے کہ دُعا اور صدقہ وخیرات کے ذریعہ اُس فوت شدہ عزیز کی مدد کرے۔ جب کسی جگہ فوتگی ہو جاتی ہے تو اس میت کے پسماندگان رو دھو کر اور دو چار ختم قرآن دلا کر خاموش ہو جاتے ہیں اور میت کو بھول جاتے ہیں، پھر نہ تو اُس کے لئے کوئی فاتحہ کرتا ہے نہ قرآن عظیم الشان کا ختم ہوتا ہے، نہ کوئی اس کے ایصالِ ثواب کے لئے کوئی صدقہ کرتا ہے اور اس کی قبر پر جا کر قرآن عظیم الشان کی تلاوت سے اُس کی مدد کرنا تو اب ختم ہی ہو چکا ہے۔ ہاں عید کے دن قبرستان میں چراغاں اور عطر پاشی ضرور ہوتی ہے اور ہر کوئی اس ماحول میں بن سنور کر شرکت کرنا ضروری خیال کرتا ہے اور ضروری بھی کیوں نہ سمجھے کہ اگر اس رنگین ماحول میں شریک نہ ہو تو لوگ باتیں کریں گے۔ (**العیاذ باللہ**)

نیز کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو چکے ہیں جو میت کے لئے دعا واستغفار اور ایصالِ ثواب کو بدعت کا نام دیتے ہیں۔ جس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس یہ مکتوب صادر فرما رہے تھے تب دُنیا میں دیگر متقی علماء ومفسرین اور محدثین کرام کے ساتھ ساتھ برصغیر میں فقیہ جلیل اور عالمِ متبحر حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی ہستی جلوہ گر تھی۔ اگر میت کے لئے دُعا وغیرہ کرنا غیر شرعی ہوتا تو ان حضرات کا حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مکتوب پر خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن جب انہوں نے اس پر اعتراض نہیں کیا تو اس سے

ثابت ہوتا ہے کہ میت کے لئے دعاواستغفار کی مجلس بنانا نیز انفرادی طور پر بھی فاتحہ وغیرہ سے میت کی استمداد کرنا عین صحیح اور شریعت کے مطابق ہے۔

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

الدعاء یرد البلاء، و الصدقة تطفئ غضب الرب۔

ترجمہ: دعا مصائب کو دور کرتی ہے اور صدقہ اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔[1]

اور شرح العقائد النسفی میں ہے کہ:

(و في دعاء الأحياء للأموات و صدقتهم) أي: صدقة الأحياء (عنهم) أي: عن الأموات (نفع لهم) أي: للأموات۔

ترجمہ: مُردوں کے لئے زندوں کی دُعا میں اور مُردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ وخیرات کرنے میں مردوں کو نفع (اور ثواب) ملتا ہے۔[2]

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز عاجزی و فروتنی اور انکساری و مسکینی اختیار کرنے اور تکبر وتمرّد و تبختر سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمارہے ہیں۔ دراصل جسمِ انسانی عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کے لطائفِ عشرہ سے مرکب ہے۔ عالمِ خلق کا پانچواں لطیفہ خاک ہے جو بشرطِ تزکیہ و تطہیر، انسانی عظمت وفوقیت کا مؤجب ہے۔ فلہٰذا سالکینِ طریقت شیخِ کامل و مکمل کی زیرِ نگرانی اس عنصرِ خاکی کے تزکیہ کے لئے شب وروز کوشش کرتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ کے شہود و معرفت کے پھول کھل سکیں اور تجلی

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۹۹، مكتبة أهل السنة و الجماعة)

[2] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۳۴۴، المكتبة الفاروقية)

ذاتی وتوحید عریانی اور وصلِ عریانی سے شادکام ہوسکیں۔یہ معرفت کمالاتِ نبوت میں سے ہے، جس سے عرفائے کاملین ہی ممتاز ہوتے ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۱۰، ۱۱۱)

مکتوب نمبر ۱۶۰

[یہ مکتوب آپ نے اپنے کمترین (بندے) غلام کی طرف صادر فرمایا۔ یعنی یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی کی طرف:

اس بیان میں کہ مشائخِ طریقت کے تین گروہ ہیں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم۔ اور ان میں سے ہر ایک کے حالات کی شرح، اور ان میں سے ہر ایک گروہ کے کمال اور نقصان کے بیان میں۔

مشائخِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے تین گروہ ہیں۔ پہلا گروہ اس اَمر کا قائل ہے کہ کائناتِ عالم حق سبحانہٗ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہے۔ اور جو کچھ اس میں اوصاف وکمالات ہیں سب حق سبحانہٗ کی ایجاد سے ہیں۔ اور اپنے آپ کو صرف شَبح اور مثال کے درجے میں جانتے ہیں۔ بلکہ اس شَبَحِیّت کو بھی حق سبحانہٗ کے ہاتھ کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات نیستی کے سمندر میں اس طرح گم ہیں کہ نہ انہیں عالَم کی خبر ہے اور نہ اپنی۔ برہنہ جسم آدمی کی طرح جس نے کسی سے عاریت کے طور پر کپڑا لے کر پہنا ہو، اور وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ یہ کپڑا عاریۃً میرے پاس ہے۔ اور کپڑے کی عاریت کا تصور اس پر اس قدر غالب ہو کہ اسے پہنے ہوئے ہونے کے باوجود اس کے اصل مالک کے ہاتھ میں ہی تصور کرے اور اپنے آپ کو برہنہ ہی محسوس کرے۔ اور اگر ایسے شخص کو بے شعوری اور سُکر کی حالت سے نکال کر شعور اور صحو کی طرف لائیں اور بقا بعد الفنا سے مشرف کریں تو وہ اگرچہ کپڑے کو اپنے بدن پر پہنا ہوا دیکھے گا مگر اس کا یقین یہی ہو گا کہ یہ میرا نہیں دوسرے کا ہے۔ کیونکہ وہ فنا اب درجۂ علم میں ہے اور گرفتاری اور تعلق جو اس کپڑے کے ساتھ تھا بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ بعینہٖ اس شخص کا حال ہے جو اپنے اوصاف وکمالات کو کسی سے عاریۃً لئے ہوئے کپڑے کی طرح جانتا ہے۔ صرف اتنا جانتا ہے کہ درجہ وہم میں یہ کپڑا میرے پاس موجود ہے۔ خارج میں میرے پاس کوئی

کپڑا نہیں بلکہ میں برہنہ ہوں۔ یہ دید اس حد تک غالب آتی ہے کہ وہ اس وہمی لباس کو پورے طور پر اُتار پھینکتا ہے اور اپنے آپ کو برہنہ محسوس کرتا ہے۔ اس حالت سے افاقے اور صحو کے بعد اس وہمی کپڑے کو اپنے ساتھ پاتا ہے۔ لیکن شخصِ اول کی فنا اَتم ہے۔ اور اس پر مرتب ہونے والی بقا بھی اَکمل ہوگی۔ جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

اور یہ بزرگ گروہ ان تمام معتقداتِ کلامیہ میں جو کتاب وسُنت اور اجماع کے موافق ثابت ہیں، علمائے اہلِ سُنت وجماعت کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے۔ اور ان میں اور متکلمین میں صرف اتنا فرق ہے کہ متکلمین اس معنی کو علماً اور استدلالاً پاتے ہیں اور یہ بزرگ کشف اور ذوق کے طور پر۔ نیز ان بزرگوں کا گروہ عالم کی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے نہایت منزہ ہونے کے باعث قطعًا کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا اور تمام نسبتوں کو سلب کرتا ہے۔ تو عالَم کے واجب تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ عینیت اور جزئیت کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔ صرف اس قدر نسبت ثابت مانتے ہیں کہ وہ مولیٰ ہے اور کائنات اس کی عبودیت کی صفت سے موصوف اور وہ صانع ہے اور کائنات اس کی مصنوع ہے بلکہ غلبۂ حال میں اس نسبت کو بھی گم کر دیتے ہیں۔ اس وقت فنائے حقیقی سے مشرف ہو کر تجلیاتِ ذاتیہ کو قبول کرتے ہیں اور بے انتہا تجلیات کا مظہر بن جاتے ہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں صوفیاء کرام یعنی مشائخِ طریقت کے تین گروہ بیان کئے ہیں ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے گا۔

مشائخِ طریقت کا یہ پہلا گروہ ان تین گروہوں میں سے بہترین گروہ ہے اور کامل ومکمل اولیاء اللہ میں سے ہے، ان کے عقائد میں خرابی نہیں ہوتی البتہ حالتِ سُکر کی وجہ سے بعض سُکری الفاظ ان

کی زبان سے صادر ہو جاتے ہیں مگر جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں حالتِ سُکر سے نکال لے تو پھر یہ کامل ومکمل ولی بن جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے اس پہلے گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ عالَم کو حق تعالیٰ کی تخلیق سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ حق جلّ وعلا خارج میں موجود ہے اور وجودِ عالَم (لوح وقلم، عرش وکرسی اور جنت ودوزخ) سب حق جلّ وعلا کا نمونہ ہے اور یہ گروہ اپنی روح کو اپنے پاس عاریت (امانت) کے طور پر سمجھتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد مجھے یہ امانت (روح) واپس دینی پڑے گی۔ اور یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ ہمارا وجود وصفات (لوح وقلم، عرش وکرسی، جنت ودوزخ اور انسان یا اس کی جو بھی صفات ہیں) یہ سب حق جلّ وعلا کی طرف سے ہیں اور اپنے وجود کو ضعیف جانتے ہیں، کبھی کبھی ان کو حالتِ تشبیہ مثال میں بھی نظر آتی ہے حالت تشبیہ کی مثال یہ ہے کہ جب یہ کسی چیز پر قادر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ قدرت ہمیں حق جلّ وعلا نے عنایت فرمائی ہے اس طرح نہیں کہتے کہ یہ قدرت بعینہٖ حق جلّ وعلا کی ہے (نعوذ باللہ من ذلک) اور اس گروہ کی معرفت علماءِ شریعت کے علم کے عین مطابق ہوتی ہے اس لئے کہ شریعتِ مقدسہ نے تعددِ وجود پر حکم فرمایا ہے یعنی اتنا فرق موجود ہے کہ علماء علم واستدلال کی بنیاد پر حکم فرماتے ہیں اور اولیاء اللہ کا یہ گروہ کشف وذوق کی بنیاد پر حکم فرماتا ہے۔

[دوسرا گروہ عالم کو حق سبحانہٗ کا ظل جانتا ہے مگر اس اَمر کا قائل ہے کہ عالَم خارج میں موجود ہے لیکن اصالت کے طریق پر نہیں، بلکہ ظلیت کے طور پر اور یہ کہ عالَم کا وجود حق سبحانہٗ کے وجود کے ساتھ قائم ہے جس طرح ظل اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا سایہ کافی دراز جگہ میں پھیل جائے اور وہ شخص اپنی کمال قدرت سے اپنی صفاتِ علم، قدرت، ارادہ وغیرہ حتٰی کہ لذت وتکلیف کو بھی اس سایہ میں منعکس کردے۔ پس بالفرض وہ سایہ اگر آپ پر گرے اور اس سے

تکلیف محسوس کرے تو عُقلا اور عُرفا یہ نہیں کہیں گے کہ اس شخص نے بھی تکلیف محسوس کی ہے۔ جیسا کہ تیسرا گروہ اس اَمر کا قائل ہے۔ اسی طرح تمام بُرے افعال جو مخلوقات سے صادر ہوتے ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حق تعالیٰ کے افعال ہیں۔ جس طرح اگر سایہ اپنے ارادہ سے حرکت کرے تو یہ نہیں کہتے کہ وہ شخص متحرک ہے۔ ہاں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس کی قدرت اور اس کے ارادے کا اثر ہے یعنی اس کی مخلوق ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ قبیح شے کا پیدا کرنا قبیح نہیں بلکہ قبیح کا فعل اور کسبِ قبیح ہے۔]

تشریح

مشائخِ طریقت کا دوسرا گروہ وہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ عالَم وجودِ ظلی سے خارج میں موجود ہے اور اس کا وجود حق جلّ وعلا کے ساتھ قائم ہے جس طرح ظل اصل کے ساتھ قائم ہے اس گروہ کی معرفت اوّل گروہ کے مشائخِ طریقت کی بہ نسبت ناقص ہے کیونکہ ان کے مطابق ظل اور اصل کے درمیان ایک قسم کی مشابہت و مناسبت پائی جاتی ہے حالانکہ خالق و مخلوق کے درمیان کسی قسم کی کوئی مشابہت و مناسبت موجود نہیں ہے، اللہ کو اللہ جاننا چاہیئے اور بندے کو بندہ۔ اس وجہ سے اس گروہ کی معرفت کو ناقص کہا گیا ہے۔

مقولہ:

مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ

ترجمہ: عالمِ پاک کے ساتھ خاک کی کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

اگرچہ اس گروہ کی گفتار کو صوفیہ وجودیہ یعنی تیسرے گروہ کے گفتار کی بہ نسبت برتری کا مقام حاصل ہے، تاہم یہ اپنے سُکر کی وجہ سے خالق و مخلوق میں فرق نہ کر سکے، بلکہ ممکنات کو ظلِ واجب

(ظلِ حق جلّ وعلا) سمجھ بیٹھے یعنی اس طرح نہیں کہتے کہ اللہ تو اللہ ہے اور ممکنات مخلوق۔ مشائخِ طریقت کا یہ گروہ دو حصوں میں تقسیم ہے، ان میں دوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے اوصاف وکمالات کو وہمی سمجھتا ہے یعنی یہ گروہ کہتا ہے کہ جتنی بھی صفات یعنی کشف اور جنت ودوزخ ہیں یہ وہم ہیں نہ کہ حقیقت تو اس لئے پہلے گروہ کی فنا بہ نسبت دوسرے گروہ کی فنا کے ناقص ہے اور اس گروہ کی معرفت وحدت الوجود کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ مختصر یہ کہ مشائخِ طریقت کے اس دوسرے گروہ میں ایک گروہ ممکنات کو ظل اور دوسرا اپنے اوصاف وکمالات کو وہمی سمجھتا ہے تو اس لئے مشائخِ طریقت کے دوسرے گروہ کے دونوں طبقات تعدادِوجود کے قائل ہیں۔

[تیسرا گروہ وحدتِ وجود کا قائل ہے۔ یعنی خارج میں صرف ایک ہی ذات موجود ہے اور بس۔ اور حق سبحانہٗ کی ذات اور عالم کا خارج میں اصلاً تحقق نہیں، بلکہ صرف علمی ثبوت رکھتے ہیں۔

یہ گروہ یوں کہتا ہے:

اَلْاَعْیَانُ مَا شَمَّتْ رَابِحَةَ الْوُجُوْدِ

ترجمہ: اشیاء نے وجود کی خوشبو بھی نہیں سونگھی۔

اگرچہ یہ جماعت بھی عالَم کو حق سبحانہٗ کا ظل ہی کہتی ہے، لیکن ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ ان کا وجود صرف مرتبہ جس میں ہے نفس الامر اور خارج میں عدمِ محض ہے۔ اور یہ لوگ خدائے عزّوجل کو صفاتِ وجوبیہ اور امکانیہ کے ساتھ متصف مانتے ہیں۔ اور مراتبِ تنزّلات ثابت کرتے ہیں اور ہر مرتبہ میں اسی ذاتِ اَحد کو اس مرتبہ کے لائق احکام کے ساتھ متصف کرتے ہیں، اور لذت حاصل کرنے اور تکلیف اٹھانے والی بھی خدائے عزّشانہٗ ہی کی ذات قرار دیتے ہیں لیکن ان وہمی اور محسوس ظلال کے پردہ میں۔

ان کے اس مسلک پر عقلاً اور شرعاً بے شمار اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ جن کے جواب میں ان کو مختلف حیلے اور تکلیفات اختیار کرنے پڑتے ہیں۔

اگرچہ یہ تیسرا گروہ اپنے درجاتِ وصل وکمال میں مختلف وتفاوت ہونے کے باوجود واصل اور کامل ہے۔ لیکن مخلوق کو ان کی ایسی باتوں نے گمراہی اور الحاد میں ڈالا ہے اور زندقہ وبے دینی تک پہنچایا ہے۔ پہلا گروہ سب سے اَکمل اور اَتم ہے اور زیادہ محفوظ۔ اور کتاب وسنت کے زیادہ موافق ہے، اس پہلے گروہ کا زیادہ محفوظ اور زیادہ موافق ہونا ظاہر ہے۔ باقی ان کا اَکمل اور اَتم ہونا اس بنا پر ہے کہ وجودِ انسانی کے بعض مراتب اپنی نہایت، لطافت اور تجرد کی بناء پر اپنے مبداء (حق تعالٰی) سے پوری مشابہت اور مناسبت رکھتے ہیں۔ جیسے لطیفۂ خفی اور اخفٰی۔ پس وہ جماعت جو فنائے سِری کے باوجود ان مراتب کو مبداء سے جدا نہیں کر سکتی۔ تاکہ لَا کے نیچے لاکر ان کی بھی نفی کرے۔ بلکہ مبداء ان کے نزدیک ان لطائف سے ملا اور متشابہ رہا اور اپنے آپ کو عین حق سمجھ لیا تو کہنا شروع کر دیا کہ خارج میں صرف حق سبحانہٗ ہی موجود ہے۔ اور خارج میں ہمارا بالکل وجود نہیں۔ لیکن چونکہ بہت سے آثارِ خارجیہ پائے جاتے تھے تو مجبوراً ثبوتِ علمی کے قائل ہوئے۔ اسی بنا پر وہ اعیان کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ قرار دیتے ہیں، یہ لوگ جبکہ مخلوقات کے وجود کے بعض مراتب (خفی اور اخفٰی) کو مبداء سے جدا نہ کر سکے تو ان کے واجب الوجود ہونے کے قائل تو نہ ہوئے البتہ ان کے برزخ ہونے کے قائل ہو گئے اور وجوب کا رنگ ممکن میں ثابت کر دیا اور یہ نہ جانا کہ یہ رنگ بھی ممکن کا ہی رنگ ہے جو واجب کے مشابہ اگرچہ صورت اور نام میں ہی ہو۔ اور اگر وہ اس رنگ کو جدا کرتے اور تمام مراتب ممکن کو واجب سے جدا کرتے تو اپنے آپ کو ہرگز خدا نہ دیکھتے بلکہ عالَم کو حق سے جدا کرتے اور صرف ایک ہی وجود کے قائل نہ ہوتے۔ اور جب تک اس شخص (قائلِ وحدت

الوجود) کا اثر اور نشان باقی ہے اپنے آپ کو حق تعالیٰ نہیں جانتا۔ اگرچہ کہتا یہی ہے کہ میرا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ لیکن اس کا یہ قول بھی کوتاہ نظری کے باعث ہے۔]

تشریح

مشائخِ طریقت کا تیسرا گروہ وحدت الوجود کا قائل ہے، یہ گروہ کہتا ہے کہ عالَم کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے اور خارج میں عدمِ محض ہے اور حق جلّ وعلا کے بغیر خارج میں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ حتّٰی کہ یہ گروہ حق جلّ وعلا کی صفات کو بھی خارج میں موجود نہیں جانتا اور کہتا ہے کہ عالَم صرف وجودِ علمی رکھتا ہے نہ کہ وجودِ خارجی۔ اور یہ گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ حق جلّ وعلا کی صفاتِ ثمانیہ بھی وجودِ خارجی میں موجود نہیں ہیں۔ جبکہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حق جلّ وعلا کی صفات لَا ھُوَ وَ لَا غَیْرُہٗ ہیں یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات نہ عینِ ذات ہیں اور نہ ذات سے جُدا۔ اس گروہ کو وجودیہ کہا جاتا ہے جس کی معرفت نہ تو شریعتِ غرا محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے موافق ہے اور نہ ہی حقیقت پر مبنی ہے بالفاظِ دیگر اس مرتبہ کے گروہ کے الفاظ کو کفرِ طریقت سمجھا جاتا ہے۔ ایک کفرِ شریعت ہے جس سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور کفرِ طریقت میں انسان دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا بلکہ مسلمان ہی رہتا ہے۔ مگر اس کے الفاظ حالتِ سُکر میں یا درجاتِ سِر، خفی اور اخفٰی کے درمیان فرق نہ کرسکنے کی وجہ سے ہوتے ہیں اور اسی کو کفرِ طریقت کہا جاتا ہے۔ البتہ اس طرح کے الفاظ کو حالتِ صحو اور ہوش میں ادا کرنے سے ضرور کفر صادر ہو گا اواس گروہ کو کافر نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ شاید یہ صوفی اس کیفیت سے نکل کر عالی مرتبہ پر فائز ہو جائے اور کمال تک پہنچ جائے جس طرح حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اَنَا الْحَقُّ کے کہنے کے باوجود

شب وروز میں ایک ہزار رکعات نماز ادا کرتے تھے، اگر قضیہ ٔ اَنَا الْحَقُّ ان کا عقیدہ ہوتا تو اتنی عبادت کس کے لئے کرتے تھے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مشائخِ طریقت کے تین گروہوں کا ذکر فرمارہے ہیں جن کا اجمالی تذکرہ ہدیہ ٔ قارئین ہے:

☆ طائفہ ٔ اولیٰ کے مشائخ کا یہ ادّعا ہے کہ عالمِ ایجاد حق سبحانہٗ سے خارج میں موجود ہے اور عالم کے تمام افعال وصفات بھی حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہیں اور وجودِ عالَم حق تعالیٰ سبحانہٗ کے وجود کا نمونہ ہے۔ بنابریں ہمارے وجود وصفات حق تعالیٰ سبحانہٗ کی طرف سے ہونے کی بناپر اس تعالیٰ سبحانہٗ کے وجود اور اس کی صفات کے پرتو اور انعکاس ہیں اور مستعار ہونے کی وجہ سے ہی انسان ضعیف البنیان ہے۔ اس طائفہ کی معرفت علمائے شریعت کے علم کے موافق ہے کیونکہ شریعتِ مطہرہ بھی تعددِ وجود کا اثبات کرتی ہے۔ البتہ ان عرفائے طریقت اور علمائے شریعت کے درمیان فرق یہ ہے کہ علمائے کرام کے مؤقف کا مبنی علم واستدلال ہے جبکہ مشائخ عظام اپنے مؤقف کو کشفی اور ذوقی طور پر ثابت کرتے ہیں۔

☆ طائفہ ثانیہ کے نزدیک عالَم، خارج میں موجود تو ہے مگر وجودِ ظلی کے ساتھ اور وجودِ عالم وجودِ حق سبحانہٗ کے ساتھ ایسے قائم ہے جیسے ظل کا قیامِ اصل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طائفہ کی معرفت طائفہ اولیٰ کی نسبت ناقص ہے کیونکہ ظل اور اصل کے درمیان ایک قسم کی مشابہت اور مناسبت موجود ہوتی ہے، جبکہ خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی مشابہت اور مناسبت نہیں پائی جاتی۔ بنابریں اس طائفہ کی معرفت کو ناقص کہتے ہیں۔ مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ۔ چہ نسبت

خناک راب پروردگارِ مخلوقات۔ اگرچہ اس طائفہ کی گفتگو طائفہ ثلاثہ (صوفیائے وجودیہ) کی گفتگو سے فوقیت رکھتی ہے لیکن اس طائفہ کے مشائخ غلبۂ سُکر کی وجہ سے ممکنات کو ممکنات اور مخلوقات نہیں کہتے، بلکہ ممکنات کو واجب کا ظل جانتے ہیں۔

طائفۂ ثانیہ کا ایک گروہ اپنے اوصاف وکمالات کو وہم جانتا ہے اس لئے اس کی فنا طائفۂ ثانیہ کی نسبت ناقص ہے اور ان کی معرفت وحدۃ الوجود کے قریب ہے، اگرچہ وہ طائفۂ ثانیہ میں سے ہیں۔ طائفۂ ثانیہ کے دونوں گروہوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں گروہ تعدد وجود کے قائل ہیں۔ وہ عالم کو حق تعالیٰ کی مخلوق ومصنوع اور حق تعالیٰ سے جدا جانتے ہیں، مگر ان میں سے ایک گروہ اپنے وجود کو ظلی اور دوسرا گروہ اپنے وجود کو وہمی جانتا ہے لیکن وہمی کہنے والے مشائخ، طائفہ ثالثہ کے نزدیک ہیں۔

☆ طائفہ ثلاثہ کے مشائخ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ذاتِ حق تعالیٰ کے سوا خارج میں کوئی موجود نہیں، بلکہ صفاتِ ثمانیہ بھی وجودِ خارجی نہیں رکھتیں۔ خارج میں عدم محض ہے، عالم وجودِ خارجی نہیں رکھتا بلکہ وجودِ علمی رکھتا ہے۔ اس طائفہ کی معرفت، حقیقت نہ رکھنے کی وجہ سے شریعتِ مطہرہ کے ساتھ موافقت نہیں رکھتی۔ اس طائفہ کو وجودیہ کہا جاتا ہے، اس مرتبہ کو کفرِ طریقت بھی کہتے ہیں۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ مشائخِ وجودیہ اپنے کشف میں معذور ہیں اس لئے یہ ان کا بیانِ عقیدہ نہیں بلکہ بیانِ حال ہے۔

حضرت شیخ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نعرۂ انا الحق کے باوجود روزانہ ایک ہزار نوافل ادا فرمایا کرتے تھے۔[1]

اگر انا الحق کا قضیہ ان کا عقیدہ ہوتا تو اس قدر عبادت و ریاضت و طاعت کیوں اور کس لئے کرتے رہے؟

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے والدِ گرامی حاملِ نسبتِ فردیت حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد چشتی قدس سرہٗ العزیز توحیدِ وجودی سے سخت مغلوب الحال ہونے کے باوجود سنن زوائد کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ باید وشاید، بلکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے بقول ہمیں عباداتِ نافلہ کی ادائیگی کی توفیق پدرِ بزرگوار کی روحانی امداد سے ہی حاصل ہوئی تھی۔[2]

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ طائفۂ اولیٰ کے مشائخ کی فنا اَتم ہے، اس لئے ان کی معرفت شریعتِ مطہرہ کے مطابق ہے۔ طائفۂ ثانیہ کے مشائخ کی فنا ناقص ہے، کیونکہ وہ اگرچہ ممکن کو عین حق نہیں جانتے مگر ظلِ حق کہتے ہیں۔ اگر یہ حضرات جمیع ممکنات کو فراموش کرکے تمام مراتبِ ممکنات سے آگے گزر جاتے اور کمال نسیان ماسویٰ حاصل کرکے فنائے اتم سے مشرف ہو جاتے تو عالَم کو ظل واجب نہ جانتے۔ طائفۂ ثانیہ اور ثالثہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ طائفۂ ثانیہ کے صوفیاء گو عالَم کے وجودِ خارجی کے قائل ہیں مگر عالَم کو موجودِ ظلی خارجی جانتے ہیں، جبکہ طائفہ ثلاثہ کے مشائخ

---

[1] (نفحات الانس)

[2] (مبدأ و معادمنها، ص ۱)

ذاتِ حق تعالیٰ کے سوا کسی موجود شئ کو خارج نہیں کہتے، بلکہ ظلیت عالم کو بھی خارج نہیں کہتے وہ تو ظلیتِ عالم کو وہمی جانتے ہیں۔

سلطان العشاق حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہٗ العزیز نے اس مرتبہ میں مغلوب الحال ہو کر یوں کہہ دیا:

ممکن ز تنگنائے عدم ناکشیدہ رخت

واجب ز بارگاہِ قدم تانہادہ گام

در حیرتم کہ این ہمہ نقش عجیب چیست

بر لوح ظاہر آمدہ مشہود خاص وعام

جامی معاد و مبدا ما وحدت است وبس

ما در میانِ کثرت موہوم والسلام

حضرت ابن العربی قدس سرہٗ العزیز بھی تحریر فرماتے ہیں:

اَلْبَحْرُ بَحْرٌ عَلٰی مَا کَانَ فِی الْقِدَمِ اِنَّ الْحَوَادِثَ اَمْوَاجٌ وَاَنْہَارٗ

یعنی بحر سے مراد واجب تعالیٰ قدیم ہے اور ممکنات و ظہوراتِ مختلفہ اس بحر کی امواج وانہار ہیں۔

چونکہ یہ طائفہ عالم کو موجود خارجی نہیں کہتا بلکہ موجود علمی جانتا ہے اس لئے اس طائفہ کے صوفیاء کی معرفت بھی تام نہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۱۱۶ تا ۱۱۹)

[دوسرے گروہ نے اگرچہ مراتب کو مبداء سے جدا قرار دیا ہے۔ اور کلمہ لَا کے نیچے لا کر اس کی نفی بھی کی ہے۔ لیکن ظلیت اور اصالت کے واسطہ سے ایک چیز ان کے بقایا وجود سے ثابت رہی

ہے۔ کیونکہ رُتبۂ ظل کا اصل کے ساتھ تعلق کا رشتہ بڑا قوی ہے۔ یہ نسبت ان کی نظر سے محو نہیں ہو سکی۔

لیکن پہلے گروہ نے حضر رسالت خاتمیت علیہ من الصلوٰت اتمہا ومن التحیات اکملہا کے ساتھ مناسبت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کمال متابعت کی بنا پر ممکن کے تمام مراتب کو واجب سے جدا قرار دیا ہے۔ اور کلمہ لَا کے نیچے لا کر سب کی نفی کر دی ہے۔ اور انہوں نے ممکن کی واجب کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں دیکھی۔ اور اس کی طرف کسی نسبت کا اثبات نہیں کیا، اور اپنے آپ کو اس کا عبد، مخلوقِ بے قدرت کے سوا کچھ نہیں سمجھا۔ اور اس اللہ عزّشانہٗ کو اپنا خالق و مولیٰ جانا ہے۔ اپنے آپ کو مولیٰ سمجھنا یا اس کا ظل قرار دینا ان بزرگوں کے نزدیک سخت گراں اور دشوار ہے، چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ یہ بزرگ اس واسطے سے کہ اشیاء خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں اشیاء سے دوستی رکھتے ہیں اور اس بنا پر اشیاء ان کی نظر میں محبوب ہیں اور اسی بنا پر کہ اشیاء اس کی مصنوع اور ان کے افعال بھی اس ذاتِ جلّ شانہٗ کے پیدا کردہ ہیں، پورے طور پر اشیاء کے مطیع بنتے ہیں اور انہیں تسلیم کرتے ہیں، اور افعال پر انکار نہیں کرتے ہاں جہاں شریعت انکار کرے۔

جس طرح توحیدِ وجودی والوں کو اشیاء کے حق تعالیٰ کا مظہر بلکہ اس کے عین کے لحاظ سے اس قسم کی محبت اور ان کی اطاعت نصیب ہوتی ہے۔ پہلے گروہ کو اشیاء کے صرف اللہ تعالیٰ کی مصنوعات اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے اشیاء کے ساتھ دوستی حاصل ہوتی ہے۔

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

ترجمہ: دیکھو ایک راہ سے دوسری راہ تک کتنا فرق ہے۔

عین محبوب کے ساتھ تھوڑی سی محبت کے باعث بھی دوستی روا ہے۔ لیکن مصنوعات، مخلوقات اور اس کے بندے جب تک محبوب (حقیقی) کے ساتھ پوری دوستی پیدا نہ کریں ان کے ساتھ دوستی روا نہیں ہے۔ اور انہیں محبوب قرار نہیں دے سکتے، اس بلند گروہ کو مقامِ عبدیت سے جو تمام مقاماتِ ولایت کی انتہاء ہے مکمل حصہ مل چکا ہے۔ اور ان برگزیدہ حضرات کے صحتِ حال پر اس سے بڑی اور مکمل دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کا ہر کشف کتاب وسُنت اور ظاہرِ شریعت کے موافق ہے۔ ایک بال برابر بھی ظاہر شریعت سے مخالفت ان کی طرف راہ نہیں پا سکی۔ اے اللہ! ہمیں بحرمتِ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم وبارک اس گروہ کے محبوں اور پیروکاروں میں کر۔

یہ درویش جس سے ان سطور کا استفادہ ہوا ہے۔ اوّل توحیدِ وجودی کا معتقد تھا۔ بچپن سے ہی اس توحید کا علم اور اس پر پورا یقین رکھتا تھا اگرچہ حال نہیں رکھتا تھا اور جب اس راہ میں آیا تو اوّل توحید کا راستہ منکشف ہوا اور مدت دراز تک اس مقام کے مراتب میں گھومتا رہا اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے فائض ہوتے رہے۔ اور وہ مشکلات وواردات جو اَربابِ توحید پر وارد ہوتی ہیں سب کی سب کشوف اور علومِ فائضہ کے ذریعہ حل ہو گئیں۔ ایک مدت کے بعد اس درویش پر ایک اور نسبت غالب ہوئی اور اس کے غلبہ میں توحیدِ وجود میں توقف پیدا ہوا۔ لیکن یہ توقف توحیدِ وجودی والوں کے ساتھ حُسنِ ظن کی بنا پر پیدا ہوا انکار کی بنا پر پیدا نہ ہوا۔ ایک مدت تک اس بارے میں متوقف رہا آخر الامر معاملہ اس کے انکار تک پہنچا اور مجھے دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ سب سے پست مرتبہ ہے۔ یہاں سے ظلیت کے مقام پر پہنچا لیکن اس کا انکار بے اختیار تھا۔

نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر آئے۔ اس لئے کہ بہت سے مشائخِ عظام اس مقام میں اقامت پذیر تھے۔ اور جب ظلیت کے مقام میں پہنچا اور خود کو اور عالَم کو ظل محسوس کیا جیسا کہ دوسرا گروہ اس کا قائل ہے، تو اس اَمر کی آرزو پیدا ہوئی کہ کاش اس مقام سے باہر نہ نکالیں کیونکہ یہ درویش کمال وحدتِ وجود میں پاتا تھا اور یہ مقامِ ظلیت اس سے کچھ قدرے مناسبت رکھتا ہے۔ اتفاقاً کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس مقام سے بھی اوپر لے گئے اور مقامِ عبدیت تک پہنچادیا۔ اس وقت اس مقام کا کمال دکھائی دیا اور اس کی بلندی واضح ہوئی اور گزشتہ مقامات سے تائب ہوا اور استغفار کیا۔ اگر اس درویش کو اس راستے سے نہ لے جاتے اور بعض مراتب کی بعض مراتب پر فوقیت نہ دکھاتے تو اس مقامِ عبدیت میں اپنا تنزل جانتا۔ کیونکہ اس درویش کے نزدیک توحیدِ وجودی سے اوپر کوئی مقام نہ تھا۔ وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِیْ السَّبِیْلَ۔ اللہ ہی حق کو حق ثابت کرتا ہے اور راہِ راست کی ہدایت بخشتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ اس درویش کے مکتوبات ورسائل میں بلکہ ہر سالک کے علوم ومعارف میں تفاوت اور فرق کا منشا یہی مقاماتِ متفاوتہ کا حصول ہے۔

ہر مقام کے علوم ومعارف الگ ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے۔ پس فی الحقیقت علوم میں تعارض اور تناقض نہیں جس طرح احکامِ شرعیہ کے نسخ کا معاملہ ہے۔

فَلَاتَکُنْ مِنَ الْمُمْتَرِینَ (آل عمران ٦٠)

ترجمہ: تو شک والوں میں نہ ہونا۔

وَصَلَی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ وَسَلَّم]

تشریح

سالک کے علوم ومعارف کا منشاد راصل وہ مقامات ہیں جن میں سالک کی سیر واقع ہوتی ہے اور مختلف اولیاء کرام کے بیان کردہ معارف میں جو اختلاف نظر آتا ہے اُس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے مقامات میں فرق ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ابتداء میں توحیدِ وجودی کا مشرب رکھتے تھے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ظہور میں آنے والے معارف بھی توحیدِ وجودی کے مطابق تھے لیکن جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس مقام سے آگے لے جایا گیا تو علوم ومعارف کا رُخ بھی بدل گیا اور اصل حقائق ظہور پذیر ہونے لگے۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گزشتہ مقامات کے حالات اور ان کے علوم ومعارف کے اختلافات کو اس مکتوب میں بیان فرمایا اور ان مقامات کے مشائخِ عظام کو تین اقسام میں منقسم کیا۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصریحات کے مطابق مقامِ اوّل سے تعلق رکھنے والا گروہِ اولیاء حق پر ہے اور اس کی فنا اَتم ہے اور بقا اَکمل۔ اس لئے اُن کے علوم ومعارف بھی صحیح اور یقینی ہیں اور ان کا کشف شریعت کے عین مطابق ہے۔ دوسرے گروہ نے تمام جہان اور اس کی مخلوقات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ظل جانا ہے۔ گو انہوں نے اپنے کشف میں ایسا ہی دیکھا ہے، لیکن چونکہ ایسا کشف اور اس کے متعلقہ علوم شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہیں، اس لئے قابلِ رَد ہیں، لائق تقلید نہیں۔

تیسرا گروہ وہ ہے جسے عرفِ عام میں وحدت الوجودی کہا جاتا ہے۔ وحدت الشہود کا راستہ ان پر نہیں کھلا اس لئے انہیں بھی اپنے کشف میں غلطی لگی ہے، انہوں نے بھی جہانِ فانی کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ظل کہا ہے لیکن مرتبۂ حِس میں۔ نفس الامر میں یہ لوگ تمام مخلوقات کو عدم جانتے ہیں۔ ان کے اکثر وبیشتر اقوال سُکری ہیں اور ان کے سُکری اقوال وافعال، تصوف کے حالات وواقعات

سے بے خبر لوگوں کو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں اس لئے یہ مشرب رکھنے والے سالکوں سے بچنا، اپنے ایمان کو بچانے کے لئے ضروری ہے۔

یہ بات تو واضح ہو چکی ہے کہ مشائخِ طریقت کا پہلا گروہ حق پر ہے اور اونچے درجات کا حامل ہے لیکن یہ بات بھی جان لیں کہ دوسرے دونوں گروہ بھی، اپنے کشف میں غلط ہونے کے باوجود طریقت کے فیوضات وبرکات سے محروم نہیں۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے ویسا ہی بیان کیا ہے لیکن ان کے عقائد بہت حد تک درست ہیں۔ وصل وکمال کی دولت انہیں بھی عطا کی گئی ہے لیکن گروہِ اوّل کے مقابلے میں ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے دریا کے سامنے ایک قطرہ۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے مشائخ کے طبقاتِ ثلاثہ میں سے طبقۂ اولیٰ کے احوال وکمالات کی ترجیحات بیان فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

ترجیحِ اول

یہ ہے کہ طبقۂ اولیٰ کے مشائخ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ کمال مناسبت ومتابعت کی وساطت سے ممکنات کے جمیع مراتب کو واجب سے جدا سمجھ کے کلمۂ لا کے تحت لا کر تمام کی نفی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کو اپنا خالق ومولا سمجھ کر اپنے آپ کو مخلوق غیر مقدور جانتے ہیں۔

ترجیحِ دوم

یہ ہے کہ یہ مشائخ اشیائے ممکنات کو محبوبِ حقیقی جل سلطانہٗ کے ساتھ کامل محبت کی بنا پر ہی محبوب جانتے ہیں کہ وہ اشیائے ممکنات اور ان کے افعال حق تعالیٰ کی مصنوعات و مخلوقات ہیں۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ (الصافات ۹۶) اور اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ (الزمر ۶۲) سے عیاں ہے۔

بینہ نمبر ۱

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اس طائفہ عَلیہ کی عظمت کی واضح دلیل یہ ہے کہ ان کے جملہ مکشوفات، شریعتِ مطہرہ، آیاتِ کریمہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں جو ظاہرِ شریعت سے سرِ مو بھی مخالفت نہیں رکھتے۔ وَلِلّٰہِ الۡحَمۡد

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اس طبقہ کے صوفیاء مقامِ عبدیت سے حظِ کامل رکھتے ہیں جو مقامِ ولایت کا انتہائی مرتبہ ہے اور تخلیقِ انسانی کا یہی مقصود ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذاریات ۵۶) سے واضح ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۲۰ تا ۱۲۲)

مکتوب نمبر ۱۶۱

[ملا صالح کولابی بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ منازلِ سلوک کے طے کرنے سے مقصود ایمانِ حقیقی کا حصول ہے، جو اطمینانِ نفس کے ساتھ وابستہ ہے۔

منازل سلوک طے کرنے سے مقصود ایمانِ حقیقی کا حصول ہے جو اطمینانِ نفس سے وابستہ ہے۔ جب تک نفس مطمئنہ نہ بنے نجات متصور نہیں۔ نفس اس وقت تک مرتبۂ اطمینان تک نہیں پہنچتا جب تک قلب کی سیاست اس پر مسلط نہ کریں اور دل کی سیاست اس وقت میسر آتی ہے جبکہ قلب پہلے کاموں سے فارغ ہو۔ اور غیرِ حق کی گرفتاری سے سلامتی حاصل کرے اور غیرِ حق کے ساتھ گرفتاری سے نجات پانے کی علامت یہ ہے کہ ماسوائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو بھول جائے جب تک بال برابر بھی غیرِ حق سے آشنائی ہے، سلامتی سے دور ہے۔ تو کتنا مبارک ہے وہ شخص جس نے اپنا قلب اپنے رب کے سپرد کر دیا۔ کوشش کرنا ضروری ہے تاکہ سلامتیٔ قلب سے مشرف ہو اور نفس اطمینان کے مقام تک پہنچے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے۔ اور فضل عظیم والا ہے۔

وَالسَّلامُ۔]

تشریح

ایمان کے دو درجے ہیں ایک ایمانِ صوری اور دوسرا ایمانِ حقیقی۔ ایمانِ صوری عام مسلمانوں کا ہوتا ہے اور ایمانِ حقیقی خاص لوگوں کو عنایت ہوتا ہے، لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ عوام کا ایمان صوری کیوں ہے اور خاص مؤمنین کو حقیقی ایمان کس وجہ سے عطا کیا جاتا ہے، نیز ان دونوں درجوں میں فرق وامتیاز کی کیا صورت ہے۔

ایک عام مسلمان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اور ایمانِ مفصل میں بیان کردہ بقیہ اشیاء کو بھی مانتا ہے وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات کو بھی جانتا ہے لیکن اس کے باوجود ایمان اُس کے دِل کی گہرائیوں میں نہیں اُتر سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے اقرار اور تصدیق کرنے والے باوجود اقرار وتصدیق کے جھوٹ بھی بولتے ہیں، غیبت بھی کرتے ہیں حرام بھی کھاتے ہیں، نامحرم عورتوں سے اجتناب بھی نہیں کرتے اور حقوق العباد کو بھی پامال کرتے رہتے ہیں، نماز کی فضیلت کو مانتے ہوئے بھی نماز کی پابندی نہیں کرتے۔ مالکِ نصاب ہوتے ہوئے بھی فریضہ ٔزکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور قدرت رکھنے کے باوجود حج ادا نہیں کرتے، یہی لوگ ہیں جن کا ایمان صوری ہے۔ انہیں ایمان کی محض صورت حاصل ہے، لیکن اس کی حقیقت سے نابلد ہیں۔ تاہم یہ ناپائیدار زندگی گزارنے کے بعد ان کا دائمی دوزخی ہونے کا عقیدہ رکھنا بھی غلط ہے اس لئے کہ کلمہ ٔ طیبہ اپنے پڑھنے والوں میں سے کسی کو بھی جہنم میں نہیں چھوڑے گا بلکہ دُنیا میں سرکشی کرنے والے مسلمان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی کی سزا بھگتنے کے بعد ضرور بالضرور جنت میں داخل ہوں گے۔

ایمان کا دوسرا درجہ اعلیٰ ترین درجہ ہے جسے ایمانِ حقیقی کہا جاتا ہے اور اس ایمان کا حصول طریقت میں داخلے کے ساتھ مشروط ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جو بھی طریقت میں داخل ہو گا اس کا ایمان فوری طور پر صورت سے حقیقت میں بدل جائے گا بلکہ یاد رکھیں انسان کو اپنے نفس کی ناجائز خواہشات کو کچلنا پڑتا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کو دل وجان سے تسلیم کرنے کے بعد اعمالِ صالحہ بجا لانا، غیر شرعی حرکات سے مکمل اجتناب، گناہِ کبیرہ وصغیرہ سے پرہیز اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا خیال رکھنا

بے حد ضروری ہے اور ان لوازمات پر کما حقہٗ عمل، شیخِ کامل کی رہنمائی اور طریقت کی برکات کے بغیر ممکن نہیں۔ دل تو غیر اللہ کی محبت کے زَنگ سے صاف کرنا حقیقی تصوف کے بغیر کب میسر آسکتا ہے اگر تصوف و طریقت کے راستوں کو طے کرنا اختیاری حیثیت رکھتا تو چودہ سو سال تک اُمتِ مرحومہ کا بہت بڑا حصہ اپنی زندگیوں کو تصوف کی عملی جولانگاہ میں نہ گزارتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرزندِ رشید حضرت عروۃ الوثقٰی خواجہ محمد معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی سالک فنائے قلب سے تو مشرف ہو مگر فنائے نفس تک نہ پہنچا ہو تو کیا ایسے شخص پر ولایت کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا کہ ہاں ایسا شخص بھی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے (نچلے درجے) کے اولیاء میں شامل ہے کیونکہ اس کا قلب ولایتِ قلبی حاصل کر چکا ہے اور اس کا نفس اس کے قلب کا ہمسایہ ہے اور قوی اُمید ہے کہ قلب کی ہمسائیگی اور اثرات کی برکت سے اس کا نفسانی بھی طغیانی اور سَرکشی سے بچ جائے اور صالح ہو جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک فاسق وفاجر شخص، نیک وصالح لوگوں کی صحبت کی وجہ سے فسق وفجور سے باز آجاتا ہے اور خود بھی صالح بن جاتا ہے۔

باعاشقا نشین وہم عاشقی گزین
ہر کس کہ نیست عاشق باو مشو قرین

ترجمہ: آپ عاشقوں کے پاس بیٹھو اور عاشقی کرو اور جو شخص عاشق نہ ہو اس کے قریب مت جاؤ۔

(حقیقی عشق کی طرف اشارہ ہے)

پس ایمانِ صوری کو ایمانِ حقیقی میں تبدیل کرنا اور نفس کو امارگی کے گند سے نکال کر بتدریج اطمینان کے مقام تک لے کر جانے سے ہی نجاتِ اُخروی کا صحیح مفہوم مل سکتا ہے انسان کو شش کے ساتھ اس معاملے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

(دارالمعــرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اہل اللہ کے سلوکِ طریقے طے کرنے کی وجہ بیان فرمارہے ہیں۔ در حقیقت جب سالکین کے لطائفِ عالمِ اَمر کا تصفیہ اور لطائفِ عالمِ خلق کا تزکیہ ہو جاتا ہے، خصوصًا لطیفۂ نفس تزکیۂ بدایت سے گزر کر تزکیۂ نہایت سے مشرف ہو جاتا ہے تو ایسے نفس کو نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں اور نفسِ مطمئنہ کو ہی نجاتِ کامل میسر ہوتی ہے، کیونکہ اربابِ نفوسِ امارہ بھی تصدیق قلبی سے مشرف اور اہلِ نجات سے محسوب ہوتے ہیں مگر ایسی فلاح ونجات جو سببِ بلندیٔ درجات ہو اس قسم کے لوگوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ نفسِ امارہ، انکار ومنازعت وعداوت کے باوجود تصدیقِ قلبی کی وجہ سے محض ایمانِ صوری ہی رکھتا ہے جبکہ صاحبانِ نفوسِ مطمئنہ تصدیقِ قلبی کے علاوہ مصداقات قضایائے شرعیہ کے شہود سے بھی شادکام ہوتے ہیں۔ اسے ہی ایمانِ حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے جو نجاتِ کاملہ اور قربات درجات کا باعث ہوتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

بینہ

واضح رہے کہ ایسا سالک جو فنائے قلب سے تو مشرف ہو مگر اسے فنائے نفس حاصل نہ ہو آیا اس پر ولی کا اطلاق ہو گا یا نہیں۔۔۔۔۔؟

عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی مجددی قدس سرہٗ العزیز اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔: ہاں وہ سالک حق تعالٰی کے دوستوں میں سے ہے اور اسے ولایتِ قلبی حاصل ہے۔ چونکہ اس کا نفس، قلب کے جوار میں واقع ہے اس لئے امید ہے کہ اس کا نفس، قلب صالح کے جوار کی وجہ سے طغیان و سرکشی سے باز رہے اور قلبِ صالح کی تاثیرات وبرکات کی ہمسائیگی کے باعث صالح ہو جائے۔

اسی لئے کسی شاعر نے خوب کہا:

باعاشقاں نشیں وہم عاشقی گزیں
ہر کس کہ نیست عاشق باو مشو قریں

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۱۲۵، ۱۲۶)

مکتوب نمبر ۱۶۲

[خواجہ محمد صدیق بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

ماہِ رمضان مبارک کی فضیلت اور اس ماہ کی قرآن مجید کے ساتھ مناسبت کے بیان میں جس کی بنا پر اس کا نزول اس ماہِ مبارک میں ہوا۔ اور کھجور کی جامعیت کے بیان میں کہ اس کے ساتھ روزہ افطار کرنا مستحب ہے اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَهٗ۔ کلام کی شان جو شیوناتِ ذاتیہ میں سے ہے تمام ذاتی کمالات اور صفاتی شیونات کا جامع ہے۔ جیسا کہ گزشتہ علوم میں مذکور ہوا، اور ماہِ رمضان مبارک تمام خیرات وبرکات کا جامع ہے۔ جو بھی خیر وبرکت ہے اس کا فیضان حضرت ذات تعالٰی وتقدس کی طرف سے ہوتا ہے اور ذاتِ سبحانہٗ کے شیونات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہر شر و نقص جو صفحۂ وجود پر آتا ہے، اس کا منشا فانی ذات وصفات ہیں۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (النساء ۷۹)

ترجمہ: اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔

نصِ قطعی ہے۔ پس اس ماہِ مبارک کی تمام خیرات وبرکات ان کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہے کہ شانِ کلامِ الٰہی ان سب کی جامع ہے۔ قرآن مجید اس جامع شان کی حقیقت کا خلاصہ ہے لہٰذا اس ماہِ مبارک کی قرآن مجید کے ساتھ پوری مناسبت ہے۔ کیونکہ قرآن تمام کمالات کا جامع ہے اور یہ مبارک مہینہ ان تمام خیرات وبرکات کا جامع ہے جو ان کمالاتِ قرآنی کے نتائج ہیں اور یہی مناسبت قرآن حکیم کے اس ماہِ مبارک میں نزول کا باعث بنی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرة ۱۸۵)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔

اور اس میں آنے والی شبِ قدر اس ماہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ یہ رات مغز ہے اور یہ ماہِ مبارک اس کے لئے چھلکے کی مانند ہے۔ تو جو شخص اس ماہِ مبارک کو جمعیت و سکون سے گزارتا ہے اور اس کی خیرات وبرکات سے بہرہ ور ہوتا ہے تمام سال جمعیت و سکون سے گزارتا ہے اور خیر و برکت سے پُر رہتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اس مبارک مہینے کی خیرات وبرکات حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے اور عظیم حصہ نصیب فرمائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہاں فریضہ صوم اور کلامِ الٰہی کا تعلق اور نسبت کو بیان فرمایا ہے قرآن عظیم الشان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفتِ ذاتیہ اور شانِ کلام ہے اور ہر طرح کی مخلوق سے فائق واعلیٰ ہے، چونکہ اس مقدس کتاب کا نزول رمضان المبارک میں ہوا ہے اس لئے بقیہ مہینوں کی بہ نسبت یہ مہینہ قرآنی فوائد کا زیادہ حامل ہے۔ قرآن عظیم الشان کے کمالات جو اصلِ ذات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان کے ظلی اثرات رمضان المبارک میں زیادہ ظاہر ہوتے ہیں، اور چونکہ انسان اصل کی بہ نسبت ظل کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اس وجہ سے اس مہینے میں نمازیوں کی تعداد پہلے سے بڑھ جاتی ہے اور جو لوگ بقیہ گیارہ مہینوں کو فسق وفجور میں گزارنے کے عادی ہوتے ہیں وہ بھی اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ:

عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا سلم رمضان سلمت السنة, وإذا سلمت الجمعة سلمت الأيام۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب (کسی کا) رمضان سلامتی سے گزر جائے تو (اعمال کے اعتبار سے اُس کا) پورا سال سلامتی سے گزرتا ہے اور جب جمعہ کا دِن سلامتی سے گزر جائے تو (ہفتہ کے) سارے ایام سلامتی سے گزرتے ہیں۔ [1]

پس چاہیئے کہ مہینوں میں رمضان المبارک اور دِنوں میں جمعۃ المبارک کا خاص خیال رکھیں کہ اگر ان میں اعمالِ صحیح اور درست ہو گئے تو ان کی برکت سے دوسرے مہینوں اور دوسرے ایام میں بھی اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب ہوگی لیکن اگر خدانخواستہ اس ماہ کی پراگندگی اور نافرمانی میں گزارا تو سارا سال پراگندگی پیچھا نہیں چھوڑے گی۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز قرآن اور ماہِ رمضان کی باہمی مناسبت کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ حقیقتِ قرآن، مبدأ وسعتِ بے چون حضرت ذات ہے اس لئے قرآن کمالات ذاتیہ شیونیہ اصلیہ کا جامع ہے کیونکہ ذات، جمیع اعتبارات وشیونات وصفات کی جامع ہے اور حق تعالیٰ کی ہر شان اور ہر صفت تمام شیونات وصفات کو متضمن ہے یعنی شان الکلام تمام شیونات ذاتیہ اور صفت الکلام تمام صفاتِ ثمانیہ کو شامل ہے، کیونکہ ذات حق تعالیٰ کی ہر شان اور صفت کامل ہے اور ہر نقص سے مبرأ ہے۔ سُبۡحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُونَ (الصافات ۱۸۰)

جبکہ حقیقت ماہِ رمضان، صفت الکلام کے مرتبے میں قرآن کے کمالات کا نتیجہ واثر ہے۔ اس لئے ماہِ رمضان، کمالاتِ صفاتیہ ظلیہ کا جامع ہے۔ یعنی برکات ذاتی واصلی قرآن میں ہیں اور برکات

[1] (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ج۷، ص ۱۴۰، دار الکتاب العربي –بیروت، شعب الایمان للبیھقی، ج۳، ص ۳۴۰، دار الکتب العلمیۃ –بیروت)

صفاتی وظلی ماہِ رمضان میں ہیں، جیسا کہ آیہ کریمہ: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرة ۱۸۵) اس پر دال ہے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ تمام سال کی برکات ماہِ رمضان میں نازل ہوتی ہیں۔ اس کے بعد دوسرے مہینوں کو تقسیم ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ ماہِ رمضان میں ختم قرآن کو سنت اسی لئے فرمایا گیا ہو تا کہ قرآن کی تلاوت وزیارت کرنے والے روزہ داروں کو قرآن کے اصلی کمالات اور ماہِ رمضان کی ظلی برکات دونوں حاصل ہو جائیں۔

بینات

اربابِ مشاہدہ اور اصحابِ مکاشفہ کے نزدیک قرآن مجید کے انوار و تجلیات ہمہ وقت ارواحِ بشریہ کی طرف فرائض وجاری رہتے ہیں، مگر علائقِ بشیریہ اور علل معنویہ ان کے ورود و ظہور میں حاجب ومانع رہتے ہیں۔ روزہ ان علائق کے ازالہ کے لئے سب سے مؤثر اور قوی ذریعہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کے انوار وبرکات وفیوضات و تجلیات ماہِ رمضان میں خصوصی طور پر روزہ داروں کے قلوب وارواح پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔

بینہ نمبرا

ذات کے ساتھ صفات کے قیام سے مراد قیام بلا کیف ہے،جو انضمام وانتزاع سے مستثنیٰ ہے جیسے آئینہ میں صورت کا قیام انضمامی وانتزاعی نہیں ہوتا،بلکہ قیام بلا کیف ہوتا ہے۔ شیونات اور اعتبارات وجودِ خارجی نہیں رکھتے،لہٰذا یہ امور منتزعہ میں سے ہیں۔ اعتبارات کے مراتب قربِ ذاتِ بحت کی وجہ سے عارف کے ادراک سے وراء ہیں جبکہ شیونات وصفات کے مقامات عارف کے ادراک میں آسکتے ہیں۔ اس وجہ سے مقامِ اعتبارات مقامِ شیونات سے بلند ہیں، اور شیونات کا مرتبہ مقامِ صفات سے بالا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک شیونات وصفات کے درمیان امتیاز محمدی المشرب صوفیائے کاملین ہی کر سکتے ہیں جنہیں شہودِ شیونات کا مرتبہ حاصل ہونے کی بنا پر وصولِ ذات کا مقام حاصل ہوتا ہے کیونکہ مقامِ شیونات صاحبِ شان کا مواجہ ٔذات ہے اور شیونات خارج میں عین ذات ہیں اور جو حضرات صرف شہودِ صفات تک پہنچے ہیں ان کی ابھی مرتبہ ٔذات تک رسائی نہیں ہوئی کیونکہ صفات ذات پر زائد ہیں اور وجودِ خارجی رکھتی ہیں۔ لہٰذا سیر صفات کے دوران متعلقاتِ صفات پیش نظر ہوتے ہیں اور وہ ممکنات ہیں۔ بنابریں اس مرتبے میں عارف مرتبہ ٔذات سے دور رہتا ہے کیونکہ یہ مقامِ صفات ہے۔

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ حق تعالیٰ کی ہر شان جملہ شیونات کی جامع ہے ایسے ہی صفاتِ ثمانیہ میں سے ہر صفت، صفاتِ ثمانیہ کے کمالات کو متضمن ہوتی ہے، یعنی صفتِ علم۔۔۔ حیات، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین کے کمالات رکھتی ہے، ایسے ہی صفتِ قدرت۔۔۔ حیات، ارادہ علم، سمع وبصر اور کلام و تکوین کے کمالات پر مشتمل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ البتہ ایسا علم جو قدرت نہ رکھتا ہو ایسی قدرت جو علم نہ رکھتی ہو، وہ ناقص ہے اور حق تعالیٰ ہر قسم کے نقص سے منزہ ہے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

جبکہ مخلوقات کی صفات میں ایسا کمال نہیں ہوتا جیسے سمع۔ بندہ سُننے میں تو زندہ ہے مگر دیکھنے میں مُردہ ہے ایسے ہی بصرہ بندہ دیکھنے میں تو زندہ ہوتا ہے، مگر سُننے میں مردہ ہے لیکن صفاتِ باری تعالیٰ اس قسم کے نقائص وعیوب سے پاک ہیں۔ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ

بینہ نمبر ۳

یہ بھی واضح رہے کہ صفاتِ ثمانیہ اگرچہ وجودِ خارجی رکھتی اور ذت پر زائد ہیں، مگر ذاتِ حق تعالیٰ عینِ کمالاتِ صفاتِ ثمانیہ ہے اور صفاتِ زائدہ کا محتاج نہیں۔یعنی ذاتِ حق تعالیٰ بذات خود حَيٌّ ہے، صفتِ حیات کے حَيٌّ نہیں۔۔۔۔بذاتِ خود عالم ہے، صفتِ علم کے ساتھ عالم نہیں۔۔۔۔ بذات خود قادر ہے، صفتِ قدرت کے ساتھ قادر نہیں۔عَلٰی هٰذَا الْقِيَاس

بینہ نمبر ۴

یہ امر ذہن نشین رہے کہ شبِ قدر ماہِ رمضان کا خلاصہ اور لباب لباب ہے اور پورا ماہ مبارک پوست کی مانند ہے اس لئے جب سالکین کا یہ ماہِ مبارک احکامِ شرعیہ اور سنن نبویہ علٰی صاحبها الصلوات کی تعمیل اور باطنی جمعیت و حضور واطمینان کے ساتھ گزرتا ہے وہ سال بھر اس ماہ مبارک کی خیرات وبرکات سے بہرہ ور اور فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیہ کریمہ: وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرة ۱۸۴) کی تفسیر کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إذا سلم رمضان سلمت السنة وإذا سلمت الجمعة سلمت الأيام۔[1]

---

[1](الدر المنثور، ج ۱، ص ۴۵۴، الناشر: دار الفکر -بیروت)

بینہ نمبر ۵

یہ امر مستحضر رہے کہ ذاتِ حق تعالیٰ صفاتِ ثمانیہ زائدہ کے بغیر بذاتِ خود کمالاتِ ثمانیہ رکھتی ہے، اور ان کی محتاج بھی نہیں۔ ان صفاتِ زائدہ کا فائدہ اور ان کا معتقد ہونے میں متعدد حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن میں سے چند ایک ہدیۂ قائین ہیں:

اول: ذاتِ حق تعالیٰ توسطِ صفات کے بغیر تمام عالمین سے مستغنی ہے اور عالم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦) سے عیاں ہے۔ جبکہ صفات ذاتِ حق تعالیٰ سے پائین تر ہیں اور فی الجملہ عالم کے ساتھ مناسبت بھی رکھتی ہیں، اور باہمی مناسبت کے بغیر افادہ اور استفادہ ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے صفات مبادئ فیوض عالم ہیں یعنی وصولِ فیوضات کا سبب ہیں۔

دوم: ذاتِ حق تعالیٰ اور عالم کے درمیان صفات زائدہ بقائے عالم کا واسطہ ہیں۔ اگر وساطت صفات نہ ہوتی تو نورِ ذات عالم کو جلا کر خاکستر کر دیتا۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے: إن للّٰه تعالی سبعين ألف حجاب من نور و ظلمة لو كشفها لأحرقت سبحات وجهه ما انتهى إليه بصره۔[1] سے عیاں ہے۔ یہاں حجاباتِ نورانی سے مراد صفاتِ ثمانیہ ہیں۔

سوم: صوفیائے محققین نے کشف و فراست کی بناء پر مراتبِ وجوب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ سالکین کو شیخ کامل و مکمل کی توجہاتِ قدسیہ کی بدولت حق تعالیٰ کے افعال وصفات کے ظلال کی تجلیات سے فی الجملہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ ظہورِ تجلیات وصفات

---

[1] (روح المعانی، ج۷، ص ۱۳۰، الناشر: دار الکتب العلمیة-بیروت)

کی لیاقت حاصل کر لیتے ہیں۔ نتیجتاً نور صفاتِ مقدسہ کے ساتھ تجلیات شیونات و اعتباراتِ ذاتیہ کے لائق ہو جاتے ہیں اور ان انوار کی برکت سے معارف تجلیاتِ ذاتیہ کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔

چہارم: کمالاتِ ممکنات صفاتِ ثمانیہ کے کمالات وبرکات کا اثر و ثمرہ ہوتے ہیں، وہ ذاتی طور پر کوئی فضل و کمال نہیں رکھتے۔

بقول شاعر:

نیاوردم از خانہ چیزے نخست

تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

ممکنات اپنے عدماتِ ذاتیہ کی بنا پر ظلمت و شرارت و خساست رکھتے ہیں اس لئے جو کمالات بھی ان میں جلوہ گر ہوتے ہیں وہ صفاتِ ثمانیہ اور عالمِ وجوب کے ہی ہوتے ہیں۔

ممکنات میں عالمِ وجوب اور صفاتِ ثمانیہ کا انعکاس بذریعہ عدمات متقابلہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں کثافت و ثقالت زیادہ ہوتی ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوات میں ابتدائی آفرینش سے ہی عالمِ وجوب کے فیوضات و تجلیات صفات کا ورود، عدماتِ متقابلہ کے بغیر ہوتا ہے اسی لئے طینت انبیاء علیہم الصلوات میں عدم، ضعیف اور تجلیاتِ قدسیہ غالب تر ہوتی ہیں۔ عدم کے ضعف کی بناء پر وہ ہر قسم کے معائب سے بری اور مطہر ہوتے ہیں اور غلبۂ قوت قدسیہ کی وجہ سے معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں جبکہ عرفائے کاملین میں ولادتِ ثانیہ کے بعد وجود موہوب حقانی پر ورودِ تجلیات، ظلالِ صفات بغیر واسطۂ عدماتِ متقابلہ ہوتا ہے۔ اسی ضعف عدم اور غلبۂ تجلیات و فیوضات و نورانیت کی بدولت بسا اوقات ان کا سایہ بھی گم ہو جاتا ہے۔

مولانا مست روم مست بادہ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

چو فنا در فقر پیرایہ شود

او محمد وار بے سایہ شود

بنابریں عامۃ الناس کو عرفائے فخام اور انبیائے عظام علیہم الصلوات پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے اگرچہ یہ عظیم المرتبت شخصیات ظاہری صورت میں دوسروں سے مختلف نہیں ہوتے مگر حقیقت میں متفاوت ہوتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

گرچہ باشد در نوشتن شَیر و شِیر

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۲۹ تا ۱۳۵)

[حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام التحیۃ نے فرمایا ہے:

إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ، فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ۔

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص روزہ افطار کرے تو کھجور سے کرے کیونکہ وہ سراسر برکت ہے۔[1]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم روزہ مبارک کھجور سے افطار کرتے تھے اور کھجور میں برکت یہ ہے کہ اس کا درخت نخلہ کہلاتا ہے اور نخلہ یعنی کھجور کا درخت جامعیت اور صفتِ اعدلیت پر مخلوق ہوا ہے جس طرح انسان۔ اسی لئے حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھجور کو انسانوں کی پھوپھی کہا ہے کیونکہ اس کو پیدائش طینتِ آدم علیہ السلام سے پیدا کیا گیا ہے۔

[1](سنن الترمذی، ج ۳، ص ۷۳، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي -مصر)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

أَكْرِمُوا عَمَّتَكُمُ النَّخْلَةَ، فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِيَّةِ طِينَةِ آدَمَ۔

ترجمہ: اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو، کیونکہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم سے باقی ماندہ مٹی سے پیدا کی گئی ہے۔[1]

اور کھجور کو برکت فرمانا اسی جامعیت کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے پھل کھجور سے افطار صاحبِ افطار کا جزو بن جاتا اور کھجور کی حقیقتِ جامعہ اس جزئیت کے اعتبار سے اسے کھانے والے کی حقیقت کا جزو بن جاتا ہے، اور اسے کھانے والا اُس اعتبار سے ان کمالاتِ بے نہایت کا جامع بن جاتا ہے جو کھجور کی حقیقت جامع میں درج ہیں۔ اور یہ معنی اگرچہ مطلق کھانے میں بھی موجود ہے تاہم افطار کے وقت کہ روزہ دار کے شہواتِ مانعہ اور لذاتِ فانیہ سے خالی ہونے کا وقت ہے زیادہ تاثیر کرتا ہے اور وہ معنی اَتم اور اَکمل طریقہ پر ظاہر ہوتا ہے۔

اور وہ جو حضور علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا نے فرمایا ہے کہ:

نِعْمَ سَحُورُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔

ترجمہ: مؤمن کی بہترین سحری کھجور ہے۔[2]

اس اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ اس غذا میں جو صاحبِ غذا کا جزو بن جاتا ہے۔ اس کی حقیقت کی تکمیل ہے نہ کہ اس غذا کی حقیقت۔ اور جب کہ یہ معنی روزہ میں مفقود ہیں تو اس کی تلافی کے لئے سحری کے وقت اس کے کھانے کی ترغیب دی کہ گویا اس کا کھانا تمام ماکولات کے کھانے کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس کی برکتِ جامعیت کے اعتبار سے وقتِ افطار تک رہتی ہے اور غذا کا یہ فائدہ اس وقت

---

[1] (تفسیر الرازی، ج ۱۳، ص ۸۲، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[2] (سنن أبي داؤد، ج ۲، ص ۳۰۳، الناشر: المكتبة العصرية، صيدا - بيروت)

مرتب ہوتا ہے جبکہ غذا تجویزِ شرعی کے مطابق واقع ہو اور بال برابر حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو نیز اس فائدہ کی حقیقت اس وقت میسر آتی ہے کہ اس کا کھانے والا صورت سے گزر کر حقیقت سے ہمکنار ہو چکا ہو اور ظاہر سے ترقی کرکے باطن سے آرام پذیر ہو چکا ہو۔ غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کا مددگار ہوتا ہے، اور غذا کا باطن اس کے باطن کی تکمیل کرتا ہے۔ ورنہ صرف ظاہری امداد پر ہی رُکا رہتا ہے اور اس کا کھانے والا بھی عین کوتاہی کا شکار رہتا ہے۔

سعی کن تالقمہ را سازی گہر

بعد ازان چندانکہ میخواہی بخور

ترجمہ: کوشش کرو تاکہ لقمے کو موتی بناؤ اس کے بعد جتنا چاہو کھاؤ۔

اور صاحبِ غذا کے لئے افطار میں جلدی اور سحر میں تاخیر میں غذا کی تکمیل کا یہی راز ہے۔]

تشریح

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى رُطَبَاتٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عید الفطر کی نماز سے پہلے کھجور سے روزہ کھولتے اگر تَر (تازہ) کھجور نہ ملتی تو سوکھی کھجور سے، اگر سُوکھی کھجور نہ ملتی تو پانی کے چند گھونٹ نوش فرمالیتے تھے۔[1]

---

[1](سنن الترمذی، ج۳، ص ۷۰، الناشر: شركةمكتبة ومطبعةمصطفى البابي الحلبي -مصر)

حضرت (عبد اللہ) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللهِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ۔

ترجمہ: درختوں میں سے ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے (خزاں میں) نہیں جھڑتے اور وہ مؤمن کی طرح ہے تو مجھے بتاؤ کہ وہ (درخت) کیا ہے؟ (اسے سُن کر) لوگ جنگلی درختوں (کے دھیان) میں پڑ گئے۔ حضرت عبد اللہ (بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ لیکن مجھے شرم آئی (کہ بڑوں کے سامنے کچھ کہوں) پھر صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی فرمایئے وہ کون سا درخت ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا وہ کھجور (کا درخت) ہے۔[1]

کھجور سے روزہ افطار کرنا فرض نہیں بلکہ مستحب کا درجہ رکھتا ہے اس لئے اگر کھجور میسر نہ ہو تو پانی سے یا دوسری کسی چیز سے بھی افطار کر سکتا ہے لیکن کھجور کی تخصیص اس لئے فرمائی گئی کہ انسان کے ساتھ اس کی خاص مناسبت اور رشتہ قائم ہے۔ نیز یہ غذائیت سے بھرپور ہے اور فوراً ہضم ہو کر دِن کی بھوک اور تھکان کو دور کر دیتی ہے۔ علاوہ ازیں پیٹ کے کیڑوں کا قلع قمع کرتی ہے اور آئندہ کے لئے ان کی پیدائش کو روک دیتی ہے۔

---

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۰۷، المکتبۃ الفاروقیۃ)

مکتوب شریف کی ابتداء میں قرآن عظیم الشان کے تمام ذاتی شیونی کمالات کا جامع ہونے کی بات فرمائی گئی ہے اس کو سمجھنا بھی سالک کے لئے ضروری ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات نہ تو ذاتِ الٰہی میں داخل ہیں اور نہ ہی ذاتِ الٰہی سے جدا ہیں تاہم صفاتِ ذاتیہ ثبوتیہ خارج میں موجود ہونے کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے لیکن جہاں شیونات اور ان سے اوپر اعتبارات کا تعلق ہے تو ان کے وجود خارجی کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور شیونات واعتبارات کا معاملہ اس قدر باریک ہے کہ ان کا بیان اور ان کا آپس میں فرق بیان سے باہر ہے اس معرفت کو وہی سالک سمجھ سکتا ہے جو اس مقام پر مشرف ہو لیکن پھر بھی اس نازک موضوع پر چند سطریں حاضر ہیں کہ شاید کوئی زیرک اور صاحبِ علم ان سے استفادہ کرلے۔

جب ایک شخص کسی آئینے کے سامنے کھڑا ہو تو اس کا عین دوسرا وجود آئینے میں نظر آتا ہے جو کسی بھی اعتبار سے اصل شخص سے مخالفت نہیں رکھتا لیکن کیا کوئی عقلمند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ شیشے میں اصل انسان موجود ہے۔ نہیں ہرگز نہیں شیشہ میں انسان کا محض عکس ہے اور اُس عکس کا شیشے کے ساتھ جو تعلق ہے وہ نہ تو انضمامی ہے اور نہ ہی انتزاعی۔ یہی حالِ صفاتِ ذاتیہ کا ہے کہ ان کا قیام بلا کیف ہے لیکن شیونات واعتبارات کا معاملہ صفاتِ ذاتیہ کی طرح کا نہیں لیکن یہ سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ شیونات واعتبارات ایک انتزاعی اَمر ہیں۔ شیونات کا انتزاع صفاتِ معین ہیں اور اعتبارات کا انتزاع صفاتِ غیر معین۔ اسی لئے اعتبارات کا مقام شیونات سے بلند ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر عارف اور ہر ولی اللہ شیونات واعتبارات کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور ذاتِ جلّ وعلا تو ان مقامات سے بھی بہت بلند ہے۔ جہاں تک انسانی فکر کی رسائی ناممکن ہے۔ لیکن زبانی جمع تفریق کرنے والے تصوف کے شائقین ایک منٹ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تک پہنچنے کے دعویدار ہیں اور پہلی ہی نظر میں

مُریدین کو واصل کر دینے کے دعوے کر بیٹھتے ہیں البتہ جن صوفیاء کرام پر فضل ہو اور وہ تصوف کی حقیقی راہ پر گامزن ہوئے تو اُنہوں نے بیان کیا کہ تصوف ایک بہت وسیع میدان ہے جس کی منازل جلد ختم ہونے والی نہیں۔ اکثر اولیاء کرام کی ولایت ولایتِ صغریٰ ہے اور انہیں ظلالِ صفت کے اثر سے مستفید کیا جاتا ہے۔ولایتِ کبریٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور بہت کم خوش نصیبوں کو اس کے فیوضات عطا ہوتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ صفات کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے کہ اگر صفات نہ ہوتیں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی کام پر قادر نہ ہوتا۔ ایسا کہنا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ میں نقص کو ثابت کرنا ہے جو کہ محال ہے اور یہ کفریہ عقیدہ ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ عالم ہے اور اپنی ذات کے ساتھ عالِم ہے، صفتِ علم کا محتاج نہیں اور حي ہے صفت الحياة کا محتاج نہیں، وعلى هذا القياس۔

اگر کوئی سوال کرے کہ جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ صفاتِ زائدہ کے بغیر اپنی ذات میں دائرۂ کمالاتِ ثانیہ ہے یعنی یہ کمالات اس کی ذات میں موجود ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اب صفاتِ زائدہ کی ضرورت موجود نہیں رہی تو پھر وجودِ صفاتِ ثمانیہ کا کیا فائدہ ہے؟ اور یہ کہ اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ صفاتِ ثمانیہ ذاتیہ ثبوتیہ حقیقیہ حق جلّ وعلا پر ہمارا ایمان ہے۔ اور آیا وہ کون سی دلیل ہے جس کی وجہ سے ہم ان صفات کے معتقد ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وجودِ خارجی اور صفاتِ ثمانیہ زائدہ میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں موجود ہیں، اسی لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انہیں وجودِ خارجی عطا کیا ہے۔

اول: صفاتِ ثمانیہ عالَم کے لئے وصولِ فیوضات کا سبب ہیں یعنی ان صفات سے تمام عالَم کے لئے فیض آتا ہے اور صفات عالَم (جنت ودوزخ، لوح وقلم، آسمان، عرش وکرسی اور انسان) کے لئے

مبادی فیوض ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات، صفات کے توسط کے بغیر عالَم اور عالمیان سے مستغنی ہے اور عالَم کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں رکھتی۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦)

ترجمہ: بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے۔

صفاتِ ذاتیہ حق جلّ وعلا کی ذات سے پائین تر ہیں اور فی الجملہ عالَم کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں اور ان کے ذریعے افادہ واستفادہ ہوتا ہے یعنی انسان کا پیدا ہونا، سبزہ جات کا اُگنا یا بارش کا ہونا وغیرہ یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ان صفات کا فیضان ہے مگر افادہ واستفادہ مناسبت کے بغیر امکان پذیر نہیں ہوتا۔

دوم: یہ کہ صفاتِ عالَم اور حق جلّ وعلا کا واسطہ بقائے عالَم کا سبب ہے اگر صفات کا واسطہ نہ ہو یعنی اگر صفات اور کائنات کے درمیان یہ نورانی پردے موجود نہ ہوں اور حق جلّ وعلا کی ذات کے نور کا پَرتَو اس عالم تک بلاواسطہ پہنچے تو سارا عالَم جل کر راکھ ہو جائے گا۔

تو اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

يَرْفَعُهُ حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ۔

ترجمہ: ان کا حجاب نُور ہے اگر اس کو ہٹادیں تو ان کے چہرے کی روشنیاں ہر اس چیز کو جلاڈالیں جہاں ان کی نگاہ پہنچے۔[1]

دوسری جگہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

ان للّٰہ تعالی سبعون الف حجابا من نور و ظلمة۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔[1]

---

[1](صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

سوم: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جن اولیاء کرام کو فراستِ علومِ صادقہ عنایت فرمائی ہے ان کے مراتب کی تفصیل کیا ہے اور کوئی شخص ولی اللہ کس طرح بنتا ہے، اولیاء اللہ کے مراتب کس طرح ہوتے ہیں اور ہم کس شخص کو ولی اللہ کہہ سکتے ہیں۔ عام طور پر ہر اس شخص کو بھی ولی اللہ کہا جاتا ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور دوسرے وہ اولیاء اللہ ہیں جو راہِ سلوک کو طے کرنے کے بعد عروجات حاصل کرتے ہیں جو سالک سلوک میں داخل ہوتا ہے اُسے شیخِ مقتدا کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر شیخِ مقتدا کی توجہ نہ ہو اور تجلیٔ ظلال نہ ہو تو یہ سالک تصوف سے ذرہ بھر بھی بہرہ ور نہیں ہو سکتا ہے اور اسی طرح جو لوگ تصوف میں داخل ہوئے بغیر خود ورد و وظائف کرتے ہیں تو ایسے لوگ بھی ولایت کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے جس طرح صرف بجلی کی تاریں لا کر کسی کمرے میں وائرنگ کر دی جائے اور اس کو کسی بجلی کی لائن والی تار سے کرنٹ نہ دیا جائے تو ان تاروں میں کرنٹ نہیں آئے گا بلکہ کمرے کی ان تاروں میں کرنٹ اس وقت آئے گا جب بجلی کی لائن سے اسے جوڑا جائے گا بالکل اسی طرح جب کوئی سالک کسی شیخِ مقتدا کی شاگردی اختیار کرلے گا تو اس شیخِ مقتدا کی توجہ کی برکت سے اس سالک کے باطن میں کرنٹ جانے سے اس کے باطن کا بلب روشن ہوگا اسی لئے مرتبۂ اوّل میں سالک کے لئے شیخِ مقتدا کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

ابتدا میں سالک شیخِ مقتدا کی توجہ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تجلیٔ ظلالِ صفات اور ظلالِ افعال سے فی الجملہ مناسبت پیدا کر کے لیاقتِ ظہورِ تجلیٔ صفات کو حاصل کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں صفاتِ نورِ مقدسہ صفاتِ ذاتیہ، صفاتِ فعلیہ، شیونات اور اس کے بعد اعتبارات کے لائقِ تجلیات ہو جاتا ہے اور اس کے بعد یہ سالک ذاتِ بحت سے فیض لے سکتا ہے۔ اگر کوئی سالک یہ مراتب طے نہ کرے تو بلا

---

[1](تفسیرمظھری،ج ا،ص ٦ ٢ ٠ ٤،ناشر:مکتبۃرشدیه)

واسطہ فیض نہیں لے سکتا بلکہ یہ ناممکن ہے۔ یعنی جس سالک نے اپنا تعلق کسی ولی سے جوڑ لیا (شاگردی اختیار کرلی) تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس ولی کی برکت ووسیلہ سے سالک کے ان مراتب کو طے فرمادیتا ہے اور اگر کسی نے اپنے باطن کی تار کسی ولی اللہ سے نہیں جوڑی تو پھر اس کا مراتبِ تصوف کو طے کرنا ممکن نہیں۔

چہارم: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جتنی کائنات پیدا فرمائی ہے وہ سب ممکنات صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ فعلیہ کی تجلیات کی وجہ سے پیدا فرمائی ہے۔

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

نیاوردم از خانہ چیزے نخست

تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

ترجمہ: میں پہلے دن اندھیرے اور عدمات سے کوئی چیز نہیں لایا جو چیز آپ نے عنایت کی ہے وہ آپ ہی کی ہے، یعنی ہر چیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کے فیوضات کی برکت سے ہے۔

ممکن جو کہ عدم ہے اور عدمیتِ ذاتی اس کائنات کے بدن کا جزء ہیں ظلمت وشرارت اور خساست ہمیشہ اس میں شریک رہتے ہیں اور کمالاتِ عالیٰ جو کہ اس کائنات میں جلوہ گر ہوتی ہیں مثلاً انسان، جانور، درخت، پھول اور پرندے وغیرہ میں تو یہ سب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ ثبوتیہ حقیقیہ کی تجلیات کے اثر کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ یہاں پر ایک بہت ہی غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گزرے ہیں ان سب کی تخلیق کے وقت ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان سب (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو عیوب (مثلاً ظلمت وشرارت اور خساست) سے پاک فرمادیا،

اگرچہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی مخلوق ہی ہیں، مگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام میں عدمات کمزور وضعیف ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں تجلیاتِ قدسیہ صفاتِ ثمانیہ ثبوتیہ حقیقیہ کی نورانیت بہت عروج پر ہوتی ہیں اور مکدرات بہت کمزور وضعیف۔ اسی لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو معصوم اور پاک پیدا فرمایا اس طرح کہنا جائز نہیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ہماری ہی طرح کے بشر ہیں اور نہ ہی دیگر ممکنات کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قیاس کرنا چاہیئے اگرچہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام صورتًا اور ظاہرًا (شکل وصورت، کھانے پینے، کپڑے پہننے، سونے جاگنے، اُٹھنے بیٹھنے اور شادی وغیرہ میں) دوسرے انسانوں ہی کی طرح ہوتے ہیں مگر در حقیقت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے انسانوں کے درمیان بہت زیادہ فرق وتفاوت ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

کارِ پاکاں راقیاس از خود مگیر
گرچہ باشد دَر نوشتن شَیر وشِیر

ترجمہ: پاک لوگوں کو اپنے جیسا قیاس نہ کرو، اگرچہ شَیر اور شِیر (دودھ) لکھنے میں ایک ہی جیسے لکھے جاتے ہیں۔(لیکن در حقیقت دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے)

مکتوب شریف میں مندرجہ بالا تشریح اور مقدمے سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ قرآن عظیم الشان جامع جمیع کمالاتِ صفاتِ ثمانیہ ثبوتیہ حقیقیہ اور شیونات واعتبارات ہے۔ اس لئے کہ ہر صفت تمام صفات کی جامع ہے اور رمضان المبارک ان صفات وکمالات کا حاصل ونتیجہ ہے۔ یعنی اصلی برکات قرآن عظیم الشان میں ہیں، اس لئے کہ اس میں شان اور اعتبار دونوں موجود ہیں اور ظلی

برکات رمضان المبارک میں ہیں کیونکہ رمضان المبارک کا مبدأ فیض صفتِ کلام ہے اس لئے رمضان المبارک قرآن عظیم الشان کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور رمضان المبارک میں ہمارا قرآن عظیم الشان کا ختم کرنا اس مناسبت ہی کی وجہ سے ہے، یوں تو ہم سال میں کسی بھی وقت قرآن عظیم الشان کا ختم کر لیتے ہیں مگر سُنت عمل یہ ہے کہ رمضان المبارک میں قرآن عظیم الشان کا ایک ختم ضرور کیا جائے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ صفتِ کلام کے بغیر باقی صفاتِ ذاتیہ ثمانیہ ثبوتیہ بھی تو تمام کمالات کی جامع ہیں تو پھر صفتِ کلام ہی کو کیوں خصوصیت حاصل ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات درست ہے کہ باقی صفاتِ ذاتیہ ثمانیہ ثبوتیہ بھی تمام کمالات کی جامع ہیں، مگر یہاں پر بحث صفتِ کلام پر ہے اور رمضان المبارک کا مبدأ فیض بھی صفتِ کلام سے ہے نہ کہ دیگر صفات سے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ رمضان المبارک کی قرآن عظیم الشان کے ساتھ مناسبت کیا معنی رکھتی ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان المبارک کا مبدأ فیض صفتِ کلام سے ہے یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کلام کا نزول وابتدأ رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوا۔

اگر کوئی سوال کرے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم کسی ایک چیز کو ایک صفت کا اثر سمجھتے ہیں اور دوسری چیز کو دوسری صفت کا اثر سمجھتے ہیں؟ مثال کے طور پر علمِ انسانی کو ہم صفت العلم کا اثر سمجھتے ہیں اور قدرتِ مخلوق کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفتِ قدرت کا اثر سمجھتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک اَزلی اَمر ہے اور انسان کا اس کو درک کرنا ناممکن ہے اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات میں بعض نبی صفاتِ ذاتیہ ثمانیہ ثبوتیہ میں سے صفتِ علم، بعض صفتِ کلام اور بعض صفتِ قدرت وغیرہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات میں ہر ایک نبی پر کسی ایک صفت کا اثر موجود ہوتا ہے۔ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ یعنی یہ اندازہ اس اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے جو عزیز اور باعلم ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر پیغمبر کا مرکزِ تجلّیٔ صفت دوسرے پیغمبر سے جدا رکھا ہے یعنی ہر پیغمبر کا اسمِ مُربی دوسرے پیغمبر سے جدا ہے۔

مکتوب کے آخر میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ "غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کا مددگار ہوتا ہے۔ اور غذا کا باطن اس کے باطن کی تکمیل کرتا ہے" اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باطن کی غذا کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ممکن کے دو رُخ ہوتے ہیں ایک رُخ تو عالمِ وجوب (یعنی باطن) کی طرف ہوتا ہے جبکہ دوسرا رُخ عالمِ اِمکان کی طرف ہے جو کہ ظاہر کی طرف ہوتا ہے۔ اس طرح انسان میں ظاہر و باطن دونوں موجود ہوتے ہیں جو انسان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف مائل ہو وہ اس کے باطن کے ظاہر پر قوی اور غالب ہونے کی وجہ سے ہے اور جو دُنیا کی طرف مائل ہو تو یہ اُس کے ظاہر کے باطن پر غلبہ کی نشانی ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

سعی کن تا لقمہ را سازی گہر

بعد ازان چندانکہ میخواہی بخوار

ترجمہ: کوشش کرو کہ جو لقمہ یا نوالہ آپ کے منہ میں جارہا ہے وہ موتی بن جائے اس کے بعد آپ جتنا چاہیں کھائیں۔

یعنی انسان جو خوراک کھائے اس کے بعد عبادت اور مجاہدہ (نماز وروزہ، حج وزکوۃ اور دین سیکھنے) میں بھی اتنی ہی کوشش کرنی چاہیئے کہ انسان کے وجود میں ظلمت کی بہ نسبت نورانیت زیادہ ہو جائے اور اس کی غذا پر ظلمت نہیں بلکہ نورانیت غالب ہو جائے یعنی انسان کا رُخ ماسوا سے ہٹ کر مکمل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف ہو جائے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

آن خورد گردد پلیدی زوجدا

این خورد گردد ہمہ نورِ خدا

ترجمہ: عام لوگ جب کچھ کھاتے ہیں تو وہ گندگی بن کر ان سے جدا ہوتا ہے، مگر جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ جو کچھ کھاتے ہیں تو وہ سب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نور بن جاتا ہے۔

ایک دن عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ معصوم مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس آم بہت شوق سے تناول فرمارہے تھے، حاضرینِ مجلس میں سے کسی کے دل میں یہ بات گزری کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوست کس قدر دُنیا میں مشغول ہیں اور کتنے شوق سے غذا کی طرف مائل ہیں عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ معصوم مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو اپنی فراست سے معلوم ہو گیا کہ فلاں شخص کے دل میں یہ بات گزری ہے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ جو چیز بھی کھائیں وہ نور بن جاتا ہے اور نور جتنا زیادہ ہو بہتر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنْ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ۔

ترجمہ: ایک تندرست و قوی مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مؤمن سے بہتر اور زیادہ محبوب ہے۔[1]

تو اس حدیثِ مبارکہ سے معنوی غذا کھانے کا فائدہ معلوم ہو گیا پس لازم ہے کہ انسان غذا سے معنوی استفادہ حاصل کرے نہ کہ ظاہری وصوری فائدہ جو نفسِ امارہ کو قوت دیتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کھانا تناول فرمانے کے بعد یہ دعا فرماتے تھے کہ:

اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ عَوْنًا عَلَى طَاعَتِكَ لَا عَوْنًا عَلَى مَعْصِيَتِكَ۔

ترجمہ: اے اللہ میری اس غذا کو عبادت کا معاون و مددگار بنا نہ کہ معصیت و گناہ کا معاون و مددگار۔[2]

اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرة ۲۹) ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔

جیسا کہ اس آیت سے بھی ثابت ہے کہ غذا کا یہ نفع صرف صوری نہیں بلکہ یہ اپنے اندر معنوی نفع بھی رکھتی ہے۔

(دارالمعـــرفت، ج۳)

---

[1] (صحيح مسلم، ج ۱۳، ص ۱۴۲، المكتبة الفاروقية)

[2] (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية، ج ۵، ص ۳۹۴، المكتبة الفاروقية)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز بدنِ انسانی اور شجرۂ نخلہ کی جامعیت و باہمی مشابہت اور روزہ کو کھجور کے ساتھ افطار کرنے کی حکمت بیان فرمارہے ہیں۔

جسم انسانی اور شجرۂ نخلہ کے درمیان باہمی مشابہت بیان کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي قَالَ عَبْدُ اللهِ وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ۔

یعنی درختوں میں ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی مثل ہے مجھے بتاؤ وہ کون سا ہے۔۔۔؟ تو لوگ جنگل کے درختوں کے متعلق غور کرنے لگے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میرے دل میں آیا کہ وہ درخت کھجور ہے لیکن میں شرما گیا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرض گزار ہوئے آپ ہی بیان فرما دیجئے یا رسول اللہ! وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کھجور ہے۔ [1]

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نخلہ کی تکریم کا حکم فرمایا کیونکہ وہ بقیہ طینت آدم علیہ السلام سے تخلیق کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: أَكْرِمُوا عَمَّتَكُمُ النَّخْلَةَ فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنْ بَقِيَّةِ طِينَةِ آدَمَ۔ [2] سے ثابت ہے۔

---

[1] (صحيح البخارى، ج ١، ص ١٠٧، المكتبة الفاروقية)

[2] (التفسير الكبير، ج ١٣، ٨٦، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

اگرچہ کھجور کھانے سے جسمانی قوت ولذت میسر ہوتی ہے لیکن جب بندۂ مؤمن حالتِ روزہ میں ہر قسم کی شہوات مانعہ اور لذات فانیہ سے خالی ہو جاتا ہے وت اس کا تناول کرنا زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر بندۂ مؤمن کی ظاہری صورت کو طاقت دیتا ہے اور اس کی حقیقت بندۂ مؤمن کی باطنی حقیقت کو قوت وبرکت بخشتی ہے۔ یوں کھجور کی حقیقتِ جامعہ انسانی حقیقتِ جامعہ کی مکمل ومکفل ثابت ہوتی ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ باطنِ ماکولات انہیں عارفین کے باطن کی مکمل ومکفل ہوتی ہے جن کا معاملہ صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچ چکا ہو اور ان کی غذا احکامِ شرعیہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی تجاویز کے عین مطابق اور شعور وآگاہی کے موافق ہو۔ اس قسم کی غذا ہی عارفین کے لئے روحانیت ونورانیت کے ازدیاد کا باعث ہوتی ہے بصورت دیگر مؤجب ظلمت وغفلت ہوتی ہے۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

این خورد گردد پلیدی زوجدا

وآن خورد گردد ہمہ نور خدا

این خورد زاید ہمہ بخل وحسد

وآن خورد زاید ہمہ عشقِ احد

چنانچہ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز ایک روز آم کا پھل بڑے شوق ورغبت کے ساتھ تناول فرمارہے تھے۔ زائرین میں سے ایک صالحہ خاتون کے دل میں

خیال آیا کہ اہل اللہ کے غذا کی طرف اس قدر میلان ورغبت کی کیاوجہ ہے؟ آپ نے فراستِ باطنی اور کشفِ روحانی کے ذریعے اس کے قلبی خطرہ سے آگاہ ہو کر ارشاد فرمایا:

ہر چہ اولیاء تناول می فرمایند ہمہ نورے شود پس نور ہر قدر کہ بیش بود مرغوب است۔

یعنی اولیاء اللہ جو کچھ تناول فرماتے ہیں وہ سب نور بن جاتا ہے، اس لئے نور جس قدر زیادہ مرغوب وبہتر ہے۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم بعض اوقات طعام لذیذ کے ترک کا ارادہ کرتے مگر اجازت نہیں ملتی تھی، کیونکہ غذا اعضائے جسمانی اور قوائے روحانی کی مدومعاون ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی علٰی صاحبہا الصلوات: الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ۔[2] سے مفہوم ہوتا ہے تاکہ ظاہر غذا عارفین کی صورت ظاہری اور باطن غذا ان کی حقیقت باطنی کی کفیل ثابت ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کھانا تناول فرمانے کے بعد یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے:

اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ عَوْنًا عَلَى طَاعَتِک لَا عَوْنًا عَلَى مَعْصِيَتِک۔[3]

---

[1](عمدۃ المقامات، ص ۳۱۵، مطبوعہ مکتبۃ الحقیقہ، استنبول)
[2](صحیح مسلم، ج۱۳، ص ۱۴۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)
[3](بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ وشریعۃ نبویۃ، ج۵، ص ۴۹۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بینہ

واضح رہے کہ ہر ممکن کی دو جہتیں ہوتی ہیں، ایک جہت عالمِ امکان کی طرف اور دوسری طرف عالمِ وجوب کی طرف۔ غذا کی عالمِ امکان کی جہت ظاہر غذا ہے اور اس کی عالمِ وجوب کی جہت باطن غذا ہوتی ہے، جس سے لطف اندوز اور منفعت خیز عارفین ہی ہوتے ہیں، جبکہ ظاہر غذا، عامۃ الناس کے لئے رعونت و ظلمت اور غفلت کا باعث ہوتی ہے۔ اسی لئے مشائخ طریقت مریدین کو کثرت ریاضت وطاعت وعبادت کی تلقین فرماتے ہیں تاکہ ان کا معاملہ صورت سے گزر کر حقیقت پر اور ظلمت سے گزر کر نورانیت تک پہنچ جائے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

بقول شاعر:

سعی کن تا لقمہ را سازی گہر
بعد ازاں چندانکہ می خواہی بخور

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۳۵ تا ۱۳۹)

مکتوب نمبر ۱۶۳

[سیادت اوربزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اسلام اور کُفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان دو ضدوں کے جمع ہونے کا احتمال محال ہے۔ اور ایک کو عزت عطا کرنا دوسرے کو ذلیل وخوار کرنے کا مؤجب ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سالم اور محفوظ رکھے کُفار کی تذلیل اور ان سے میل جول کے بارے میں اور اس میل جول کے نقصان اور ضَرر کے متعلق فرمایا۔ اور اس اَمر کے بیان میں کہ دُنیاوآخرت بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَھَدَانَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَ جَعَلَنَا مِنْ اُمَّۃٍ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ التَّحِیَّۃُ وَ السَّلَام۔

تمام تعریفیں اس اللہ رب العزت کے لئے ہیں جس نے ہم پر انعام فرمایا اور ہمیں دینِ اسلام اختیار کرنے کی ہدایت عطا فرمائی اور ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ والسلام کی اُمت میں سے کیا۔ دُنیا اور آخرت کی سعادت صرف سیّد کونین علیہ وعلیٰ من الصلوٰۃ افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی اتباع سے وابستہ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت احکامِ اسلامیہ کی بجاآوری اور رُسومِ کُفر کے دور کرنے میں ہے۔ کیونکہ اسلام اور کُفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا ثابت کرنا دوسرے کو اٹھانے کا مؤجب ہے۔ ان دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے، ایک کو عزت دینا دوسرے کو ذلیل وخوار کرنے کا باعث ہے۔]

تشریح

حضرت شیخ فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے خلیفہ ہیں، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہیں تنبیہ فرماتے ہیں کہ کُفر واسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا احسان ہے جو اس نے ہم پر فرمایا ہے کہ ہمیں دینِ اسلام کی طرف ہدایت فرمائی اور ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اُمتی بنایا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت کے لئے دینِ اسلام ہی کو تعین فرما کر ہمیں اسلام پر مشرف فرمایا اور جھوٹے دینوں کی پیروی سے محفوظ فرمایا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران ۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔

کُفر اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں اگر کوئی کُفر اور اس کے احکامات کو ترجیح دے تو وہ دینِ اسلام کو ضعیف کرتا ہے اور اگر کوئی اسلام اور اس کے احکامات کو ترجیح دے تو اس سے کُفر ضعیف ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس حضرت شیخ فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہدایت فرماتے ہیں کہ آپ دینِ اسلام اور اس کے احکامات کو کُفر اور اس کے احکامات پر ترجیح دیں اور اسی طرح آخرت کو دُنیا پر ترجیح دیں، کیونکہ یہ دونوں بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور دُنیا ومافیہا کو ذلیل وخوار جاننا آخرت کی عظمت کے مشاہدہ کے لوازمات میں سے ہے۔

حلية الأولياء وطبقات الأصفياء میں ہے کہ:

مثل الدنيا والآخرة مثل ضرتين، إن أرضيت إحداهما أسخطت الأخرى۔

ترجمہ: دُنیا اور آخرت دو سوکنوں کی طرح ہیں، اگر ایک راضی ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔[1]

تو جس نے دُنیا کو راضی کیا اس سے آخرت ناراض ہو گئی اور آخرت کی نعمتوں سے بے نصیب ہو گیا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کو دُنیا اور اہلِ دُنیا کی محبت سے پناہ میں رکھے۔

آخرت کو دُنیا کے بدلے میں دے دینا اور مخلوق میں اُلجھ کر حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے کٹ جانا بے وقوفی اور بے عقلی ہے۔ دُنیا اور آخرت کا جمع ہونا دو ضدوں کے جمع ہونے کی مانند ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ دو ضدیں آپس میں جمع ہو جائیں۔

مَا اَحۡسَنَ الدِّیۡنَ وَ الدُّنۡیَا لَوۡ اِجۡتَمَعَا

ترجمہ: کیا ہی اچھا ہوتا اگر دین اور دُنیا دونوں جمع ہو جاتے۔

ان دو ضدوں میں سے جس کو چاہیں اختیار کریں اور جس کے عوض چاہیں اپنے آپ کو فروخت کر دیں۔ آخرت کا عذاب اَبدی اور دائمی ہے اور دُنیا کا ساز وسامان بالکل تھوڑا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ دُنیا کو اپنا دُشمن قرار دیتا ہے، اور آخرت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی پسندیدہ شے ہے۔

مشائخِ کرام میں سے ایک گروہ ہے جو بظاہر دُنیا کی طرف راغب نظر آتا ہے لیکن فی الحقیقت انہیں اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اور وہ سب دُنیا کی محبت سے فارغ اور آزاد ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ (النور ۳۷)

ترجمہ: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

[1] (حلیۃ الاولیاء وطبقات الأصفیاء، ج۴، ص ۱۵، دار الکتاب العربي -بیروت)

تجارت اور بیع وشرا وغیرہ ان کے لئے ذکرِ حق سے مانع نہیں ہے۔ یہ اُمورِ دُنیا کے ساتھ تعلق رکھتے ہوئے بھی بے تعلق ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ میں نے منٰی کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا جو کم و بیش پچاس ہزار دِینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا۔ مگر اس کا دل ایک لحظہ کے لئے بھی یادِ حق سے غافل نہ تھا۔

[حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کو فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التحریم ۹)

ترجمہ: اے غیب بتانے والے (نبی) کافروں پر اور منافقوں پر جہاد کرو اور ان پر سختی فرماؤ۔

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو خلقِ عظیم سے موصوف ہیں کُفار سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ کُفار سے سخت رویہ اختیار کرنا بھی خلقِ عظیم میں داخل ہے۔ ثابت ہوا کہ اسلام کی عزت کُفر اور اہلِ کُفر کی خواری اور ذلت میں ہے۔ جس نے کُفار کو عزت دی اس نے اسلام کو ذلیل کیا۔ عزت دینے سے یہ مراد نہیں کہ ان کی خوامخواہ تعظیم ہی کی جائے اور انہیں اونچی جگہ بٹھایا جائے۔ بلکہ انہیں اپنی مجالس میں جگہ دینا۔ ان کے ساتھ بیٹھنا اُٹھنا ان سے گفتگو کرنا بھی ان کے اعزاز میں شامل ہے۔ انہیں کُتوں کی طرح دور رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی دنیوی غرض اور کام ان سے متعلق ہو اور ان کے سوا کسی سے حاصل نہ ہو سکے تو انہیں بے قدر جانتے ہوئے بقدرِ ضرورت ان سے معاملہ کرنا چاہیئے اور کمالِ اسلام تو یہ ہے کہ دُنیوی غرض کے لئے بھی ان سے رابطہ قائم نہ کیا جائے اور ان سے میل جول نہ رکھا جائے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں انہیں اپنا اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کا دُشمن قرار دیا ہے۔ خدا اور اس کے رسول علیہ السلام کے ان دُشمنوں سے میل جول اور اُنس و محبت بہت بڑی تقصیروں میں شامل ہے۔ ان دُشمنوں کے ساتھ

دوستی اور اُنس کا کم از کم ضرر ونقصان یہ ہے کہ احکامِ شرعی کے اجراء کی قدرت اور کُفر کے نشانات اٹھانے کی قوت مغلوب اور کمزور ہو جاتی ہے۔ اور ان سے تعلقِ دوستی کی حیا اس میں مانع ہو جاتی ہے اور یہ بہت بڑا ضرر ونقصان ہے۔ دُشمنانِ خدائے عزّوجلّ سے دوستی والفت خدائے تعالیٰ کے ساتھ دُشمنی کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دُشمنی پیدا ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ انسان گمان کرتا ہے کہ وہ اہلِ اسلام سے ہے اور خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تصدیق اور ان پر ایمان رکھتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس طرح کے بُرے اعمال اس کی دولتِ اسلام کو بالکلیۃ مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بُرائیوں سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں)۔

خواجہ پندارد کہ مردِ واصل است

حاصلِ خواجہ بجز پندار نیست

ترجمہ: خواجہ صاحب کا گمان ہے کہ وہ مردِ واصل ہیں لیکن فی الحقیقت خواجہ صاحب کو صرف یہ گمان ہی حاصل ہے۔

ان نالائقوں کا کام ہی یہ ہے کہ اسلام اور اہلِ اسلام کا تمسخر اُڑاتے ہیں، اور اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اگر قابو پائیں تو مسلمانوں کو ہلاک کر دیں یا سب کو قتل کر دیں یا کُفر کی طرف پھیر کر لے جائیں تو اہلِ اسلام کو بھی شرم کرنی چاہیئے کیونکہ ایمان باحیا بننے کا تقاضا کرتا ہے۔ مسلمانی کے ننگ وشرم کا پاس کرنا ضروری ہے۔ ہمیشہ ان کی ذلت وخواری کے درپے رہنا چاہیئے۔ ہندوستان میں اہلِ کُفر سے جزیہ کا موقوف ہونا ان علاقوں کے سلاطین وحکمرانوں کے ساتھ دوستی کی شومی کے باعث ہے۔ ان سے جزیہ لینے کا اصل مقصد ان کی ذِلت وخواری ہے اور یہ ذلت وخواری اس حد تک

ہے کہ جزیے کے خوف سے اچھے کپڑے نہیں پہن سکتے اور اپنا بناؤ سنگھار نہیں کر سکتے اور ان کے اموال لے لینے کے خوف سے ہمیشہ ڈرتے اور لرزتے رہتے ہیں۔ بادشاہوں کو یہ کیا حق حاصل ہے کہ جزیہ لینے سے روکیں۔ اللہ تعالیٰ نے جزیہ وضع ہی ان کی ذلت وخواری کے لئے کیا ہے۔ مقصود ان کی رسوائی اور اہلِ اسلام کی عزت اور غلبہ ہے۔

جہود ہر کہ شود کُشتہ سودِ اسلام است

ترجمہ: جو غیر مسلم بھی قتل ہو اس میں اسلام کا نفع ہے۔

دولتِ اسلام کے حصول کی علامت اہلِ کُفر کے ساتھ بغض وعناد رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں ان کو نجس وناپاک کہا ہے۔ پس اہلِ اسلام کی نظر میں بھی اہلِ کُفر نجس وپلید ہی ہونے چاہئیں۔ اور جب ان کو اس طرح ذلیل وخوار دیکھیں گے اور جانیں گے تو ضرور ان کی صحبت سے پرہیز اور ان کی ہم نشینی کو بُرا تصور کریں گے۔ ان سے باتیں پوچھنا اور پھر ان کے مطابق عمل کرنا ان دُشمنوں کا کمالِ اعزاز ہے۔ جو سراسر منع ہے۔ جو شخص ان کی توجہ کا طالب اور ان کے توسط سے مانگے اسے کیا حاصل ہو گا؟ یعنی کچھ بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (الرعد ۱۴)

ترجمہ: اور کافروں کی ہر دعا بھٹکتی پھرتی ہے۔

ان دشمنانِ اسلام کی دعا باطل اور بے نتیجہ ہے۔ اس کی قبولیت کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں ان سے طالبِ دعا ہونے میں ان کے اعزاز واکرام میں اضافہ ضرور ہوتا ہے۔ کُفار اگر دعا کریں گے تو اپنے بتوں کو ضرور دعا میں وسیلہ بنائیں گے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ معاملہ کہاں تک پہنچتا ہے، اور مسلمانی کی بُو

بھی باقی نہیں رہتی۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے جب تک تم میں سے کوئی دیوانہ نہ ہو مسلمانی تک نہیں پہنچ سکتا۔ دیوانگی بلندیٔ اسلام کی خاطر اپنے نفع نقصان سے آگے گزر جانے سے عبارت ہے۔ مسلمانی کی موجودگی میں جو حاصل ہو جائے ٹھیک ہے۔ اور اگر کچھ بھی حاصل نہ ہو تو نہ ہو۔یعنی دونوں حالتیں برابر ہوں۔ اگر دولتِ اسلام موجود اور حاصل ہے تو خدائے عزّوجلّ اور اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا اور خوشنودی بھی حاصل ہے۔ رضائے مولا سے عظیم تر اور کوئی دولتِ عظمٰی نہیں۔

رَضِیْنَا بِاللّٰہِ سُبْحَانَہٗ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ نَبِیًّا وَّ رَسُوْلًا۔

ترجمہ: ہم اللہ سبحانہٗ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نبی ورسول ہونے پر راضی ہیں۔

ہم برنیم بداریم یارب

ترجمہ: یارب مجھے اسی پر قائم رکھنا۔

بحرمت سید المرسلین علیہ وآلہٖ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا والسلام اولاً وآخرًا۔

وقت کی جلدی کے باعث جو کچھ ضروری اور اہم محسوس کیا وہ اجمال کے طور پر لکھ کر بھیج دیا ہے۔ اس کے بعد اگر توفیقِ ایزدی نے ساتھ دیا تو اس سے زیادہ مفصل لکھ کر ارسال کیا جائے گا۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں کُفار پر جزیہ نافذ کیا ہے اور جزیہ نافذ کرکے کُفار ومشرکین کی ذلت وخواری کو ظاہر کیا ہے۔ چند صدیاں پہلے تک ہندوستان میں کفار سے باقاعدہ طور پر جزیہ لیا جاتا رہا لیکن جب بادشاہ عیش پرستی کی طرف مائل ہو جائے اور کفار سے رسم وتعلق استوار

ہوا، تو ان کی مجالس کے نتیجے میں مسلمانوں کے دلوں میں کفار کے لئے نرم گوشہ پیدا ہونے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جزیہ کو ختم کر کے قرآنی حکم کو اٹھا دیا گیا۔ اب اس کے بعد خود ہی دیکھ لیں کہ صرف ہندوستان میں ہی کُفر نے کس قدر زور پکڑ لیا ہے۔ کفار مسلمانوں کے مدمقابل آ کھڑے ہوئے ہیں۔ روز بروز نئ دھمکیاں اور نئ سازشیں ہیں۔ مساجد ویران کر کے ان کی جگہوں پر مندر کی تعمیرات ہو رہی ہیں اور مسلمان قرآنی احکامات کے ترک کی وجہ سے اس قدر کمزور ہو چکے ہیں کہ زبان کھولنا بھی ان کے لئے ناممکن ہو چکا ہے۔ اسلامی تعلیمات پر طائرانہ نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ کہیں صرف عزیمت کو اختیار کرنے کا حکم ہے تو کہیں رُخصت پیدا کر دی گئی ہے اور کسی جگہ رُخصت عزیمت اختیار کرنے میں اختیار دیا گیا ہے لیکن کسی بھی جگہ پر یہ حکم نہیں ہے کہ عزیمت پر عمل نہیں ہو سکتا تو رُخصت کو بھی ترک کر لیا جائے بلکہ حکمت و دانش مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ حتی الوسع عزیمت اور تقویٰ پر ہی عمل رکھا جائے اور کہیں جا کر انسانی ضعف رکاوٹ بننے لگے تو خود ساختہ نہیں بلکہ اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق رُخصت پر عمل کر لیا جائے اور ساتھ ہی دل میں پشیمانی اور ندامت کا اقرار بھی کیا جائے کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر میں عزیمت والا عمل کر لیتا۔

اب مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں کفار و مشرکین اور یہود و ہنود کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کو پَرکھ لیں۔ عزیمت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ کُفار جنہیں قرآن عظیم الشان نے مسلمانوں کا دُشمن فرمایا ہے ان دُشمنانِ اسلام کے ساتھ عزیمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ دوستی قطعًا نہ رکھی جائے، نہ ان کے ساتھ رسم و مراسم ہوں اور نہ ہی لین دین اور تجارتی تعلقات، اور ان کی روش اختیار کرنا اور ان کے طور طریقوں کو اپنانا تو بدرجۂ اولیٰ برا ہے۔ لیکن اگر انسانی ضروریات کی بات آئے اور عزیمت پر عمل بھی نہ ہو سکے تو پھر رُخصت کا پہلو دیکھتے ہوئے کم از کم اتنی آسانی کر لی جائے کہ بقدرِ

ضرورت ان سے لین دین ہو کہ صدرِ اوّل میں اس کی چند مثالیں موجود ہیں۔ لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اسلامی تعلیمات کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے کفار سے دوستی کی پینگیں بڑھالی جائیں اور ان کے طور طریقوں کی اتباع کی جائے اور ان سے میل جول کرکے ان کو تقویت پہنچائی جائے۔ ایک مسلمان کفار کی تو مدح سرائی کرے لیکن خود مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلنے لگے یہ کہاں کا انصاف ہے اور کس حکمت کا تقاضا ہے؟

جتنے بھی صوفیاء کرام دُنیا میں آئے انہوں نے عملی طور پر کُفار سے دور رہنے کی تلقین کی اور دُشمنانِ اسلام کی صحبت اور ہم نشینی سے اجتناب کا حکم دیا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس بھی اپنے پیش رو اکابرین کی تعلیمات کو ہی اُجاگر کرتے ہوئے کافروں سے پہلو تہی کرنے کی تعلیمات دے رہے ہیں لیکن ہم ہیں کہ اپنے ہی اسلاف کے احکامات کو بنیاد پرستی کا نام دے کر جان چھڑانے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔

دیگر معاملات کی طرح رزق کے معاملے میں بھی مسلمان کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پر عقیدہ زوال پزیر ہو چکا ہے۔ وہ رزق کمانے کے لئے دوسرے مسلمان ملکوں کی بجائے یورپی ممالک کا انتخاب کرتا ہے اور یورپی ماحول میں پہنچنے کے لئے گھر کا زیور اور ساز وسامان تک بیچ ڈالتا ہے۔ پھر وہاں پہنچ کر پہلے تو اپنے دین سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو اپنے بچوں کے لئے ماما اور پاپا جیسے الفاظ کے تحفے لاتا ہے۔ غور کریں ماں کی گود سے نکلنے والے بچے کو اگر آپ ابتدائی تعلیمات ہی غلط دیں گے تو وہ بڑے ہو کر ایک اچھے مسلمان بنیں گے یا بدترین دُشمنِ اسلام۔۔۔؟

ہم اپنے بچوں کے ختنے کرکے اور عورتوں کے سروں پر دوپٹہ ڈال کر سمجھتے ہیں کہ اپنا فریضہ پورا کر دیا ہے اب جو دل میں آئے کرنے لگیں لیکن بات یوں ہی مکمل نہیں ہو جاتی اسلام ایک بہت

وسیع دین ہے اور دین نے اپنا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں چھوڑا۔ ایمانیات کے ستر (۷۰) سے زائد شعبے ہیں اور ان تمام کے تمام پر عمل کرنے سے ہی اسلام زندہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ آج کے دور کا خود ساختہ اسلام پتہ نہیں کیا رنگ لائے گا۔

حضرت معاویہ بہز بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی:

يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا آيَةُ الْإِسْلَامِ؟ قَالَ: " أَنْ تَقُولَ أَسْلَمْتُ وَجْهِي لِلَّهِ وَتَخَلَّيْتُ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَكُلُّ مُسْلِمٍ عَلَى مُسْلِمٍ مُحَرَّمٌ أَخَوَانِ نَصِيرَانِ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْ مُشْرِكٍ يُشْرِكُ بَعْدَمَا أَسْلَمَ عَمَلًا، أَوْ يُفَارِقُ الْمُشْرِكِينَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ۔

ترجمہ: اے اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اسلام کی نشانی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: (اسلام کی نشانی) یہ ہے کہ تم یوں کہو میں نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور اس کے لئے یکسو ہو گیا اور تم نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور ہر مسلمان کے لئے دوسرا مسلمان قابل احترام ہے یہی دونوں چیزیں مددگار ہیں، اللہ تعالیٰ اس مسلمان کی عبادت قبول نہیں کرتا جو اسلام قبول کرنے کے بعد جان بوجھ کر شرک کرے یا مشرکین کو چھوڑ کر مسلمانوں کے پاس آنے کے بعد دوبارہ شرک میں مبتلا ہو جائے۔[1]

اور فقہی مسئلہ یہ ہے کہ جو کافر اسلام لے آئے تو ایک سال تک اس کا تعاقب کرتے رہو کہ آیا یہ کوئی کُفری اعمال کرتا ہے یا نہیں۔

[1](مسند احمد، ج۳۳، ص۲۳۷، الناشر: مؤسسة الرسالة)

لیکن کسی نو مسلم کا تعاقب تو رہا ایک طرف، آج کل کافر مسلمانوں کے تعاقب میں ہیں کہ کہاں کہاں ہیں اسلام کا نام لینے والے، انہیں چُن چُن کر مارو اور نشانِ عبارت بنادو تاکہ کوئی ان کے راستے پر چلنے کی ہمت نہ کر سکے۔ یاد رکھیں! دل میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ واحد ولا شریک کا خوف پیدا کریں اور کفار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ پیدا کریں اور اپنے اعمال سے ان پر واضح کریں کہ مسلمان صرف اپنے خالق ومالک سے ڈرتا ہے، نہ کفر سے ڈرتا ہے نہ نظامِ کُفر سے۔ طوافِ کعبہ کرتے ہوئے پہلے تین چکروں میں اَکڑ کر چلنے سے کُفار پر اپنا غلبہ اور طاقت ظاہر کرنا ہی مقصود ہے۔ اُس دور میں آج کی بہ نسبت بہت زیادہ غربت تھی لیکن مسلمانوں نے غربت کے باوجود کُفر اور کُفار کو ذلیل کیا لیکن آج کا مسلمان کُفار کو مذاکرات کی میز پر لاتا ہے اور اندر سے ڈرتا ہے کہ کہیں کفار کی طرف سے اقتصادی پابندیاں ہی نہ لگادی جائیں۔ ایک ایٹمی طاقت اور دُنیا کی بہترین فوج رکھنے والے ملک کے حکمران اسلام کو بدنام ہوتا دیکھ رہے ہیں لیکن زبان کھولنے کی حالت میں نہیں کہ اگر بات کرتے ہیں تو کُفار کے ممالک میں ان کے کاروبار کو نقصان پہنچتا ہے۔ واہ رے واہ آج کے مسلمان۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے ان اہم ترین سیاسی مکاتیب شریفہ میں سے ہے جو جرگہٗ ممدّان دولت اسلام کے نام صادر فرمائے گئے جن میں اجرائے احکامِ شرعیہ، احیائے سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات، ترویجِ شعائر اسلامیہ، تخریب بدعات نامرضیہ، کفار ناہنجار کی زجر و تذلیل، رسومات کفریہ کی توبیخ و تحقیر، اعلائے کلمۃ الحق اور غلبہٗ دین اسلام کی اسلامی فکر کو اجاگر فرمایا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کی سطوت وہیبت اور اسلامی شعائر کی عظمت وشوکت کفار کے قلب و نظر میں جاگزیں ہو

جائے اور وہ ہمیشہ لرزاں وترساں اور معتوب ومرعوب رہیں اور انہیں دارالسلام میں کسی قسم کے شور وشر اور فتنہ وفساد کرنے کی جرأت وہمت نہ ہو اور یہی دینِ اسلام کا مقصود ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي (المجادلة ۲۱) سے واضح ہے۔

علاوہ ازیں کفار کے خلاف جہاد ان سے ترک تعلقات وعدم موالات، حکومتی معاملات میں ان کے اثرورسوخ کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے اور انہیں اپنے آپ سے کتوں کی طرح دور رکھنے کی تلقین فرمائی گئی ہے تا کہ مشرکین کی جسمانی نحوست، اعتقادی غلاظت اور نظریاتی نجاست سے مسلمانوں کے ظاہر وباطن متاثر ومکدّر نہ ہوں جیسا کہ آیات کریمہ: إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (التوبة۲۸) اور إِنَّهُمْ رِجْسٌ (التوبة۹۵) سے عیاں ہے۔

بینہ نمبرا

واضح رہے کہ حق تعالیٰ کو کفر کے ساتھ ذاتی عداوت ہے، اسی لئے اہلِ کفر مغضوب ومبغوض ہیں اور مسلمانوں کو ان کے ساتھ مشاورت ومعاونت ممنوع ہے۔ انہیں اپنا دوست وہمراز وصلاح کار بنانے سے روکا گیا ہے، تا کہ دینِ اسلام ذلت ورسوائی سے محفوظ اور مسلمان ہر قسم کی اذیت ومضرت سے مامون رہیں۔ بلکہ حربی کفار کے ساتھ جہاد وعداوت اور بغض وغلظت رکھنے اور ان سے اظہار برأت کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التوبة۷۳) اور إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (الممتحنة۴) اور أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ (الفتح۲۹) سے عیاں ہے، تا کہ دینِ اسلام کو استحکام اور مسلمانانِ عالم کو عظمت ووقار نصیب ہو۔

عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز ارقام پذیر ہیں کہ مؤمن کا کافر سے دوستی کرنا تین وجوہات کا احتمال رکھتا ہے:

وجہٗ اول: مؤمن کا کفر سے راضی ہونا ہے اگر اس بناء پر اس سے دوستی رکھے تو اس سے مؤمن کو منع فرمایا گیا ہے کیونکہ جس شخص نے ایسا کیا وہ اس دین میں اسے درست ماننے والا ہے اور تصویبِ کفر کفر ہے۔ اور رضائے کفر کفر ہے لہٰذا اس صفت کے ہوتے ہوئے اس کا مؤمن باقی رہنا محال ہے۔

وجہٗ ثانی: دنیا میں ظاہری اعتبار سے معاشرتِ جمیلہ ممنوع نہیں ہے۔

وجہٗ ثالث: پہلی دونوں قسموں کے مابین متوسط ہے یوں کہ موالات کفار بمعنی رکون و معونت اور مظاہرت و نصرت یا بسبب قرابت ہو یا بسبب محبت، اس اعتقاد کے باوجود کہ ان کا دین باطل ہے تو یہ کفر کا مؤجب ہے مگر اس سے بندۂ مؤمن کو منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس معنی میں موالات (دوستی) اسے کافر کے طریقے کے مستحسن سمجھنے اور اس کے دین سے راضی ہونے کی طرف لے جائے گی، اور یہ امر اسے اسلام سے خارج کر دے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں اسے تہدید و تنبیہ فرمائی ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ (آل عمران ۲۸)

مزید برآں آپ نے مصلحت کوش اور مفاد پرست مسلمانوں کے لئے ایک چشم کشا روایت بھی نقل فرمائی ہے:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا میرے پاس ایک نصرانی کاتب ہے۔ انہوں نے مجھے فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے؟

اللہ تجھے ہلاک کرے اَلَا اِتَّخَذتَ حَنِیْفِیًّا تم نے کسی مسلمان کو کاتب کیوں نہیں بنایا اور تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی نہیں سُنا؟۔۔۔ یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِیَاءَ (المائدة ۵۱) میں نے عرض کیا: لَهُ دِیْنُهُ وَلِیَ کِتَابَتُهُ اس کا دین اس کے ساتھ ہے اور اس کی کتابت میرے لئے ہے۔۔۔ تو انہوں نے فرمایا میں ان کی تکریم نہیں کروں گا جبکہ اللہ نے ان کی اہانت فرمائی ہے میں ان کی عزت نہیں کروں گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلت دی ہے، میں انہیں قریب نہیں کروں گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دور کر دیا ہے۔ میں نے عرض کیا دانائی کا کام اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔۔۔ تو انہوں نے فرمایا:

مات النصراني فما تصنع بعده فما تعمله بعد موته فاعمله الآن و استغن عنه بغیره۔

اگر نصرانی مر گیا تو اس کے بعد کیا کروگے؟ جو اس کی موت کے بعد کروگے وہی عمل اب کر لو اور کسی اور سے کام لے کر اس سے بے نیاز ہو جاؤ۔[1]

ہاں۔۔۔ غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی و اقتصادی اور فلاحی معاملات، عالمی امن و سلامتی کی بقاء، مشترکہ اعداء سے نبرد آزما ہونے لئے دفاعی معاہدے جیسے امور میں باہمی تعاون و مشاورت ممنوع نہیں۔ یونہی عام ملاقات و معاشرت میں ان کے ساتھ خندہ پیشانی اور حسن سلوک و مروت سے پیش آنا مسلمانوں کی درخشندہ روایات ہیں تاریخِ عالم میں جس کی مثال نہیں ملتی۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اہلِ کفر کے معبدوں کی تاسیس و تعمیر اور ان کے شعائر و رسومات کی تعظیم و تکریم کا دینِ اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو

---

[1] (التفسیر الخازن، ج ۲، ص ۵۳، الناشر: دار الکتب العلمیة —بیروت)

مسجدِ ضرار کے افتتاح سے منع کرکے روزِ قیامت تک وہاں جانے سے روک دیا گیا جیسا کہ آیہ کریمہ: لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا (التوبۃ۱۰۸) سے عیاں ہے جسے بعد میں جلا کر مسمار کر دیا گیا تھا۔

جب سلطان جہانگیر کے ہاتھوں سکھوں کے گرو ارجن سنگھ کے قتل کی اطلاع حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو پہنچی تو آپ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نواب مرتضٰی خان شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے جذبات سے یوں آگاہ فرمایا:

دریں وقت کشتن کافر لعین گویند دال بسیار خوب واقع شد۔

یہی مفہوم آیہ کریمہ: فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ (التوبۃ۱۲) اور حدیث مبارکہ: اقتلوا شیوخ المشرکین۔[1] سے عیاں ہے۔

یہ وہی گرو ارجن ہے جس کے زیرِ نگرانی سکھوں کی مذہبی کتاب گرنتھ مرتب ہوئی۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے گرو ارجن کے نام کی بجائے ان کے مذہبی و فکری مرکز گویندوال کو ہدف تنقید بنایا، جسے احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر حملہ کے دوران جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔

بعض نام نہاد مسلمان اپنی جہالت و حماقت کی بنا پر صلح کلیت کے مذموم نظریہ کی آڑ میں علمائے راسخین، صوفیائے کاملین اور مسلم فاتحین کے خلاف زبانِ طعن دراز کرتے ہیں جو ان کے اسلامی فکر سے نابلد ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

بینہ نمبر۳

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ صلح کلیّت، اتحاد واباحت اور ترک آزاری کا مشرب رکھنے والے صوفیائے خام، مخلوق کو کمالاتِ الٰہیہ کے مظاہر جمیلہ اور مناظر حسنہ قرار دے کر کہتے ہیں کہ ہر کسی کو

---

[1] (کنزالعمال، ج۴، ص۳۸۱)

نگاہِ محبت سے دیکھنا اور حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے، کسی کے ساتھ بے مروتی اور بد سلوکی نہیں کرنی چاہیئے۔۔۔ اسی بناء پر وہ اہلِ کفر سے میل ملاقات کرتے اور ان کی غیر شرعی رسومات اور کفریہ تہواروں کا احترام واکرام کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں:

پس بدی مطلق نباشد در جہاں

عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز اس نظریہ کے قائلین کو جوابًا ارشاد فرماتے ہیں کہ کفار کے ساتھ جہاد اور ان سے ترکِ تعلقات تو دلائلِ قطعیہ اور نصوصِ شرعیہ سے ثابت ہیں جن میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور نجات کا دار و مدار بھی انہیں نصوصِ شرعیہ پر ہی ہے، جبکہ صوفیاء کے منامات وخیالات اور مکشوفات والہامات ظنی ہیں جن میں نصوصِ شرعیہ کے معارض ہونے کی مجال نہیں۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس قسم کے صوفیاء کو نارِ سقر کی وعید شدید سناتے ہوئے خوب کہا:

منکر ایں حرف ایں دم در نظر
شد ممثل سرنگوں اندر سقر

اربابِ وجودیہ کے عظیم محقق سلطان العشاق حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب سلسلۃ الذہب میں اس گروہ کا رد کرتے ہوئے اسے دفترِ کفر کا دیباچہ اور زندقہ قرار دیا ہے۔

ترک آزار کردن اے خواجہ
دفتر کفر را است دیباچہ

شد یکے پیش او حرام و حلال
می نہ اندیشند از نکال و وبال
گاہ لافند ز مذہبِ تجرید
گہ گزافند ز مشربِ توحید
از علاماتِ عقل و دیں عاری
مذہبش حصر در کم آزاری
نسبت خود کنند بہ درویشاں
دم زنند از ارادت ایشاں
نیست درویشی آنکہ زندقہ است
نیست جمعیت آنکہ تفرقہ است [1]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۴۳ ۱ تا ۱۴۹ ۱)

[جس طرح اسلام کُفر کی ضد ہے، آخرت دُنیا کی ضد ہے۔ دُنیا اور آخرت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ باقی ترکِ دُنیا دو طرح پر ہے۔ ایک نوع تو یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت سے زائد تمام مباحات ترک کر دیئے جائیں۔ یہ ترکِ دُنیا کی اعلیٰ قسم ہے، دوسری قسم یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔ یہ قسم بھی خصوصًا اس زمانہ میں بہت ہی قلیل اور نادر ہے۔

آسمان نسبت بعرش آمد فرود
ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

ترجمہ: آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے۔ ورنہ خاک کے تودے سے تو بہت بلندی پر ہے۔

[1] (ماخوذ از مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب ۲۹)

پس سونا، چاندی اور ریشمی لباس وغیرہ جنہیں شریعتِ مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے حرام قرار دیا ہے ان کے استعمال سے پرہیز لازمی ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں کو زینت وآرائش کے طور پر اگر رکھیں تو قدرے گنجائش ہے۔ لیکن ان کا استعمال قطعًا حرام ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا خوشبو ڈالنا، سرمہ داں وغیرہ بنانا سب منع ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مباح اُمور کا دائرہ بہت ہی وسیع کیا ہوا ہے۔ مباح اُمور کو نعمت کے طور پر استعمال کرنا اور ان سے نفع اندوز ہونا عیش ولذت میں حرام چیزوں سے بڑھ کر ہے۔ مباحات میں حق سبحانہٗ کی رضا ہے۔ اور حرام اشیاء میں خدا تعالیٰ کی رضا نہیں۔ عقلِ سلیم ہرگز اس بات کو جائز نہیں رکھتی کہ کوئی شخص چند روزہ لذت کے لئے اپنے مولیٰ کی ناراضگی مول لے۔ خاص کر جبکہ اس حرام لذت کے عوض کئی طرح کی جائز لذتیں تجویز ہو چکی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتحیۃ کی متابعت پر استقامت عطا فرمائے۔

حلال وحرام کے معاملہ میں ہمیشہ دین دار علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور انہیں سے دریافت کرنا چاہیئے۔ اور ان کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا چاہیئے کیونکہ یہی نجات کا راستہ ہے۔ شریعت کے علاوہ جو کچھ ہے باطل ہے اور بے اعتبار ہے۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ (یونس ۳۲)

ترجمہ: حق کے ماسوا سب ضلالت وگمراہی ہے۔

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا]

تشریح

سونا، چاندی اور ریشم کا استعمال عورتوں کے لئے جائز ہے لیکن مَردوں کو ان کے استعمال سے روک دیا گیا ہے بلکہ مَردوں کے لئے ان کو استعمال کرنا حرام ہے۔

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ شَرِبَ فِي إِنَاءٍ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارًا مِنْ جَهَنَّمَ۔

ترجمہ: جو چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ گرارہا ہے۔(یعنی اس کی سزا جہنم کی آگ ہے)[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا:

لَا تَشْرَبُوا فِي إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَلْبَسُوا الدِّيبَاجَ وَالْحَرِيرَ فَإِنَّهُ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهُوَ لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو اور نہ ہی دیباج اور ریشم کا کپڑا پہنو کیونکہ یہ (کافروں) کے لئے دُنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں قیامت کے دن۔[2]

---

[1](صحیح مسلم،ج۱۰،ص۲۰۲،المکتبۃالفاروقیۃ)

[2](صحیح مسلم،ج۱۰،ص۲۰۵،المکتبۃالفاروقیۃ)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَبِسَ الحَرِيرَ وشَرِبَ في الفِضَّةِ فلَيْسَ مِنَّا، ومَنْ خَبَّبَ امْرَأةً عَلَى زَوْجِهَا أَوْ عَبْدًا عَلَى مَوَالِيهِ فلَيْسَ مِنَّا۔

ترجمہ: جس نے ریشم پہنا اور چاندی کے برتن میں پیا وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف بھڑکایا یا کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف (اُکسایا) تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[1]

پس ثابت ہوا کہ سونا چاندی اور ریشم مردوں کے لئے تو قطعًا حرام ہیں، البتہ بعض دوسری روایات سے عورتوں کے لئے استعمال کو جائز قرار دیا گیا ہے لیکن ہمارے ہاں تو انہیں حرام کیا مکروہ بھی نہیں سمجھا جاتا۔ شادی کے موقع پر خاص طور پر دولہے کو سونے کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے اور دوسرے لوگ بھی سونے اور چاندی کی انگوٹھیاں پہنتے ہیں اور دلیل میں کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی استعمال فرمائی ہے۔

ان عقل کے اندھوں کو سمجھ نہیں آتی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی انگوٹھی پر تو مہرِ نبوت ثبت تھی، جسے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خطوط پر مہر کے طور پر استعمال فرماتے تھے لہٰذا اس سے زیادہ یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ آج بھی کسی سرکاری محکمہ کا آفیسر اپنی انگوٹھی پر مہر کندہ کروالے اور اسے اپنے کاغذات پر استعمال کرے تو ٹھیک ہے لیکن اب تو دُنیا کی ترقی کے باعث ہر طرح کی چیزیں دستیاب ہیں اس لئے مہر کی نیت سے کون انگوٹھی پہنے گا پس آپ

---

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۳، ۲۲۸)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی انگوٹھی کو دلیل بنانا کہاں کا انصاف ہے اور اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت ہی ادا کرنی ہے تو داڑھی رکھنا بھی توسُنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی ہے اور سر پر عمامہ سجانا بھی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی کی سُنت ہے۔ مسواک استعمال کرنا اور ہاتھ میں عصا رکھنا بھی توسُنت ہے، ان پر عمل درآمد کیوں نہیں کیا جاتا۔

ثابت ہوا کہ انگوٹھیاں استعمال کرنے والے کسی سُنت کو زندہ نہیں کررہے بلکہ زیب وزینت کا سامان کیا ہوا ہے دو دو، چار چار انگوٹھیاں ایک ہاتھ میں اور ایسے ہی دوسرے ہاتھ میں پہنی گئی انگوٹھیاں زینت نہیں تو سُنت بھی نہیں ہیں اور پھر ان میں طرح طرح کے قیمتی پتھر اور نگینے لگانا صریح اسراف میں داخل ہے اور اسراف حرام ہے۔

شرح ابو داؤد میں ہے کہ مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ نیز جن فقہاءِ کرام نے چاندی کی انگوٹھی کا جواز دیا ہے وہ بھی ساڑھے چار ماشے کی حد تک ہے اور صرف جواز کی حد تک ہے البتہ تقویٰ اور بہتری اسی میں ہے کہ انگوٹھی پہنی ہی نہ جائے۔ اب رہا معاملہ ہاتھ پاؤں کے کڑوں کا تو وہ صاف طور پر حرام ہیں اور جہنم کی آگ کا سبب۔

(دارالمعـــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کفار سے جزیہ کے موقوف ہونے اور اخذ جزیہ کی وجہ بیان فرمارہے ہیں۔ کفار سے جزیہ اس لئے وصول کیا جاتا ہے تا کہ انہیں ضبطِ املاک وغیرہا کا خدشہ ہمہ

وقت دامن گیر رہے اور وہ اعلیٰ بود وباش اور شان وشوکت اختیار نہ کر سکیں۔ نیز مسلمانوں کو ان پر غلبہ وتفوّق وبالادستی حاصل رہے۔

جہود ہر کہ شود کشتہ سود اسلام است

جبکہ مطلق العنان بادشاہ اکبر نے جزیہ کو ہندو راجاؤں کے ساتھ دوستانہ مراسم اور ان کے ساتھ رشتے ناطے ہونے کی بناءپر موقوف کر دیا تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جزیہ کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللهِ التَّوْفِيْق

جب عساکرِ اسلامیہ کفار کے خلاف معرکہ آراء اور نبرد آزما ہوں تو کفار پر غلبہ وتسلط اور فتح ونصرت کے بعد جو مال واسباب ان کے ہاتھ لگتا ہے اسے مالِ غنیمت کہا جاتا ہے۔۔۔۔ جبکہ جہاد کے بعد یا قبل از قتال، کفار اسلام کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے اسلامی سلطنت کے پرامن شہری بن کر کچھ رقوم وغیرہا پیش کرنے پر رضا مند ہو جائیں تو اسے خراج وجزیہ کہتے ہیں۔ خراج ذمی کفار کی اراضی پر لگایا جاتا ہے جبکہ ذمی فی کس کے اعتبار سے جو رقوم بطور ٹیکس ادا کرتے ہیں اسے جزیہ کہا جاتا ہے جس کے عوض انہیں معاشی ومذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے اور ان کی جان ومال وآبرو کی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو اسے قصاصًا قتل کیا جائے گا اور اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کی چوری کرے تو اس پر حدِ سرقہ نافذ کی جائے گی، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: أَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا وَدِمَاؤُهُمْ كَدِمَائِنَا۔[1] سے عیاں ہے۔

---

[1](مجمع الأنهر، ج۸، ص ۴۱۵)

جزیہ کے متعلق چند فقہی مسائل پیش خدمت ہیں:

کفار کی اقسامِ اربعہ

فقہاء نے کفار کی چار اقسام بیان فرمائی ہیں:

۱۔ مشرکین عرب سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا، ان کے سامنے دو ہی راستے ہیں اسلام یا تلوار، جیسا کہ آیہ کریمہ: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ (التوبة۵) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔[1] سے عیاں ہے۔ تاکہ جاہلیتِ عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اٹھا سکے۔

۲۔ مرتدین (عربی ہوں یا عجمی) سے بھی سوائے اسلام یا تلوار کے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ آیہ کریمہ: سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ (الفتح ۱۶) سے واضح ہے۔

۳۔ اہل کتاب (عربی ہوں یا عجمی) سے اسلام یا قتل کے علاوہ جزیہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (التوبة ۲۹) سے آشکارا ہے۔ مجوسی اگرچہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں اسی لئے ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کا ذبیحہ حلال نہیں، مگر وہ اہلِ کتاب کے حکم میں ہونگے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مقامِ ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی: الْمَجُوسُ طَائِفَةٌ مِنْ

---

[1] (صحیح البخاری، ج۲، ص ۱۵۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

أَهْلِ الْكِتَابِ، فَاحْمِلُوهُمْ عَلَى مَا تحملون عليه من أَهْلَ الْكِتَابِ۔ [1] اور حدیث: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا مِنْ مَجُوسِ هجَرَ۔ [2] سے عیاں ہے۔

۴۔ مشرکینِ عجم سے بھی جزیہ لینا جائز ہے، جیسا کہ حدیث: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَالَحَ عَبْدَةَ الْأَوْثَانِ عَلَى الْجِزْيَةِ، إِلَّا مَنْ كَانَ مِنْهُمْ مِنَ الْعَرَبِ۔ [3] سے ثابت ہے۔

* جب مسلمانوں نے مفتوحہ علاقہ کفار کے ساتھ قتال کے ذریعہ حاصل کیا ہو تو کفار کے مذہبی مراکز، رہائشی مکانات ہوں گے اور اگر صلح کے ساتھ علاقہ فتح ہوا تو بدستور ان کے عبادت خانے ہی رہیں گے اور اگر مسلمانوں نے کفار کے معبد منہدم کر دیئے ہوں تو کفار دوبارہ تعمیر نہیں کر سکتے اور اگر کفار نے خود ہی منہدم کر دیئے ہوں تو اتنا ہی اور ویسا ہی دوبارہ تعمیر کر سکتے ہیں۔ اگر کچا تھا تو پختہ بنانے، کسی مقام پر بنانے یا عمارت کے بیشتر بنانے کی اجازت نہیں ہو گی ورنہ مسمار کر دیا جائے گا۔۔۔ یونہی دار السلام میں نئے نئے معابدو مراکز بنانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ [4]

* ذمی کفار دار السلام میں مسلمانوں جیسی وضع قطع اور بود و باش وغیرہا اختیار نہیں کر سکتے بلکہ وہ اپنے مخصوص لباس وشعار کو نمایاں کرنے کے پابند ہوں گے۔ یونہی ریشمی زنار نہیں پہن سکتے۔۔۔ علاوہ ازیں ان کے مکانوں پر مخصوص علامت ہو گی تا کہ کوئی سائل ان کے دروازے پر

---

[1] (نصب الراية، ج٣، ص ٤٤٩، الناشر: مؤسسة الريان للطباعة والنشر -بيروت -لبنان/دار القبلة للثقافة الإسلامية -جدة -السعودية)

[2] (مشكوٰة المصابيح، ج٢، ص ١١٧٩، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)

[3] (مصنف عبدالرزاق، ج١٠، ص ٣٢٦، الناشر: المجلس العلمي -الهند)

[4] (بہارِ شریعت، حصہ نہم)

ان کے لئے دعائے مغفرت نہ کرے۔۔۔ وہ عمامہ اور شاہانہ لباس نیز علمائے اسلام اور اشراف المسلمین کاسا لباس نہیں پہن سکتے۔[1]

مگر بصد افسوس! کہ آج نام نہاد مسلمانوں نے کفار کی وضع قطع، تہذیب وحضارت اور بود وباش کو اختیار کر لیا ہے جو غیرتِ ایمانی اور حمیتِ اسلامی کے زوال کی واضح علامت ہے اور دینِ اسلام کے لئے باعث ننگ وعار ہے۔

بقول اقبال مرحوم:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

* ذمی کفار کو سنکھ یا ناقوس وغیرہا اپنے گھروں میں بھی بجانے کی اجازت نہیں ہوگی ایسے ہی انہیں جلوس وغیرہ نکالنے اور اسلامی تعلیمات کے برعکس غیر اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور کفریہ رسومات وتہواروں کو اعلانیہ مٹانے کی اجازت نہیں ہوگی۔[2]

جزیہ اور خراج ادا کرنے والا ذمی کا فربذات خود رقم لے کر حاضر ہوگا اور سلطانِ اسلام کا ممنون احسان ہو کر نہایت عاجزی وانکساری اور مؤدبانہ انداز کے ساتھ کھڑے ہو کر پیش کرے گا۔ اسے اپنی قومیت ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہوگی بلکہ اخذ جزیہ کے وقت اسے کہا جائے گا: اَدِّ الْجِزْيَةَ يَا ذِمِّيُ (اے ذمی جزیہ ادا کر) اور مسلمان اس کے ہاتھ سے وصول کرے گا تاکہ مسلمان کا ہاتھ اوپر

---

[1] (فتاویٰ عالمگیری، کتاب السیر وبہار شریعت، حصہ نہم)

[2] (ماخوذ از فتاویٰ عالمگیری)

رہے، جیسا کہ: لِتَكُوْنَ يَدُ الْمُسْلِمِ هِيَ الْعُلْيَا اور آیہ کریمہ: يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُوْنَ (التوبة ۲۹) سے عیاں ہے۔[1]

* عورتیں، بچے، بوڑھے، لنگڑے، اپاہج، اندھے، مفلوج اور راہب (لوگوں سے مخالطت نہ رکھنے والے) وغیرہم جزیہ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

* جزیہ مصالح مسلمین اور رفاہ عامہ کے کاموں پر صرف کیا جائے گا (یعنی سرحدوں کی حفاظت، مساجد، سرائے، پلوں کی تعمیر، علماء، طلباء، مجاہدین اور ان کے اہل وعیال اور مسلمان قاضیوں اور ان کے ماتحت عمل پر خرچ ہوگا)۔

وصولِ جزیہ کی دو اقسام

قسم اول: شریعتِ مطہرہ نے چونکہ اس کی خاص مقدار مقرر نہیں فرمائی بلکہ کفار جتنی مقدار معیّن پیش کرنے پر صلح کرلیں ان سے اتنی ہی سالانہ رقم وصول کی جائے گی اس میں کمی بیشی نہیں ہوگی۔

قسم ثانی: اسلامی افواج نے مفتوحہ ملک کے کافر باشندوں کی املاک اگر بدستور چھوڑ دیں تو ذمی اغنیاء پر ۴۸ درہم سالانہ یعنی چار درہم ماہانہ ادا کرنے ہوں گے۔ اگر وہ متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں تو ان پر ۲۴ درہم سالانہ ۲ درہم ماہانہ کے اعتبار سے ادا کرنے لازم ہوں گے۔ جبکہ فقرا ٔذمیوں پر ۱۲ درہم سالانہ ایک درہم ماہانہ کے لحاظ سے جزیہ دینا ضروری ہوگا۔[2]

[1] (تفسیر مدارک، ج ۱، ص ۴۹۳، تفسیر الصاوی، ج ۳، ص ۷۹)
[2] (فتاوی عالمگیری وغیرھا)

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی جاری کردہ تحریک احیائے اسلام(ترویج شریعت، تائید ملت اور تخریب بدعت)کا سلسلہ آپ کے وصال پر ملال کے بعد منقطع نہیں ہو گیا تھا بلکہ وہ تحریک آپ کے صاحبزدگان اور نبیرگان نے جاری رکھی۔۔۔ سلاطین مغلیہ اور ارکانِ سلطنت کے ساتھ تعلقات استوار رکھنے اور اسلامی خطوط پر ان کی تعلیم وتربیت کا خصوصی اہتمام فرمایا، بالخصوص سلطان الہند اورنگ زیب نے حضرت شیخ محمد فرخ مجددی بن خواجہ محمد سعید سرہندی رحمہا اللہ تعالیٰ سے صحیح بخاری کا درس لیا اور حضرت خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا اور آپ نے اسے عالم شہزادگی میں ہی سلطنت کی خوشخبری دے دی تھی۔اسی طرح آپ نے اسے ولایتِ کبریٰ اور محبتِ ذاتیہ کی بشارت سنائی۔ حضراتِ مجددیہ سے سلوکِ نقشبندیہ طے کیا چنانچہ دورِ اکبری میں ذمی کفار سے اخذِ جزیہ جو موقوف ہو چکا تھا، وہ محی السنۃ والاسلام اورنگ زیب کے عہدِ ہمایوں میں پھر وصول کیا جانے لگا۔ [1]

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کفار سے مشاورت واستعانت کے نقصانات اور ان کی وساطت سے دعا کی عدم قبولیت کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ یہاں کفار سے طلبِ امداد اور ان کی دعا کے متعلق قدرے وضاحت ہدیۂ قارئین ہے۔وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

کفار سے دنیوی معاملات میں مشاورت اور ان سے تصرفات ودعا اور ظاہری استمدادواستعانت لینا درحقیقت ان پر اعتماد کرنا ہے اور اُمت محمدیہ اور ملتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو قعرِ مذلت

---

[1] (مکتوبات سیفیہ، مکتوب ۷۶، مقاماتِ معصومی، ج ۱)

میں گرانا اور غیر مسلموں کے رحم وکرم پر جینا ہے جو خود فریبی اور کفر دوستی ہے۔ جہادی امور میں افرادی قوت اور سامانِ حرب وضرب کی قلت کے باوجود ان سے طلبِ امداد کی بھی شریعتِ مطہرہ میں ہرگز اجازت نہیں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: إِنَّا لاَ نَسْتَعِينُ بِمُشْرِكٍ۔[1] سے عیاں ہے۔

کفار کی دُعا بے حاصل ہے

دعائے کفار کی قبولیت اور عدم قبولیت کے متعلق علمائے کرام کے دو مؤقف ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک کفار کی دعا بارگاہِ ربوبیت جلّ سلطانہٗ میں شرف قبولیت نہیں پاتی، بلکہ وہ باطل اور بے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (الرعد ۱۴) سے عیاں ہے، خواہ وہ اصنام پرستی کے قبیل سے ہو یا حقیقت دعا کی قسم سے۔۔۔اس میں کوئی منفعت نہیں، وہ بے سود اور ضائع ہے کیونکہ انہوں نے بے جان مورتیوں کے آگے دستِ دعا دراز کیا جو کسی قسم کے نفع وضرر کے مالک نہیں ہیں، جیسا کہ آیہ کریمہ: لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا (الرعد ۱۶) کے مطابق وہ اجازت دعا کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔

جبکہ بعض علماء کے نزدیک کفار کی دعا والتجاء شرفِ قبولیت پاتی ہے۔ ابلیس لعین نے جب اللہ تعالیٰ سے قیامت تک مہلت کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی، جیسا کہ آیہ کریمہ: قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (۷۹) قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ (ص ۸۰) سے ثابت ہے۔ یوں ہی حالتِ اضطرار میں دعا کی برکت سے کفار کو مشکلات ومصائب سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ (العنكبوت ۶۵) سے واضح ہے۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج۳، ص ۷۲، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

جمہور علماء جوابًا فرماتے ہیں کہ کفار کی ایسی دعاؤں کا تعلق دنیوی امور کے ساتھ ہے، اخروی معاملات سے نہیں۔

چنانچہ محدث کبیر حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

اِنَّهٗ لَا یَجُوْزُ اَنْ یُّقَالَ یُسْتَجَابُ دُعَآءُ الْکَافِرِ عَلٰی مَا ذَهَبَ اِلَیْهِ الْجُمْهُوْرُ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَمَا دُعَآءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ اَیْ فِیْ ضِیَاعٍ وَّ خِسَارٍ لَا مَنْفَعَةَ فِیْهِ وَفِیْهِ اَنَّ مَوْرِدَهٗ خَاصٌّ بِالْعُقْبٰی فَلَا یُنَافِیْ اَنْ یُّسْتَجَابَ دُعَآؤُهٗ فِیْ اَمْرِ الدُّنْیَا کَمَا یَدُلُّ عَلَیْهِ دُعَآءُ اِبْلِیْسَ وَاِجَابَتُهٗ سُبْحَانَهٗ لَهٗ فِی الْاِمْهَالِ وَیُؤَیِّدُهُ الْحَدِیْثُ اَنَّ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ تُسْتَجَابُ وَاِنْ کَانَ کَافِرًا۔ [1]

بینہ

واضح رہے کہ کفار کی وہ دعائیں اور التجائیں جو دنیوی امور سے متعلق ہوں یا طلبِ جنت سے مربوط ہوں اگر اللہ تعالیٰ جل سلطانہٗ چاہے تو ان کی حاجت بر آری، مصائب سے نجات اور ایمان وہدایت کی توفیق و تخلیق فرمادیتا ہے۔ [2]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز دیوانگی کو حقیقت مسلمانی کی شرط قرار دے رہے ہیں۔ دراصل جس بندۂ مؤمن میں غیرتِ ایمانی اور حمیّت اسلامی کی بناء پر دینِ اسلام کی سربلندی وبالادستی کا جذبہ اس قدر غالب ہو جائے کہ وہ ہرچہ بادا باد کے مصداق کسی قسم کے نفع ونقصان اور سود وزیاں کی پرواہ نہ کرے یہاں تک کہ لوگ اسے دیوانہ کہنا شروع کر دیں۔ بس یہی جنون ودیوانگی ایمان کی علامت ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ سے عیاں ہے۔

---

[1] (شرح فقہ اکبر، ص ۱۳۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

[2] (تفسیر صاوی، ج۳، ص ۷۹۹)

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

برتر از اندیشۂ سود وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

اس قسم کے بندۂ مؤمن کو اللہ تعالٰی کی ربوبیت، دینِ اسلام کی قبولیت اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نبوت ورسالت پر یقین کامل ہونے کی وجہ سے رضا کی سند نصیب ہوتی ہے اور رضائے الٰہی ہی نعمتِ کبریٰ ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: وَرِضْوَانٌ مِنَ اللهِ أَكْبَرُ (التوبة ۷۲) سے عیاں ہے۔

سونا او چاندی دو ایسی قدرتی دھاتیں ہیں جن سے تیار شدہ برتنوں کا استعمال مردوں اور عورتوں پر ممنوع اور حرام ہے، لیکن سونا چاندی کی مصنوعات کو بطور آرائش وزیبائش رکھنے کی شریعتِ مطہرہ میں گنجائش موجود ہے۔ البتہ مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی اور عورتوں کو سونا چاندی کے زیورات استعمال کرنا جائز ہیں۔ یونہی مردوں کے لئے ریشمی ملبوسات کا استعمال ممنوع اور عورتوں کے لئے جائز ہے۔ جیسا کہ ارشاداتِ نبویہ علٰی صاحبہا الصلوات: لَا تَشْرَبُوا فِي إِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَلْبَسُوا الدِّيبَاجَ وَالْحَرِيرَ فَإِنَّهُ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهُوَ لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[1] اور أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِلْإِنَاثِ مِنْ أُمَّتِي وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا۔[2] سے واضح ہے۔

---

[1](صحيح مسلم،ج ١٠،ص ٤٠٥،المكتبة الفاروقية)

[2](مشكوٰة المصابيح،ج ٢،ص ١٢٤٤،الناشر:المكتب الإسلامي -بيروت)

* فقہاء کرام نے مرد کو سوا چار ماشہ چاندی کی انگوٹھی استعمال کرنے کی اجازت دی ہے جبکہ اس میں اسراف و تکبر و تکلف نہ ہو اور نہ ہی اس کی ساخت زنانہ یا فاسقانہ طرز کی ہو، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مِنْ وَرِقٍ وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالًا۔ [1] سے معلوم ہوتا ہے۔

* نابالغ لڑکوں کو سونے چاندی کے زیورات پہنانا بھی حرام ہے چونکہ وہ احکام شرعیہ کے مکلّف نہیں ہوتے اس لئے پہنانے والے گنہگار ہوں گے، جیسا کہ حدیث: أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نهى عَنِ التختمِ بالذهبِ فأَنا أكره لِلرِّجَالِ الْكَبِيرِ مِنْهُمْ وَالصَّغِيرِ۔ [2] سے مفہوم ہوتا ہے۔

* فقہاء کرام نے مرد کو ریشمی گدیلہ بچھانا، ریشمی لحاف اوڑھنا اور ریشمی زین بنانا ممنوع قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حدیث: نَهَى رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرٍ: عَنِ الْوَشْرِ وَالْوَشْمِ وَالنَّتْفِ وَعَنْ مُكَامَعَةِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَمُكَامَعَةِ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَأَنْ يَجْعَلَ الرَّجُلُ فِي أَسْفَلِ ثِيَابِهِ حَرِيرًا مِثْلَ الْأَعَاجِمِ أَوْ يجعلَ على مَنْكِبَيْه حَرِير مِثْلَ الْأَعَاجِمِ [3] أَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ [4] لَا تَرْكَبُوا الْخَزَّ۔ [5] سے مفہوم ہوتا ہے۔

* ہاں بالغرض علاج ریشم کا استعمال جائز ہے۔ جب حضرت زبیر اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مرضِ خارش لاحق ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے انہیں

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۲، ص۱۲۵۵، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۲، ص۱۲۵۸، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۲، ص۱۲۴۷، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[4] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۲، ص۱۲۴۱، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)
[5] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۲، ص۱۲۴۸، الناشر: المكتب الإسلامي -بيروت)

حریر کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمادی، جیسا کہ حدیث: رخص لَهما فِي قمص الْحَرِير۔[1] سے مفہوم ہوتا ہے۔

* صاحبین کے نزدیک حالتِ جنگ میں خالص ریشم اور دیباج کے پہننے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ جائز ہے۔ کیونکہ وہ ہتھیار کی سختی کو زیادہ دور کرنے والا اور دشمن کی نظر میں ہیبت قائم کرنے والا ہے۔ جبکہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک خالص ریشم مکروہ ہے، البتہ مخلوط ریشم جائز ہے۔یعنی جس کپڑے کا بانا، ریشمی اور تانا سوتی یا ادنٰی ہو وہ مکروہ ہے اور جس کپڑے کا تانار یشمی اور بانا سوتی یا ادنٰی ہو وہ بالاتفاق جائز ہے، جیسا کہ حدیث: إنما نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الثوب المصمت من الحرير فأما العلم من الحرير وسدى الثوب فلا بأس به۔[2] سے معلوم ہوتا ہے۔

* یادرہے کہ ریشم کے کیڑوں سے حاصل کردہ ریشم سے تیار شدہ ملبوسات ہی مردوں کے لئے حرام ہیں، جبکہ مصنوعی ریشم (دریائی ریشم یا سن سے تیار کردہ ریشم) کا استعمال جائز ہے۔

فقہائے احناف کے نزدیک اگر کسی کپڑے میں چار انگشت تک ریشمی نقش و نگار ہو تو مرد کے لئے اس کا استعمال حلال ہے۔ چار انگشت حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معتبر ہیں جو ہماری ایک بالشت کے قریب ہیں نیز چار انگشت ایک جگہ کے قابل اعتبار ہیں۔ اگر قبا یا اچکن میں جگہ جگہ ریشمی نقش و نگار ہوں کہ ہر ایک، ایک بالشت سے کم ہو مگر جب ملایا جائے تو بالشت سے زیادہ ہو جائیں پھر بھی وہ حلال ہے۔۔۔ کیونکہ ایک جگہ کا اعتبار ہے۔[3]

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۱۲۴۲، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

[2] (فتح الباری لإبن حجر، ج ۱۰، ص ۲۹۴، الناشر: دار المعرفة - بیروت)

[3] (مرأت، ج ٦، ص ۷۹ بحوالہ فتاوی قاضی خان و اشعۃ اللمعات)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارقام پذیر ہیں کہ جب جبہ کی آستینوں پر ریشمی نقش ونگار بنانے کی اجازت دی گئی ہے تو اس سے سونے اور چاندی کے نقش ونگار بنانے کی بھی اجازت حاصل ہوگئی، کیونکہ حرمت میں یہ سب مساوی ہیں۔ [1]

مذکورہ بالا فقہی جزئیات درج ذیل احادیث مبارکہ سے ماخوذ ہیں ملاحظہ ہوں:

عَن أسماءَ بنت أبي بكر: أَنَّهَا أَخرَجتْ جُبّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةٍ لَهَا لِبْنَةُ ديباجٍ وفُرجَيْها مكفوفَين بالديباجِ [2] نَهَى رَسُولُ اللّهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبسِ الْحَرِيرِ إِلاَّ مَوْضِعَ إِصْبَعَيْنِ أَوْ ثَلَاث أو أَربع [3] إِنَّ رَسُولَ اللّهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ لُبسِ الذَّهَبِ إِلاَّ مُقَطَّعًا۔ [4]

* حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا ہے:

لَيسَ كُلُّ حُلِيٍّ حَرَامًا عَلَى الرِّجَالِ بِدَلِيلِ حِلِّ الْخَاتَمِ وَالْعَلَمِ وَالثَّوْبِ الْمَنْسُوجِ بِالذَّهَبِ أَرْبَعَةَ أَصَابِعَ وَحِلْيَةِ السَّيْفِ وَالْمِنْطَقَةِ۔

یعنی مردوں پر ہر زیور حرام نہیں ہے کیونکہ انگشتری، علم، کپڑے پر چار انگشت سنہری نقش ونگار، تلوار اور منطقہ کے زیور حلال ہیں۔ [5]

یہاں تک کہ کتب فقہ میں تقریباً دو درجن مقامات پر مردوں کو سونے کا استعمال حلال لکھا ہوا ہے مثلاً کٹی ہوئی ناک کی جگہ طلائی ناک لگوانا۔۔۔ قلمدان یا چاقو کے دستہ میں سونے کے ذرات لگوانا۔۔۔ اور کٹی ہوئی پوریوں کی جگہ سونے یا چاندی کی پوریاں لگوانا وغیرہ۔ [6]

---

[1] (ردالمحتار)
[2] (مشکوٰۃالمصابیح، ج ۲، ص ۱۲۴۲، الناشر: المكتب الإسلامي –بيروت)
[3] (مشکوٰۃالمصابیح، ج ۲، ص ۱۲۴۲، الناشر: المكتب الإسلامي –بيروت)
[4] (مشکوٰۃالمصابیح، ج ۲، ص ۱۲۵۵، الناشر: المكتب الإسلامي –بيروت)
[5] (ردالمحتار، ج ۲۷، ص ۸۰)
[6] (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، ج ۹)

بینہ

واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم متصف بصفات اللہ اور متخلق باخلاق اللہ ہونے کی بناپر حق تعالیٰ کی صفات واخلاق کے مظہر اتم ہیں۔ حق تعالیٰ نے جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو قرآن مجید کا شارح ومبین بنایا ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ (النحل ۴۴) سے عیاں ہے، وہاں آپ کو شارح ومحلّل ومحرّم بھی فرمایا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ: وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الأعراف ۱۵۷) سے واضح ہے۔ اور یہ خصائص نبوت علیٰ صاحبہا الصلوات میں سے ہے جیسا کہ ہجرت کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعاقب میں سراقہ بن مالک کا گھوڑا پتھریلی زمین میں دھنس گیا تو اس نے طلبِ معذرت کرتے ہوئے تعاقب کو اپنی غربت کی وجہ قرار دیا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مراجعت پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

كَيْفَ بِكَ يَا سُرَاقَةُ إِذَا سُوِّرْتَ بِسِوَارَيْ كِسْرَى؟[1]

چنانچہ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب ایران فتح ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ تین سنہری کنگن اپنے ہاتھوں سے حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنائے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۵۰ تا ۱۶۴)

---

[1](الكامل فى التاريخ، ج ۱، ص ۷۹۲، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت - لبنان)

مکتوب نمبر ۱۶۴

[حافظ بہاء الدین سرہندی کی طرف لکھا گیا:

اس بیان میں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فیض ہر وقت اور ہمیشہ خواص و عوام پر وارد ہو رہا ہے، آگے اس کے قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کا فرق اس طرف سے ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے احسان و کرم سے راہِ شریعت پر استقامت نصیب فرمائے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا فیض ہمیشہ اور ہر وقت از قسمِ مال، اولاد اور ہدایت و رہنمائی بغیر تخصیص کے نازل و وارد ہوتا رہتا ہے۔ بعض فیوض کے قبول کرنے اور بعض کے قبول نہ کرنے میں فرق اس طرف سے ہے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (النحل ۳۳)

ترجمہ: اور اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا ہاں وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

موسمِ گرما کا سورج دھوبی اور کپڑے دونوں پر یکساں چمکتا ہے۔ لیکن اس سے دھوبی کا منہ سیاہ ہوتا ہے اور اس کا کپڑا سفید۔

اللہ تعالیٰ کے فیض کا قبول نہ ہونا جنابِ قدس خداوندی جل سلطانہٗ سے اعراض اور روگردانی کے باعث ہے۔ رُوگردانی کرنے والے کے لئے ذِلت لازم اور نعمت سے محرومی ضروری اَمر ہے۔ یہاں کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ بہت سے حق تعالیٰ سے رُوگردان لوگ دُنیوی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور ان کی رُوگردانی ان کی محرومی کا سبب نہیں بنی۔ کیونکہ یہ نعمت نہیں بلکہ نعمت کی صورت میں نِقمت (عذاب) اس کی خرابی اور بَربادی کے لئے بطریقِ استدراج ظاہر کیا گیا ہے۔ تاکہ ایسا شخص رُوگردانی اور گمراہی میں منہمک رہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ (٥٥) نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَل لَّا يَشْعُرُونَ (المؤمنون ٥٦)

ترجمہ: کیا یہ خیال کررہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کررہے ہیں مال اور بیٹوں سے، یہ جلد جلد ان کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں۔

پس حق تعالیٰ سے رُوگردانی کے باوجود دُنیا اور اس کے سازوسامان کا ملنا عین خرابی ہے۔ تو ایسی صورتِ حال سے بچو پھر بچو۔ وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ایک اسم رحمٰن ہے جس کا اطلاق تو صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ہی خاص ہے لیکن اس اسم کی رحمت خواص وعوام دونوں کو سمیٹے ہوئے ہے اور ہر انسان کو مستفید کررہی ہے اور اس میں مسلم وکافر کی بھی کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ مثال کے طور پر سورج کو دیکھ لیں، اس کی حرارت اور گرمی سے جیسے مسلمان فائدہ لے رہا ہے ویسے ہی کافر بھی مستفید ہو رہا ہے اور بارش کو دیکھ لیں کہ ہر طرح کے انسان پر برَس رہی ہے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی رکاوٹ ایسی نہیں رکھی گئی کہ مسلمانوں کے گھروں پر تو بارش خوب برَسے لیکن اسی قریہ میں بسنے والے کافر بارش سے محروم رہیں حالانکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ایک کو مستفید کرکے دوسرے کو محروم رکھے لیکن اُس سخی بادشاہ کے اسم رحمٰن کی رحمت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ کوئی بھی محروم نہ رہے۔

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نعمتیں تو اس قدر ہیں کہ انہیں شمار کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو انہیں گن نہ سکوگے'' تو پھر کس رحمت و نعمت کا ذکر کیا جائے۔

اب مندرجہ بالا سطور کو سامنے رکھتے ہوئے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بے وسعت داد کو دیکھتے ہوئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اُس فیض کا ذکر کرتے ہیں جس کا تعلق تصوف اور مقامات وسلوک وولایت کے ساتھ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں ''حق تعالیٰ کا فیض ہمیشہ اور ہر وقت از قسم مال، اولاد اور ہدایت ورہنمائی بغیر تخصیص کے نازل ووارد ہوتا رہتا ہے'' تو پھر کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ تو سلوک کے میدان میں عمریں گزار دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے کامل شیخ سے بہت کم استفادہ کرتے ہیں لیکن اُسی شیخ کامل کے دامن سے وابستہ دوسرے کچھ خوش نصیب سالک بہت کم مدت میں بہت زیادہ مستفید ہو جاتے ہیں اور جلد ہی مقاماتِ عالیہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

یاد رکھیں ایک کامل شیخ جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دیگر صفات کے اثرات سے لذت گیر ہوتا ہے اُسی طرح اُسے صفتِ جُود وسخا سے بھی فیض ملتا ہے اس لئے عالمِ بالا کے فیوض وبرکات کو ''توجہ'' کے ذریعے سے اپنے تمام مُریدین میں یکساں تقسیم کرنے میں ذرا بھر بھی بخل سے کام نہیں لیتا۔ بخل کو تو حقیقی تصوف کی طرف راہ ہی نہیں، بلکہ بخل کو منافقت کی نشانی فرمایا گیا ہے تو جب شیخ فیض تقسیم کرنے میں عادل ہے تو ثابت ہوا کہ مُریدین کے باطنی حالات میں تفاوت کی وجہ خود مُریدین اور سالکوں کا نقص وکمال ہے کہ کچھ سالک تو فیوضِ رحمانی کو جلد قبول کرلیتے ہیں اور ترقی کی منازل طے کرتے جاتے ہیں لیکن کچھ دوسرے سالک ان فیوضات کو قبول کرنے کی لیاقت نہیں

رکھتے اس لئے مدتِ مدید کے گزرنے کے باوجود بھی ان کے باطن کا پیالہ ٹیڑھا ہی رہتا ہے۔ ذرا سوچیں موسلا دھار بارش میں ایک پیالہ سیدھا پڑا ہو اور دوسرا اوندھا تو بارش کا پانی کس پیالے کو بھرے گا۔۔۔؟ ظاہر بات ہے کہ سیدھا پڑا ہوا برتن جلد بھر جائے گا لیکن اوندھا پڑا ہوا برتن بارش سے اپنا حصہ نہیں لے سکے گا تو اس میں قصور بارش کا نہیں، خود اُسی پیالے کا ہے جو ٹیڑھے یا اُلٹے ہونے کی وجہ سے بارش کے فیض سے محروم ہو گیا ہے۔

لوگ مشائخِ کرام اور صوفیاء عظام سے ملنے جاتے ہیں تو دِل میں دُنیا کی تمنا لئے ہوتے ہیں کہ فلاں کام کے بارے میں دُعا کروائیں گے اور فلاں پریشانی سے نجات حاصل کرنے کی دُعا لیں گے، ٹھیک ہے جائز خواہشات رکھنا اور اُن کے لئے دعائیں کرنا یا نیک لوگوں سے دُعائیں کروانا بُرا نہیں لیکن ایک ناپائیدار جہاں کے لیے اتنی تگ ودو، اور ابدی جہاں کے بارے میں سُستی اور لاپرواہی کو کون دانشمندی کہے گا؟ اگر دُنیا کی خواہش دِل میں مچلنے لگیں تو کم از کم اس طرف بھی دھیان جانا چاہیئے کہ دل کا جو برتن قبیح اعمال کی وجہ سے ٹیڑھا ہو چکا ہو اُسے سیدھا کرنے کی دُعا کروائیں گے اور کوشش سے نیک اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے۔ عمل سے بھاگنا اور محض دُعا پر تکیہ کرنا سمجھداری نہیں حماقت ہے۔

(دارالمعــرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کے فضل وفتوحات اور عنایات وانعامات کے ابواب ہر کس وناکس پر ہمہ وقت کھلے رہتے ہیں مگر عامۃ الناس ازلی شقاوت، قلبی قساوت، پیہم اعراض وانکار اور معاصی پر اصرار وتکرار کی بنا پر ان سے

محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی قسم کے لوگ جبلّی قابلیت اور فطری استعداد کو ضائع کر دیتے ہیں، جیسے موسمِ گرما میں سورج کی دھوپ دھوبی اور کپڑوں پر یکساں پڑتی ہے مگر اس سے دھوبی کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور کپڑا سفید ہو جاتا ہے۔

بینہ نمبر ا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ جمیع اشیاء کی ذوات واصول اور استعدادات وقابلیات حق تعالیٰ کی مخلوق و محکوم ہیں اور ان جملہ امور کی تخلیق و تحکیم میں کوئی بھی اس کا شریک و سہیم نہیں جیسا کہ آیاتِ کریمہ: وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ (الصافات ٩٦) اور اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ (الأنعام ٥٧) سے عیاں ہے۔ گو اللہ حلیم و علیم نے اپنے احکامِ تکلیفیہ اور افعالِ تکوینیہ میں حکمت و مصلحت کو ملحوظ رکھا ہے مگر وہ تعالیٰ حکمت و مصلحت کا قاصد و مرید ہے۔ فَعَّالٌ لِمَا یُرِیدُ (البروج ١٦) کے مطابق اس پر کوئی چیز لازم اور حاکم نہیں ہے بلکہ وہ بندوں پر فائق اور حاکم ہے اس لئے وہ بندوں کے آگے ہر قسم کے فعل کی باز پُرس اور جواب دہی سے منزہ ہے البتہ بندے اس کے آگے اپنے افعال واعمال کے مسئول اور جواب دہ ہیں، جیسا کہ آیہ کریمہ: لَا یُسۡأَلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَھُمۡ یُسۡأَلُوۡنَ (الأنبیاء ٢٣) سے واضح ہے۔ تاہم وہ محض اپنے فضل ورحمت سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے، یہی علمائے ماتریدیہ کا مؤقف ہے جو سب سے زیادہ احوط واسلم ہے اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ازروئے کشف اس کی تائید فرمائی ہے، چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

ذواتِ اشیاء را مجعول می داند اصلِ قابلیات واستعدادات را نیز مجعول ومصنوع می داند۔ [1]

---

[1] (دفتر اول، مکتوب ١٢)

ایک مقام پر یوں ارقام پذیر ہیں:

استعداد از کینہ مخلوقات او تعالیٰ است و حاکمیت ندارد۔

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ بندوں کے عدم استعداد، مسلسل اعراض اور گناہوں پر اصرار کے باوجود حق تعالیٰ نے رزق رسانی اور افاضۂ رحمت اپنے ذمۂ کرم لے رکھا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ: وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (ھود ٦) اور كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الأنعام ٥٤) سے عیاں ہے۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ بعض لوگوں کا حق تعالیٰ سے اعراض اور معاصی میں انہماک کے باوجود دنیوی نعمتوں اور آسائشوں سے مالا مال ہونا بدبختی اور حرماں نصیبی کی علامت ہے جسے استدراج کہا جاتا ہے۔

استدراج کا معنی خدع اور دھوکا ہے۔ بندے کے لئے استدراج کا یہ مطلب ہے کہ جب بھی وہ کسی گناہ ومعصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے مزید نعمتوں سے نوازا جاتا ہے اور گناہ سے استغفار کرنا اسے بھلا دیا جاتا ہے تاکہ وہ معاصی میں ہی سرگرداں وغلطاں رہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (القلم ٤٥) اور إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا (آل عمران ١٧٨) سے عیاں ہے۔
(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۶۷ تا ۱۶۹)

مکتوب نمبر ۱۶۵

[سیادت وبزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف لکھا گیا:

صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت کی ترغیب اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت کے مخالفوں کے ساتھ عداوت وبغض رکھنے اور ان پر سختی کرنے کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ آپ کو نبی اُمّی ہاشمی قریشی علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی باطنی میراث کی بزرگی سے مشرف فرمائے، جس طرح اس نے آپ کو ظاہری بزرگی سے مشرف فرمایا ہے۔ اور اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو آمین کہے۔

آنسرور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی میراثِ صوری عالمِ خلق سے تعلق رکھتی ہے اور میراثِ معنوی عالمِ اَمر سے۔ وہاں سب ایمان معرفت اور رُشد وہدایت ہے۔ میراثِ صوری کی نعمتِ عظمٰی کا شکر یہ ہے کہ میراثِ معنوی اور باطنی سے مزین وآراستہ ہوں۔ اور میراثِ معنوی سے آراستگی کامل اتباع مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے بغیر میسر نہیں آسکتی۔ تو آپ پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر ونواہی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع واطاعت لازم وضروری ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمالِ متابعت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ کمال محبت کی فرع ہے۔

اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ هَوَاهُ مُطِيْعُ

ترجمہ: محب اپنے محبوب کا پورا مطیع ہوتا ہے۔

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے کامل محبت کی علامت ونشانی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دُشمنوں کے ساتھ کامل بغض وعداوت رکھنا ہے۔ محبت میں سُستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ محب محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے اور اس کی مخالفت کی تاب نہیں رکھتا۔ اور محبوب کے مخالفوں کے ساتھ کسی طرح بھی صلح وآشتی نہیں کر سکتا۔ دو مختلف محبتیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں بلکہ جمع ضدین کو محال وناممکن کہا گیا ہے۔ ایک کے ساتھ محبت دوسرے کی عداوت کو مستلزم ہے۔ اچھی طرح غور کرنا چاہیئے، ابھی معاملہ ہاتھ سے نہیں نکلا۔ گزشتہ کا تدارک کرنا چاہیئے، کل جب معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا تو ندامت وشرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

بوقتِ صبح شود ہمچوروز معلومت

کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

ترجمہ: تجھے صبح روزِ روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ تُونے تاریک رات میں کس سے عشق لگا رکھا تھا۔

دُنیا کا سامان دھوکا ہی دھوکا ہے۔ اور معاملہ اُخروی پر اَبدی جزا مرتب ہو گی۔ چند روزہ زندگی اگر سیّد الاولین وآخرین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی متابعت میں بسر ہو تو نجاتِ اَبدی کی اُمید ہے، ورنہ کوئی بھی ہو اور کیسا ہی اچھا عمل کیوں نہ ہو سب ہیچ اور بے کار ہے۔

محمد عربی کہ آبروی ہر دو سراست

کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ اُو

ترجمہ: محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو دونوں جہانوں کی عزت وآبرو ہیں جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دروازے کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پر خاک پڑے۔

اگر مثال کے طور پر فرض زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو نقصان نہ پہنچنے میں وہ بھی کلیۃً ترک کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ متابعت کی دولتِ عظمیٰ کا حصول مکمل طور پر ترکِ دُنیا پر موقوف نہیں۔ زکوٰۃ ادا کر دینے کی صورت میں مال پاک ہو جاتا ہے اور دین میں اس کا کچھ ضرر و نقصان باقی نہیں رہتا۔ پس مالِ دُنیاوی کے ضرر کے دفاع کا علاج مال کی زکوٰۃ نکالنا ہے۔ اگرچہ کلیۃً ترکِ دُنیا اولیٰ اور افضل ہے لیکن زکوٰۃ بھی اس ترکِ کُلی کا کام کر جاتی ہے۔

آسمان نسبت بعرش آمد فرود

ورنہ بس عالی است پیشِ خاک تود

ترجمہ: آسمان عرش کی نسبت نیچے ہے لیکن تو وہ خاک سے پھر بھی بہت بلند ہے۔]

تشریح

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے دُنیا سے رُخصتی کے موقع پر دُنیاوی مال واسباب، سونا چاندی یا جائیداد کی صورت میں میراث نہیں چھوڑی بلکہ ان مبارک ہستیوں کی میراث علم و عمل ہے جیسا کہ متعدد احادیث میں اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ العُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا العِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَبِهِ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

ترجمہ: علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام وراثت میں دینار و درہم نہیں چھوڑتے بلکہ علم ہی ان کا ورثہ ہوتا ہے تو جس نے اسے حاصل کیا اس نے انبیاء علیہم السلام کی وراثت سے بہت سارا حصہ حاصل کر لیا۔[1]

اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ علماء کے پاس علم کی دولت ہوتی ہے جس کی بناء پر انہیں وارث انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا لقب دیا جاتا ہے۔

دولتِ علم کی اس میراث کے دو درجے ہیں ایک میراثِ صوری اور دوسرا میراثِ معنوی (انہیں میراثِ ظاہری اور میراثِ باطنی بھی کہا جا سکتا ہے) یونہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت بھی دو حصوں میں منقسم ہے، ایک قسم ان لوگوں کی ہے جنہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اولادِ حقیقی ہونے کا شرف حاصل ہے، عرفِ عام میں انہیں سادات کہا جاتا ہے اور دوسری قسم میں تمام غیر سیّد شامل ہیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی جس میراث کا یہاں پر ذکر ہوا ہے وہ محض سادات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ غیر سیّد لوگ بھی اس کے حقدار ہیں، کیونکہ حدیث شریف میں "العلماء" کا مطلق لفظ آیا ہے جو سیّد اور غیر سیّد دونوں کو شامل ہے، اور فقہاء کرام کے قانون کے مطابق مطلق کو مقید نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ صریح حکم نہ پایا جائے، پس سیّد اور غیر سیّد دونوں ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی میراث کے حق دار ٹھہرے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس مبارک میراث کے حصول کا طریقہ کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ میراثِ صوری انسان کے عالمِ خلق سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

---

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص ۴۸، الناشر: شرکۃمکتبۃ ومطبعۃمصطفى البابي الحلبي -مصر)

وسلم نے قولاً وعملاً جو دستور اور لائحہ عمل اپنی اُمت کو بتلایا ہے اس پر فقہاء کرام کی تشریحات کے مطابق عمل کیا جائے اور دین کے کسی بھی معاملے میں اپنی رائے کو داخل وشامل نہ کیا جائے۔ انسان پر اپنے خالق ومالک کی معرفت حاصل کرنا فرض کیا گیا ہے۔ اور یہ معرفت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل پیروی کے بغیر ناممکن ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے اعلانِ نبوت سے قبل چالیس چالیس سال تک ایک لائحہ عمل پر عمل پیرا ہو کر یہ عملی تعلیم دی ہے کہ اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تک پہنچنا ہے تو ہمارے طریقہ کے مطابق عمل کرنا پڑے گا۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے قبل از اعلانِ نبوت کی تعلیمات میں فرق اجمال وتفصیل کے لحاظ سے ہے ورنہ ان مبارک ہستیوں کی ابتدائی زندگیاں بھی لائقِ تقلید ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی میراثِ باطنی کا تعلق عالمِ اَمر کے ساتھ ہے اور عالمِ اَمر بغیر واسطۂ شیخ کے زندہ نہیں ہو سکتا۔ اس بات کا مقصد یہ ہے کہ میراثِ باطنی کا حصول کسی کامل ولی اللہ کے دامن سے وابستہ ہونے کے ساتھ ہے اور جس خوش نصیب کو میراثِ صوری عنایت ہو جائے اس پر لازم ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا کرے اور اس شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو میراثِ باطنی کی دولت سے مستفید کرے۔

اس حقیقت سے ناآشنا لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ تصوف وسلوک کا کام بدعت ہے اس لئے ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ان جاہلوں کی سمجھ میں یہ بات کیسے لائی جائے کہ جب تک اپنے باطن کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نور سے روشن نہیں کرو گے اس وقت تک شریعت کے ظاہری اعمال کا شکر ادا نہیں ہو سکے گا۔

سمجھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع چاہے ظاہر ہو، چاہے باطنی، وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ کامل محبت کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ اعلیٰ درجے کی محبت کے بغیر ایمان ہی کامل نہیں ہوتا۔

اس بات کی تائید حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یوں فرمائی ہے کہ:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص بھی اُس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں (اُسے) اُس کے والد اور اس کی اولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ [1]

تو جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت اور کمالِ ایمان لازم وملزوم ہیں بعینہٖ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع بھی لازم وملزوم ہیں۔ جس شخص کے اعمال کو دیکھیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہیں تو سمجھ لیں کہ اُسے محبتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دولت حاصل ہے لیکن کوئی دوسرا شخص جو صبح وشام محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نعرے لگاتا پھرے لیکن عمل سے کورا ہو تو وہ دراصل محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے محروم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی اُمت پر شفقت فرماتے ہوئے ہر تقویٰ دار مسلمان کو اپنی آل میں شامل کیا ہے چاہے وہ سیّد ہو یا غیر سیّد، لیکن سادات کو چونکہ حضور

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ساتھ نسبی تعلق بھی ہے اس لئے یہ بات سمجھنا عقلاً بھی دشوار نہیں کہ غیر سادات سے کہیں زیادہ سادات کو شرع کا پابند ہونا چاہیئے۔ قابلِ تردید وہی سیّد ہیں جو خود اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے احکامات کو دل وجان سے مان کر ان پر عمل بھی کرتے ہوں اور کم از کم میراثِ صوری کے زیور سے تو آشنا ہوں۔ حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب اپنے والدِ گرامی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے جنت کی رفاقت کا سوال کیا تھا تو انہیں جواب ملا کہ ''سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرنا'' یعنی ظاہری شریعت پر عمل کو جنت میں داخلے کے ساتھ مشروط کیا گیا۔

پس سادات کو چاہیئے دیگر اُمت سے زیادہ سُنت کی پابندی کریں اگر یہ لوگ ہی میراثِ صوری کی دولت سے محروم ہو گئے تو میراثِ معنوی سے اُمت کو کیسے مستفید کریں گے؟ نیز میراثِ صوری اور میراثِ معنوی گویا دو پَر ہیں، جن کی مدد سے عالمِ بالا کی سیر کی جاتی ہے اگر ایک پَر موجود ہو اور دوسرا میسر نہ ہو تو پرواز ناممکن ہو جاتی ہے۔

مردی بسخاوت است کرامت بہ سجود

ہر کرا این دو نباشد عدمش بہ ز وجود

ترجمہ: مرد وہ ہے جو سخی ہو اور کثرتِ سجود کی وجہ سے صاحبِ کرامت ہو اور جس میں یہ دو چیزیں نہ ہوں، اُس کے لئے مَر جانا ہی بہتر ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو خاندانِ سادات کا فردِ فرید ہونے کی وجہ سے میراثِ معنوی کی تحصیل کی نصیحت فرما رہے ہیں، تاکہ وہ میراثِ صوری کے ساتھ ساتھ میراثِ

معنوی دونوں کے جامع قرار پائیں۔ ان دونوں وراثتوں کی تحصیل و تکمیل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت ظاہری اور متابعتِ باطنی پر موقوف ہے۔ اور متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات جملہ مامورات کے اکتساب اور جمیع منہیات سے اجتناب کا نام ہے، جو محبت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے بغیر متصور نہیں۔ غرضیکہ متابعتِ نبوی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کمال محبت کی فرع ہے۔

اہلِ طریقت نے وراثت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

وراثتِ صوری اور وراثتِ معنوی

وراثتِ صوری کا تعلق عالمِ خلق کے ساتھ ہے جبکہ وراثتِ معنوی عالمِ اَمر کے ساتھ مربوط ہے۔ وراثتِ کاملہ کا حامل وہی شخص ہو سکتا ہے جو وراثتِ صوری اور وراثتِ معنوی دونوں کا جامع ہو۔

بقول شاعر:

مردی بہ سخاوت است کرامت بہ سجود

ہر کرا ایں دو نباشد عدمش بہ زوجود

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۷۳، ۱۷۴)

[تو لازم و ضروری ہے کہ ساری ہمت احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں صرف کی جائے۔ اور اہلِ شریعت یعنی علماء و صلحاء کی تعظیم و توقیر کرنی چاہیئے اور شریعت کو رواج دینے میں کوشاں رہنا چاہیئے اور گمراہ فرقوں اور اہلِ بدعت کو ذلیل و خوار رکھنا چاہیئے۔

من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام۔

ترجمہ: جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔ [1]

---

[1] (المعجم الأوسط للطبرانی، ج ۷، ص ۳۵، الناشر: دار الحرمین -القاھرۃ)

مجمع الزوائد و منبع الفوائد میں ہے:

مَنْ مَشَى إِلَى صَاحِبِ بِدْعَةٍ لِيُوَقِّرَهُ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ۔

ترجمہ: یعنی جو کسی بدعتی شخص کی تعظیم کے لئے قدم بھرتا ہے وہ یقیناً عمارتِ اسلام کو مسمار کرنے کا مددگار بنتا ہے۔[1]]

تشریح

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لاَ يَقْبَلُ اللَّهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا ، وَلاَ صَلاَةً ، وَلاَ صَدَقَةً ، وَلاَ حَجًّا ، وَلاَ عُمْرَةً ، وَلاَ جِهَادًا ، وَلاَ صَرْفًا ، وَلاَ عَدْلاً ، يَخْرُجُ مِنَ الإِسْلاَمِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِينِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی بدعتی شخص کی نہ روزہ، نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ نفل (غرض کوئی بھی نیک عمل) اور نہ ہی کوئی فرض قبول کرتا ہے حتیٰ کہ وہ (بدعتی شخص) اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے، جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال دیا جاتا ہے۔[2]

[اور کفار کے ساتھ جو خدائے عزّوجلّ اور اس کے رسول پاک علیہ وعلیٰ الصلوات والتسلیمات کے دُشمن ہیں دُشمنی رکھنی چاہیئے اور ان کو ذلیل و خوار رکھنے میں کوشش کرنی چاہیئے اور کسی طرح بھی ان کو عزت کا مقام نہیں دینا چاہیئے۔ ان بدبختوں کو اپنی مجلس میں جگہ نہیں دینی چاہیئے اور ان کے ساتھ کوئی اُنس و پیار نہیں کرنا چاہیئے۔۔۔۔ اور حتی الامکان کسی معاملے میں بھی ان کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیئے۔ اور فرضاً ضرورت پڑ ہی جائے تو قضائے حاجت انسانی کی طرح ناپسندیدگی اور

---

[1] (مجمع الزوائدومنبع الفوائد، ج ا، ص ۱۸۸، الناشر: مكتبة القدسي، القاهرة)

[2] (سنن ابن ماجه، ج ا، ص ۳۴، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

مجبوری کی حالت میں ان سے حاجت بر آری کرنی چاہیئے۔ وہ راستہ جو آپ کے جدِ بزرگوار علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کی جنابِ قدس تک پہنچاتا ہے، یہی ہے۔ اگر اس راہ پر نہ چلا جائے تو اس جنابِ قدس تک پہنچنا دُشوار ہے اور بہت بعید ہے۔

كَيْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰى سُعَادَ وَدُوْنَهَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَهُنَّ خُيُوْفُ

ترجمہ: سُعادِ معشوقہ کی ملاقات کیسے نصیب ہو سکتی ہے، جبکہ میرے اور اس کے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور نشیب و فراز حائل ہیں۔

زیادہ کیا پریشان کرے۔

اندکے پیش تو گفتم غمِ دِل ترسیدم
کہ دِل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: میں نے تیرے آگے تھوڑا سا غمِ دل بیان کیا ہے، ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو گا ورنہ باتیں بہت ہیں۔]

تشریح

یاد رکھیں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کفار و منافقین اور ان کے طور طریقوں سے ظاہری اور باطنی طور پر نفرت کی جائے۔ انسان کو جس سے محبت زیادہ ہوتی ہے اسی کی اتباع کرتا ہے، اگر اس کے اعمال میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی کا رنگ نظر آتا ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کو عالمِ کُفر کے ساتھ اُلفت ومحبت ہے تبھی ان کی اتباع کر رہا ہے، چاہے زبان سے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دعوے ہی

کیوں نہ کر رہا ہو۔ عشقِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تو زبانی دعووں کا محتاج ہی نہیں، بلکہ عمل سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جن خوش نصیبوں کو اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دولت عنایت فرمائی ہے وہ تعظیم اور اکرام کے لائق ہیں، دُشمنانِ دین تو ذلت وخواری کے حق دار ہیں لیکن ہمارا عمل اس کے اُلٹ ہوتا ہے۔ ہم لوگ امراء اور رئیسوں کی تو حد درجہ کی عزت وتوقیر کرتے ہیں حالانکہ اُن کا کوئی بھی عمل سُنت کے مطابق نہیں ہوتا لیکن جن کی زندگیاں سُنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے رنگ سے رنگین ہوتی ہیں، انہیں کچھ حیثیت ہی نہیں دیتے بلکہ طرح طرح سے ان کے خلاف پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انصاف کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(دار المعرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطور بالا میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ کمال محبت کی علامت بیان فرمائی گئی ہے۔ دراصل جب تک بندۂ مؤمن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے معاندین اور شریعتِ مطہرہ کے مخالفین کے ساتھ بغض وعداوت کا اظہار نہیں کرتا۔۔۔۔ ان کے اعداء ومنکرین کو ذلیل وخوار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔۔۔ ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے اور انہیں اپنا ہم راز وصلاح کار بنانے سے اجتناب نہیں کرتا۔۔۔ تو وہ ایمان وقرب کی لذّات، دینِ اسلام کی برکات اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی توجہات سے محروم رہتا ہے۔

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر اعدائے اسلام کے ساتھ بفرضِ محال ایسا معاملہ پیش آجائے تو قضائے حاجت انسانی کی طرح کراہت واضطرار کے ساتھ اپنی ضرورت کو ان سے نکال لیناچاہیئے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے حصول کا مدار ترکِ دُنیاکو قرار دے رہے ہیں۔ لفظ دُنیا اسم تفضیل ادنیٰ کامؤنث ہے، جس کا معنی زیادہ قریب ہونے والی کے آتے ہیں۔ اہلِ لغت کے نزدیک اس عالمِ دُنیااس لئے کہاجاتاہے کہ یہ زوال کے قریب ہے۔

علمائے متکلمین ہر اس مخلوق کو دُنیاکہتے ہیں جو آخرت سے قبل وجود میں آئی، جبکہ صوفیائے کرام کے نزدیک دنیامال ودولت اور اہل وعیال کو نہیں کہا جاتا بلکہ دُنیاحق تعالیٰ سے غفلت کا نام ہے۔

حضرت مولاناروم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کویوں بیان فرمایا:

چیست دنیاازخداغافل بدن
نے قماش ونقرہ وفرزندوزن

صوفیائے کاملین کے نزدیک ترکِ دُنیاکایہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ظاہری آرائش وزیبائش اور اللہ تعالیٰ کی بے بہا نعمتوں سے منہ موڑ لیاجائے بلکہ ان کے نزدیک حق تعالیٰ کی یاد سے غفلت اور فکرِ آخرت کے ترک کا نام دنیا ہے۔ اگر دنیا کی خوبیوں اور نعمتوں کو آخرت کی حقیقی حیات کے لئے استعمال کیا جائے او اس استعمال سے نفسانی خواہشات کی تکمیل مقصود نہ ہوبلکہ احکامِ شرعیہ کی تعمیل

مقصود ہو تو اس صورت میں دُنیاوآخرت دونوں محمود ہیں۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً (البقرة ۲۰۱) سے عیاں ہے۔

اہلِ طریقت نے ترکِ دُنیا کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

ترکِ حقیقی اور ترکِ حکمی

ترکِ حقیقی یہ ہے کہ بقدرِ ضرورت کے علاوہ تمام مباحات کو ترک کر دیا جائے جو نہایت مشکل ہے اور یہ ترکِ دُنیا کی اعلیٰ قسم ہے۔

ترکِ حکمی یہ ہے کہ محرمات و مشتبہات سے اجتناب کیا جائے اور امور مباحہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یہ قسم بھی خصوصًا اس زمانہ میں بہت عزیز الوجود ہے۔ جیسے صاحبِ نصاب ہوتے ہوئے سال کے بعد اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ترکِ حکمی ہے۔

علاوہ ازیں دیگر اسلامی عبادات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں بھی ترک کا پہلو موجود ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اگر ترکِ دُنیا کُلی طور پر نہ ہو سکے تو ترکِ جُزوی کو ہی اختیار کر لیا جائے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

بقول شاعر:

ترکِ دنیا گیر تا سلطان شوی
ورنہ ہم چو چرخ سر گرداں شوی

علمائے راسخین اور صوفیائے کاملین کے نزدیک کمینی دنیا زہرِ قاتل اور متاعِ باطل ہے، اس لئے اس کی زیب وزینت اور حلاوت وطراوت پر فریفتہ شخص سحر زدہ اور فریب خوردہ ہے، فلہٰذا اس کا ترک ہی افضل واولیٰ ہے اور صوفیائے کرام کے ہاں اس کا ترک قربِ حق کی سیڑھی ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ تصوف وطریقت کا نصب العین تصفیۂ باطن، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ معاشرہ ہے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوات اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مطمع نظر رہا ہے۔ منکرین یورپ نے ان پاکباز شخصیات کے مجاہدات وریاضات اور ترکِ دُنیا کا غلط مفہوم لیا اور انہیں نفسیاتی اور ذہنی مریض یا دنیوی ذمہ داریوں سے مفرور قرار دے کر اپنی جہالت وحماقت کا ثبوت دیا ہے۔ حالانکہ صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہی وہ باکمال اور باہمت شخصیات ہیں جنہوں نے خلوت نشینی، عزلت گزینی اور مجاہداتِ شاقہ کے ذریعے اپنی اصلاح اور بعد میں مخلوقِ خدا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور لاکھوں قلوب میں اسلامی وروحانی انقلاب پیدا کر دیئے۔ اسی تصوف وطریقت کے حاملین کامیاب صوفیاء ہیں اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اسی جاندار، زندہ اور متحرک تصوف کے داعی ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۷۵ تا ۱۷۸)

مکتوب نمبر ۱۶۶

[محمد امین کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ چند روزہ ناپائیدار زندگی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس تھوڑی سی فرصت میں ذکرِ کثیر کے ساتھ جو نہایت ضروری اور اہم ہے مرضِ قلبی کے ازالہ کی فکر کرنی چاہیئے۔

مخدوم گرامی! کب تک اپنے منافعِ نفس کی خاطر ان کے حصول میں سرگرمی دکھاؤ گے۔ اور کب تک اپنے اوپر غم وغصہ کا اظہار کروگے۔ اپنے آپ کو اور تمام دوسروں کو مُردہ اور بے جان خیال کرنا چاہیئے، اور بے حِس وحرکت گمان کرنا چاہیئے۔

إِنَّکَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ (الزمر ۳۰)

ترجمہ: بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

نصِ قاطع ہے۔ اس تھوڑی فرصت میں ذکرِ کثیر کے ساتھ جو نہایت اہم اور ضروری ہے، مرضِ قلبی کے ازالہ کا فکر مند ہونا چاہیئے۔ اور باطنی مرض کا علاج ربّ جلیل کی یاد کے ساتھ اس تھوڑی سی مہلت میں اعظم مقاصد میں سے ہے۔ وہ دل جو غیرِ حق میں گرفتار ہے، اس سے خیر کی توقع کیا ہو سکتی ہے؟ وہ رُوح جو کمینی اور حقیر دُنیا کی طرف مائل ہے، نفسِ اَمارہ اُس سے بہتر ہے۔ اس طرف سے سراسر سلامتیٔ قلب۔ خلاصیٔ رُوح کا مطالبہ اور تقاضا ہے، اور ہم کوتاہ اندیش پورے طور پر روح وقلب کی گرفتاری کے اسباب حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ معاملہ بہت دور جاچکا ہے، کیا کیا جائے؟

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (النحل ۳۳)

ترجمہ: اور اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہ کیاہاں وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ظاہری ضعف و کمزوری کا کچھ فکر واندیشہ نہ کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ضعف صحت وعافیت سے تبدیل ہو جائے گا۔ راقم کا اس کا اطمینان ہے۔ فقراً (مجدد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پہنے ہوئے کپڑے کا آپ نے مطالبہ کیا تھا، پیرہن بھیج دیا گیا ہے۔ اسے پہنیں اور نتائج و ثمرات کے منتظر رہیں کہ یہ پیراہن کثیر البرکت ہے۔

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است

وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است

ترجمہ: جس نے اس بات کو بے اصل حکایت قرار دیا وہ خود بے کار ہے اور جس نے اسے حقیقت جانا وہ مرد ہے۔

ہر متبع ہدایت اور حضرت مصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہِ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کے پابند پر رحمت وسلامتی کا نزول ہوتا رہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ انسان ساری عمر خواہشاتِ نفس کو پورا کرنے میں فکر مند رہتا ہے۔ حالانکہ انسان کو تو اس بات پر فکر مند ہونا چاہیئے کہ اس فانی دُنیا سے جانے کے بعد میرے ساتھ آخرت میں کیا ہو گا؟ جب انسان کو اولاد، مال یا جان کی طرف سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو انسان بہت فکر مند ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دُعائیں مانگتا ہے کہ یا اللہ میں اولاد، صحت اور مال کے نقصان کی وجہ سے بہت پریشان ہوں میری امداد فرما مگر جب اس کو ان چیزوں کی وجہ سے لاحق پریشانی ختم ہو جاتی ہے تو پھر وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو بھول کر ان چیزوں پر غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے یہ نفسِ امارہ کی اطاعت ہے کہ انسان صحت اور مال پر خوش تو ہوتا ہے

مگر اس کا شکر ادا نہیں کرتا۔ جس طرح صحت نعمت ہے تو اس کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے جو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت اور اطاعت سے ادا ہوتا ہے اسی طرح مال کا شکر زکوٰۃ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے ادا ہوتا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ اپنے قلب کو غیر کی گرفتاری (اولاد، مال، جاہ وجلال کی محبت) سے آزاد کرے اور نفسِ امارہ پر مہربانی اور اس کی اطاعت کو چھوڑ کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کرکے اپنے قلب کو کُفر وشرک، غرور وتکبر، غیبت، چغلی، بہتان اور بدعت سے سلیم کرے، کیونکہ نفسِ امارہ پر مہربانی اور اطاعت کرنے کی وجہ سے نفس انسان کو بربادی کے دہانے پر لا کھڑا کرتا ہے اور اسی طرح انسان اپنی روح کو بدن کے پنجرے کی قید سے آزادی دلائے، جیسے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کنویں کی قید سے آزادی دلائی گئی۔ آپ بھی اپنے بدن کو جسے صوفیاء کرام نے کنویں سے اور روح کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعبیر کیا ہے آزادی دلائیں۔ جس طرح کہ اولیاء کرام نے اپنی رُوح کو بدن کی قید سے آزادی دلائی اور جو فیوضات عالمِ قُدس سے آتے ہیں صوفیاء کرام اُن پر خوش ہوتے ہیں اور یہ لوگ اپنے مال واولاد سب کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ اب ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا چاہیئے کہ ہم لوگ جو کہ اپنے آپ کو عالم اور صوفی بھی کہتے ہیں کیا کررہے ہیں۔ ہم تو اپنے مال واولاد کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ امیر تھے، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سارا مال اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اُس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے راستے میں خرچ کیا۔ اس بات سے ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح اپنا سارا مال خرچ کر دیں، کیونکہ ہم سب خرچ کر کے بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے، مگر کم از کم زکوٰۃ ادا کریں، قربانی، صدقہ، فطر اور اپنی نذر کو تو بجا لائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں تو مال و جائیداد اور سونے چاندی کی کمی تھی لیکن آج کل تو مال و جائیداد اور سونے چاندی کی فراوانی ہے، اس کے باوجود ہم لوگ اسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے اور اپنے نفس کی خوشی کے لئے چوری، رشوت، سُود اور غصب جیسے کسی بھی گناہ سے منہ نہیں موڑتے۔ اگر کسی نے اپنے نفس کو ذلیل وخوار کرنا ہے تو اُسے چاہیئے کہ دُنیا کی محبت کو دل سے نکال کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت کو اپنے دل میں جاگزین کرے۔ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت وصحابیت کے مقام کو پانے کے لئے بہت سے مراحل سے گزرنا پڑا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مال، جان اور اہل وعیال حتیٰ کہ سب کچھ اسلام کی خاطر قربان کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اگر میرا باپ یا بھائی کوئی بھی اسلام کے راستے میں میرے سامنے آیا تو میں اُن کا سر کاٹ دوں گا، سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسلام کی خاطر اپنے مال وجان اور اہل وعیال کی قربانی دینے کے لئے تیار تھے۔ مگر اسلام پر کسی قسم کی آنچ آنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ جبکہ آج کل ہر شخص حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت کا تو دعویدار ہے، مگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ایک سُنت پر بھی عمل کرنے کو تیار نہیں ہے، سوائے اس سُنت کے

کہ جس سُنت سے اس کے نفس کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور حال یہ ہے کہ ہم سے فرائض، واجبات اور بڑی بڑی سُنتیں ترک ہو رہی ہیں تو اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے نفس کو خوش نہ کریں بلکہ اپنی رُوح کو قفسِ بدن سے آزاد کریں تا کہ ہمیں قلبِ سلیم کا مرتبہ حاصل ہو۔

دوسری اہم بات جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں بیان کی ہے وہ ذواتِ فاضلہ ہے اور ذواتِ فاضلہ سے مُراد مُقربین الٰہی کے استعمال میں آنے والی اشیاء ہیں۔ مثلاً پگڑی، جُبہ، کپڑے، جوتے، چادر اور عصاء وغیرہ۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے محمد امین کو فرمایا ہے کہ آپ نے فقراء کے پہنے ہوئے کپڑوں کا مطالبہ کیا ہے تو وہ آپ کو بھیجے جا رہے ہیں، آپ ان کو پہنیں کیونکہ ان میں بہت خیر و برکات ہیں اور ان کا اَدب واحترام کریں۔

مگر آج کل بعض لوگ ذواتِ فاضلہ کی برکات سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ذواتِ فاضلہ میں کوئی کرامت اور خیر وبرکت نہیں بلکہ اس کو شرک کا عمل کہتے ہیں۔ خبردار جو لوگ ذواتِ فاضلہ سے منکر ہو جائیں تو اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ اہلِ سُنت وجماعت کی تعلیمات کے خلاف جارہے ہیں۔

کیونکہ قرآن عظیم الشان میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ موجود ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اپنے بھائیوں سے معلوم ہوا کہ ان کے والد حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نابینا ہو چکے ہیں تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا کہ:

اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ (۹۳) وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ (۹۴) قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ (۹۵) فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا (یوسف ۹۶)

ترجمہ: میرا یہ کرتا لے جاؤ اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو اُن کی آنکھیں کُھل جائیں گی اور اپنے سب گھر بھر (گھر والوں) کو میرے پاس لے آؤ، جب قافلہ مصر سے جدا ہوا یہاں ان کے باپ نے کہا بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سَٹھ (بہک) گیا، بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی (محبت) میں ہیں، پھر جب خوشی سنانے والا آیا اس نے وہ کُرتا یعقوب کے منہ پر ڈالا اسی وقت اس کی آنکھیں پھر آئیں۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مال مبارک کو بالک نہ کہو بلکہ اس کو اچھے اور نیک الفاظ سے یاد کرو، یعنی موئے مبارک، خرقۂ مبارک، عمامہ مبارک، عصاء مبارک اور نعلین مبارک وغیرہ کہا کرو۔ کیونکہ یہ سب چیزیں کثیر البرکت ہیں اور ان سے بہت سے نتائج و ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنے آپ کو فرقۂ معتزلہ سے پیوست نہ کریں کیونکہ ذواتِ فاضلہ یعنی تبرکات کے فیوض وبرکات سے انکار معتزلہ کا عقیدہ ہے بلکہ ہمیں چاہیئے کہ اس گمراہ فرقے کے عقائد سے دور رہیں۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذواتِ فاضلہ کی بات تو بہت بلند ہے، اگر کسی کامل و مکمل پیر کا عمامہ یا کُرتہ وغیرہ بھی کسی کے پاس ہو تو اسے بھی کثیر البرکت سمجھنا چاہیئے اور اس کے ساتھ بھی بے ادبی کا معاملہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اب اگر کوئی شخص اہل سنت وجماعت کے عقائد پر عمل کرتا ہو تو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے وہ قرآن عظیم الشان اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عین مطابق بیان فرمادیئے ہیں۔ کیونکہ یہ عقائد واقعی قرآن عظیم الشان اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عین مطابق ہیں۔ مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارش میں

جارہے تھے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی چادر مبارک دی اور یہ فرمایا کہ اسے اپنے سر پر کرلیں، جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی چار مبارکہ کو اپنے سر پر لیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھیگنے سے بچ گئیں اور چادر بھی گیلی نہ ہوئی، یہ ذواتِ فاضلہ کی ہی برکات تھیں جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا معجزہ تھا۔

لیکن اولیاء اللہ سے معجزہ نہیں بلکہ کرامات صادر ہوتی ہیں اگر کوئی شخص اولیاءاللہ کے تبرکات میں سے کوئی چیز تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھتا ہے یہ اس کے لئے فیوضات وبرکات کا باعث بن سکتاہے، ان کے فیوضات وبرکات سے وہی شخص مستفید ہوسکتاہے جو دل وجان سے ان کو مانتا ہو۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز امراض باطنیہ اور علل معنویہ سے آزادی اور ذاتی اغراض ونفسانی خواہشات سے رستگاری حاصل کرنے کی نصیحت فرمارہے ہیں تا کہ بندۂ مؤمن کو صفائے باطن اور قلبِ سلیم نصیب ہو جائے، جو شیخ کامل ومکمل کی توجہاتِ قدسیہ اور ذکرِ کثیر سے میسر ہوسکتے ہیں۔

وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقِتَادِ

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۱۸۲)

مکتوب نمبر ۱۶۷

[ہروی رام ہندہ کی طرف صادر فرمایا جس نے اس بلند مرتبہ گروہ کے ساتھ اخلاص کا اظہار کیا تھا۔

تمام جہانوں کے پروردگار کی عبادت کی ترغیب میں جو بے مثال و بے کیف ہے۔ اور ہندوؤں کے باطل خداؤں کی عبادت سے اجتناب کرنے کے بیان میں۔

آپ کے دونوں خط ملے۔ دونوں سے فقراً کی محبت اور اس بلند مرتبہ گروہ کی خدمت میں التجاء کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کسی کو اس دولت سے نوازیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ:

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو میگویئم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ترجمہ: میں نے شرطِ تبلیغ پوری کر دی ہے، آگے میری باتوں سے تو نصیحت پکڑے یا ملال محسوس کرے تیری مرضی۔

اچھی طرح جان اور آگاہ رہ کہ ہمارا اور تمہارا بلکہ تمام جہانوں کا آسمان ہوں یا زمینیں، علیین (ملائکہ) ہوں یا سفلیین (حیوانات) سب کا پروردگار ایک ہے۔ اور بے کیف و بے مثل ہے۔ وہ شبہ اور مانند سے منزہ ہے۔ شکل و مثال سے پاک و مبرّا ہے۔ کسی کا باپ یا فرزند ہونا اس ذاتِ پاک کے لئے محال ہے۔ اس کی ہمتائی اور اس جیسا ہونا اس بات اس کی اس بارگاہ میں کچھ گنجائش نہیں۔ مخلوق کے ساتھ اتحاد یا اس میں حلول اس ذاتِ سبحانہٗ کی شان کے لئے عیب اور نقص ہے۔ اس جنابِ قدس کے لئے کسی شے میں پوشیدہ ہونا اور کسی شے میں ظاہر ہونا قبیح ہے۔ وہ زمانہ میں نہیں کیونکہ زمانہ اس کی مخلوق ہے۔ اور وہ کسی مکان میں بھی نہیں، کیونکہ مکان بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس

کے وجود کا آغاز نہیں۔ اور اس کی بقا کی نہایت نہیں۔ جو بھی خیر و کامل ہے۔ اس ذاتِ سبحانہٗ کے لئے حاصل ہے۔ اور جو بھی نقص وزوال ہے وہ اس بلند ذات سے مسلوب اور دُور ہے۔ پس مستحق عبادت صرف وہی بلند ذات ہے، اور لائقِ پرستش بھی وہی سبحانہٗ وتعالیٰ ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اس مکتوب شریف میں اپنے مؤثر، حکیمانہ اور عارفانہ الفاظ سے دینِ مقدس اسلام کی طرف دعوت فرماتے ہوئے ایک ہندو کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بے مثل وبے مثال، مشابہت ومانند، اصل وفرع، مکان وزمان، ابتداء وانتہاء سے پاک ہے اور وہ ذات علیین وسفلین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس سب کا خالق ومالک ہے۔ الغرض عبادت کے لائق صرف اور صرف اسی سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس اپنے عارفانہ اور حکیمانہ الفاظ سے اس ہندو کی ذہنیت کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کی طرف مبذول فرمارہے ہیں اور اس کے ساتھ اس ہندو کو یہ سمجھارہے ہیں کہ آپ لوگ جس چیز کی عبادت کرتے ہیں وہ مثل ومانند، مکان وزمان، ابتداء وانتہاء وغیرہ کی حامل ہے اور اس کو آپ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے عقائد کی رُو سے اپنے عارفانہ اور حکیمانہ بیان کئے ہوئے الفاظ کی دلیل میں قرآن عظیم الشان کی آیت مبارکہ پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ (الشوریٰ ۱۱)

ترجمہ: اس جیسا کوئی نہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نہایت عارفانہ اور جامع ومانع انداز میں توحیدِ خالص کا تذکرہ فرمارہے ہیں جس سے نظریۂ توحید پر شکوک وشبہات اور اعتراضات واشکالات کے پڑے ہوئے سارے غبار چھٹ جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ سبحانہٗ ہر قسم کے علویّات وسفلیّات، حیوانات وجمادات ونباتات، عینیّت واتحاد، حلول ودخول اور کمون وبروز سے منزّہ اور وراء الوراء ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ٦) سے عیاں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کمون وبروز کی قدرے وضاحت کردی جائے تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ

کمون وبروز

لغت میں کمون کا معنی ہے پنہاں شدن یعنی پوشیدہ ہونا اور بروز کا معنی ہے بیرون آمدن وآشکار شدن یعنی باہر آنا اور ظاہر ہونا۔یعنی روح کے جسمِ اوّل سے استتار واختفاء اور جسمِ دوم میں اس کی تربیت وتکمیل کے لئے نہ کہ حس وحرکت کے اثبات کے لئے، اس(روح) کے ظہور کو کمون وبروز کہا جاتا ہے۔

صوفیاء کرام کو طاعت وعبادت وریاضت کی بدولت ایسا روحانی کمال وقدرت حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی ارواحِ مقدسہ کو دوسروں میں منتقل کرسکتے ہیں۔ اس دوران ان کے اجسامِ مبارکہ بھی صحیح وسالم رہتے ہیں۔ ایسا ممکن ہے بلکہ یہ امر واقع ہے جیسا کہ عروجی منازل میں مبتدی سالکین کی ارواح عالم بالا کی سیر کے دوران تجلیاتِ الٰہی سے شادکام اور ملائکہ سے ہم کلام ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

صورتش بر خاک وجاں در لامکاں

لامکانے فوق وہم سالکاں

جبکہ منتہی عارفین عالمِ خلق اور عالمِ بالا کے ساتھ بیک وقت منسلک ومربوط رہتے ہیں۔

کسی شاعر نے ان کی اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

جہاں رہتے ہیں ہم بیدم نہ ویرانہ نہ بستی ہے

نہ آزادی نہ ہوشیاری نہ چالاکی نہ مستی ہے

مظہر کمالات خفی و جلی حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ العزیز بروز وکمون کے متعلق یوں ارشاد فرماتے ہیں:

جس وقت بروز کی حالت عارف پر وارد ہوتی ہے وہ ایسا بڑا ہو جاتا ہے کہ نہایت وسعت کے سبب سے زمین وآسمان میں نہیں سماتا بلکہ زمین وآسمان اور عرش ومافیہا اس کے گوشۂ قلب میں سما جاتے ہیں۔ پس سپاہِ سلیمان (علیہ السلام) اس کے قلب میں کیا حقیقت رکھتی ہے؟ اور جس وقت کمون کی حالت عارف پر آتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ذرہ سے بھی چھوٹا پاتا ہے بلکہ کچھ بھی نہیں پاتا۔ [1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک چونکہ کمون وبروز کے متعلق مستقیم الاحوال مشائخ نے لب کشائی نہیں فرمائی کیونکہ اس سے ناقصین فتنہ وبلا میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آپ کے نزدیک کمون وبروز جائز نہیں۔۔۔

[1](تذکرۂ مشائخِ نقشبندیہ)

نیز یہ تناسخ سے مشابہت رکھتا ہے اس لئے آپ ارقام پذیر ہیں کہ:

اگر کوئی شیخِ کامل بروز و ظہور کے بغیر کسی مرید ناقص میں خداداد قدرت کے ساتھ اپنی صفاتِ کاملہ کو اس مرید میں منعکس کر دے اور اپنی توجہات قدسیہ اور التفات کریمانہ کو اس انعکاس میں ثابت وبر قرار رکھے۔ یہاں تک کہ مرید ناقص نقص سے کمال تک پہنچ جائے اور وہ اپنی عادات رذیلہ کو ترک کر کے صفاتِ حمیدہ کے ساتھ متصف ہو جائے تو کمون وبروز کچھ بھی درمیان میں نہیں آتا۔[1]

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے توجہاتِ قدسیہ اور التفاتِ کریمہ کے ذریعے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صورت وسیرت کے اعتبار سے جمالِ نبوت کا آئینہ دار بنادیا اور ہجرت کے موقع پر اہلِ مدینہ کے لئے آقا وغلام میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔[2]

* خواجۂ بے رنگ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز نے نانبائی کو توجہاتِ قدسیہ کے ذریعہ اپنی مثل بنادیا۔

* حضرت علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بروز وتناسخ میں فرق بیان کرتے ہوئے یوں ارقام پذیر ہیں:

پوشیدہ نہ رہے کہ حیاتِ دنیوی میں بعض بندگانِ خدا کو غایتِ صفاولطافت سے بعنایتِ ایزدی اس بات پر قدرت ہوتی ہے کہ باوجود کالبد ظاہری کی قید کے مختلف بدن کسب کر سکیں۔ پس موت کے بعد جب کہ یہ قید رفع ہو جاتی ہے اور طائرِ روح اس قفس سے آزاد ہو جاتا ہے۔ وہ دوسرے بدن کے کسب پر بطریقِ اولیٰ قادر ہیں، اسے بروز کہتے ہیں۔

---

[1] (مکتوبات شریفہ، دفتر دوم، مکتوب ۱۵۸)

[2] (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۵۵)

بروز وتناسخ میں فرق ہے۔ اہلِ تناسخ عموم ولزوم کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ کوئی روح نفیس ہو یا خسیس، مسلمان ہو یا کافر، انسان ہو یا حیوان کسی بدن سے جدا نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی دوسرا بدن اس کے واسطے تیار نہ ہو۔۔۔ تا کہ پہلے بدن سے نکلتے ہی دوسرے میں چلی جائے، بخلاف اہل بروز کے، کہ ان کے نزدیک نہ عموم ہے نہ لزوم۔۔۔ یعنی اس طائفہ کے نزدیک یہ کاملین سے خاص ہے اور وہ بھی بر سبیلِ لزوم نہیں۔ کیونکہ موت کے بعد کبھی بنابر مصلحت دوسرے بدن میں ظاہر ہوتے ہیں، خواہ وہ بدن اصلی دنیوی کی مثل ہو یا نہ ہو اور صورتِ بشری میں ہو یا نہ ہو اور پھر اتمامِ مطلوب کے بعد پسِ پردہ غائب ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ بروز وتناسخ میں فرق نہیں کرتے وہ اولیاء کرام پر بے جا اعتراض وطعن کرتے ہیں۔

تا چند کئی بباده نوشاں انکار

انکار مکن کہ نیست نیکو ایں کار

رندے کہ بود ز بادۂ عرفاں مست

زنہار بروطعنہ مکن صد زنہار [1]

بینہ

واضح رہے کہ اہل اللہ کی محبت ونیاز مندی کی کفار کے لئے بھی باعثِ اسلام اور حُسنِ خاتمہ کا مؤجب ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ہندو نعت گو شاعر دلورام کوثری بوقت نزع حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زیارت وملاقات وایمان سے مشرف ہوا۔۔۔ یوں اس کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔ ایسے ہی مکتوب الیہ ہردے رام ہندو جو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا محبّ ونیاز مند تھا کے

[1](تذکرۂ مشائخِ نقشبندیہ، ص ۸۵، مطبوعہ فضل نور اکیڈمی، ضلع گجرات)

متعلق بھی امیدِ واثق ہے کہ اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو گا۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیزٍ (إبراھیم ۲۰)

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۸۶ تا ۱۸۹)

[رام اور کرشن اور ان کی مانند اور جو ہندوؤں کے معبود ہیں سب ادنیٰ مخلوق ہیں اور انہیں ماں باپ نے جنا ہے، رام جسرت کا بیٹا ہے، اور لچھمن کا بھائی، اور سیتا (عورت) کا شوہر ہے۔

جب رام اپنی بیوی کی نگہداشت نہ کر سکا (بلکہ راون اس سے چھین کر لے گیا) تو وہ دوسرے کی کیا مدد کرے گا؟ عقلِ دور اندیش سے کام لینا چاہیئے، ان کی تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔ ہزاروں درجے شرم وعار کی بات ہے کہ کوئی تمام جہانوں کے پروردگار کو رام یا کرشن کے نام سے یاد کرے۔ یہ تو اس طرح ہے کہ کوئی عظیم الشان بادشاہ کو کمترین خاکروب کے نام سے یاد کرے۔ رام اور رحمٰن کو ایک خیال کرنا نہایت ہی بے عقلی کی بات ہے۔ خالق اور مخلوق ایک نہیں ہو سکتے۔ اور بے مثل ذات ممکن کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتی۔ رام اور کرشن کی پیدائش سے قبل پروردگارِ عالم کو رام و کرشن نہیں کہتے تھے۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد کیا ہوا کہ رام اور کرشن کا نام اس ذاتِ سبحانہٗ وتعالیٰ پر بولتے ہیں۔ اور رام اور کرشن کی یاد کو پروردگار کی یاد قرار دیتے ہیں۔ حَاشَا وَ کَلَّا ثُمَّ حَاشَا وَ کَلَّا (خدا کی پناہ پھر خدا کی پناہ)

ہمارے پیغمبر علیہم الصلوات والسلام قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار گزرے ہیں۔ انہوں نے مخلوق کو خالق کی عبادت کی ترغیب دی ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا ہے۔ اور اپنے آپ کو اس کا بندۂ عاجز سمجھا ہے۔ اور وہ اس ذاتِ تعالیٰ کی ہیبت وعظمت سے ڈرتے اور لرزتے رہے ہیں۔ اور ہندوؤں کے خداؤں نے مخلوقات کو اپنی عبادت کی ترغیب دی ہے۔ اور اپنے آپ کو اِلٰہ جانا ہے۔ اور اگرچہ وہ پروردگار کے قائل ہوئے ہیں لیکن اس کا اپنے اندر حلول واتحاد بھی ثابت کیا ہے۔ اور اسی

بنا پر مخلوق کو اپنی عبادت کی ترغیب دی ہے، اور اپنے آپ کو معبود گردانا ہے۔ اور بے تحاشا حرام چیزوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس گمان میں کہ الٰہ و معبود کے لئے کوئی شے ممنوع نہیں۔ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے، یہ لوگ اس قسم کے بے شمار تخیلاتِ فاسدہ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ بخلاف ہمارے پیغمبر علیہ الصلوات والتسلیمات کہ جس چیز سے انہوں نے مخلوق کو روکا ہے اس سے خود بھی اکمل واَتم طریقہ پر باز رہے ہیں۔ انہوں نے (عجز و تواضع) کے تحت اپنے آپ کو بھی دوسرے لوگوں کی طرح انسان ہی کہا ہے۔

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

ترجمہ: دیکھو راستے میں کس قدر فرق ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس ہندو کو تعلیم دی ہے کہ رام اور کرشن یا ان کی طرح آپ کے جتنے بھی معبود ہیں وہ سب کے سب مخلوق ہیں، کیونکہ ان کے ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچے وغیرہ جیسے تعلقات ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب معبود خود مخلوق ہیں اور مختلف رشتوں ناتوں میں بٹے اور جڑے ہوئے ہیں اور خود ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور رام کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی بیوی کو راون اس سے چھین کر لے گیا اور پھر اس کو بندر کی مدد کی ضرورت پیش آئی تو جو شخص اپنی بیوی کی حفاظت نہیں کر سکا اور بندر کی امداد کا محتاج ہوا تو اس جیسے جھوٹے معبود کی عبادت کرنے کا کیا مقصد اور کیا فائدہ ہے؟ بلکہ یہ سراسر جہالت اور بدبختی ہے اور اس کے برعکس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی کا محتاج نہیں اور نہ ہی ان جیسے کسی رشتے ناتے سے جڑا ہوا ہے۔

جیسا کہ قرآن عظیم الشان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (۱) اللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (الإخلاص ۴)

ترجمہ: تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

دوسری اہم بات جس کا تعلق عقائد سے ہے اور آج کل اپنے آپ کو پڑھا لکھا کہنے والے اس مسئلے میں گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں وہ یہ ہے کہ نصاریٰ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو گاڈ اور ہندو رام کہتے ہیں، کفار تو کفار ہیں مسلمان بھی سمجھتے ہیں کہ ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور ان سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی نام لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حالانکہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے والے بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں، کیونکہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اسماء اللہ قدیم ہیں اور اسماء اللہ میں سے کسی بھی اسم سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو پکارا جا سکتا ہے اور ان کے علاوہ جو اسم حادث ہو اس سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو پکارنا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اسماء اللہ کے علاوہ کسی دوسرے اسم سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو پکارنا جائز نہیں ہے تو پھر فارسی میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو خدا کا لفظ کہہ کر کیوں پکارا جاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کے لفظ کا معنی ہے ''خود آنے والا'' یعنی ایسا خُدا جو اپنی ذات وصفات میں کسی کا محتاج نہ ہو، لہٰذا یہ لفظ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی شان کے شایان ہے۔ لیکن رام تو حادث ہے اور رام سے مراد ایک انسان ہے اور یہ اسی کا نام ہے اور اس کا کوئی مفہوم و معنی بھی نہیں ہے اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو رام کہنا حرامِ قطعی ہے۔ اسی طرح گاڈ کے لفظ کو نصاریٰ اپنے چرچ میں موجود راہب کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں، اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو گاڈ کہنا بھی حادث اور حرامِ قطعی ہے۔

ہمیں چاہیئے کہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے وہ الفاظ استعمال کریں جو قدیمی ذات کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں اس لئے کہ جو ذات خود قدیم اور ازلی ہو اس کے لئے قدیمی اور اَزلی نام ہی استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ اسماء اللہ کی موجودگی میں ایسے غلط الفاظ کا استعمال کسی طرح عقلمندی نہیں ہے اور سراسر جہالت وگمراہی کا باعث ہے۔ ویسے بھی جب ہمارے پاس اپنے رَبّ کو پکارنے کے لئے بہترین اور اعلیٰ نام موجود ہیں تو پھر یہ کون سی عقلمندی ہے کہ انہیں ترک کرکے ایسے الفاظ کا استعمال کیا جائے جو کہ غیر مذہب لوگ اپنے خود ساختہ "خداؤں" کے لئے استعمال کرتے ہیں؟

ساری کائنات میں موجود چیزیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق اور وہ ان سب کا خالق ومالک ہے تو رام اور رحمٰن کی برابری ناممکن ہے رام اور کرشن کی پیدائش سے پہلے کسی نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو رام اور کرشن کے نام سے نہیں پکارا، اس لئے یہ نام حادث ہے اور اس کا کہنا حرامِ قطعی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب رام ایک بندر کی رہنمائی کے لئے محتاج ہے تو یہ مخلوق کا معبود کیسے ہو سکتا ہے؟

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الأعراف ١٨٠)

ترجمہ: اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام تو اسے ان سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے۔

اہلِ معنٰی کہتے ہیں کہ يُلْحِدُوْنَ فِيْ اَسْمَائِه کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے وہ نام رکھ دیئے ہیں جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے لئے اختیار نہیں کئے نہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کتاب میں آئے، نہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کسی حدیث میں۔ نیز کچھ عُلماء نے فرمایا

ہے کہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کا تفسیری مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے ناموں کے متعلق کج راہی اختیار کرتے ہیں اور شریعت نے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا جو نام نہیں بتایا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا وہ نام یاد رکھتے ہیں، ان کو چھوڑ دو، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ خود اُن کو سزا دے گا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہندوؤں میں تناسخ اور حلول کا عقیدہ مروج ہے، ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ رام اور ان کے دیگر بُتوں میں چھُپا ہوا ہے، اور ان کے بدن میں حلول کیا ہوا ہے اور ان کے بدن میں کمون وبروز کیا ہے، ہندوؤں کے کمون وبروز سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے مقام و مرتبہ سے کمون یعنی غائب ہو کر رام اور ان کے دیگر معبودانِ باطلہ میں بروز یعنی ظہور کیا (نعوذ باللہِ من ذلک) اسی لئے وہ رام اور دیگر معبودوں کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ کثرتِ جہل اور نادانی کی وجہ سے ہے ورنہ خدائے متعال کی اجسامِ خبیثہ سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے کہ وہ رام اور ان کے دیگر معبودوں میں حلول کرے۔ تَعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرًا

ہندوؤں میں تناسخ کا عقیدہ بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد ایک انسان کی رُوح نکل کر دوسرے انسان میں داخل ہو کر اس کی حیات کا سبب بنتی ہے۔ ان کے علاوہ بہتر (۷۲) میں سے روافض کے ایک فرقے میں بھی تناسخ کا عقیدہ موجود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی روح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پھونک دی اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی روح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں نمودار ہوئی یعنی شکل تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی مگر درحقیقت اس میں خدا تھا، اس عقیدے کو تناسخ کہا جاتا ہے اس کے علاوہ روافض کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تناسخ پانچ اشخاص یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور اہلِ بیت میں ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

بروز وکمون اور تناسخ کی اصطلاحات تصوف میں بھی استعمال ہوتی ہیں لیکن ان کا معنی و مفہوم ہندوؤں کے عقیدے سے جُدا ہے۔ تصوفِ اسلامی میں کمون سے مراد ہے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ وفعلیہ کی تجلیات کا عارف وصوفی کے بدن میں مخفی ہونا اور اگر وہی تجلیات کسی صوفی کے بدن میں ظاہر ہوں تو اسے برُوز کہا جاتا ہے۔

اب آئیں صوفیانہ تناسخ کی طرف۔ ایک کامل شیخ اپنی قوی روح کے اثرات کو اپنے لطائف سے مُرید کے لطائف میں داخل کرتا ہے تو اگر مریدِ صادق شریعتِ اسلامی کی اتباع کرنے والا ہو تو شیخ کی توجہات کے بعد اُس مرید میں اپنے شیخ کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ جس سے معلوم یوں ہوتا ہے کہ شیخ کی رُوح مُرید کے بدن میں سرایت کر چکی ہے، اسی کو تناسخ کہا جاتا ہے لیکن ایک کامل صوفی کو چاہیئے کہ وہ اپنی روح کو مُریدین کے اَبدان میں شامل کرنے کا نہ تو عمل کرے اور نہ ہی ایسا عقیدہ رکھے کیونکہ اس سے ہندو جوگیوں کی مشابہت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے عوام الناس کے عقائد خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ہندو مذہب کی دلائلِ عقلیہ کے ذریعے تغلیط فرما کر ہندو مکتوب الیہ کو دعوت اسلام دے رہے ہیں کہ ہندوؤں کے معبودانِ باطلہ کی باقاعدہ تخلیق و تولید ہوئی ہے، اس لئے وہ لائقِ عبادت اور قابلِ پرستش نہیں ہیں جبکہ حق تعالیٰ سبحانہٗ جسمی تولید و تخلیق اور ہر قسم کے اسمی شریک و سہیم سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ جیسا کہ آیاتِ کریمہ: لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (الإخلاص ۴) سے واضح ہے۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ رام اور رحمٰن، رام اور رحیم کو ایک جاننا خالق اور مخلوق کو ایک جاننا ہے حالانکہ حق تعالیٰ وسبحانہٗ مخلوق کے ساتھ ہر قسم کی مشابہت اور مماثلت سے پاک ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ ۱۱) سے عیاں ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کو معبودانِ باطلہ رام اور کرشن کے ناموں سے موسوم کرنا اور رام وکرشن کی یاد وذکر کو ذکر حق گردانا، شرکِ قبیح اور کفرِ صریح ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کو توقیفی اسماء سے ہی موسوم ویاد کرنا چاہیئے، جیسا کہ آیت کریمہ: وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا (الأعراف ۱۸۰) سے آشکارا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ جملہ انبیائے کرام علیہم الصلوات نے تمام انسانوں کو حق تعالیٰ کی وحدت مطلقہ اور احدتِ الٰہیہ کا درس دے کر عبادتِ الٰہیہ کی ترغیب اور غیر اللہ کی عبادت سے تہدید وترہیب دلائی ہے، جبکہ ہندوؤں کے مبلّغین اپنے آپ کو ہی معبود سمجھ کر مستحق عبادت بن بیٹھے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

یہاں انبیاء کرام علیہم الصلوات کی تعداد کے متعلق قدرے معلومات ہدیۂ قارئین ہیں:

انبیائے کرام علیہم الصلوات کی تعداد کے متعلق متعدد ومختلف احادیث واقوال ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

* عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَمِ الأَنْبِيَاءُ؟، قَالَ: مِائَةُ أَلْفٍ وَعِشْرُونَ أَلْفًا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم انبیائے کرام کتنے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک لاکھ بیس ہزار۔ [1]

* اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ سُئِلَ عَنْ عَدَدِ الْاَنْبِیَاۤءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ فَقَالَ مِائَۃُ اَلْفٍ وَّ اَرْبَعَۃٍ وَ عِشْرُوْنَ اَلْفًا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ مِائَتَا اَلْفٍ وَّ اَرْبَعَۃٍ وَ عِشْرُوْنَ اَلْفًا۔

یعنی آپ علیہ السلام سے انبیائے کرام علیہم الصلوات کی تعداد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، اور دوسری روایت میں ہے دو لاکھ چوبیس ہزار۔ [2]

* امام جلال الدین محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار انبیائے کرام مبعوث فرمائے۔ چار ہزار بنی اسرائیل سے اور چار ہزار دیگر اقوام سے اور بعض کتابوں میں ہے کہ ایک لاکھ انبیائے کرام بھیجے گئے۔

مذکورہ بالا مختلف اقوال کے پیشِ نظر امام العقائد حضرت علامہ عمر نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عقائدِ نسفی میں یوں ارقام پذیر ہیں:

قَدْ رُوِیَ بَیَانُ عَدَدِھِمْ فِیْ بَعْضِ الْاَحَادِیْثِ وَ الْاَوْلٰی اَنْ لَّا یُقْتَصَرَ عَلٰی عَدَدٍ فِی التَّسْمِیَۃِ وَ قَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: "مِنْھُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَ مِنْھُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ" وَ لَا یُؤْمِنُ فِیْ ذِکْرِ الْعَدَدِ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْھِمْ مَّنْ لَیْسَ مِنْھُمْ اَوْ یُخْرَجَ مِنْھُمْ مَّنْ ھُوَ فِیْھِمْ۔

یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوات کی تعداد بیان کرنے میں بعض احادیث روایت کی گئی ہیں۔ اولیٰ یہ ہے کہ معین عدد پر اقتصار واکتفاء نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ان میں سے

---

[1] (صحیح ابن حبان، ج ۲، ص ۷۷، الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ -بیروت)
[2] (شرح فقہ اکبر، ص ۵۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

بعض انبیاء کرام کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں سے بعض کا ذکر (قرآن مجید) میں آپ سے نہیں کیا۔ ان کی تعیین تعداد میں اطمینان نہیں ہے۔ اگر تعداد زیادہ بیان کر دی گئی تو ممکن ہے ان میں وہ داخل ہو جائیں جو انبیاء کرام میں سے نہ ہوں اور اگر تعداد تھوڑی بیان کر دی گئی تو ممکن ہے کچھ انبیائے کرام علیہم الصلوات ان میں سے خارج ہو جائیں۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے انبیائے کرام علیہم الصلوات کی تعداد متعین نہیں فرمائی بلکہ متن میں ''قریب'' کا لفظ لکھ کر متکلمین اہل سنت کے مؤقف کی تائید فرمائی ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ تقریباً پچیس انبیائے کرام علیہم الصلوات کے اسماء مبارکہ کی صراحت قرآن مجید میں مذکور ہے اور بعض انبیائے کرام علیہم الصلوات کے تذکار کتب احادیث و تفاسیر میں موجود ہیں، جیسے سیدنا یوشع بن نون، سیدنا خضر، سیدنا دانیال، سیدنا شمویل اور سیدنا حزقیل علیہم الصلوات۔

اس سلسلہ میں حضرت علامہ سید محمد آلوسی مجددی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مِنۡهُمۡ مَنۡ قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ (غافر ۷۸) میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے یوں ارقام پذیر ہیں:

أيا ما كان لا دلالة في الآية على عدم علمه صلى الله عليه وسلم بعدد الأنبياء والمرسلين عليهم الصلاة والسلام كما توهم بعض الناس۔

بہر حال اس آیہ کریمہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوات کی تعداد کا علم نہ تھا جیسے بعض لوگوں نے وہم کیا ہے۔[2]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۹۰، ص ۱۹۴)

---

[1](النبراس، ص ۲۸۱، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، ملتان)

[2](روح المعانی، ج ۱۲، ص ۳۴۰، الناشر: دار الکتب العلمیۃ - بیروت)

مکتوب نمبر ۱٦٨

[مخدوم زادہ الملکی یعنی خواجہ محمد قاسم کی طرف صادر فرمایا:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بلند مرتبہ ہونے اور اس جماعت کے حال کی شکایت کے بیان میں جنھوں نے اس طریقہ شریفہ کے ساتھ کئی طرح کی محدثات اور مخترعات لاحق کر دی ہیں اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَآلِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

بعد دعواتِ کثیرہ اور تحیاتِ نامحصورہ بعالیٰ جناب خلاصہ مشائخ کرام نتیجہ اولیاءِ عظام حضرت مخدوم زادہ راہِ حق پر مستقیم اللہ تعالیٰ اسے سلامتی اور عمر دراز عطا کرے اشتیاق و آرزومندی کا اظہار کرتا ہے۔

شعر:

کَیْفَ الْوُصُوْلِ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنَھَا
قُلَلُ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ خُیُوْفُ

ترجمہ: سُعاد (یعنی معشوقہ) کا وصال کس طرح ممکن ہے۔ جبکہ میرے اور اس کے درمیان پہاڑوں کی اونچی چوٹیاں اور نشیب و فراز حائل ہیں۔

حضرت مخدوم زادہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس بلند طریقہ کی بلندی اور طبقۂ نقشبندی کی رفعت التزامِ سُنت اور بدعت سے اجتناب کے باعث ہے۔ اس لئے اس بلند طریقہ کے اکابر نے ذکرِ جہر سے اجتناب فرمایا ہے، اور ذکرِ قلبی کی تلقین کی ہے۔ اور سماع، رقص، وجد و تواجد سے جو آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے زمانہ میں نہیں تھا، منع کیا ہے، اور خلوت نشینی و چلہ کشی جو زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں نہیں تھی اس کے بجائے خلوت در انجمن کو اختیار کیا

ہے۔ تو لازماً اس التزام وپابندی پر نتائجِ عظیمہ مرتب ہوئے ہیں۔ اور بدعت سے بچنے پر ثمراتِ کثیرہ حاصل ہوئے ہیں۔ اسی بنا پر یہ بات ہے کہ دوسروں کی نہایت ان کی بدایت میں درج ہے۔ اور ان کی نسبت دوسروں کی نسبتوں سے فائق واعلیٰ ہے۔ ان کا کلام امراضِ قلبیہ کے لئے دوا اور ان کی نظر عللِ معنویہ سے شفا بخشتی ہے۔ اور ان کی اعلیٰ توجہ طالبوں کو کونین کی گرفتاری سے نجات عطا کرتی ہے۔ اور ان کی بلند ہمت مُریدوں کو پستی امکان سے بلندی وجوب تک پہنچاتی ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
از دلِ سالک رہ جاذبہ صحبتِ شاں
میبرد وسوسہ خلوت و فکرِ چلہ را

ترجمہ: نقشبندی بزرگ عجب قافلہ سالار ہیں، جو پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔ سالکِ راہ کے دل سے ان کی صحبت کا جاذبہ وسوسہ خلوت اور فکرِ چلہ کو مٹا دیتا ہے۔

لیکن اس زمانہ میں کہ یہ نسبت شریفہ عنقائے نایاب کی طرح ہو چکی ہے۔ اور اپنا چہرہ پوشیدگی میں چھپا چکی ہے اسی طبقہ کی ایک جماعت نے اس دولتِ عظمٰی اور نعمتِ قصویٰ کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور ان نفیس موتیوں کے عوض چند ٹھیکریوں پر خوش ہو چکے ہیں۔ اور بچوں کی طرح اخروٹ ومنقا کے ساتھ آرام پذیر ہو چکے ہیں۔ انتہائی اضطراب وحیرانی کے باعث اکابر کا طریقہ چھوڑ کر کبھی ذکرِ جہر سے تعلق پکڑتے ہیں اور کبھی سماع ورقص سے آرام حاصل کرتے ہیں۔ اور انجمن میں ان کو خلوت میسر نہیں آئی تو انہوں نے چالیس روزہ خلوت کے چلّے اختیار کئے۔ عجب تر بات یہ ہے کہ ان بدعات کو اس نسبتِ شریفہ کا متمم ومکمل گمان کرتے ہیں۔ اور اس

تخریب کو عین تعمیر شمار کرتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان کے کمالات کا ایک شمّہ ہی ان کی جانوں کے دماغ تک پہنچائے۔ ںٓ اور صٓ کی برکت اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور ان کی آلِ پاک کی حُرمت کے صدقہ سے اور جبکہ ان بدعات و محدثات نے جو اس علاقہ میں پھیل چکی ہیں، اس حد تک اکابر کے اصل طریقہ کو پوشیدہ کر دیا ہے۔ اور وہاں کے ہر شریف وکمینہ نے نئی اور جدید وضع اختیار کر لی ہے۔ اور اصل اور قدیم راستہ سے رو گردان ہو چکے ہیں۔ دل میں گزرا کہ اس کا کچھ تھوڑا ماجرا اس بلند آستانہ کے خادموں کی خدمت میں اظہار کرے۔ اور اس وسیلہ وبہانہ سے اپنے دردِ دل کو باہر پھینکے۔ مجھے معلوم نہیں کہ مخدوم زادہ کی مجلس میں کون سا گروہ ہوتا ہے، اور مونسِ محفل کون سا فرقہ ہے۔

خوابم بشد از دیدہ دریں فکرِ جگر سوز

کاغوش کہ شد منزل وآسائش خواہت

ترجمہ: اس جگر سوز فکر میں میری نیند اُڑ گئی ہے کہ تیری منزل اور تیری آسائش بھری نیند کا مقام کس کی آغوش میں ہے۔

اللہ سبحانہٗ سے التجاء ہے کہ وہ آپ کی جنابِ قدس کو اس ہر جگہ پھیلی ہوئی وَبا سے محفوظ رکھے۔ اور اس ابتلاء وآزمائش سے متاثر ہونے سے آپ کے آستانہ شریف کو بچائے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس طریقہٗ عالیہ نقشبندیہ کے فضائل اور دوسرے سلاسل کی نہایت اس سلسلہ کی بدایت میں درج ہونے اور اس سلسلہ کی نسبت، دوسروں کی نسبتوں سے فائق واعلیٰ ہونے کے بارے میں بیان فرما رہے ہیں۔ اس سے کوئی یہ بات اخذ نہ کرے

کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہُ الاقدس ذکرِ جہر یابقیہ تینوں سلاسل کے مخالف ہیں۔ کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود بھی ابتداء میں طریقہؑ قادریہ میں مُرید تھے اور پھر طریقہؑ چشتیہ میں بھی خرقہؑ خلافت حاصل کیا ہے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سلاسل میں ذکرِ جہر بھی کیا ہے اور ذکرِ جہر کی فضیلت احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔

ترجمہ: تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔[1]

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ فَقَالَ: طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! کون سا شخص بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا خوش بختی ہے اس کے لئے جس کی عمر دراز ہوئی اور اس کے اعمال نیک ہوئے۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! کون سا عمل

---

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص۴۵۷، الناشر: شرکةمکتبةومطبعةمصطفی البابي الحلبي -مصر)

بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ کہ جب تم دُنیا سے جدا ہو تو تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تَر ہو۔ [1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا مقصد ذکرِ جہر سے منع کرنا نہیں، کیونکہ جب کوئی مسلمان قریب المرگ ہو تو اس کو بھی زبان سے لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تلقین کی جاتی ہے، جو کہ بذاتِ خود ذکرِ جہر میں شامل ہے۔ بلکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ذکرِ جہر کی بدعت نہ کریں۔ کیونکہ اگر کوئی اپنے آپ کو نقشبندی کہے اور وہ ذکرِ جہر کرے تو یہ سلسلہ نقشبندیہ میں احداث اور مخترعات کرنا ہے، یعنی نقشبندیہ کا شیخ یا سالک ذکرِ جہر نہیں، بلکہ ذکرِ قلبی کرے اور اگر کوئی شخص سلسلہ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ سے منسلک ہے تو وہ ذکرِ جہر کرے نہ کہ ذکرِ خفی۔ کیونکہ جو صوفی کسی سلسلہ میں احداث و مخترعات کرتا ہے اس پر اس سلسلہ کا فیض منقطع ہو جاتا ہے۔ ہر شیخ و سالک کو بچوں کی طرح منقّی واخروٹ پر خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ یعنی معمولی سی کیفیت پر اکتفا اور غرور نہیں کرنا چاہیئے بلکہ نفیس موتیوں یعنی بہتر سے بہتر کی تلاش کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللہَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بلند (ہمت والے) کاموں کو پسند کرتا ہے۔ [2]

جہاں تک طریقہ عالیہ نقشبندیہ سے منسلک لوگوں کے اذکار کا معاملہ ہے تو وہ بھی سب غلط طریقہ ہے، کیونکہ یہ بات طے ہے کہ نقشبندی سالکین ذکرِ خفی کریں گے۔

---

[1] (شرح السنة للبغوی، ج۵، ص ۱۶، الناشر: المكتب الإسلامي -دمشق، بيروت)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج۳، ص ۱۳۱، دار النشر: مكتبة ابن تيمية -القاهرة)

الذكر بالقلب والروح والنفس وغيرها (سِرٌ، خَفِيٌ، اِخْفٰی وَقَالِبِیْ) الذي لا مدخل فيه للسان وهو الذكر الخفي الذي لا يسمعه الحفظة۔

ترجمہ: قلب، روح اور نفس وغیرہ (یعنی سِر، خفی، اخفٰی اور قالبی) کے ساتھ ایسے طریقے سے ذکر کرنا جس میں زبان کا کوئی عمل دخل نہ ہو ذکرِ خفی کہلاتا ہے اور یہ وہ ذکر ہے جسے کراماً کاتبین بھی نہیں سُن سکتے۔[1]

جب یہ طے ہے کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ وسالکین قلب، روح، سِر، خفی، اخفٰی، نفسی اور قالبی کے لطائف کے ساتھ ذکرِ خفی کریں نہ کہ ذکرِ جہر اور سماع ور قص وغیرہ۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: خَیْرُ الذِّکْرِ الْخَفِيُّ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو۔[2]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لِفَضْلِ الذِّکْرِ الْخَفِيِّ الَّذِي لَا یَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعُونَ ضِعْفًا، إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، وَجَمَعَ اللهُ الْخَلَائِقَ لِحِسَابِهِمْ، وَجَاءَتِ الْحَفَظَةُ بِمَا حَفِظُوا وَكَتَبُوا، قَالَ لَهُمْ: انْظُرُوا هَلْ بَقِيَ لَهُ مِنْ شَيْءٍ؟ فَيَقُولُونَ: مَا تَرَكْنَا شَيْئًا مِمَّا عَلِمْنَاهُ وَحَفِظْنَاهُ إِلَّا وَقَدْ أَحْصَيْنَاهُ وَكَتَبْنَاهُ، فَيَقُولُ اللّٰہُ: إِنَّ لَکَ عِنْدِي حَسَنًا لَا تَعْلَمُهُ وَأَنَا أَجْزِیکَ بِهِ، وَهُوَ الذِّکْرُ الْخَفِيّ۔

---

[1] (التفسير المظهری، ج٣، ص ٣٦٢، الناشر: مكتبة الرشدية -الباكستان)

[2] (مسند احمد، ج ١، ص ١٧٢، الناشر: عالم الكتب -بيروت)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس ذکرِ خفی کا اجر جسے کراماً کاتبین بھی نہ سُن سکیں، وہ ستر گنا ہے، جب قیامت کا دن ہو گا اور اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو حساب وکتاب کے لئے جمع کرلے گا اور کراماً کاتبین اپنے لکھے اور محفوظ کئے ہوئے کو حاضر کرلیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا دیکھو کیا تمہارے پاس اس کے کچھ مزید اعمال ہیں؟ وہ کہیں گے نہیں، جو کچھ ہم نے جانا اور معلوم کیا ہم نے سب لکھ کر محفوظ کر لیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ (اس سے) فرمائے گا میرے پاس آپ کی ایک ایسی نیکی ہے جسے آپ بھی نہیں جانتے اور میں آپ کو اس کا اَجر دوں گا اور وہ ذکرِ خفی ہے۔[1]

دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

انَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔[2]

حضرت شیخ غنی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

لَا يَتَصَوَّرُ هٰذَا اِلَّا ذِكْرُ بِالْقَلْبِ۔

ترجمہ: ذکرِ قلبی کے بغیر اس (ذکر) کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔[3]

آج کل طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں بعض نا سمجھ اور مبتدع لوگوں نے سالکین سے چالیس روزہ چلّے شروع کروا رکھے ہیں اور سالکین سے کہتے ہیں کہ ان چالیس ایام میں مخلوقِ خدا سے مکمل طور پر کنارہ کش رہیں اور کبھی سالکین کو سماع ورَقص کی دعوت و تلقین کرتے ہیں۔ لیکن حضرت مجدد الف

---

[1](مرقاۃ المفاتیح، ج ۲، ص ۴۳۶، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

[2](صحیح البخاری، ج ۲، ص ۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[3](حاشیہ سنن ابن ماجہ، ص ۲۶)

ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ان سب کاموں کو بدعت در طریقت فرمایاہے اور فرمایا کہ اگر کوئی خلوت کرنا چاہے تو وہ خلوت در انجمن کرے نہ کہ مخلوقِ خدا سے کنارہ کشی اختیار کرے۔ یعنی مجلس میں بیٹھ کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے زمانۂ مبارکہ میں کسی نے گوشہ نشینی اختیار کرنے کا عمل نہیں کیا۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز طریقتِ نقشبندیہ کی فضیلت اور مشائخِ نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ چونکہ یہ سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت، خلفائے راشدین کی سنت کے ساتھ بالخصوص اور دور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بالعموم گہری مناسبت کی بناء پر بعینہٖ صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔[1] اور خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔[2] سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زیارت وصحبت کی بدولت ابتداءً ہی وہ کمالات وبرکات نصیب ہو جاتی تھیں، جو اولیائے کاملین کو نہایت میں بھی کم ہی میسر ہوتے ہیں۔

خلیفۂ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت وزیارت اور القائے فیض، اعطائے نسبت سے ممتاز ومخصوص ہیں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی

---

[1] (مشكل الآثار، ج٣، ص ٢٢٣، الناشر: مؤسسة الرسالة)

[2] (صحيح البخاری، ج٢٠، ص ٥٤، المكتبة الفاروقية)

علیٰ صاحبہا الصلوات: مَا صَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا وَ صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ۔[1] سے عیاں ہے، اس لئے سلسلۂ نقشبندیہ آپ کی نسبت صدیقی کی بدولت جملہ سلاسل سے فوقیت وفضیلت رکھتا ہے۔

مطلق ذکر عبادت ہے خواہ سری ہو یا جہری جبکہ ریا کے اختلاط سے پاک ہو اور ذکر بندۂ مؤمن کے لئے ایسی نعمتِ کبریٰ ہے جس میں اس کی فوز وفلاح کا راز مضمر ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ (العنکبوت ۴۵) اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا (الأحزاب ۴۱) سے عیاں ہے۔

* مشائخ نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ذکرِ جہر کی بجائے ذکرِ خفی سری کی ترجیح وفضیلت کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ذکرِ جہر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے علیٰ سبیل المواظبت بالالتزام ثابت نہیں ہے۔

عارف باللہ حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَالْاَصْلُ فِی الْاَذْکَارِ اَلْاِخْفَاءُ وَالْجَھْرُ بِہٖ بِدْعَۃٌ فَاِذَا وَقَعَ التَّعَارُضُ فِی الْجَھْرِ یُرَجَّعُ الْاَقَلُّ وَیَدُلُّ عَلٰی کَوْنِ ذَاکِرِ السِّرِّ اَفْضَلُ وَمَجْمَعًا عَلَیْہِ مِنَ الصَّحَابَۃِ مَنْ تَبِعَھُمْ قَوْلُ الْحَسَنِ اَنَّ بَیْنَ دَعْوَۃِ السِّرِّ وَدَعْوَۃِ الْعَلَانِیَۃِ سَبْعُوْنَ ضِعْفًا۔

یعنی اذکار میں اصل اخفاء ہے اور جہر بدعت ہے، جب جہر میں تعارض پایا گیا تو اخفاء ترجیح یافتہ ہو گا اور یہ امر اس بات پر دال ہے کہ سری ذکر کرنے والا افضل ہے اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے۔ ان کی اتباع میں حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ سری دعاء اعلانیہ دعاء سے ستر درجے افضل ہے۔۔۔

---

[1](فصل الخطاب، ص ۱۵۷)

مزید تحریر فرماتے ہیں:

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی اَنَّ الذِّکْرَ سِرٌّ هُوَ الْاَفْضَلُ وَالجَهْرُ بِالذِّکْرِ بِدْعَةٌ اِلَّا فِیْ مَوَاضِعَ مَخْصُوْصَةٍ مَسَّتِ الْحَاجَةُ فِیْهَا اِلَی الْجَهْرِ بِه کَالْاٰذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَتَکْبِیْرَاتِ التَّشْرِیْقِ وَتَکْبِیْرَاتِ الْاِنْتِقَالِ فِی الصَّلٰوةِ وَالتَّسْبِیْحِ لِلْمُقْتَدِیِّ اِذَا نَابَ نَائِبُهٗ وَالتَّلْبِیَّةِ فِی الْحَجِّ وَنَحْوِ ذَالِکَ۔

یعنی علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ذکرِ سری افضل ہے اور ذکرِ جہری بدعت ہے، لیکن مخصوص مقامات پر جبکہ ذکرِ جہری کی ضرورت ہے جیسے اذان، اقامت، تکبیراتِ تشریق، نماز میں تکبیرات، مکبّر کا نیابتِ امام میں تسبیح کہنا اور تلبیہ حج وغیرہا۔[1]

ذکر کے مراتبِ ثلاثہ

عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کے تین مراتب تحریر فرمائے ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ الذِّکْرَ عَلٰی ثَلَاثَةِ مَرَاتِبٍ اَحَدُهَا الْجَهْرُ وَرَفْعُ الصَّوْتِ بِهَا وَذَالِکَ مَکْرُوْهٌ اِجْمَاعًا اِلَّا اِذَا دَعَتْ اِلَیْهِ دَاعِیَةٌ وَاقْتَضَتْهُ حِکْمَةٌ فَحِیْنَئِذٍ قَدْ یَکُوْنُ اَفْضَلُ مِنَ الْاِخْفَاءِ کَالْاٰذَانِ وَالتَّلْبِیَّةِ۔۔۔ إلخ۔

مرتبۂ اولیٰ

یعنی ذکر کے تین مرتبے ہیں ان میں اولاً ذکر بالجہر جو بآواز بلند کیا جاتا ہے یہ اجماعًا مکروہ ہے، البتہ جب کوئی مصلحت وضرورت اور اقتضائے حکمت ہو تو اس صورت میں ذکر بالجہر ذکر خفی سے افضل ہوتا ہے، جیسے اذان اور تلبیہ وغیرہا۔ شاید صوفیائے چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے مبتدی سالک

---

[1] (التفسیر المظھری، ج۳، ص ۳۶۱)

کے لئے اقتضائے حکمت کی خاطر ذکر بالجہر کو اختیار فرمایا ہے تاکہ شیطان مطرود ہو جائے۔۔۔سالک غفلت ونسیان سے محفوظ ہو جائے۔۔۔ اور اس کے قلب میں آتشِ عشق شعلہ زن ہو جائے۔۔۔ لیکن ان کے نزدیک بھی ریاکاری اور نمود و نمائش سے احتراز شرط ہے۔

مرتبۂ ثانیہ

اَلذِّکْرُ بِاللِّسَانِ سِرًّا وَھُوَ الْمُرَادُ بِقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

یعنی ذکر باللسان سری ہے(زبان سے آہستہ آواز کے ساتھ ذکر کرنا)۔

ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات: لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔[1] (تیری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رہے) دوسری روایت میں: قِیلَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ تَعَالَی۔[2] (عرض کی گئی کون سا عمل سب سے افضل ہے؟۔۔۔ فرمایا یہ کہ تو دُنیا سے رخصت ہو رہا ہو اور تیری زبان ذکر الٰہی سے تر ہو) سے یہی ذکر مراد ہے۔

مرتبۂ ثالثہ

الذكر بالقلب والروح والنفس وغيرها الذي لا مدخل فيه للسان وهو الذكر الخفي الذي لا يسمعه الحفظة۔

یعنی وہ ذکر جو قلب، روح اور نفس وغیرہ دیگر لطائف کے ساتھ ہے، جس میں زبان کا کوئی دخل نہیں ہو تا وہ ذکرِ خفی ہے جسے ملائکہ حفظہ بھی نہیں سُنتے۔[3]

---

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص۴۵۷، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر)
[2] (تفسیر البغوی، ج۱، ص۱۸۵، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)
[3] (التفسیر المظهری، ج۳، ص۲۶۲، الناشر: مكتبة الرشدية -الباكستان)

* ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ (الأعراف ۲۰۵)

یعنی اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو۔

* دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (الأعراف ۵۵)

یعنی اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔

* حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ۔

سب سے بہتر ذکر خفی ہے۔[1]

* حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ایک مقام پر یوں فرمایا:

لِفَضْلِ الذِّكْرِ الْخَفِيِّ الَّذِي لَا يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعُونَ ضِعْفًا۔

یعنی ایسا ذکر خفی جس کو کوئی نہ سُنے (وہ ذکر جہری سے) ستر درجے فضیلت رکھتا ہے۔[2]

* ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، يُفَضِّلُ الذِّكْرَ الْخَفِيَّ الَّذِي لا يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ، سَبْعِينَ ضِعْفًا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ایسا ذکرِ خفی جسے ملائکہ حفظہ بھی نہ سُن سکیں ذکرِ جہر سے ستر درجے افضل قرار دیتے تھے۔[3]

---

[1](مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۸۱، الناشر: مكتبة القدسي، القاهرة)

[2](مرقاة المفاتيح، ج ۲، ص ۴۳۶، الناشر: دار الفكر، بيروت-لبنان)

[3](مسند أبي يعلى، ج ۸، ص ۱۸۲، الناشر: دار المأمون للتراث-دمشق)

علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

قلت ھذا الحدیث و ان کان دالا علی افضلیۃ الذکر الخفي۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ذکرِ خفی کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔[1]

٭ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَی کُلِّ أَحْیَانِہِ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔[2]

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ عبد الغنی دہلوی محدث مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انجاح الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ میں رقم طراز ہیں:

قَوْلُہٗ کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ۔۔۔إلخ لَا یُتَصَوَّرُ ھٰذَا الذِّکْرُ اِلَّا بِالْقَلْبِ۔

یعنی دائمی ذکر کا قلبی ذکر کے بغیر تصور ہو ہی نہیں سکتا۔[3]

یقیناً ذکر باللسان فی کل احیان متصور نہیں، کیونکہ انسان یا تو حالتِ نیند میں ہوتا یا حالتِ بیداری میں۔ حالتِ نیند میں وہ ذکر باللسان سے غافل ہوتا ہے، یونہی بیت الخلاء میں قضائے حاجت کے وقت ذکر باللسان مکروہ ہے، بخلاف ذکرِ قلبی کے کیونکہ حق تعالیٰ کے ساتھ قلب کا تعلق حالتِ نوم اور حالتِ بیداری دونوں میں برابر ہوتا ہے۔

٭ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تلاوت قرآن بآواز اخفاء و جہر پر تبصرہ کرتے ہوئے قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز یوں تحریر فرماتے

---

[1] (التفسیر المظھری، ج۳، ص ۳۶۲، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ -الباکستان)

[2] (سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۲۰۲، الناشر: دار الرسالۃ العالمیۃ)

[3] (حاشیہ ابن ماجہ، ص ۲۶)

ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تلاوت بآواز بلند نشانِ مجاہدہ ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بآواز خفی نشانِ مشاہدہ ہے اور:

مقامِ مجاہدہ اندر جنب مقامِ مشاہدہ چون قطرہ بود اندر بحری۔

مقامِ مجاہدہ مقامِ مشاہدہ کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے قطرہ سمندر میں۔ [1]

بینہ

یہ امر مستحضر رہے کہ عہدِ رسالت، خلفائے راشدین کے دورِ خلافت اور دورِ صحابہ میں چلہ کشی، خلوت نشینی، سماع ور قص اور وجد و تواجد جیسے امور نہ تھے، بلکہ یہ بعد کے محدثات ہیں۔ اس لئے طریقۂ نقشبندیہ میں ان سے اجتناب اور سنت کے التزام کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے۔ طریقتِ نقشبندیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متابعت و مناسبت کی بناء پر روحانی ارتقاء اور قربِ خدا کا انحصار اتباعِ سُنت، تخریبِ بدعت اور شیخ کی محبت و زیارت پر ہے، جبکہ دیگر سلاسلِ طریقت میں باطنی ارتقاء اور طئ سلوک کا دار و مدار ریاضتوں، دہوں اور چلّوں پر ہے۔

سلطان العشاق حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہٗ العزیز نے کیا خوب کہا:

از دل سالک رہ جاذبۂ صحبت شاں
می بر د وسوسۂ خلوت و فکر چلہ را

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۱۹۸ تا ۲۰۴)

[ہمارے مخدوم ومکرم! لوگوں نے اس طریقہ عالیہ میں نئی نئی باتوں کو اس قدر رواج دے دیا ہے۔ کہ اگر مخالف لوگ یہ کہیں گے کہ اس طریقہ میں تو بدعت کی پابندی اور سُنت سے اجتناب

[1] (کشف المحجوب فارسی، ص ۶۸، مطبوعہ نوائے وقت پرنٹرز، لاہور)

ہے۔ تو انہیں یہ کہنے کی گنجائش ہے۔ نمازِ تہجد کو جمعیت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور اس بدعت کو سُنتِ تراویح کی طرح مسجد میں ادا کرتے ہیں اور رونق بخشتے ہیں۔ اور اس عمل کو نیک خیال کرتے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اسے مکروہِ تحریمہ کہا ہے۔ اور جب فقہاء نے کراہت کے لئے تداعی کو شرط قرار دیا ہے وہ اس نفل نماز کی جماعت کے جواز کو ایک گوشہ مسجد کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ اور تین سے زائد افراد کے اجتماع کو فقہاء نے بالاتفاق مکروہ کہا ہے۔ نیز اس طرح نمازِ تہجد کو تیرہ رکعت شمار کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر اور ان دو کو ایک کا حکم دیتے ہیں۔ یہ بات انہوں نے اس سے نکالی ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ملتا ہے۔ لیکن یہ علم و عمل بھی سُنت کے خلاف ہے۔ علیٰ صاحبہا الصلوات والتحیہ۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جو تیرہ رکعت ادا فرمائی ہیں وہ وتر کے ساتھ ادا فرمائی ہیں، اور رکعاتِ تہجد کا طاق ہونا وتروں کی رکعات کے طاق ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ اس طرح نہیں جو ان لوگوں کا گمان ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم

کہ دِل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: میں نے تھوڑا سا غمِ دل تیرے آگے بیان کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو گا ورنہ باتیں بہت ہیں۔

عجب ہے کہ ماوراء النہر کے شہروں میں جو علماء حق کا مرکز ہیں اس قسم کی بدعات رواج پا چکی ہیں اور اس طرح کی نئی نئی باتیں شائع اور عام ہو چکی ہیں۔ حالانکہ ہم فقیروں نے علومِ شرعیہ کو ان ہی علماء کی برکات سے استفادہ کیا ہے، اور کرتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ درست بات دل میں ڈالنے والا

ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اور تمہیں شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والسلام والتحیہ کے راستے پر ثابت رکھے اور جو بندہ اس پر آمین کہے اسے بھی اللہ اپنی رحمت سے نوازے۔]

تشریح

آج کل دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر مساجد میں نمازِ تہجد، صلوٰۃ تسبیح اور شبینہ باجماعت ادا کی جاتی ہے، حالانکہ یہ سب طریقہ ہائے کارِ بدعت ہیں کیونکہ فقہاء کرام نے اس سے منع فرمایا ہے۔ مگر اس کے باوجود لوگ اس عمل میں شوق وذوق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

(دار المعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نمازِ تہجد کو باجماعت ادا کرنے کی کراہت کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نمازِ تہجد کے فضائل وفیوضات بیان کر دیئے جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللہِ التَّوْفِیْق

نمازِ تہجد کے فضائل

جب اہلِ دنیا شب کی تاریکیوں میں خوابِ راحت کے مزے لوٹ رہے ہوتے ہیں تو دردِ محبت وفراق سے لاچار اور عشق ومستی سے سرشار کچھ مردانِ باخدا محبوب کے دیدار ووصال کے طلب گار نرم وگداز بستروں کو چھوڑ کر سراپا ادب ونیاز دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ کبھی اپنے پروردگار کے حضور قیام وقعود کرتے ہیں کبھی رکوع وسجود کرتے ہیں کبھی اپنے رحیم وکریم رب کی حمد وستائش کرتے ہیں، کبھی اس کی بارگاہِ بندہ نواز میں دست بدعا ہو کر اس کے فضل وکرم کی بھیک مانگتے ہیں۔

جیسا کہ آیہ کریمہ: وَالَّذِینَ یَبِیتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِیَامًا (الفرقان ٦٤) اور تَتَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (السجدة ١٦) سے عیاں ہے۔

بالا آخر اسی پیچ و تاب اور سوز وساز، فغانِ نیم شبی اور آہِ سحر گاہی کی بدولت رُخِ حقیقت سے نقاب اُلٹ اور چہرۂ محبوب سے حجاب سرک جاتے ہیں۔

مولانا روم مست بادۂ قیوم نے کیا خوب کہا:

چوں نشینی بر سرِ کوئے کسے

عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بود

جان مطلوبش بر او راغب بود

لفظ تہجد بروزن تَفَعُّلْ هُجُوْدٌ سے مشتق ہے اور ہجود لفظ عفا کی مانند اضداد میں سے ہے جو سونا اور بیدار ہونا دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ جیسے اِثْمْ کا معنی گناہ کرنا اور تَاَثُّمْ کا معنی ترک گناہ ہے۔ ایسے ہی هُجُوْدٌ کا معنی سونا اور تہجد کا معنی ترکِ نیند (جاگنا) ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمان: قِيَامُ اللَّيْلِ بَعْدَ النَّوْمِ سے یہی مفہوم واضح ہوتا ہے۔

نمازِ تہجد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر بطور فرض یا زائد عبادت لازم تھی جیسا کہ آیہ کریمہ: وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ (الإسراء ٧٩) سے عیاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تاحیاتِ ظاہری اس کا خصوصی اہتمام فرمایا اور اپنی اُمت کو بھی اس کے التزام کی تاکید فرمائی۔۔۔ اس لئے یہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات پر نفلِ

مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ذوقِ شب خیزی اور آہِ سحر گاہی سے بے بہرہ لوگ معرفتِ حق اور گنجِ سعادت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

ہر گنجِ سعادت کہ خداداد بحافظ

از یمن دعائے شب وورد سحری بود

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا:

عطار ہو،رومی ہو،رازی کہ غزالی ہو

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

جب بندۂ مؤمن کو تہجد گذاری اور اشکباری کی نعمتِ غیر مترقبہ نصیب ہوتی ہے تو مشاہدۂ محبوب اور وصلِ یار کی بدولت حسن وبرکات اور انوار و تجلیات اس کے چہرے سے عیاں ہوتے ہیں،جیسا کہ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ (الفتح ۲۹) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ۔[1] سے واضح ہے۔

بقول اقبال مرحوم:

چناں باذاتِ حق خلوت گزینی

ترااُو بیند واُو را تو بینی

بخود محکم گذار اندر حضورش

مشونا پید اندر بحرِ نورش

[1] (سنن ابن ماجه، ج ۲، ص ۳۵۸، الناشر: دار الرسالة العالمية)

چناں در جلوہ گاہ یار می سوز

عیاں خود را نہاں اُو را برافروز

نمازِ تہجد اہل اللہ کا شعار ہے اور بندۂ مؤمن کا افتخار ہے۔۔۔ نمازِ تہجد قضائے حاجات، کفارۂ سیئات، بلندیٔ درجات اور ظہورِ تجلیات کا حسین موقع ہے۔۔۔ نمازِ تہجد حصولِ قُرب اور رضائے الٰہی کا زینہ ہے۔۔۔ نمازِ تہجد وصلِ رحمٰن اور حصولِ انعام کا ذریعہ ہے۔۔۔ نمازِ تہجد محبت ومعرفت الٰہی کا گنجینہ ہے۔۔۔ نمازِ تہجد بندگی کا نشان اور مقربین کی پہچان ہے۔۔۔ نمازِ تہجد لقائے محبوب اور دیدِ مطلوب کا مؤجب ہے۔

عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں فرمایا:

رات پوے تے بے درداں نوں نیند پیاری آوے

درد منداں نوں تانگھ سجن دی ستیاں آن جگاوے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز طریقتِ نقشبندیہ کی فوقیت اور مشائخِ نقشبندیہ کی توجہاتِ قدسیہ کی برکات کا تذکرہ فرمارہے ہیں۔ دراصل خواجگانِ نقشبندیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت وتوجہ وکلام اس قدر قوی اور پر تاثیر ہوتی ہیں جن کی بدولت ان کے مریدین کے بطون کا تصفیہ اور نفوس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور وہ ہر ماسویٰ سے چھٹکارا حاصل کرکے توحیدِ عیانی، وصلِ عریانی اور تجلی ذاتی دائمی سے شادکام اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ العزیز نے خوب کہا:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالاراند

کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

مرورِ زمانہ، لوگوں کی کم ظرفی اور دوں ہمتی کی وجہ سے نسبتِ نقشبندیہ کبریتِ احمر کی مانند کمیاب، پوشیدہ اور عنقاء ہوگئی ہے۔ چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے نسبتِ نقشبندیہ کو عنقائے مغرب سے تشبیہ دی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عنقائے مغرب کے متعلق قدرے وضاحت کردی جائے تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

عنقاءِ مغرب ایک عجیب الخلقت اور مقطوع النسل دراز گردن پرندہ ہے جسے فارسی میں سیمرغ کہتے ہیں۔

چنانچہ روایت ہے:

اللہ تعالیٰ نے دورِ اول میں ایک پرندہ تخلیق فرمایا جسے عنقاء کہا جاتا تھا۔بلادِ حجاز میں اس کی نسل کثرت سے پائی جاتی تھی۔ وہ بچوں کو اُچک کر لے جاتا تو لوگوں نے قبیلہ بنی عبس کے سردار خالد بن سنان سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے اس کی انقطاعِ نسل کے لئے دعائے ضرر فرمائی، اس لئے وہ نابود ہوگیا۔ اب بزم گیتی میں محض اس کا نام باقی ہے۔[1]

بینہ

قطب الارشاد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ الغفار نسبتِ نقشبندیہ کی جامعیت و عظمت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

نسبتِ خواجگان قدس اللہ ارواحہم آں نسبت شریف کہ جامع جمیع نسبتہاست و خلاصہ و منتہائے مجموع طریقہاست۔

---

[1](کنز العمال، ج ۱۲، ص ۳۳۷)

یعنی نسبتِ خواجگان قدس اللہ ارواحہم وہ نسبتِ شریفہ ہے جو جمیع نسبتوں کی جامع ہے اور تمام طریقوں کا خلاصہ ومنتہا ہے۔[1]

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

خواجگانِ این سلسلہ علیّہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم بہر زراقی ور قاصی نسبت ندارند کارخانۂ ایشاں بلند است۔

اس سلسلہ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کسی مکار اور رقاص کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا کارخانہ بلند ہے۔[2]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک ایسی بدعت کا ذکر فرمارہے ہیں جو خلافِ سُنت ہی نہیں بلکہ رافع سُنت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مبتدعین نمازِ تہجد کی تیرہ رکعات کو یوں ادا کرتے ہیں کہ بارہ رکعات کھڑے ہو کر اور دو رکعتوں کو بیٹھ کر ادا کرتے تاکہ وہ ایک رکعت کے برابر ہو جائے اور اپنے اس فعلِ شنیع کی تائید حدیث پاک سے کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نمازِ تہجد کی صرف تیرہ رکعات ہی ادا نہیں فرمائیں بلکہ آپ نے بلحاظِ وقت و صحت وغیرہا کبھی تیرہ رکعات، کبھی گیارہ رکعتیں، کبھی نو رکعات اور کبھی سات رکعات ادا فرمائی ہیں جیسا کہ درج ذیل روایات مختلفہ سے ثابت ہے اور ان میں تین رکعتیں وتر ہیں چنانچہ ملاحظہ ہوں:

* عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم رات کو تیرہ رکعات ادا فرمایا کرتے تھے۔[1]

---

[1] (فقرات، ص ۳۸)

[2] (مکتوب نمبر ۲۴۳)

* عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنْ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نمازِ تہجد نو رکعات ادا فرمایا کرتے تھے۔[2]

* عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ وَعَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَا ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا ثَمَانٍ وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ۔

حضرت عامر شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرات عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صلوٰۃ لیل کے متعلق پوچھا تو ان دونوں نے فرمایا تیرہ رکعات۔۔۔جن میں سے آٹھ رکعات نمازِ تہجد ہوتیں اور تین رکعات وتر ہوتے۔[3]

* عَنْ عَائِشَةَ: "كَانَ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ، يَقْرَأُ فِي الْأُولَى: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَفِي الثَّانِيَةِ: بِقُلْ يَأَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَفِي الثَّالِثَةِ: بِقُلْ هُوَ اللّٰہُ أَحَدٌ" وَفِي رِوَايَةٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وتروں کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اعلیٰ، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور

---

[1](سنن ابن ماجه، ج ٢، ص ٣٨١، الناشر: دار الرسالة العالمية)
[2](سنن ابن ماجه، ج ٢، ص ٣٨٠، الناشر: دار الرسالة العالمية)
[3](سنن ابن ماجه، ج ٢، ص ٣٨٠، الناشر: دار الرسالة العالمية)

سورۂ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وتروں کی تین رکعات پڑھتے تھے۔ [1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں عرض گذار ہوئے:

حُدِّثْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَّکَ قُلْتَ صَلَاةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلَى نِصْفِ الصَّلَاةِ وَأَنْتَ تُصَلِّي قَاعِدًا قَالَ أَجَلْ وَلَكِنِّي لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ۔

یعنی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا آدھا ثواب ہوتا ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہاں لیکن میں تم جیسا کب ہوں؟ [2]

جبکہ دوسری حدیث میں اجر و ثواب کی جو صراحت فرمائی گئی ہے فھو ھذا:

مَنْ صَلَّى قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ۔ [3]

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۲۰۵ تا ۲۱۳)

---

[1] (مسند الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي رحمه الله تعالى، ج ۲، ص ۴۹۸، الناشر: المكتبة الإمدادية -مكة المكرمة)

[2] (صحيح مسلم، ج۴، ص ۸۳، المكتبة الفاروقية)

[3] (صحيح البخارى، ج۴، ص ۲۶۹، المكتبة الفاروقية)

مکتوب نمبر ۱۶۹

[شیخ عبد الصمد سلطان پوری کی طرف صادر ہوا:

ایک مُرید کے حال کے متعلق اس کے ایک سوال کے جواب میں۔ جس مُرید نے اپنے پیر سے کہا تھا کہ میرے خاص وقت میں جو مجھے حق سبحانہٗ کے ساتھ نصیب ہوتا ہے تو بھی اگر درمیان میں آئے تو سَر تَن سے جدا کر دوں۔ پیر نے اس کی بات کو پسند کیا اور معانقے میں لے لیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

آپ کا مراسلہ شریفہ اور لطف ومہربانی سے بھرپور گرامی نامہ جو کرم نوازی کے طور پر آپ نے بھیجا تھا موصول ہوا اور فرحت وخوشی کا مؤجب ہوا، ایک بات آپ نے پوچھی تھی۔ مخدومِ گرامی مقصدِ اعلیٰ اور بلند مطلب جنابِ قدس خداوندی جلّ سلطانہٗ کی جناب تک پہنچنا ہے۔ لیکن جبکہ طالب ابتداء میں اِدھر اُدھر کے مختلف تعلقات کے باعث کامل میل کچیل اور پستی میں ہے، اور اس ذاتِ تبارک وتعالیٰ کی جنابِ قدس نہایت پاکیزگی اور بلندی میں اور وہ مناسبت جو فیض دینے اور فیض لینے کا سبب ہے طالب ومطلوب کے درمیان مفقود ہے تو ضروری طور پر راہ جاننے والے اور راہ دیکھنے والے پیر ومُرشد کے بغیر چارہ نہیں، جو بیچ میں واسطے کا کام دے اور دونوں طرف سے وافر حصہ رکھتا ہو۔ تاکہ طالب کے مطلوب تک پہنچنے کا ذریعہ بنے اور جس قدر طالب کو مطلوب کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ پیر مکمل طور پر اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیتا ہے۔ اور طالب کو مطلوب کے ساتھ اپنے واسطہ کے بغیر واصل کر دیتا ہے۔ پس ابتداء اور درمیان میں مطلوب کو پیر کے آئینہ کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا، اور انتہاء میں آئینۂ پیر کے واسطے کے بغیر ہی مطلوب کا جمال جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ اور بالکل برہنہ وصل حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اس نے جو یہ کہا کہ پیر بھی اگر حاضر ہو تو سَر تَن سے جدا

کردوں سُکر کے باعث کہا۔ اَربابِ استقامت ایسی بات نہیں کہتے اور بے اَدبی کے راستے پر نہیں دوڑتے اور مُرادوں کو پیر کی برکات سے تلاش کرتے ہیں۔وَ السَّلَام]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب شریف میں مطلوب(یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ) اور طالب(یعنی بندے) کے درمیان مناسبت کو بیان کیا ہے کہ ابتدائی حالت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور بندے کے درمیان مناسبت مفقود و مسلوب ہوتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ہے اور اس کے برعکس ابتدائی حالت میں بندہ میں کینہ،بغض وحسد، غرور و تکبر اور خواہشاتِ نفسانی وغیرہ موجود ہوتے ہیں یعنی بندہ زیادہ مکدر ہوتا ہے جبکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بہت زیادہ پاک ہے۔

غیر مقلد اکثر یہ بات کرتے ہیں کہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ بلاواسطہ وصل ہو کر اس سے فیض حاصل کرسکتے ہیں، اس لئے پیر سے بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ ان کو چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنے اندر موجود اس گندگی (کینہ،بغض وحسد، غرور و تکبر اور خواہشاتِ نفسانی وغیرہ) کو دیکھیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی پاکی کو دیکھیں۔ حقیقت کی آنکھ سے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ہماری کیا مناسبت ہے؟ مطلوب اور طالب کے درمیان اس طرح کے واسطہ کی ضرورت ہے جس کی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور مخلوق دونوں کے مناسبت ہو۔ اور وہ واسطہ پیر و مُرشد یا رہبر کا ہے۔ اگر رہبر کا واسطہ درمیان میں نہ ہو تو کوئی شخص بلاواسطہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے فیض یاب نہیں ہو سکتا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ ایک فیضِ عام ہوتا ہے جیسے چاند، سورج، بارش، گرمی، سردی اور رزق وغیرہ اور ایک فیضِ خاص ہوتا ہے جو مؤمن پر پیر کے واسطہ

سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے خصوصی طور پر عنایت ہوتا ہے۔ اور یہاں پر فیضِ خاص زیرِ بحث ہے پیر اس سالک کو خالصیتِ دین بتاتا ہے کہ آپ اس طریقے سے مزکی وپاک ہو کر اس لائق بن جائیں گے کہ بلاواسطہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے فیض یاب ہو سکیں پھر سالک جُوں جُوں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا قُرب حاصل کرتا جاتا ہے پیر اتنا ہی اس سے دوری اختیاری کرتا جاتا ہے۔ ابتدائی اور متوسط حالت میں سالک فیض کا افاضہ واستفادہ پیر پر منحصر ہوتا ہے، اگر پیر نہ ہو تو یہ مُرید فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ مؤمن کا قلب آئینہ ہوتا ہے اور پیر اگر حقیقی مؤمن ہو تو اس کے آئینۂ قلب پر تجلیات کا جو عکس پڑتا ہے پیر اس کو اپنے مُرید کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ اور یوں مُرید اپنے شیخ کی وساطت سے فیوض وبرکات حاصل کرکے ترقی کرتا رہتا ہے۔

پس اگر کوئی اس طرح کہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے فرمودات کے علاوہ کوئی اور دلیل پیش کریں جو انسان کے دل ودماغ میں نقش ہو جائے تو ہم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی یہ حدیثِ مبارکہ پیش کریں گے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَکُ فِيهِ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: {اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِي خَلَقَ}۔

ترجمہ: جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم غارِ حرا میں تھے تو ایک فرشتہ (یعنی حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا: إِقْرَأْ (پڑھو) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ مَا أَنَا بِقَارِئٍ

(میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) اور آخر اس (فرشتے) نے مجھے پکڑا اور زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ مجھے مشقت محسوس ہوئی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: إِقْرَأْ (پڑھو) میں نے کہا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) اس نے مجھے پکڑا اور مجھے دوسری مرتبہ دبوچا۔ یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا، پھر کہا: إِقْرَأْ (پڑھو) میں نے کہا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) اس نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ دبوچا۔ یہاں تک کہ مجھے تکلیف پہنچی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا پھر اس (فرشتے) نے مجھے کہا: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِي خَلَقَ، إلخ۔[1]

حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو تین مرتبہ دبوچنا در حقیقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بدن مبارک میں قوتِ قدسیہ کا القاء کرنا تھا، جس کی برکت سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے پڑھنا شروع کر دیا اور یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ابتدائی حالت تھی، مگر جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم معراج میں انتہاء درجہ کے کمالات پر مشرف ہوئے تو پھر حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقامِ مقدسہ تک جانے سے عاجز آ گئے۔

جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے کہ:

أنه لما وقف جبريل، قال له صلى الله عليه وسلم: في مثل هذا المقام يترک الخليل خليله؟ قال: إن تجاوزت احترقت بالنار، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يا جبريل هل لک من حاجة إلى ربک؟ قال: يا محمد سل الله عز وجل لي أن أبسط جناحي على الصراط لأمتک حتى يجوزوا عليه۔

---

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۳۲۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: جب حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام (سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر) رُک گئے (اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو آگے بڑھنے کو کہا) تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: کیا ایسی جگہ کوئی دوست اپنے دوست کو چھوڑا کرتا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اگر میں یہاں سے آگے بڑھا تو جل کر راکھ ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان سے کہا کہ اے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام! کیا تم اپنے ربّ سے کچھ حاجت روائی یعنی کچھ مانگنا چاہتے ہو؟ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! اپنے رب سے میرے لئے یہ اختیار مانگ لیجئے کہ میں قیامت کے دِن پُلِ صراط پر اپنے پَر پھیلا کر کھڑا ہو جاؤں تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت کے لوگ میرے پَروں پر سے ہو کر خیریت سے گزر جائیں۔[1]

ان احادیثِ مبارکہ سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

اول: یہ کہ کسی رہبر یا پیر کے بغیر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ وصل اور وصولیٔ فیض ناممکن ہے۔

دوم: یہ کہ جب مُرید مقامِ انتہاء تک رسائی حاصل کرتا ہے، تو اس کا پیر اپنے مُرید سے خود ہی کنارہ کشی اختیار کرلیتا ہے۔

سوم: آغازِ وحی کے زمانے میں حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے درمیان رابطہ اور وسیلے کا کام کیا اور شبِ معراج میں مدارجِ قُرب کی انتہاء کو پہنچتے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اظہارِ تشکر کے طور پر ان کی خواہش پوچھی اور اُسے اللہ سبحانہٗ

---

[1] (السیرۃ الحلبیة=إنسان العیون في سیرۃ الأمین المأمون، ج ا ، ص ۵ ٦ ۵ ، الناشر: دار الکتب العلمیة -بیروت)

وتعالیٰ تک پہنچانے کا ذمہ نبھایا، بعینہٖ ایک شیخ اور مُرید کا معاملہ ہونا چاہیئے۔ شیخ اپنے مُریدین کے ساتھ احسان اور شفقت کا معاملہ کرتا ہے تو شیخ کے وسیلے سے جب ایک سالک مقامِ ولایت کو پہنچے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے شیخ کا احسان مند رہے اور اپنی دعاؤں میں شیخ کو یاد رکھے۔ اس شخص کی طرح نہ کرے جس نے اپنے پیر سے کہا تھا کہ میرے خاص وقت میں اگر آپ بھی دخل اندازی کریں گے تو نفی اثبات کی طاقت سے آپ کا سر بھی تَن سے جدا کر دوں گا، کیونکہ ایسی باتیں بے اَدبی میں داخل ہیں اور بے اَدبی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو پسند نہیں۔

(دارالمعــرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی کی تفہیم کے لئے چند تمہیدی کلمات اور بنیادی اُمور ہدیہ ٔقارئین ہیں۔

سالک کا مقصود ومنتہا ذاتِ حق جل سلطانہٗ ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَأَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنْتَهَى (النجم ۴۲) سے واضح ہے۔ اور حریمِ قدس جلّ سلطانہٗ کا قرب ووصل ہی اس کا مطلوب ہے۔ اس مقصود ومطلوب تک رسائی ذواتِ مقدسہ اور اعمالِ صالحہ کے ابتغاء واستعانت کے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ آیہ کریمہ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدة ۳۵) اور اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (البقرة ۱۵۳) سے عیاں ہے۔ اور یہ ذوات واعمال، وصولِ مقصود اور حصولِ مطلوب کے لئے وسائل ووسائط ہیں۔ چونکہ اعمال تہمت زدہ اور ناقص ہونے کی بناء پر قابل اعتماد اور لائقِ قبول نہیں اس لئے یہ حصول مقصود کے لئے اتنے مفید اور مؤثر ثابت نہیں ہوتے۔ جبکہ انبیائے کرام، علمائے حقیقت اور مشائخِ طریقت کی ذواتِ مقدسہ بارگاہِ قدس جل سلطانہٗ میں مقبول

ومحبوب ہوتی ہیں، اس لئے ان کا وسیلہ زیادہ مؤثر اور سود مند ثابت ہوتا ہے۔ ان حضرات کے ساتھ محبت ومؤدت وارادت کی منجملہ وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ یہی ہوتی ہے۔

چونکہ خالق اور مخلوق، مطلوب اور طالب کے درمیان عدم مناسبت کی وجہ سے باہمی افادہ واستفادہ کی راہیں مسدود ومسلوب ہوتی ہیں، اگرچہ قادر مطلق جل سلطانہٗ کے لئے بغیر کسی مناسبت کے کمالات کا افادہ واستفاضہ ممکن تھا، مگر اس تعالیٰ جلّ سلطانہٗ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ مخلوق کے قضائے حوائج اور افادۂ کمالات کو اسباب کے پردوں میں مستور فرمادیا، تاکہ مستفیضین وسالکین ان ذواتِ عالیہ کے طوق غلامی کو باعثِ افتخار اور مؤجبِ حصولِ مراد سمجھیں اور ہمیشہ ان کے نیاز مند اور خدمت گار رہیں۔

چنانچہ قدوۃ الکاملین حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز اس سلسلہ میں جو رقم طراز ہیں ملخصًا پیش خدمت ہے:

میں ایک مرتبہ اپنے شیخِ طریقت شیخ العباد حضرت ابو الفضل محمد بن الحسن الختلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وضو کروارہا تھا، میرے دل میں خیال گزرا کہ جب سارے کام تقدیر وقسمت سے صورت پزیر ہوتے ہیں تو آزاد منش لوگ اُمیدِ کرامت پر پیرانِ عظام کے غلامِ بے دام کیوں بنے رہتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا برخوردار تجھے وسوسہ آرہا ہے میں اسے سمجھ رہا ہوں۔ تجھے جاننا چاہیئے کہ ہر حکم کا ایک سبب ہے۔ جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی حاجت زادہ کو تاجِ کرامت سے نوازیں تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرمادیتا ہے اور اسے اپنے کسی دوست کی خدمت میں مشغول کردیتا ہے تاکہ یہ خدمت اس کے لئے سببِ کرامت ہوجائے۔[1]

[1] (کشف المحجوب فارسی، ص ۱۷۳)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک سوال کا جواب مرحمت فرمارہے ہیں۔ دراصل جب کوئی سالک کسی شیخِ کامل مکمل کے زیرِ نگرانی سلوک طے کرنا شروع کرتا ہے تو اسے ابتدائی اور درمیانی مدارج میں ہر ہر قدم پر شیخ کی توجہات وتصرفات ودعوات کی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ شیخ کے ساتھ وفاداری بشرط استواری اور عشق ومحبت جس قدر زیادہ ہوگی اتنا ہی رابطہ شیخ میں زیادہ استحکام اور رسوخ پیدا ہوتا ہے جو راہِ سلوک کی پہلی سیڑھی ہے۔ جس کے بعد فنافی الرسول اور فنافی اللہ وغیرہا منازل ومقامات آتے ہیں۔ البتہ جب سالک منتہائے قُرب کو پہنچ جاتا ہے تو شیخ اسے حق تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے اور خود دیگر سالکین کی رہنمائی ورسائی میں مصروف ومشغول ہو جاتا ہے۔

چونکہ مرید وسالک کے لئے حق تعالیٰ کے فضل وفتوحات کا باب اول اور قرب وعنایات کا مصدر اس کا شیخ ہی ہوتا ہے اس لئے شیخ کے متعلق سوقیانہ الفاظ اور عامیانہ انداز میں کلام بہت بڑی جسارت اور بے باکی ہوتی ہے، جو سالک کے لئے رجعت قہقری کا باعث اور روحانی موت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ شیخ کے متعلق تو سوءِ ظن بھی سالک کے لئے حرماں نصیبی کا مؤجب ہوتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے کلمات وگفتگو سے سالک کو اجتناب کرنا چاہیئے اور اپنے شیخ سے معذرت طلبی اور توبہ واستغفار سے اس کی تلافی وتدارک کرنا چاہیئے۔ البتہ حالتِ سُکر میں اگر سالک سے خلافِ ادب حرکات وسکنات کا ارتکاب اور توہین آمیز کلمات کا صدور ہو جائے تو بے اختیار ہونے کی بناء پر اسے معذور جاننا چاہیئے لیکن حالتِ صحو اور ہوش میں آنے کے بعد اس پر توبہ واستغفار کرنا لازم ہوتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۴، ص۱۸ ۲ تا ۲۲۰)

مکتوب نمبر ۱۷۰

[شیخ نُور کی طرف لکھا گیا:

اس بیان میں کہ جس طرح آدمی کے لئے جلّ وعلا کے اوامر ونواہی کی فرمانبرداری ضروری ہے اسی طرح مخلوق کے حقوق ادا کرنا اور ان کی ہمدردی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اے برادرِ ارشد آدمی کے لئے جس طرح حق جلّ وعلا کے احکام کی فرمانبرداری اور جن باتوں سے اُس نے روکا ہے اسے رُکنا ضروری ہے اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اور ان سے ہمدردی کا سلوک کرنا بھی ضروری ہے۔

اَلتَّعْظِيْمُ لِأَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفَقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ

ترجمہ: اللہ کے احکام کی تعظیم یعنی ان کی بجا آوری اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا سلوک۔[1]

یہ حدیث ان ہی دو حقوق کی ادائیگی کے بیان اور دین کے دونوں پہلوؤں پر دلالت کرتی ہے۔ پس دین کے دو پہلوؤں میں سے ایک پر کفایت کرنا کوتاہی ہے اور کُل کو چھوڑ کر ایک جز پر اکتفا کرنا کمالِ فرمانبرداری سے دُور ہے، لہٰذا مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کا بوجھ اُٹھانا ضروری ہے۔ اور ان کے ساتھ حُسنِ معاشرت اختیار کرنا بھی لازمی ہے، لاپرواہی نامناسب ہے اور بے التفاتی ٹھیک نہیں۔

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنینِ عالم است
نازکی کے راست آید بار میباید کشید

---

[1](تفسیر کبیر، ج۷، ص۱۶۷، الناشر: دار إحياء التراث العربي -بيروت)

ترجمہ: جو شخص عاشق بن گیا اگرچہ سارے جہاں کا نازنین ہو عاشق بننے کے بعد اس کا نازنین رہنا درست نہیں، بلکہ اسے بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

جبکہ مدتِ دراز تک آپ میری صحبت میں رہے اور مجھ سے بہت سے مواعظ اور نصیحت کی باتیں سُن چکے ہیں، (اس لئے) بات لمبی کرنے سے میں نے اعراض کیا اور چند مختصر فقروں پر کفایت کی۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں اور تمہیں شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستے پر ثابت اور قائم رکھے۔]

تشریح

مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ پیر ومُرید، والدین واولاد، اُستاد وشاگرد، میاں بیوی، مالک وخادم، رشتہ دار، ہمسایہ اور دوست واحباب نیز ساری مخلوقِ خدا پر ناطق وصادق ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ عبادت اور بندگی کا حق ادا کرنا ہی اصل میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر کا تعظیم واحترام کرنا ہے، یعنی اذان کے وقت اذان دینا، نماز کے وقت نماز کا ادا کرنا، زکوٰۃ کے وقت زکوٰۃ کا ادا کرنا، حج کے ایام میں حج ادا کرنا اور رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھنا وغیرہ۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا سلوک کرنا یعنی پیر کا مُرید پر، والدین کا اولاد پر، دوست کا دوست پر، خاوند کا بیوی پر، اُستاد کا شاگرد پر، بھائی کا بھائی اور ہمسایہ کا ہمسایہ پر حق ہے وغیرہ۔ مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں صرف نماز وروزہ جیسی عبادات کا ہی نہیں، بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بھی مہربانی وشفقت کا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ جب تک کوئی سالک حقوق اللہ (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے احکامات کی بجا آوری)

اور حقوق العباد (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا سلوک) دونوں کی پاسداری نہ کرے تو وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی دوستی سے مشرف نہیں ہو سکتا۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ. قَالُوا لِمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ لِلَّهِ وَكِتَابِهِ وَرَسُولِهِ وَأَئِمَّةِ الْمُؤْمِنِينَ وَعَامَّتِهِمْ وَأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا دِین خیر خواہی کا نام ہے، دین خیر خواہی کا نام ہے، دِین خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کس کس کے ساتھ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کی کتاب کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مسلمانوں کے امراء اور حکام (اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ۔[1]

خدانخواستہ اگر کوئی کہے کہ میں صرف قرآن عظیم الشان کے اَوامر مانتا ہوں مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی احادیث کو نہیں مانتا تو اہلِ قرآن ہونے کے اس دعویدار کا ایمان ناقص ہو گا کیونکہ حِلت وحُرمت کے بعض احکامات قرآن عظیم الشان میں نہیں ملتے بلکہ احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ثابت ہیں۔ مثلاً نماز کی رکعتوں کی تعداد اور زکوٰۃ کا نصاب وغیرہ قرآن عظیم الشان میں نہیں بتایا گیا، مگر احادیثِ مبارکہ میں موجود ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ میں قرآن عظیم الشان اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دونوں کو مانتا

---

[1](سنن أبي داؤد، ج۴، ص ۴۴۱، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

ہوں مگر اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نہیں مانتا۔ تو جوابًا عرض ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعض احکامات آپ کے کانوں تک نہ پہنچے ہوں اور وہ احکامات یا ان کی تفصیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سُنی ہو، لہٰذا اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کو بھی ماننا پڑے گا۔ جبکہ آج کل بعض لوگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کون تھے جنھوں نے بیس رکعات تراویح مقرر کیں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لونڈی کے احکامات کو کیوں منع کیا، یا قرآن عظیم الشان سات زبانوں میں تھا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون تھے جنھوں نے قرآن عظیم الشان کے لئے قریش کی زبان کا انتخاب کیا یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانۂ مبارک میں صَرف ونحو کا علم نہیں تھا تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کون تھے جنھوں نے صَرف ونحو کے علم کی بنیاد رکھی۔

آیا ان معترضین نے مندرجہ بالا حدیث (إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، إلخ) کا مطالعہ نہیں کیا؟ اگر کیا ہوتا تو وہ ایسی جاہلانہ باتیں نہ کرتے کیونکہ سارا دِین تین چیزوں (قرآن عظیم الشان، احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر منحصر ہے اور ان کی تائید میں احادیثِ مبارکہ بھی موجود ہیں۔ اب ان معترضین سے پوچھنا چاہیئے کہ یہ کہاں لکھا ہے کہ قرآن عظیم الشان اور احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر تو عمل کریں لیکن اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انکار کردیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ مُجَابٍ: الْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللهِ، وَالزَّائِدُ فِي كِتَابِ اللهِ، وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوتِ يُذِلُّ مَنْ أَعَزَّ اللّٰهُ وَيُعِزُّ مَنْ أَذَلَّ اللّٰهُ، وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُرَمِ اللهِ، وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِي مَا حَرَّمَ اللّٰهُ، وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي۔

ترجمہ: چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے اور اللہ تعالیٰ نے اور ہر مستجاب الدعوات پیغمبر نے لعنت کی ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں (لفظی یا معنوی) زیادتی کرنے والا، تقدیرِ خداوندی کی تکذیب کرنے والا، زبردستی تسلط جمانے والا، تاکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل قرار دیا ہے اس کو عزت دار بنائے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دار بنایا ہے اس کی ذِلت کرے، اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھنے والا، اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام بنانے والا، اور میرے طریقے کو ترک کرنے والا۔[1]

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مکتوب میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک کامل پیر یا اُستاد مُریدین کا خادم ہوتا ہے۔

کیونکہ حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ حضرت عبد العزیز بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

أوحى الله إلى داود عليه السلام: يا داود إذا رأيت لي طالبا فكن له خادما يا داود اصبر على المؤونة تأتيك المعونة۔

---

[1] (المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ج ۱، ص ۳۶، الناشر: دار المعرفة -بیروت)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی، اے داؤد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! جب کسی کو میرا طالب پاؤ تو اس کے خادم بن جاؤ، اے داؤد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! تکلیف و مشقت پر صبر کرو، آپ کے پاس اعانت و مدد خود بخود پہنچے گی۔ [1]

لیکن اس حدیث سے یہ مراد بھی ہرگز نہیں ہے کہ کوئی اپنے پیر یا اُستاد کی بے اَدبی کرنے لگے اور کہے کہ یہ تو میرے خادم ہیں اور یہ بات اس سے پہلے مکتوب میں بھی بیان ہو چکی ہے کہ پیر یا اُستاد کے احترام کو ملحوظِ نظر رکھنا ضروری ہے اس بات کی وضاحت ایک مثال سے کی جاتی ہے وہ یہ کہ ایک باپ اور شوہر ساری مشکلات اور مصائب خود برداشت کرتا ہے اور سارا دن محنت مزدوری کرنے کے بعد جو کماتا ہے وہ اپنی بیوی بچوں کی ضروریات کے لئے استعمال کرتا ہے مگر اس کے بیوی بچے اسے اس طرح نہیں کہہ سکتے کہ تم تو ہمارے خادم ہو بلکہ اس کا عزت واحترام کرتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ ساری بات اپنے ایک شعر میں بیان فرما دی ہے کہ:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

ترجمہ: طریقت تسبیح، گدی نشینی اور رنگ برنگی گدڑی کا نام نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرنا ہے۔

(دار المعرفت، ج ۳)

---

[1] (شعب الإیمان للبیهقی، ج۷، ص ۱۰۹، الناشر: دار الكتب العلمية -بيروت)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اوامر کے امتثال اور نواہی سے اجتناب کے علاوہ حقوق العباد کی رعایت اور مخلوقِ خدا کے ساتھ ہمدردی و مواسات کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ دراصل حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بطریق احسن ادا کرنا دین ہے اور دین اللہ تعالیٰ، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، آئمہ اُمت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ خیر خواہی اور نصیحت کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ۔[1] سے واضح ہے۔ اس سلسلہ میں جلیل القدر صحابی یوسف الاُمّہ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک سبق آموز واقعہ ہدیہٗ قارئین ہے۔

ایک مرتبہ آپ کا غلام ایک نہایت خوبصورت، اصیل اور قیمتی گھوڑا صرف سو درہم میں خرید لایا۔ ہو سکتا ہے مالک کو ضرورت ہو اور اس نے مجبوراً اسستے داموں بیچ دیا ہو۔ غلام نہایت خوش تھا کہ آپ اس نفع بخش سودے سے خوش ہونگے مگر جب آپ نے گھوڑے کی خوبصورتی اور قد کاٹھ کے ساتھ اس کی مالیت کا اندازہ لگایا تو خوش ہونے کی بجائے پریشان ہوگئے اور گھوڑے کے مالک کے گھر تشریف لے گئے اور اسے پانچ سو درہم مزید عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا: تیرا گھوڑا کسی طرح بھی آٹھ سو درہم سے کم قیمت کا نہیں ہے۔۔۔ اس لئے میں اسے تین سو درہم میں ہر گز نہیں خریدوں گا اور تیری مجبوری سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ یہ تقاضائے خیر خواہی کے خلاف ہے۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۸۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)

جب آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اس بات کی بیعت کی تھی کہ نماز قائم کروں گا، زکوٰۃ دوں گا اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کروں گا۔ [1]

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ جب سالک کے لطائف کا تصفیہ اور نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو وہ ہر قسم کے حرص وہوس، نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات سے پاک ہو جاتا ہے۔ البتہ جب کوئی شیخ ناقص کسی مرید کے ہاں اپنی مطلب بر آری اور حصولِ دولت کے لئے جاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت حرام ہو جاتی ہے۔ اس لئے مخلوقِ خدا سے الفت ومحبت، بے لوث اور بے غرض ہونی چاہیئے، اور ان پر شفقت ورحمت مخلوق خدا اور امتِ مصطفٰی علٰی صاحبہا الصلوات سمجھ کر کرنا چاہیئے تا کہ حق تعالیٰ کی رضا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی خوشنودی نصیب ہو سکے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ فقیری جبہ ودستار، عمامہ وسجادہ، عبادت وریاضت، عیش وعشرت اور جلب منفعت کا نام نہیں۔ بلکہ درویشی، صبر وسخاوت اور ضیافت وخدمت کو کہا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کو بذریعہ وحی خدمت خلق کا حکم ہوا تھا، جیسا کہ یَادَاوُدُ اِذَا رَأَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَہٗ خَادِمًا سے عیاں ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۹۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا:

طریقت بجز خدمت خلق نیست

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے آستانوں پر زائرین کے لئے بالعموم اور علماء و طلباء اور سالکین جادۂ طریقت کے لئے بالخصوص لنگر خانے سے طعام و قیام کا اہتمام ہوتا ہے تاکہ خدمتِ خلق کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی خدمت کا فریضہ بھی ادا ہوتا رہے۔

بینہ نمبر ۳

واضح رہے کہ جو سالک حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھتا، وہ عروجی منازل اور روحانی مدارج کو حاصل نہیں کر سکتا۔ حقوق العباد ادا نہ کرنے سے مخلوقِ خدا کی دل آزاری ہوتی ہے اور لوگوں کی بد دعاؤں کا باعث اور قلبی قساوت کا مؤجب ہوتی ہے۔۔۔۔ نفسانی ظلمتیں اور بشری کدورتیں ظاہر و باطن کو زنگ آلود کر دیتی ہیں۔۔۔ گناہوں کی نجاست، نفس کی مجاورت، معاصی کا ارتکاب اور حقوق العباد سے فرار و انکار، روحانی پرواز میں حائل و حاجب ہوتے ہیں، بلکہ نوبت بایںجا رسید آیہ کریمہ: أُولَئِکَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الأعراف ۱۷۹) کے مصداق وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اَلعِیَاذُ بِاللهِ سُبْحَانَهٗ

بینہ نمبر ۴

حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلے میں بندۂ مؤمن کو روزانہ اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے۔ اگر جملہ حقوق اور جمیع معاملاتِ شریعتِ مطہرہ اور سننِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے مطابق درست ہوں تو

اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیئے ورنہ اس کی ادائیگی و قضا اور معافی کی فکر کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ: حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا۔ [1] سے عیاں ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۲۲۳ تا ۲۲۶)

[1] (سنن الترمذی، ج ۴، ص ۶۳۸، الناشر: شرکة مکتبة و مطبعة مصطفی البابي الحلبي - مصر)

مکتوب نمبر ۱۷۱

[مُلا طاہر بدخشی کی طرف لکھا گیا:

اس بیان میں کہ جو چیز فقرا پر لازم ہے یہ ہے کہ ہمیشہ ذلت، محتاجی وظائفِ عبودیت کی ادائیگی حدودِ شرعیہ کی حفاظت اور روشن سُنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور اپنے گناہوں کی کثرت کا مشاہدہ اور علّام الغیوب ذات کے انتقام کا خوف پیشِ نظر رہے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ

جو چیز ہم فقرا پر لازم وضروری ہے یہ ہے کہ اپنے آپ کو ہمیشہ بارگاہِ خداوندی میں خوار رکھیں۔ اس کے محتاج رہیں۔ اس کے حضور میں انکساری، عاجزی اور التجا کرتے رہیں۔ وظائفِ عبودیت کی ادائیگی، حدودِ شرعیہ کی محافظت اور روشن سُنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی متابعت میں فرق نہ آنے دیں۔ اور نیک کام انجام دینے میں نیت درست رکھیں۔ باطن کو غیرِ حق کے خیالات سے آزاد کریں۔ اپنے ظاہر کو طاعات کے سپرد کردیں۔ اپنے عیوب کو دیکھتے رہیں۔ اور اپنے گناہوں کے غلبے کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ اور اس علّام الغیوب رب تعالیٰ کے انتقام کا خوف دل میں بٹھائیں۔ اور اپنی نیکیوں کو اگرچہ زیادہ ہی ہوں کم خیال کریں۔ اور اپنے گناہوں کو اگرچہ وہ کم ہی ہوں زیادہ تصور کریں۔ اور شہرت اور قبولیتِ خلق سے ڈرتے اور لرزتے رہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حدیث پاک ہے:

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُشَارَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فِي دِينٍ أَوْ دُنْيَا إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللهُ۔

ترجمہ: انسان کی بدی کے لئے یہ کافی ہے کہ لوگ دین یا دُنیا کے بارے میں اس کی طرف اپنی اُنگلیوں سے اشارے کریں۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔[1]

اور اپنے افعال اور اپنی نیتوں کو عیب ناک جاننا اگرچہ وہ صبح کی طرح صاف اور واضح ہوں اور اپنے احوال اور وجد کی کیفیات کا اگرچہ وہ صحیح اور مطابق ہوں کچھ اعتبار نہ کرنا۔ اور صرف دِین کی تائید اور ملت کی تقویت اور شریعت کی ترویج اور مخلوق کو حق جلّ وعلا کی طرف دعوت دینا ان باتوں کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے۔ اور نہ انہیں مستحسن سمجھا جائے۔ جب تک اپنا عمل درست نہ ہو کیونکہ اس طرح کی تائید کبھی کافر و فاجر سے بھی وجود میں آسکتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس دِین کی تائید فاسق وفاجر انسان سے بھی کرالیتا ہے۔[2]

وہ مُرید جو طالب بن کر آئے اور سلوک میں مشغول ہونے کا ارادہ ظاہر کرے اسے ببر اور شیر کی طرح خطرناک جاننا چاہیئے اور ڈرنا چاہیئے کہ کہیں اس طرح سے وہ اس کی خرابی نہ چاہتے ہوں۔ اور اس کے فتنے میں پڑنے کا باعث نہ بن جائیں۔ اور اگر بالفرض کسی مُرید کے آنے سے اپنے دِل میں فرحت اور سرور محسوس کریں تو اسے کفر و شرک کی طرح بُرا جانیں اور اس کا تدارک ندامت اور استغفار کے ذریعہ اس حد تک کریں کہ اس سرور کا بالکل نشان نہ رہے۔ بلکہ اس فرحت کی جگہ غم اور خوف بیٹھ جائے۔ اور اپنے خلفاء کو اچھی طرح تاکید کریں کہ مُرید کے مال میں طمع اور اس سے دُنیوی

---

[1] (سنن الترمذی، ج ۴، ص ۶۳۵، الناشر: شرکةمکتبةومطبعةمصطفى البابي الحلبي -مصر)

[2] (صحیح البخاری، ج ۱۰، ص ۲۸۳، المكتبةالفاروقية)

منافع کی اُمید پیدا نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات مُرید کی ہدایت میں رکاوٹ ہے اور پیر کی خرابی کا باعث ہے۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے سب دِینِ خالص کا مطالبہ ہے۔

أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر ۳)

ترجمہ: ہاں خالص اللہ ہی کی بندگی ہے۔

شرک کی اس بارگاہ میں کسی طرح بھی کوئی گنجائش نہیں اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ ہر تاریکی اور میل جو دِل پر طاری ہوتی ہے اس کا ازالہ توبہ استغفار وندامت اور التجا سے با آسانی میسر آسکتا ہے۔ مگر وہ تاریکی اور میل جو کمینی دُنیا کی محبت کے راستے سے دل پر چڑھے جو زندگی کو تلخ اور دل کو پلید کر دیتی ہے اس کے ازالے میں سخت دشواری اور مشکل پیش آتی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بالکل سچ فرمایا ہے:

حُبَّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ۔

ترجمہ: یعنی دُنیا کی محبت ہر بُرائی کی جڑ ہے۔ [1]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں دُنیا اور دُنیا کے چاہنے والوں کی محبت اور ان سے میل جول اور ان کی دوستی سے نجات عطا فرمائے کیونکہ دُنیا کی محبت زہرِ قاتل اور ہلاک کرنے والا مرض اور بلائے عظیم اور عام پھیلنے والی بیماری ہے۔

اخوی اَرشدی شیخ حمید اچھی طریقہ سے آپ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں ان کی نئی اور تازہ باتوں کو غور سے سُنیں اور غنیمت جانیں باقی باتیں ملاقات کے وقت ہوں گی۔]

---

[1] (مرقاۃالمفاتیح، ج ۱، ص ۱۴۴، الناشر: دارالفکر، بیروت-لبنان)

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب شریف میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں پر جو چیزیں لازمی ہیں اُسے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بندگی سے مراد یہ نہیں کہ محض زبان سے کہہ دے کہ میں اس کا بندہ ہوں بلکہ جو چیزیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف سے فرض،واجب،سُنت اور مستحب ہیں اسے بجالائے اور جو چیزیں حرام، مکروہ اور مُفسد ہیں اُن سے اپنے آپ کو دور رکھے کیونکہ جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اَوامر کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ کبھی بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا دوست نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دوستی اصل میں ان کے اوامر کو بجالانے کا نام ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں میں سے کوئی شخص اپنی عبادت پر مغرور نہ ہو بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو ذلیل ومنکسر سمجھے اور یہ کہے کہ میں بندہ ہوں اور بندے سے ہمیشہ خطاء اور نسیان سرزد ہوتی ہے اور اس طرح بھی نہ کہے کہ میں تو شریعتِ غرّاً محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پابندی کرتا ہوں،لہٰذا میری پکڑ نہیں ہوسکتی(نعوذ باللہ من ذلک)جب تک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا رحم وکرم شاملِ حال نہ ہو تو ہماری ساری بندگی بے سود ہے۔

اللهم اغفر لكاتبه ولمن سعى فيه ولو الديهم ولاساتذتهم ولأهل بيتهم أجمعين أمين يا رب العالمين

بحرمت سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله واصحابه وسلم

(دارالمعـــرفت،ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے نصیحت آموز اور فکر انگیز انمول اسباق وپند و نصائح بیان فرمائے ہیں جو مشائخِ روحانیت اور سالکینِ طریقت کے لئے حرزِ جان اور وظیفۂ ایمان ہیں۔

در حقیقت تخلیق انسانی کا مقصد حق تعالیٰ کی عبادت و معرفت کا حصول ہے، جو دائمی عجز و نیاز مندی اور مسکینی و درماندگی کے ساتھ احکامِ شرعیہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو نہایت اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ بجالانا ہے، ان کے بغیر منزل مقصود کا حصول ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سالکینِ طریقت تکبر و نخوت اور تعلّی و تفوّق سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ مسندوں اور مصلّوں کے لئے حیلے بہانے تلاش نہیں کرتے اور اگر انہیں کسی مصلحت و حکمت کے تحت مسند مشیخیّت پر بٹھا دیا جائے تو بامر مجبوری اس لئے قبول کرتے ہیں تا کہ حکم کی تعمیل کے ضمن میں لوگوں کی رشد و ہدایت اور تعلیم و دعوت کا کام سرانجام دے سکیں۔۔۔ لیکن بایں ہمہ شہرت و پذیرائی اور فتنۂ ہجوم خلق سے ہمیشہ لرزاں و ترساں بھی رہتے ہیں۔۔۔ ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آہ و زاری اور اپنی نیتوں کو صحیح کرنے میں کوشاں رہتے ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کے ہاں دین خالص ہی منظور اور اخلاص نیت ہی مقبول و محبوب ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر ۳) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔[1] سے عیاں ہے۔

---

[1](المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۵، ص ۱۹۷، دار النشر: مکتبۃ ابن تیمیۃ - القاھرۃ)

ترویجِ شریعت، احیائے سُنت اور تائیدِ ملت کا فریضہ سرانجام دینے والوں کے لئے درج ذیل ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات خضرِراہ ہے، ملاحظہ ہو:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَمَرَنِي رَبِّي بِتِسْعٍ الْإِخْلَاصِ فِي السِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ وَ الْعَدْلِ فِي الرِّضَا وَ الْغَضَبِ وَ الْقَصْدِ فِي الْغِنَى وَ الْفَقْرِ وَ أَنْ أَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِي وَ أَصِلَ مَنْ قَطَعَنِي وَ أُعْطِيَ مَنْ حَرَمَنِي وَ أَنْ يكون نطقي ذكرا وصمتي فكرا ونظري عِبْرَة۔

یعنی میرے رب تعالیٰ نے مجھے نو باتوں کا حکم فرمایا ہے:

۱۔ میں باطن و ظاہر میں اخلاص کو اپنا شعار بناؤں۔

۲۔ رضا و غضب میں عدل کروں۔

۳۔ غناو فقر میں میانہ روی اختیار کروں۔

۴۔ جو شخص مجھ پر ظلم کرے اسے معاف کر دوں۔

۵۔ جو مجھ سے قطع تعلق کرے اس سے بھی صلہ رحمی کروں۔

۶۔ اُسے عطا کروں جو مجھے محروم کرے۔

۷۔ میں ذکرِ الٰہی میں رطب اللسان رہوں۔

۸۔ حالتِ خاموشی میں اس کی آیتوں میں غور و فکر کروں۔

۹۔ میں دیدۂ عبرت سے دیکھوں۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ سالکینِ طریقت کو ہمیشہ اپنے کرامات و کمالات اور احوال و مواجید کو ملحوظِ خاطر رکھنے کی بجائے اپنے عیوب و نقائص اور

---

[1](تفسیر القرطبی، ج۷، ص ۳۴۶، الناشر: دار الکتب المصریة - القاهرة)

گناہوں کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھنا چاہیئے تاکہ حق تعالیٰ کے حضور باز پُرس اور جواب دہی کا تصور غالب رہے۔ احکامِ شرعیہ اور اعمالِ حسنہ پر نازاں و فرحاں نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ قابلِ اعتبار اور لائقِ اعتماد وہی افعال واعمال ہیں جن پر بندۂ مؤمن کو استقامت نصیب ہو جائے۔ مشائخِ طریقت فرماتے ہیں استقامت ہزار کرامت سے بہتر ہے۔

ما برائے استقامت آمدیم
نے برائے کرامت آمدیم

کیونکہ دینِ اسلام کی تائید وتقویت اور سنت وشریعت کی احیاء واشاعت کے جو امورِ حسنہ استقامت سے محروم ہوں، کفار وفجار وفسّاق سے بھی لے لئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: إِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّینَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔[1] سے عیاں ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مشائخِ طریقت کی تربیت کے لئے ایسے زریں اصول بیان فرمارہے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر وہ حرص وہوس کی لعنتوں سے نجات اور قرب ووصل کی لذتوں سے سرشار ہو سکتے ہیں اور متوسلین کے قلوب ونفوس کا تصفیہ وتزکیہ بھی کرسکتے ہیں۔ جبکہ گندم نماجو فروش پیر اور ملنگ لباس خضر میں سادہ لوح شائقینِ طریقت سے ہمہ وقت نذرانے بٹورنے اور خدمت لینے کے چکروں میں غلطاں وسرگرداں رہتے ہیں۔ یہی وہ ننگِ طریقت لوگ ہیں جن کے سینے نورِ معرفت سے محروم اور قلوب حضور وسرور سے یکسر خالی ہیں، جو تصوف کے پاکیزہ وشفاف چشمہ کو مکدر وبدنام کررہے ہیں۔

---

[1](صحیح البخاری، ج۱۰، ص۲۸۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

علامہ اقبال نے ان ہی لوگوں کے متعلق کہا تھا:

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے

گلیمِ بوذر و دلقِ اویس و چادرِ زہراء

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۲۳۰ تا ۲۳۳)

مکتوب نمبر ۱۷۲

[شیخ بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا:

بعد اسرارِ خاص کے بیان میں جو خاص میں سے بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ اور اس بیان میں کہ اس مقام میں عارف اپنے آپ کو دائرۂ شریعت سے باہر پاتا ہے۔ اور اس کے سبب کا بیان اور اس کی روشن شریعت کے ظاہر سے مطابقت اور اس سے متعلقہ دیگر مسائل کے بیان میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَ الصَّلٰوۃِ میرے عزیز بھائی کو معلوم ہونا چاہیئے کہ شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اس کی صورت وہ ہے جس کے بیان کے علماءِ ظاہر کفیل وضامن ہیں۔ اور اس کی حقیقت وہ ہے جس کے بیان کے ساتھ بلند گروہِ صوفیہ ممتاز ہے۔ صورتِ شریعت کے عروج کی نہایت سلسلۂ ممکنات کی نہایت تک ہے۔ اس کے بعد اگر مراتبِ وجوب میں سیر واقع ہو تو وہ حقیقت کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی۔ اور آمیزش کا یہ معاملہ شان العلم کے عروج تک ہے۔ جو سید البشر علیہ وعلٰی آلہٖ الصلوات والتسلیمات کا مبدأ تعین ہے۔ اس کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو صورت و حقیقت دونوں الگ ہو جاتی ہیں۔ اور عارف کا معاملہ شان الحیات تک جا پہنچتا ہے۔ اس عظیم مرتبہ شان کی عالَم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ یہ شیوناتِ حقیقیہ میں سے ہے کہ اضافت کی گرد (بھی) اس تک نہیں پہنچتی۔ تاکہ عالَم کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہو۔ اور یہ شانِ مقصود کا دروازہ ہے اور مطلوب کا مقدمہ۔ اس مقام میں عارف اپنے آپ کو دائرۂ شریعت سے باہر پاتا ہے۔ لیکن چونکہ محفوظ ہوتا ہے اس لئے دقائقِ شریعت سے ایک دقیقہ بھی نہیں چھوڑتا وہ جماعت جو اس دولتِ عظمٰی سے مشرف ہوتی ہے، اس کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ اگر اس کی تعداد بیان کی جائے تو شاید نہایت ہی قلیل لوگ اسے تسلیم اور قبول کریں۔ اور صوفیہ کی ایک کثیر جماعت اس مقامِ اعلٰی کے سایہ تک پہنچتی ہے، کیونکہ ہر بلند

مقام کا اس کے نیچے اس کا ایک سایہ ہے۔ سایہ اور ظل میں پہنچنے والی جماعت کا گمان ہو تا ہے کہ انہوں نے دائرۂ شریعت سے قدم باہر رکھ لیا ہے۔ اور پوست سے ترقی کر کے مغز تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ مقام صوفیہ کے قدموں کی لغزش کی جگہ ہے۔ ناقصوں کا ایک گروہ اس راستہ سے الحادو زندقہ تک پہنچا ہے۔ اور انہوں نے اپنا سَر شریعت کی رَسی سے باہر نکالا ہے۔ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا ہے۔

اور کاملوں کی ایک جماعت جو درجاتِ ولایت میں سے ایک درجہ سے مشرف ہوئی ہے، اور اس معرفت کے اس بلند مقام کے ظِلال (سایوں) میں سے کسی ظل کو حاصل کیا ہے۔ اگرچہ اس مقام کے اصل تک نہیں پہنچے لیکن وہ بھکنے سے محفوظ رہے ہیں۔ اور آدابِ شریعت میں سے کسی ایک ادب اور مستحب اَمر کو بھی تَرک کرنا جائز نہیں رکھا۔ اگرچہ اس معرفت کے راز کو نہیں جانتے۔ اور حقیقتِ معاملہ کو نہیں سمجھتے۔

جب اس فقیر پر اللہ سبحانہٗ کی عنایت ومہربانی اور اس کے حبیبِ پاک علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ سے اس معمہ کا راز منکشف ہوا ہے، اور حقیقتِ معاملہ جیسی کہ چاہیئے ظاہر ہو چکی ہے تو اس سرگذشت کا تھوڑا حصہ معرضِ تحریر میں لاتا ہے۔ ممکن ہے میری یہ تحریر ناقصوں کو راہِ راست کی طرف لائے اور حقیقتِ معاملہ کی وضاحت کرے۔

جاننا چاہیئے کہ تکلیفاتِ شرعیہ بدن اور دل سے مخصوص ہیں۔ کیونکہ نفس کا تزکیہ ان ہی پر متفرع ہوتا ہے۔ اور لطائف میں سے جو لطیفے دائرۂ شریعت سے باہر قدم رکھتے ہیں، وہ ان کے علاوہ ہیں۔ پس جو لطیفہ احکامِ شرعیہ کا مکلف ہے ہمیشہ مکلف ہے۔ اور جو لطیفہ مکلف نہیں وہ کبھی بھی مکلف نہیں ہوا۔ اس بات میں انتہائی اور آخری جو بات ہے یہ ہے کہ سلوک سے قبل لطائف آپس

میں مخلوط تھے، قلب سے جدا نہیں تھے۔ جب سیر و سلوک نے ہر ایک کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا اور ہر ایک کو اپنے مقامِ اصلی میں پہنچا دیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ مکلف کون تھا اور کون مکلف نہیں تھا۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ اس مقام میں عارف اپنے بدن اور دل کو بھی دائرۂ شریعت سے باہر پاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ یہ یافت تحقیقی نہیں ہے بلکہ تخیلی ہے۔ اور اس تخیل کا منشا دراصل لطیف ترین لطیفوں جنہوں نے تکالیفِ شرعیہ سے قدم باہر رکھے ہوئے ہیں کے رنگ میں رنگین ہونا ہے۔ اگر یہ سوال کریں کہ صورتِ شریعت کی تکلیفات قلب اور قالب سے مخصوص ہیں، لیکن حقیقتِ شریعت کی قلب کے ماسوا میں بھی گنجائش ہے۔ پس مطلق شریعت سے قدم باہر رکھنے کے کیا معنی ہیں؟ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ حقیقتِ شریعت بھی رُوح اور سِر سے آگے نہیں گزرتی۔ اور لطیفہ خفی اور اخفٰی تک نہیں پہنچتی اور شریعت سے باہر قدم رکھنے والے فی الحقیقت خفی اور اخفٰی ہی ہیں۔ **و اللہ سبحانہٗ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو حضور سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے دوستوں کی تین اقسام ہیں عام، خاص اور خاص الخاص۔ اور اس مکتوب میں تیسری قسم جو کہ خاص الخاص ہے وہ موضوعِ بحث ہے۔ اس کے بیان سے پہلے ہم ایک تمہید رکھیں گے تا کہ

ہمارے ایمان اور عقیدے میں فرق پیدا نہ ہو۔ انسان کے بدن میں اس طرح کے لطائف موجود ہیں جو شریعت کے مکلف نہیں ہیں اور ایسے لطائف بھی موجود ہیں جو شریعت کے مکلف ہیں۔ ان میں سے عام اور خاص لطائف شریعت کے مکلف ہیں مگر دو لطائف شریعت کے مکلف نہیں ہیں۔ اس طرح کی کیفیات میں بعض صوفیاء اپنے آپ کو اسلام کے دائرہ سے نکال کر کفر کے دائرہ میں داخل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں خاص الخاص میں سے ہوں، اور ولایت کے اس مقام تک پہنچ گیا ہوں جہاں مجھ پر کسی قسم کے شرعی احکامات لاگو نہیں ہوتے۔ یعنی میں بالکل آزاد ہو چکا ہوں لیکن آگاہ رہیں کہ جس شخص نے بھی اس طرح کے الفاظ کہے وہ گمراہ، بدبخت اور اسلام کے دائرہ سے خارج ہے۔

اب حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا فرمان سُنیں کہ وہ خاص الخاص کے بارے میں کیا الفاظ فرماتے ہیں کہ آیا خاص الخاص لطائف والے شریعتِ غرأ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ایک بال برابر بھی خلاف ورزی کرتے ہیں یا نہیں۔

ہم ایمانیات میں شریعت کے دو درجوں کے قائل ہیں ایک صورتِ شریعت اور دوسری حقیقتِ شریعت۔ پہلی قسم صورتِ شریعت سے نہ کوئی نبی علیہ السلام فارغ ہے نہ ولی اور نہ ہی عام مسلمان یعنی صورتِ شریعت کا ہر انسان مکلف ہے اگر کسی نے اس طرح کہا کہ میں صورتِ شریعت کا مکلف نہیں ہوں چاہے اس طرح کہنے والا ولی ہو یا عام مسلمان تو یہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا کیونکہ پنج بناء اسلام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہر بندے پر لازم ہیں اور یہی صورتِ شریعت ہیں اگر کوئی انہیں ادا نہ کرے یا ان سے انکار کرے تو اس طرح کا شخص کفر کی وادی میں داخل ہو جاتا ہے جہاں

اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ مختصر یہ کہ صورتِ شریعت زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔

دوسرا درجہ حقیقتِ شریعت کا ہے جو شخص حقیقتِ ایمان، حقیقتِ صلوٰۃ، حقیقتِ صوم اور حقیقتِ زکوٰۃ پر مشرف ہو جائے اور اس پر عمل کرے تو ایسا شخص حقیقتِ شریعت پر فائز ہو جاتا ہے اور جو حقیقتِ شریعت سے واقف ہو جائے تو اس پر حقیقتِ شریعت کی اتباع لازم ہے اور باقی لوگ اس (حقیقتِ شریعت) سے محروم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ تصوف سے ناواقف ہیں مگر وہ نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو ہم انہیں مسلمان یا مؤمن کہتے ہیں کیونکہ ایسے لوگ صورتِ شریعت پر عمل کرتے ہیں جبکہ حقیقتِ شریعت سے ناواقف ہوتے ہیں اور جو لوگ حقیقتِ شریعت سے ناواقف ہوں ہم انہیں کافر نہیں کہہ سکتے صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اپنا ایمان تکمیل تک نہیں پہنچایا اور ہر شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان کی تکمیل کے لئے کوشش کرے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ صورتِ شریعت والا سالک ابھی تک حالتِ شہودی کی کیفیت پر مشرف ہی نہیں ہوا ہوتا، کیونکہ وہ صرف یہ ایمان رکھتا اور دل سے تصدیق کرتا ہے کہ جنت و دوزخ اور لوح و قلم موجود ہیں۔ جبکہ حقیقتِ شریعت والا سالک جنت پر ایمان و تصدیق کے ساتھ ساتھ جنت و دوزخ اور لوح و قلم کو دیکھتا بھی ہے۔ کیونکہ یہ سالک حقیقتِ شریعت، حقیقتِ ایمان اور حالتِ شہودی کی کیفیت پر مشرف ہو جاتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت دونوں پر مشرف تھے۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جنت ودوزخ، لوح وقلم اور عذابِ قبر وغیرہ سب کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے بھی فرمایا۔

جس طرح کہ عذابِ قبر کے بارے میں حدیثِ مبارکہ میں بھی آتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ:

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَ فَعَلْتَ هَذَا قَالَ لَعَلَّهُ يُخَفِّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔

ترجمہ: (ایک مرتبہ) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی بہت بڑی بات پر نہیں (بلکہ اس وجہ سے کہ)، ایک تو ان میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری میں مبتلا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک ہری ٹہنی لے کر بیچ سے اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر ایک قبر میں ایک ایک ٹکڑا اگاڑ دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے (ایسا) کیوں کیا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا تاکہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں ان پر عذاب میں تخفیف رہے۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ حقیقتِ شریعت سے اکثر لوگ بے بہرہ ہیں مگر صورتِ شریعت پر تو ہم لوگ مکلف ہیں، اب اگر کوئی صورتِ شریعت والوں میں سے عذابِ قبر سے منکر ہو جائے تو ایسے شخص کا صورتِ ایمان بھی ناقص ہو گا جس طرح کہ فرقہ معتزلہ عذابِ قبر کا منکر ہے۔

---

[1](صحیح البخاری، ج ۱، ص ۳۶۵، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے دوسری بات یہ فرمائی ہے کہ صورتِ شریعت کے عروج کی نہایت سلسلۂ ممکنات کی نہایت تک ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام اور صفت العلم یہ ممکنات میں سے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ قرآن عظیم الشان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام ہے اور یہ ہمارے دلوں کا نور ہے اور اس کی وجہ سے ہم سے کدورات دور ہوتی ہیں، یہ ہی صورتِ شریعت ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ تعین شانِ جامع کلام، شانِ جامع علم اور شانِ جامع قدرت ہے۔ مگر اس جگہ بات کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات اور شیونات پر بھی ہمارا ایمان ہے، اگرچہ شیونات صفاتِ ثمانیہ ذاتیہ ثبوتیہ حقیقیہ سے بلند ہے مگر پھر بھی یہ شیونات ممکنات میں سے ہیں۔ اور صورتِ شریعت میں داخل ہیں۔ جس وقت عارف کا عروج شیونات سے بلند ہو کر اعتبارات پر ہو جاتا ہے تو پھر اس عارف کا لطیفۂ خفی اور اخفیٰ شریعت پر مکلف نہیں رہتا۔

مختصراً شیونات سے مراد یہ ہے کہ عارف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات میں سے صفتِ علم یا صفتِ کلام میں سے کسی ایک صفت پر فائز ہو۔ اور اعتبارات سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ساری صفاتِ ثمانیہ ذاتیہ ثبوتیہ حقیقیہ ایک ہی صفت میں موجود ہوں اس کو شانِ جامع کہا جاتا ہے۔

کلام اور صفت الکلام میں بڑا فرق ہے، اسی طرح علم اور شان العلم کے درمیان بہت فرق ہے۔ غور فرمائیں کہ مثلاً عام لوگ صرف یہی بات سمجھتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ عالِم ہے لیکن خواص یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ صفت العلم کا بھی مالک ہے جبکہ اخص الخواص لوگ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے شان العلم پر فائز ہونے کی معرفت بھی رکھتے ہیں۔ کیونکہ اس میں سب صفات اور علم موجود ہیں، اس میں تیسرے درجے کے (خاص الخواص) لوگ خفی اور اخفیٰ کی مکلفیت سے خارج

ہیں۔ لیکن خبردار! اس طرح نہیں یہ لوگ صورتِ شریعت سے فارغ ہو گئے ہیں اور اب یہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے احکامات ادا نہیں کریں گے (نعوذ باللہ من ذلک) کیونکہ بے علم پیر، بے علم راہب اور بے علم صوفی اس طرح کی باتیں کرتے ہیں جو شخص اس طرح کہے کہ یہ لوگ ظاہرِ شریعت سے فارغ ہیں تو اس طرح کہنے والا اسلام سے خارج اور کُفر میں داخل ہو جائے گا اور شان الکلام اور شان العلم کے ہم مکلف نہیں ہیں کہ ہم اس میں سوچ و فکر کریں صرف اتنی بات سمجھنا ضروری ہے کہ وہ لطائف یعنی خفی اور اخفٰی شریعت کے مکلف نہیں ہوتے اور قلب، روح اور سِر شریعت کے مکلف ہیں۔ مختصر یہ کہ عام مسلمان سے لے کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک سب ظاہر شریعت کے مکلف ہیں۔ لیکن ان میں سے گنتی کے چند خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں جو حقیقتِ شریعت کے درجہ سے مستفید ہوں۔

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قبل از نبوت اور بعد از نبوت گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ اور قبیح کاموں سے معصوم ہیں اور اولیاء اللہ محفوظ کر دیئے جاتے ہیں یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اولیاء اللہ کو گناہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عبد اللہ رکھا تھا، اور آپ کی کنیت ابو بکر تھی۔ کسی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ اسلام لانے سے پہلے آپ کا نام عبد الکعب تھا، کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی بُت کی تعظیم یا اس کو سجدہ کیا تھا؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نہیں مگر ایک دفعہ میرے والد مجھے مکہ مکرمہ لے گئے اور مجھے وہاں پر موجود بتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا، لیکن میں نے سجدہ نہیں کیا انہوں نے مجھے بہت مارا یہاں تک کہ میرے سر پر زخم آ گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ مگر

میں نے اس کے باوجود بھی اس بُت کو سجدہ نہ کیا تو میرے والد نے مجھ سے پوچھا کہ تم اس بُت کو سجدہ کیوں نہیں کرتے، میں نے کہا کہ سجدہ صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ معصوم نہیں تھے بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس عمل سے محفوظ رکھا۔ کیونکہ اگر اولیاء اللہ کو کوئی ظلم و جبر سے بھی خلافِ شریعت کام کی طرف لے کر جانا چاہے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس میں رکاوٹ پیدا فرما کر اسے اس گناہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ایسے دوست ہیں کہ اگر وہ مقامِ قلب، مقامِ روح یا مقامِ سِر کے ظِل تک پہنچ جائیں تو بھی یہ گوارا نہیں کرتے کہ ان سے ایک مستحب عمل بھی ترک ہو جائے تو جن اولیاء اللہ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حقیقتِ خفی اور حقیقتِ اخفٰی کے مقام پر پہنچا دیا ہو تو وہ کس طرح گوارہ کریں گے کہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اَوامر اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنتوں، مستحبات اور آداب کو ترک کریں یا اُن کا خیال نہ رکھیں۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

ہر کسے را بہرِ کارے ساختند
مہرِ آں را در دِلش انداختند

ترجمہ: ہر کسی کو کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دی گئی ہے۔

جس کے دل میں محبتِ دُنیا ہو وہ دُنیا کو پالیتا ہے اور جس کی محبت دینِ اسلام کے ساتھ ہو وہ دینِ اسلام پالیتا ہے۔ اور جس کی تمنا یہ ہو کہ میں حقیقتِ ایمان پر مشرف ہو جاؤں تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اُسے حقیقتِ ایمان پر مشرف فرما دیتا ہے۔

البتہ جو لوگ زندیق اور ملحد ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا سَر شریعت کی رَسی سے باہر نکال لیا ہے ان کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی بدبخت و گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی راستے کی تلقین کرتے ہیں۔

لطیفۂ نفس اور عناصرِ اَربعہ (یعنی آگ، مٹی، ہوا اور پانی) اور لطیفۂ قلب احکامِ الٰہی کے مکلف ہیں جن سے بدنِ انسانی مرکب ہوا ہے اور لطیفۂ روح اور لطیفۂ سِر بھی احکام کے مکلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قبر کا ثواب و عذاب روح اور بدن دونوں پر مرتب ہوتا ہے، اگر بدن سے روح نکال دی جائے تو وہ جمادِ محض رہ جاتا ہے اور جیسے قلبِ انسانی عالمِ امر و عالمِ خلق کے درمیان برزخ ہے ویسے ہی لطیفۂ سِر صفاتِ الٰہی اور ذاتِ بحت جلّ شانہٗ کے درمیان برزخ ہے اس لئے لطیفہ بھی قلب کی طرح مکلف ہے۔

رہ گیا معاملہ لطیفۂ خفی اور اخفٰی کا، تو یہ دو لطیف ترین مقامات ہیں، جن کا تفصیلی بیان الفاظ میں نہیں آسکتا۔ ہاں اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ ان کا مبدأ فیض شانِ تنزیہہ اور شانِ جامع اور صفات و شیونات ذاتیہ سے بہت بلند ہے اس لئے یہ لطائف تکلیفاتِ شرعیہ کے بھی مکلف نہیں ہیں۔ یہ مراد نہیں ہے کہ جو عارف ان دو لطائف کا حامل ہو وہ شریعت کا مکلف نہیں رہتا کیونکہ ایسا قول اور ایسا عقیدہ عین زندیقیت ہے اور ہم ایسا عقیدہ رکھنے سے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اور جب ثابت ہو چکا کہ دو عظیم ترین لطائف کے حامل عرفاء بھی شریعت کے دائرے سے قدم باہر نہیں رکھ سکتے تو پھر ان بیچارے فقیروں کا کیا حال ہوگا جو قلبی احوال سے بھی نابلد ہوتے ہیں اور شرعی احکامات کے نزدیک تک بھی نہیں جاتے لیکن دعویٰ کرتے ہیں شہبازِ لامکاں ہونے کا (**العیاذ باللہ**)۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا بتحقیق اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔ [1]

یعنی جو سالک اپنے لطائف کی حقیقت کو جان لیتا ہے وہ اپنے خالق ومالک کو بھی بطریقۂ احسن پہچان لیتا ہے اور علماءِ ظواہر چونکہ تصوف سے عملاً بے بہرہ ہوتے ہیں اس لئے ان کا ایمان بھی صُوری ہوتا ہے اور حقیقتِ ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں لطائف کی حقیقتوں سے آگاہ اور ان کے اصل مقامات پر اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل مشرف فرمائے اور ایمانِ حقیقی کی دولت سے نواز کر شریعتِ مطہرہ پر استقامت نصیب فرمائے، آمین۔

(دارالمعرفت، ج۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز شریعت وطریقت وحقیقت کے وہ بعض علوم ومعارف اور رموز واسرار بیان فرمارہے ہیں جن سے خال خال اور اقلِ قلیل عرفائے کاملین کو آگاہی بخشی گئی ہے۔ دراصل حق تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لئے دنیوی رشد وہدایت اور اخروی فلاح ونجات کے لئے بیان فرمودہ جادۂ مستقیم کو شریعت کہا جاتا ہے۔

شریعت کی دو قسمیں ہیں:

صورتِ شریعت اور حقیقتِ شریعت

---

[1] (مرقاۃالمفاتیح، ج ۱، ص ۱۵۲، الناشر: دارالفکر، بیروت-لبنان)

قضایائے شرعیہ کی تصدیق کو صورتِ شریعت سے تعبیر کرتے ہیں، جبکہ مصداقات قضایائے شرعیہ کی رؤیت و شہود کو حقیقتِ شریعت کہا جاتا ہے۔۔۔ بالفاظِ دیگر صورتِ شریعت، قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو شان العلم اور صفت العلم کا مظہر ہے اور شان العلم اور صفت العلم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ تعین بھی ہے۔ یوں باہمی مناسبت کی بناء پر قرآن و حدیث بصورتِ وحی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قلبِ اطہر پر نازل کئے گئے۔ جیسا کہ آیاتِ کریمہ: فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ (البقرۃ ۹۷) اور بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ (البقرۃ ۴) سے مفہوم ہوتا ہے۔۔۔ جبکہ حقیقتِ شریعت، شان الکلام و شان العلم اور صفت الکلام وصفت العلم ہے۔ صورتِ شریعت کی تعلیم و تبلیغ اور افہام و تفہیم کی ذمہ داری علمائے کرام پر عائد کی گئی ہے جبکہ حقیقتِ شریعت کی دعوت و شہود ورؤیت کے کفیل عرفائے کاملین ہیں۔

صورتِ شریعت کا منتہائے عروج ممکنات ہے۔ جب دائرۂ امکان سے آگے مراتبِ وجوب میں سیر واقع ہو تو صورت، حقیقت کے ساتھ ممتزج ہو جاتی ہے اور صورت و حقیقت کا یہ امتزاج شان العلم تک عروج پر منتہی ہو جاتا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ تعین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صورتِ شریعت کے مصدر اکمل اور حقیقتِ شریعت کے مظہرِ اَتم ہیں۔(وَلِلّٰهِ الْحَمْد)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ دورانِ سلوک جب سالک دائرۂ امکان اور شان العلم سے آگے شان الحیات تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو شریعت کی صورت و حقیقت

دونوں رخصت ہو جاتی ہیں۔ مناسب معلوم ہو تا ہے کہ یہاں شان الحیات اور صفت الحیات کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے تا کہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

صفتِ حیات کا اجمالی تذکرہ

علمائے متکلمین اہل سنت کے نزدیک صفتِ حیات، صفاتِ ذاتیہ حقیقیہ میں سے ہے جو جملہ صفات کی امام،واصل اور ان سے اعلیٰ واسبق ہے۔

بقول شاعر:

از صفاتش یکی حیات آمد

کہ امام ہمہ صفات آمد

او بخود زندہ است پائندہ

زندگان دیگر باو زندہ

لفظ حیات سے حیّ ماخوذ ہے اور حق تعالیٰ حیّ مطلق ہے کہ اس کی حیات مخلوق کی حیات کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ وہ تعالیٰ اول بلا ابتداء اور آخر بلا انتہاء ہے اور حیّ کا معنی زندہ پائندہ، دائم البقاء اور دیگر مخلوقات کو زندہ رکھنے والا ہے۔ جیسا کہ آیات کریمہ: اللّٰہُ لَا إِلٰہَ إِلَّا ھُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (البقرۃ ۲۵۵) اور وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَ الْإِکْرَامِ (الرحمٰن ۲۷) سے واضح ہے۔

* حضرت علامہ دوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصیدہ بدأ الامالی میں یوں ارقام پذیر ہیں:

هُوَ الْحَيُّ الْمُدَبِّرُ كُلِّ اَمرٍ
هُوَ الْحَقُّ الْمُقَدِّرُ ذُو الْجَلَال

یعنی وہ اللہ تعالیٰ حیّ ہے اور ہر امر کی تدبیر فرمانے والا ہے،وہ حق تعالیٰ صاحبِ جلال اور جملہ امور کی تقدیر کرنے والا ہے۔

حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صفة الحیاة کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

اَلْحَیٰوةُ هِیَ صِفَةٌ اَزَلِیَّةٌ تُوْجِبُ صِحَّةَ الْعِلْمِ۔

یعنی حیات ازلی صفت ہے جو علم وغیرہا صفات کے وجود کے صحیح ہونے کی مؤجب ہے۔

شان الحیات، شان العلم سے بلند تر ہے۔ صفت علم اپنی جامعیت کے باوجود صفتِ حیات کے تابع ہے۔ شیون وصفات کا دائرہ صفتِ حیات پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور مقصود کا دروازہ اور مطلوب کا پیش خیمہ یہی صفتِ حیات ہے۔ حریم حیات میں سیر نظری کرنے والے سالکین اقل ہیں اور حریمِ حیات میں سیر قدمی سے مشرف ہونے والے عارفین اقلِ قلیل ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ شان الحیات ایسی عظیم الشان شان ہے کہ دیگر شیون وصفات اس کے پہلو میں ایسے نسبت رکھتے ہیں جیسے چھوٹی نہر کو دریائے محیط کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ شیخ ابن العربی قدس سرہٗ العزیز آنجا کُلبہ دارد کہ دران اقامت ورزیدہ است۔[1]

صفتِ حیات حقیقتِ محض ہونے کی بناء پر عالم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی بلکہ وہ ہر قسم کی نسبت واضافت کے امتزاج و گرد وبو سے پاک ہے۔

---

[1] (متکوبات شریفہ دفتر سوم، مکتوب ۴۳)

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ حق تعالیٰ خود بذاتِ اقدس کافی ہے، وہ تعالیٰ کمالاتِ ثمانیہ کے حصول میں صفاتِ ثمانیہ کا محتاج نہیں بلکہ وہ بذاتِ خود زندہ ہے نہ کہ اپنی صفتِ حیات کے ساتھ۔۔۔ بذاتِ خود دانا ہے نہ کہ صفتِ علم کے ساتھ۔۔۔۔ اِلخ۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ صفات اور شیونات کے درمیان بہت باریک فرق ہے جو محمدی المشرب اولیاء کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی شیونات اس کی ذات کی فرع ہیں اور اس کی صفات ان شیونات پر ہی متفرع ہیں۔ معلوم ہوا شیونات اور چیز ہیں اور صفات اور چیز۔ شیونات خارج میں عینِ ذات ہیں جبکہ صفات خارج میں زائد بر ذات ہیں۔ مقامِ شیون مواجہٗ ذات ہے جبکہ مقام صفات ایسا نہیں ہے۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ اعیانِ ثابتہ، صفات کے ظلال ہیں اور ممکنات، اعیانِ ثابتہ کے ظلال ہیں۔ یعنی مبدأ فیاض سے وجود اور اس کے توابع کا فیضان ممکنات تک اعیانِ ثابتہ کی وساطت سے ہوتا ہے، جس طرح شیشے کے اندر چراغ کا نور دوسری اشیاء تک شیشے کے واسطے سے پہنچتا ہے آیہ کریمہ: مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ (النور ۳۵) اسی کی طرف مشیر ہے۔

بینہ نمبر ۴

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں کہ صفات اور ممکنات کے درمیان اعیانِ ثابتہ کا واسطہ عالمِ دنیا تک ہی محدود ہے۔ عالمِ آخرت میں صفات سے ممکنات کی طرف وجود اور اس کے توابع کا فیضان اعیانِ ثابتہ کے بغیر ہی ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ دُنیا میں ممکنات پر فنا طاری ہو جاتی ہے جبکہ اخروی عالم میں ممکنات فنا سے محفوظ ہوں گے۔ [1]

بینہ نمبر ۵

واضح رہے کہ معرفتِ توحید بنیادی فرض ہے جس کے فیضان سے اکثر اہلِ علم محروم ہوتے ہیں۔ جو بے جا بحث و تمحیص اور مباحثوں و مجادلوں میں حیات مستعار کو ضائع کر دیتے ہیں۔

معجزۂ اہلِ فکر فلسفہ ُ پیچ پیچ

بندۂ مؤمن جس قدر شرابِ توحید کا متوالا ہوتا ہے اسی قدر فکرِ دو عالم سے آزاد ہو تا جاتا ہے۔ اور متاعِ زیست کو راہِ حق میں نثار کر دیتا ہے، اور آیہ کریمہ: إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبۃ ۱۱۱) کی عملی تفسیر ثابت ہوتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اِيَّاهَا

بینہ نمبر ٦

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جس شیخ کی خدمت و صحبت میں مال و دولت کی ہوس پیدا ہو، اس کی صحبت صوفیاء کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ اس کی مجلس میں آمد و رفت سے کنارہ کشی کرنی چاہیئے۔ البتہ جس شیخ کی صحبت سے سالکین کے قلوب، اغیار کی محبت سے آزاد اور بے زار ہوں اور وہ نفی اثبات کا

---

[1] (تفسیر مظھری، سورۃ الملک)

طریقہ سکھا کر توحید کو قلوب میں اتار دے۔۔۔وہی سالکین کے لئے مؤحد زماں، قطبِ دوراں اور امامِ برحق ہوتا ہے۔

بقول اقبال مرحوم:

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر وموجود سے بے زار کرے

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۲۳۸ تا ۲۴۴)

مکتوب نمبر ۱۷۳

[میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا:

ایک سوال کے جواب میں جو انہوں نے اٹھایا تھا۔ اور بعض عجیب اسرار کے بیان میں جو کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی نفی اور اثبات سے تعلق رکھتے ہیں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَ الصَّلٰوۃِ جناب سیادتِ پناہ کو معلوم ہونا چاہیئے، آپ نے دریافت کیا تھا کہ جو کچھ دیدہ ودانش میں آتا ہے اس کی کلمہ لَا کے نیچے لاکر نفی کرنا ضروری ہے کیونکہ مُثَبّت مطلوب (ذاتِ حق) دیدہ ودانش سے بلند وبالا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ مشہود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی نفی کے لائق ہو اور مطلوبِ مُثَبّت اس کے ماسوا میں پایا جائے۔

اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی بلندیٔ شان کے باوجود بشر تھے، اور داغِ حدوث وامکان سے متصف تھے۔ بشر خالقِ بشر کو کتنا پا سکتا ہے؟ اور ممکن واجب سے کیا اخذ کر سکتا ہے؟ اور حادث قدیم ذات جلّ عظمتہٗ کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے؟

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (طٰهٰ ۱۱۰)

ترجمہ: اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا۔

نصِ قاطع ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

نمی بینی کہ شاہی چوں پیمبرؐ

نیافت او فقرِ کل تو رنج کم بر

ترجمہ: تو نہیں دیکھتا کہ حضرت پیغمبر علیہ السلام جیسے بادشاہ بھی فقرِ کُل نہ پا سکے لہٰذا اس معاملے میں تمہیں رَنج کم کرنا چاہیئے۔

اے عزیز یہ مقام تفصیل چاہتا ہے، ہوش کے کانوں سے بات سُننی چاہیئے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں خالق و مخلوق کے بارے میں بحث فرمائی ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ خالقِ کُل کائنات ہے جو ہمارے عقل، فکر، وہم اور خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ بلکہ وہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ذات ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بشر خالقِ بشر کو کتنا پا سکتا ہے، اور ممکن واجب سے کیا اخذ کر سکتا ہے؟ اور حادث قدیم ذات کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے؟ ذہن نشین کر لیں کہ بشر کا علم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا، کیونکہ بشر کا علم عطائی ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم ذاتی۔ اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام گزر چکے ہیں اُن سب کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے۔ لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض ہی شان العلم ہے اور شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ علم تو سمجھ آ گیا لیکن شان العلم سے کیا مراد ہے؟ تو اس کی عام فہم وضاحت یوں ہے کہ ایک تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم ہے اور ایک اُس علم کی صفت ہے جسے صفت العلم کہا جاتا ہے، اور ایک اُس علم کی شان ہے جسے شان العلم کہا گیا ہے۔ شان العلم، علم اور صفت العلم سے بلند ترین چیز ہے، تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور مبدأ فیض صفت العلم ہے یعنی جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے صفت العلم کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ عظام کی طرف متوجہ کیا تو اس سے یہ دونوں

تخلق ہوئے۔ لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خِلقت صفت العلم سے ہوئی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض شان العلم ہے اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس مبدأ فیض سے فیض حاصل کرتے ہیں اس کے باوجود کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبدأ فیض شان العلم ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات انسانی عقل اور ادراک سے وریٰ الوریٰ ہے ثم وریٰ الوریٰ ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی بشر کا علم یا عقلِ انسانی اُس کا ادراک کر سکے۔ ذرا غور فرمائیں کہ انسانی جسم میں پوشیدہ ''روح'' جو کہ بذاتِ خود مخلوق ہے آج تک انسانی عقل میں نہیں آسکی اور نہ ہی کسی آنکھ نے اس کا ادراک کیا ہے اور جب روح جیسی نورانی مخلوق انسانی سمجھ سے بالاتر ہے تو پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات کا کیا حال ہو گا؟

اگر کوئی خام صوفی کہے کہ میں نے خواب میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو انسانی شکل میں دیکھا ہے تو ہم کہیں گے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انسانی روپ اور انسانی شکل وصورت سے پاک ومنزہ ہے اور واجب الوجود ہے۔ حادث اور ممکن، واجب ذات کو کیسے پا سکتا ہے؟ اس فانی دُنیا میں تو ظاہری آنکھوں سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا دیدار بھی ممکن نہیں ہے، اور وہ جو آخرت میں دیدارِ الٰہی کا وعدہ ہے اس کے لئے آنکھیں بھی اُخروی ہوں گی۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیدارِ الٰہی کی جو دولت آخرت میں نصیب ہو گی وہ شبِ معراج والے دیدار سے کروڑوں درجہ بلند ہو گی۔ بلکہ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیدار کی دولت جس رات کو ملی تھی وہ رات بھی آخرت کی ہی رات تھی اور اُس رات کا دورانیہ اٹھارہ (۱۸) سال پر

محیط تھا پھر بھی واپسی پر بستر مبارک گرم تھا اور دروازے کی کُنڈی ہل رہی تھی۔(واللہ اعلم بالصواب)

[جاننا چاہیئے کہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے دو مقام ہیں نفی اور اثبات۔ پھر نفی اور اثبات ہر ایک کے دو اعتبار ہیں۔ اعتبار اوّل یہ ہے کہ اِلٰہِ باطلہ کے مستحقِ عبادت ہونے کی نفی کی جائے اور معبودِ بحق کی عبادت کے استحقاق کا اثبات کیا جائے۔ اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ نفی غیر مقصودی باتوں سے بھی تعلق پذیر ہو۔ اور غیر مطلوبہ تعلقات کی بھی نفی کی جائے۔ اور جانبِ اثبات میں مطلوبِ حقیقی کے سوا کچھ ثابت نہ کیا جائے۔ اور مقصودِ اصلی کے سوا کسی طرف رُخ نہ کیا جائے۔ اور اعتبارِ اول میں ابتداء میں یہ کمال ہے کہ جو کچھ معلوم و مشہود ہو چکا ہے۔ سب لَا کے تحت داخل ہوتا ہے۔ اور جانبِ اثبات میں کلمہ مستثنٰی (اللہ) کے سوا کوئی چیز ملحوظ نہیں ہوتی۔ کچھ عرصہ بعد جب بصیرت تیز ہو جاتی ہے اور راہِ مطلوب کی خاک کے سرمہ سے سُرمگیں ہو جاتی ہے تو مستثنٰی اللہ بھی مستثنٰی منہٗ کی طرح سامنے آ جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود سالک اپنے آپ کو اس مشہود ذات کے ماسوا میں گرفتار پاتا ہے۔ اور مطلوب کو اس کے باہر تلاش کرتا ہے، کیونکہ اس کمال کی ابتداء جو کچھ لَا کے تحت داخل ہوا تھا سب کا سب دائرۂ ممکنات میں تھا، جو عبادت کا استحقاق نہیں رکھتا تھا۔ اور اس کلمہ طیبہ کے تکرار کی برکت سے اس معبود سے (جو مستحق ہے) جدا ہو چکا ہے۔ لیکن ضعفِ بصیرت کے سبب مرتبۂ وجوب کو جو شایانِ عبادت ہے۔ کلمہ اِلَّا کے ساتھ ثابت کر کے نہیں دیکھتا تھا۔ اور کلمہ مستثنٰی اللہ کو زبان سے ادا کرنے کے سوا کچھ حصہ نہیں رکھتا تھا۔ لیکن قوتِ بصیرت کے بعد کلمہ مستثنٰی منہٗ کی طرح مشہود اور ظاہر ہو گیا۔ اور جبکہ مرتبۂ وجوب تمام اسماء و صفات ذاتِ الٰہی جل سلطانہٗ کا جامع ہے اور سالک کی ہمت کا تعلق بھی احدیتِ مجردہ سے ہے۔ کہ اس مقام میں استحقاقِ عبادت عدمِ

استحقاق عبادت کی طرح راستے میں ہی رہ چکا ہے۔ تو ضرور اپنے مقصود کو اسماءواور صفات کے ماسوا میں تلاش کرتا ہے۔ اور غیرِ حق کے ساتھ گرفتار ہونے سے پناہ لیتا ہے۔

چوں دل با دلبرے آرام گیرد
ز وصلِ دیگرے کے کام گیرد
نہی صد دستہ ریحان پیشِ بلبل
نخواہد خاطرش جز نگہتِ گلٔ
ز مہر آتش چو در نیلوفر افتد
تماشائے مَہش کے درخور افتد
چوں خواہد تشنہ جانے شربتِ آب
نیفتد سود مندش شکرِ ناب

ترجمہ: جب دل دِلبر کے ساتھ آرام پذیر ہو جائے تو اسے کسی اور کے وصل کے ساتھ کچھ سروکار نہیں رہتا۔ اگر تم ریحاں (ایک طرح کا پھول) کا سو دستہ بھی بلبل کے آگے رکھو تو اس کا دل پھر بھی پھول کی مہک اور خوشبو ہی کو چاہے گا۔ نیلوفر میں جب سورج سے آگ بھڑک اٹھتی ہے، تو اسے چاند کے تماشے سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ جب کوئی تشنہ جان ایک بار پانی پینے کا خواہش مند ہو تو اسے خالص شکر بھی نفع مند نہیں ہوتی۔ یعنی اسے پانی کی ہی طلب ہوتی ہے۔]

تشریح

جب تک کوئی سالک اپنی زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق کے ساتھ باطل معبودوں کی نفی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات نہ کرے اس وقت تک اُسے شہودی کیفیت میسر نہیں ہو سکتی۔

اب اگر کوئی سوال کرے کہ ہم تو اپنی زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق کے ساتھ باطل معبودوں کی نفی کرتے ہیں نہ کہ تصدیق۔ کیونکہ ہم تو کلمہ لَا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰه کا اپنی زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت کے علاوہ انسان کے دل میں جس چیز کی بھی محبت موجود ہو وہ باطل ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص کہے کہ سلوک نے مجھے کشف و شہود کی کیفیت دے دی ہے اور میرے کمال کے لئے یہی کافی ہے تو غور کرنا چاہیئے کہ ابھی تک اس شخص نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو تو نہیں پایا اور نہ ہی اس نے اپنی نفی کی ہے بلکہ وہ اپنے کشف و شہود پر مغرور ہو چکا ہے کیونکہ جو چیز عقل، فکر، وہم اور خیال میں نظر آتی ہے وہ واحدِ حقیقی نہیں ہو سکتی اس لئے سب سے پہلے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه سے باطل خداؤں کی نفی کرنی چاہیئے، کیونکہ اِلَّا اللّٰه سے ہی واحدِ حقیقی کا اثبات ہوتا ہے۔ نفس، خواہشاتِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی وغیرہ انسان کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں وہ چیزیں جو انسان کے عقل، فکر، وہم اور خیال میں آتی اور اس کو مفتون کرتی ہیں وہ واحدِ حقیقی نہیں ہو سکتیں لہٰذا ان کی بھی نفی کرنی چاہیئے اور مستثنٰی صرف اِلَّا اللّٰه ہے اسی کا اثبات کرتے رہنا چاہیئے اور جب یہ اثبات حقیقت میں داخل ہو جائے گا یعنی ایمانِ تقلیدی ایمانِ استدلالی اور ایمانِ حقیقی پر تبدیل ہو جائے گا تو پھر مشاہدہ ہونا شروع ہو جائے گا، لیکن پھر بھی جو چیز مشاہدے میں نظر آئے، اس کی نفی کرے اور اس طرح کہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے اور میں ابھی تک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اصل حقیقت تک نہیں پہنچا ہوں اور میری یہ کیفیت ظلال میں سے ہے اور ظلال کے معنی سایہ نہ لے کیونکہ سایہ مجسم چیز کا ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جسم سے پاک ہے بلکہ یہاں ظلال سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت مراد ہے جب سالک صفات کے ظل تک پہنچ جاتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو پا لیا ہے

لیکن در حقیقت وہ ظل ہوتا ہے جس کی وجہ سے سالک شک وتردد میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ان ترددات اور شریعت وتصوف میں جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں انہیں معاف فرمائے، آمین۔

[اور اعتبارِ ثانی میں کمال جس سے مقصود غیرِ مقصود باتوں کی نفی ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ مرتبۂ وجوب کا شہود بھی مراتبِ امکان کے شہود کی طرح لَا کے تحت داخل ہو۔ اور جانبِ اثبات میں سوائے کلمہ مستثنٰی کے زبان سے ادا کرنے کے اور کوئی چیز ملحوظ نہ ہو۔

چہ گویم با تو از مرغے نشانہ
کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامی پیشِ مردم
ز مرغِ من بود آن نام ہم گم

ترجمہ: میں تجھے اس پرندے کا کیا نشان بتاؤں۔ جو عنقا کے ساتھ ہم آشیانہ ہو، عنقا کا نام تو لوگوں کے سامنے ہے، میرے پرندے کا نام بھی گم ہے۔]

تشریح

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس شعر میں اپنی روح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اپنی روح کے بارے میں کیا بتاؤں کہ وہ کہاں ہے میری رُوح تو عروج میں ہے اور اپنے اصلی مقام کی طرف گامزن ہے، روح کے بارے میں تو سب جانتے ہیں اور اس کے بارے میں باتیں کرتے رہتے ہیں میری روح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے جس اسم کو پکارتی ہے اور اس سے فیض اخذ

کرتی ہے، مجھے اس اسم کا نام بھی معلوم نہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کس اسم سے میری روح کی پرورش ہوئی ہے اور کس اسم سے میری روح کو فیض آتا ہے۔

ہر انسان کا مبدأ فیض یعنی اسمِ مربی علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اُس اسم سے اس سالک کو فیض آتا ہے ہم اتنے بے بس سالک ہیں کہ جس اسم مبارک سے ہمیں فیض آتا ہے ہم اس کو بھی نہیں پہچان پاتے۔ اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ اسمِ اعظم کون سا ہے؟ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جس طرح ہر انسان کا اسمِ مربی علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے اسی طرح ان کا اسمِ اعظم بھی علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ ہر انسان کا اسمِ مُربی ہی اس کا اسمِ اعظم ہوتا ہے۔ جب انسان کی روح اپنے مبدأ فیض کو تلاش کرتے کرتے وہاں پہنچ جاتی ہے اور اس اسم کو یاد کر لیتی ہے تو یہ شخص اسمِ اعظم پر فائز ہو جاتا ہے اسی لئے احادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں کہیں اسمِ اعظم اللہ آیا ہے تو کہیں ھُو اور کہیں اَللّٰہُ الصَّمَدُ بیان ہوا ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز توحیدِ خالص کی تحصیل کا تذکرہ فرمارہے ہیں کہ جب کوئی سالک شیخِ طریقت کے تلقین فرمودہ طریقہ کے مطابق نفی اثبات کی تکرار کرتا ہے تو اسے معبودانِ باطلہ کے ساتھ ساتھ مقصوداتِ غیر مقصودہ اور متعلقاتِ غیر مطلوبہ (محدثات وممکنات) کو بھی لائے نفی کے تحت لانا چاہیئے تاکہ لا معبود الا اللہ کا مفہوم و معنی اس پر آشکار ہو جائے۔ یوُنہی جانب اثبات الا اللہ کی تکرار کے دوران جملہ اسماء وصفات سے ماوراء ذات احدیث مجردہ (مطلوب حقیقی) کو تلاش کرنا چاہیئے تاکہ اسے ماسوا کی گرفتاری سے نجات وچھٹکارا میسر ہو سکے اور لا مقصود الا اللہ کا مفہوم اس پر عیاں ہو جائے۔

اقبال مرحوم نے خوب کہا:

مردِ مؤمن درنسازد باصفات
مصطفٰی راضی نشد الابذات

* محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری قدس سرہٗ الساری اس کے متعلق یوں ارقام پذیر ہیں:

لا إله معبود بالحق في الوجود إلا الله ولكون الجلالة اسما للذات المستجمع لكمال الصفات وعلما للمعبود بالحق قيل لو بدل بالرحمن لا يصح به التوحيد المطلق۔

یعنی وجودِ ہستی میں ماسوائے اللہ تعالٰی کے کوئی الہٰ، معبودِ برحق نہیں کیونکہ اسم اللہ ذاتِ مستجمع، صفاتِ کمال کا اسم اور معبودِ برحق کا علم ہے۔ اگر اس کی جگہ الرحمٰن لایا جائے تو اس سے توحید مطلق صحیح نہ ہوگی۔

ثم قيل التوحيد هو الحكم بوحدانيته منعوتا بالتنزه عما يشابهه اعتقادا فقولا وعملا فيقينا وعرفانا فمشاهدة وعيانا فثبوتا ودواما۔

پھر کہا گیا ہے کہ توحید (کا لغوی معنی) کسی شئ کی وحدانیت کا حکم کرنا ہے اور اصطلاحًا توحید اللہ تعالٰی کو اس کی وحدانیت کے ساتھ مشابہ سے اعتقادًا پھر قولًا اور عملًا پھر یقینًا وعرفانًا پھر مشاہدۃً وعیانًا پھر ثبوتًا ودوامًا منزہ ثابت کرنا ہے۔[1]

* خواجۂ بزرگ حضرت شاہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ الساری نے ارشاد فرمایا:

ہرچہ دیدہ شد و شنیدہ شد و دانستہ شد آن ہمہ غیر است۔

یعنی جو کچھ دیکھا گیا، جو کچھ سنا گیا اور جو کچھ جانا گیا وہ سب غیر ہے۔[2]

---

[1] (مرقاۃالمفاتیح، ج ۱، ص ۱۲۷)
[2] (دفتر دوم، مکتوب نمبر ۱)

دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں منظوم فرمایا:

اے برتراز خیال وقیاس وگمان ووہم

وزہرچہ گفتہ اندوشنیدیم وخواندہ ایم

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ جمیع مخلوقات کے جملہ مبصرات ومشہودات ومسموعات کو لائے نفی کے تحت لانا چاہیئے کیونکہ وہ سب غیرِ حق ہیں۔ ذاتِ احدیت مجردہ کا احاطہ وادراک کسی بشر کے بس کا روگ نہیں ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: لَا یُحِیطُونَ بِهِ عِلْمًا (طٰهٰ ۱۱۰) اور لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (الأنعام ۱۰۳) اس پر نص قاطع ہیں۔

بینہ نمبر ۲

حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کلمۂ طیبہ کے تکرار کے دوران لا معبود، لا مطلوب، لا مقصود تینوں تصورات پر توحید پختہ وراسخ ہو جاتی ہے۔۔۔ البتہ ابتدائے سلوک میں سالکین کو لا موجود کا تصور بھی سکھایا جاتا ہے مگر بعد میں اس تصور سے روک لیا جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۳

وجودی صوفیاء کلمۂ طیبہ کے تکرار کے دوران دائرۂ نفی کا اثبات زیادہ کرتے ہیں۔ اور لا إلٰه أی لا موجود کے تکرار پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی قوتِ خیالیہ پر یہ معنی نقش کالحجر کی مانند راسخ ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ وحدت وجود کا قول کرنے پر مصر ہو جاتے ہیں۔ جبکہ صوفیائے مجددیہ، جانبِ اثبات الا اللہ کا دائرہ وسیع کرتے ہیں تاکہ مطلوبِ حقیقی کا استحضار غالب رہے۔ غرضیکہ نفی اور اثبات دونوں توحید کی اساس ہیں۔

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

لاو الا برگ و سازِ اُمتاں

نفی بے اثبات مرگِ اُمتاں

(البینات شرح مکتوبات، ج ۴، ص ۲۴۸ تا ۲۵۰)

[حق بات یہ ہے کہ فطرت بلند اور اعلیٰ درجے کی ہمت ایسے مطلب کی خواہاں ہوتی ہے، جس کا کچھ بھی ہاتھ میں نہ آئے، بلکہ جس کے دامنِ ادراک تک گرد بھی نہ پہنچ سکے۔ آخرت میں دیدارِ الٰہی حق ہے۔ لیکن میں اس کی کیفیت کا تصور ہرگز نہیں کر سکتا۔ لوگ رؤیتِ اُخروی کے وعدہ پر مسرور اور محظوظ ہیں۔ لیکن میری گرفتاری تو صرف غیب الغیب ذات کے ساتھ ہے۔ میری ساری ہمت اسی کی خواہاں ہے کہ ایک بال برابر بھی مطلوبِ غیب سے شہادت کی طرف رُخ نہیں کرتی۔ اور گوش سے آغوش تک نہیں پہنچتی اور سامانِ علم سے عین کی طرف نہیں لاتی۔ کیا کیا جائے مجھے پیدا ہی اس طرح کیا گیا ہے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

ترجمہ: ہر کسی کو کسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

میں اگرچہ اس مقام میں دیوانگی کی بہت سی باتیں رکھتا ہوں لیکن ادب کے باعث لب کشائی نہیں کر سکتا۔

جُنُوْنِی مِنْ حَبِیْبٍ ذِیْ فُنُوْنٍ

ترجمہ: میرا ان جنون ناز و اَدا والے محبوب کی وجہ سے ہے۔

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نشد

شب بآخر شد کنوں کوتاہ کنم افسانہ را

ترجمہ: عمر ختم ہو گئی مگر ہمارے درد کی داستان ختم نہ ہوئی، رات اختتام پذیر ہو گئی لہٰذا میں اپنے افسانے کو مختصر کرتا ہوں۔

ہر متبع ہدایت اور مصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر رحمت و سلامتی کا نزول جاری رہے۔]

(دارالمعـرفت، ج ۳)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رؤیت باری تعالیٰ کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ اربابِ فطرتِ علیا اور اصحابِ ہمتِ قصویٰ، شہودِ مراتبِ وجوب وصفات سے ماوراء احدیتِ ذات مجردہ کے طالب ہوتے ہیں، جو ہر قسم کے تقیدات و تعینات اور ادراکات سے وراء الوراء ہے۔

رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق صوفیائے کرام کے تین مؤقف ہیں:

* وجودی صوفیاء کہتے ہیں کہ عالمِ دُنیا میں خدا تعالیٰ کا دیدار نہ صرف ممکن ہے بلکہ واقع ہے، اور اس کے اثبات میں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات و فرمودات بطور استشہاد پیش کرتے ہیں۔

* بعض صوفیاء کا یہ مؤقف ہے کہ عالمِ دُنیا اور عالمِ آخرت دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا اور وہ آیاتِ کریمہ واحادیث مبارکہ جن میں دیدار کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ سب مشتبہات کے قبیل ہیں۔

* حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک رؤیت باری تعالیٰ عالمِ دُنیا میں ممکن تو ہے مگر واقع نہیں۔۔۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رؤیت معراج، بہشت میں

رؤیت سے متفاوت ہے بلکہ شبِ معراج کی رؤیت کالرؤیت ہے اس لئے رؤیت اخروی، رؤیت دنیوی سے اقویٰ اور بلند تر ہے۔ گو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو حیاتِ دنیوی میں عالمِ دُنیا سے نکال کر عالمِ بالا میں لے جا کر رؤیت سے مشرف فرمایا گیا مگر حیاتِ دنیوی فناپذیر ہونے کی بناپر وہ مقام ومرتبہ نہیں رکھتی جو درجہ ومقامِ حیات اخروی وابدی رکھتی ہے، نیز آخرت ہی محل رؤیت اور جائے دیدار ہے، جہاں اس سعادتِ عظمیٰ سے نوازنے کاوعدہ فرمایا گیا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ: وُجُوہٌ یَوْمَئِذٍ نَاضِرَۃٌ (۲۲) إِلَی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ (القیامۃ۲۳) سے عیاں ہے۔

آپ ایک مقام پر مزید یوں ارقام پذیر ہیں:

مؤمنین آخرت میں حق جلّ شانہٗ کو دیکھیں گے اور یقین وجدانی کے ساتھ (یہ احساس) پائیں گے کہ ہم حق جلّ سلطانہٗ کو دیکھ رہے ہیں۔ اور وہ التذاذ جو رؤیت پر مترتب ہوتا ہے اسے بھی اپنے اندر بدرجہ کمال پائیں گے، لیکن انہیں مرئی (خدا تعالیٰ) کا کوئی ادراک نہیں ہوگا اور مرئی سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا، ماسوائے وجدانِ رؤیت اور التذاذِ رؤیت کے۔۔۔ مرئی سے کوئی چیز نقد وقت نہیں ہوگی۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست دام را

بینہ

واضح رہے کہ آیاتِ کریمہ اور احادیثِ مبارکہ کی روسے علمائے متکلمین اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ مؤمنین درجات وکمالات کے تفاوت کے اعتبار سے روزِ قیامت جنت میں حق تعالیٰ وتقدس کا دیدار کریں گے لیکن اس معنی میں نہیں کہ ذاتِ حقہٗ کا احاطہ اور اس کی کنہٗ ادراک سے

متحقق ہو۔۔۔ بلکہ وہ حق تعالیٰ کی تجلی کی کسی نوع کا مشاہدہ کریں گے نہ کہ مرتبۂ احدیت مجردہ کا، کیونکہ وہ تو وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ اس معنی کو رؤیت اخروی پر محمول کرنے کا تصور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کو قلق واضطراب میں ڈال دیتا اور جامے سے باہر کر دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ مطلوبِ حقیقی کے علم سے عین، گوش سے آغوش اور غیب سے شہادت تک نہ آنے کے قائل ہیں اور آیہ کریمہ: یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ (البقرۃ ۳) میں اسی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ

اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم ولأساتذتھم ولأھل بیتھم أجمعین، آمین

(البینات شرح مکتوبات، ج۴،ص ۲۵۱ تا۲۵۳)